احمد شاہ ابدالی

مصنف • گنڈا سنگھ

احمد شاہ ابدالی

مصنف: گنڈا سنگھ

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۴

اہتمام : لیاقت علی
ناشر: تخلیقات لاہور فون 7238014
کمپوزر آئیڈیل لیزر کمپوزنگ (صفانوالہ چوک) لاہور
سن اشاعت : اپریل 1993ء
قیمت 200 روپے

فہرست

ابتدائیہ

شاید ایک سکھ کے لیے یہ بات حیرت انگیز سمجھی جائے کہ اس نے اپنا موضوع تحقیق ایک افغان ہیرو کو بنایا ہے۔ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ سکھ اور افغان ایک دوسرے سے ہمیشہ نبرد آزما رہے ہیں۔ میدان جنگ میں ان کی تلواریں ایک دوسرے کے سر پر چمکی ہیں۔ اور تلخی اور معاندت کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا ہے۔ لیکن جو لوگ ان دونوں قوموں کی سرشت اور طینت سے اچھی طرح واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان دونوں کے کردار اور جبلت میں بڑی حد تک یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔ جسمانی ساخت دونوں کی یکساں ہے۔ ذہنی طور طریق میں بھی دونوں یکساں ہیں۔ فطری خوبو بھی ایک ہی ہے۔ اور دونوں ریاکاری سے دور' سادہ مزاج اور سخت کوش اپنی افتاد طبع کے اعتبار سے واقع ہوئے ہیں۔ جب بھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے دونوں تلوار سونت کر میدان میں اتر آتے ہیں۔ احمد شاہ درانی کے حالات و سوانح پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس نے افغانی علاقوں کو متحد اور منظم کرنے کی سرگرم کوششیں کیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پنجاب پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے اس نے سکھوں سے نزاع و کش مکش اور جنگ و جدل میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ صرف ایک سکھ ہی زیادہ بہتر طور پر اس حقیقت کا رمزشناس ہو سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایک مملکت آفریں پٹھان کے انداز و اطوار میں کتنا نکھار تھا۔ کیونکہ خود اس کے آباؤ اجداد بھی اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ اور اپنے انداز و طبائع اور مزاج و سرشت کے اعتبار سے اپنے حریف ---- پٹھان ---- کے بالکل مماثل تھے۔

تقریباً ۲۵ سال ہوئے جب شمالی ہند کے واقعات و حوادث جو اٹھارویں صدی عیسوی سے متعلق تھے دوران تحقیق و تجزیہ میں میرے زیر نظر آئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جس شخصیت سے میں متاثر ہوا اور سب سے پہلے جس نے میرے دل و دماغ پر ایک نہ مٹنے والا نقش قائم کیا وہ احمد شاہ درانی تھا۔ کوئی شبہ نہیں وسط ایشیا کا وہ بہت بڑا تاریخی معجزہ تھا۔

میری تربیت اور نشو و نما جس ماحول میں ہوئی تھی اس کا فطری تقاضا یہ تھا کہ مجھے اس شخص سے نفرت ہوتی جس کے بارے میں میرے کان ہمیشہ سے یہ سنتے چلے آئے تھے کہ وہ لٹیروں کا سردار تھا۔ اس نے ہندوستان پر دھاوے کیے۔ قتل و خون کا بازار گرم کیا۔ اور جب گیا تو اپنے ساتھ ہندوستان کا ٹنوں سونا اور ہزاروں ہندو غلام اور باندیاں لے گیا۔ لیکن جتنا جتنا میں اس موضوع پر مطالعہ کرتا گیا اتنی ہی اتنی عظمت میرے دل میں اس مرد میدان کی جاگزیں ہوتی گئی۔ ناقابل مزاحمت طور پر میں اس کی بڑائی کا شکار ہوتا گیا۔ میری نظر میں وہ اتنا ہی بڑا عظیم شخص تھا' جتنا نادر شاہ درانی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نادر شاہ درانی سے بھی بہت متاثر ہوں۔ اس کے بارے میں خاصا مطالعہ اپنے دوران قیام سوات میں کر چکا تھا۔ میں وہاں مرحوم سر آرنلڈ ٹی ولسن کے معاون کی حیثیت سے گیا تھا جو اپنی کتاب BIBLIOGRAPHY OF PERSIA IN THE NINETEEN - TWENTEES مکمل کر رہے تھے۔

مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ احمد شاہ درانی کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ اس کی کوئی جامع اور مکمل و مفصل سوانح عمری موجود نہیں ہے۔ مورخین اور محققین نے اس کی طرف قرار واقعی توجہ نہیں کی۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ وہ جس مقام کا مستحق تھا تاریخ کے صفحات میں اسے وہ بھی نہیں دیا گیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت بڑا فاتح اور کشور کشا تھا۔ بہت بڑا منتظم اور مدبر تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر عظیم ایشیائی قوم کا مؤسس نہیں تو اسے حیات تازہ اور ولولۂ نو بخشنے والا ضرور تھا۔

مجھے مسرت ہے اور ایک گونہ فخر بھی محسوس کرتا ہوں کہ میں نے پٹھانوں کی کچھ خدمت احمد شاہ درانی جیسے مرد جلیل اور مرد عظیم کی سوانح لکھ کر انجام دی۔ گو میرا یہ کام ہر جہت سے مکمل نہ ہو لیکن تحقیق کے میدان میں ایک عظیم الشان عمارت کی داغ بیل اس طرح ضرور پڑ گئی ہے۔

احمد شاہ درانی کی یہ سوانح عمری ایک سادہ سی چیز ہے جس میں تصنع یا نمائش یا لیس پوت کا ذرا بھی دخل نہیں۔ یہ ایک ایسی قوم کے بطل جلیل کا آئینہ سوانح ہے جو خود بھی مکر و فریب

اور دل کی کھوٹ سے خالی تھی- اور اس کا یہ ---- ترجمان اور نمایندہ بھی-

میں نے کوشش کی ہے کہ حقائق کی روشنی میں اس بڑے آدمی کے نام کو ان آلودگیوں سے پاک و صاف کرکے دکھاؤں جو تعصب، تنگ نظری، نسلی تفاخر یا غلط فہمی کی بنا پر، ایک طومار یا ایک سیل رواں کی صورت میں اس کے خلاف ہندوستان اور ایران دونوں جگہ پیش کی جاتی ہیں-

اس امر کی میں نے پوری کوشش کی ہے کہ احمد شاہ درانی کا ایسا مرقع پڑھنے والوں کے سامنے پیش کروں جس میں اس کے خصائص و کمالات کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا ہو- ساتھ ہی ساتھ میں نے ان کمزوریوں اور لغزشوں کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی ہے جو میرے خیال میں اس سے سرزد ہوئیں- بلاشبہ یہ بہت بڑی ناانصافی اور زیادتی ہوگی کہ اگر ہم آج کے معیار سے احمد شاہ کو اور اس کے افعال و اعمال کو جانچیں اس لیے کہ ہر شخص کے افعال و اعمال کو اسی پیمانے سے ناپنا چاہیے جو اس کے زمانے میں رائج تھا- میں سمجھوں گا کہ میری محنت بار آور ہو گئی اگر آنے والے صفحات میں احمد شاہ درانی کا ایسا مرقع پیش کر سکوں جو اس کے صحیح کردار اور سیرت کا آئینہ دار ہو-

احمد شاہ درانی جیسی شخصیت کی سوانح عمری لکھنا بجائے خود ایک کار دشوار ہے- اس راہ میں سب سے پہلی مشکل جو در پیش آتی ہے یہ ہے کہ اس کے کارناموں اور کارفرمائیوں سے متعلق کوئی باقاعدہ مرتب اور مدون، ساتھ ہی ساتھ مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے- دوسرے یہ کہ اس کے فوجی اور عسکری کارنامے کسی ایک ملک یا سرزمین تک محدود نہیں ہیں- بلکہ مختلف ملکوں اور مختلف قطعات ارض پر پھیلے اور بکھرے ہوئے ہیں- اور مختلف زبانوں میں اس کی فوجی مہمات اور لشکر کشی کے جو واقعات ملتے ہیں وہ بھی اس درجہ پراگندہ اور منتشر ہیں کہ ان کی شیرازہ بندی کرنا حد درجہ مشکل ہے- احمد شاہ کی سرگرمیوں اور حیات عامہ سے متعلق جو مواد ہے اس کا بڑا حصہ فارسی زبان میں ہے- وہ بھی قدیم انداز تحریر میں- اس مواد کی تلاش و جستجو میں ۱۹۳۳ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک ہر سال تین مہینے تک میں اس کے وطن کا دورہ کرتا رہا- ہندوستان کے تقریباً تمام کتب خانے میں نے چھان ڈالے- لاہور، امرتسر، کپور تھلہ، پٹیالہ، دیوبند، دہلی، رام پور (یو پی)، علی گڑھ، لکھنؤ، بنارس، بانکی پور (پٹنہ)، کلکتہ، حیدر آباد (دکن)، پونہ، بمبئ اور دھولیہ ہر جگہ گیا- اور ہر جگہ کے کتب خانوں سے مواد حاصل کرنے کی کوشش کی- فارسی زبان کا اس موضوع پر شاید ہی کوئی ایسا مسودہ ہوگا جو میری نظر سے نہ گزرا ہو- جو مسودے ہندوستان میں دستیاب نہیں ہو سکے ان کے روٹوگراف Rotograph نسخے میں نے

برٹش میوزیم- (لندن) اور انڈیا آفس (لندن) سے حاصل کیے- سر جادو ناتھ سرکار سے بھی سہولت میسر آئی- میں نے کابل اور قندھار کے کتب خانوں کی بھی تلاش و جستجو میں زیارت کی- تاکہ اصلی دستاویزات اور مسودے نظر سے گزر سکیں- لیکن مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ افغانستان کے دارلآثار سے مجھے کچھ زیادہ مدد نہیں ملی-

اس سلسلہ میں جو مواد مرہٹی زبان میں ہے اس کے لئے میں ستارہ (پونہ) گیا- اور وہاں "پرمانس کلکشن" کا مطالعہ کیا- کیونکہ یہ ذخیرہ اب دکن کالج اور پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ پونہ میں منتقل ہو چکا ہے- مجھے راؤ بہادر ڈاکٹر جی- ایس سرایساتی کا کتب خانہ بھی دیکھنے کا موقعہ ملا جو کمشیٹ میں ہے- اسی طرح راجواڑے اقماس کا مجموعہ بھی میری نظر سے گزرا- سمشود بکر منڈل اور ست کر یٹھک منڈل کے دستاویزی کاغذات جو دھولیہ (مغربی خاندیس) میں ہیں وہ بھی میرے مطالعہ میں آئے- علاوہ ازیں سر این- ٹی کی کتاب "منتخبات از دفتر پیشوا" Selections from the Peshwa Deitar بھی دیکھی جسے حکومت بمبئی نے شائع کیا ہے- اس سلسلہ کی دوسری مطبوعات و کتب کے مطالعہ کا بھی مجھے موقعہ حاصل ہوا-

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ کسی طرح کا بھی معاصرانہ مواد درانی سے متعلق سکھوں کے ہاں نہیں ملتا- نہ سرکاری مراسلوں کی صورت میں' نہ روز ناموں' خطوط یا خبرناموں کی صورت میں- اس کے برعکس مرہٹی زبان میں خاصا مواد مل جاتا ہے- سبب ظاہر ہے سکھ ہمیشہ سے تلوار کے دھنی رہے ہیں- اٹھارویں صدی میں ان کے سرداروں کا یہی اوڑھنا بچھونا تھا- نہ ان کے پاس اتنا وقت تھا نہ انھوں نے اس کی ضرورت محسوس کی تھی کہ لکھنے کی طرف توجہ کریں- بہادر شاہ (۱۲ - ۱۷۰۷ء) کے عہد حکومت سے لے کر وہ سرکاری احتساب کی زد میں رہے- وہ نہ صرف قانون شکن تسلیم کیے جاتے تھے بلکہ بہادر شاہ کے ایک فرمان مورخہ ۲۰ شوال ۱۱۲۲ھ (بہادر شاہی سال چہارم : ۱۰ دسمبر ۱۷۱۰ء) کے مطابق وہ جہاں بھی دیکھے جائیں ہلاک کر دیئے جائیں'

"نانک پرستاں را ہر جا کہ بیابند بہ قتل رسانند!"

(اخبار دربار معلی)

اس حکم کی تجدید ۱۷۱۹ء میں شہنشاہ فرخ سیر نے بھی کی- بندا سنگھ کے قتل کے بعد حکم دیا گیا:

"اس فرقہ کے لوگ جہاں کہیں بھی پائے جائیں بے تامل قتل کر دیئے جائیں-"

سکھوں کے ساتھ زیادتی اور تعدی کا سلسلہ پوری شدت کے ساتھ تقریباً چالیس سال تک جاری رہا اور ۱۷۵۲ء میں میر منو کی وفات کے بعد ختم ہوا- ورنہ اس تمام عرصہ میں

صورت احوال یہ تھی کہ لاہور کے صوبائی صدر دفتر سے فوجی دستے سکھوں کا شکار اس طرح کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے جس طرح درندوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ان کے سروں کی قیمت مقرر کر دی گئی تھی۔ جو کسی سکھ کا سر کاٹ کر لائے قیمت لے لے۔ اس عہد ابتلا میں سکھوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر ادھر ادھر پناہ گزیں ہونا پڑا۔ کبھی غاروں میں، کبھی پہاڑوں میں، کبھی جنگلوں میں، کبھی صحراؤں میں۔ اور وہ مجبور تھے کہ زندہ رہنے کے لئے زیادہ سے زیادہ سخت کوشی کی زندگی بسر کریں۔ ان کے گوردوارے اور کتب خانے نذر آتش کر دیے گئے۔ صرف اضلاع مالوا (جنوبی ستلج کا علاقہ) میں انہیں ذرا ابھرنے کا موقع ملا۔ لیکن وہاں بھی انہیں تبلیغی سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ سکھوں کے پاس نہ برہمن تھے نہ کاستھ جوان کے لئے لکھا پڑھی کے فرائض انجام دیتے رہتے۔ مسلمان من حیث الجماعت ان کے مخالف تھے ہی۔ کسی مسلمان شاعر یا اہل قلم نے ان کی تاریخ نگاری کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارویں صدی میں سکھ صرف "تاریخ سازی" کرتے رہے، تاریخ نویسی نہ کر سکے۔ ان کے پاس لکھنے کا وقت ہی نہیں تھا۔ اگر رتن سنگھ بھنگو نہ ہوتا جس نے "پراچین پنتھ پرکاش" لکھی جو مشتمل ہے اس کے باپ رائے سنگھ کے روایات اور سردار شیام سنگھ اور دوسرے سکھ سرداروں کے روایات پر جو احمد شاہ ابدالی کے ہم عصر تھے، تو نتیجہ یہ ہوتا کہ سکھوں کے خلاف شاہ کے متعدد فوجی مہمات پردہ اخفا میں رہ جاتے اور ان کا ذکر تاریخ میں کبھی نہ آسکتا۔ اس سلسلہ میں ایک اور اہم ماخذ پنجابی زبان کی ایک کتاب "بنولی نامہ دسن پٹ شاہیاں کا" ہے۔ جو کیسر سنگھ چھبر نے لکھی ہے۔ اس کا عہد تحریر جنوری تا مارچ ۱۷۸۰ء ہے۔ یہ ایک شاہد عینی کا بیان ہے جس نے امرتسر میں احمد شاہ کی تاخت و تاراج کے مناظر بچشم خود دیکھے تھے۔ یہ صرف ایک مسودہ ہے جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔ لیکن سکھ ہسٹری سوسائٹی اسے شائع کرنے والی ہے۔

اس کتاب میں احمد شاہ درانی کی ایک نادر تصویر بھی ہے جو ہز اکسی لینسی سردار ڈاکٹر نجیب اللہ سابق سفیر افغانستان متعینہ ہندوستان کے ارشاد کے مطابق بالکل صحیح اور واقعی ہے۔ میرا یہ خوشگوار فرض ہے کہ میں ان حضرات کی شفقتوں اور عنایتوں کا اعتراف کروں جنھوں نے دوران تالیف میں میری رہنمائی اور مدد کی ہے۔

پروفیسر حبیب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، علی گڑھ کے مشہور فاضل اور ملک کے مشہور مورخ اور ان کے رفیق کار شیخ عبدالرشید ایم۔ اے۔ ایل ایل بی پہلے شخص ہیں جنھوں نے

میری ہمت افزائی کی کہ اہم اور نازک موضوع کو اپناؤں۔ ۱۹۴۲۔ ۱۹۴۴ء کے دوران قیام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انہوں نے میری حد سے زیادہ مدد کی۔

میں مرحوم ڈاکٹر سر جادو ناتھ سرکار کا بھی حد درجہ ممنون ہوں کہ انہوں نے نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی اور ہمت بندھائی بلکہ انہوں نے اپنے ذخیرہ کتب میں سے بعض نہایت اہم مسودے اور روٹوگراف بھی مجھے عنایت کئے۔

خاں صاحب پروفیسر سید حسن عسکری ایم۔ اے (پٹنہ کالج' پٹنہ) کا بھی میں ممنون ہوں کہ انہوں نے ازراہ کرم ہمیشہ اور ہر موقع پر میری دستگیری کی اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور اور دوسرے مقامات سے فارسی کے مخطوطات اور مسودے حاصل کرنے میں مجھے پوری پوری مدد دی۔

ایک بلند مرتبت فاضل اور میرے ہمدرد و مربی کی حیثیت سے پرنسپل سیتا رام کوہلی ایم اے پی۔ ای۔ ایس (ریٹائرڈ) نے ازراہ نوازش نہ صرف میرا سارا مسودہ پڑھا بلکہ بعض نہایت قیمتی مشورے بھی دیے اور بعض واقعات و تفصیلات پر تفصیلی بحث و گفتگو بھی کی۔ جو متنازعہ فیہ یا جن کے دو رخ ہو سکتے تھے۔ پھر انہوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ میرے ٹائپ شدہ مسودے پر نظرثانی بھی کی۔ اس سلوک سے نہ صرف میں بہت متاثر ہوا ہوں بلکہ اس سے مجھے غیر معمولی مدد بھی ملی۔ چنانچہ میں اس موقعہ پر موصوف کا دلی سپاس و شکر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری (بانکی پور) پٹنہ کے ارباب اختیار کا بھی میں ممنون ہوں' آصفیہ کتب خانہ اور عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری (حیدر آباد) سے بھی میں نے استفادہ کیا۔ جس کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف ضروری ہے۔ خالصہ کالج امرتسر' بھارت اتیہاس سمودک منڈل پونہ کا اعتراف سپاس بھی واجب ہے۔

مولانا امتیاز علی عرشی' ناظم کتب خانہ شاہی' رام پور (یوپی) اور مرحوم مولانا طفیل احمد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا بھی مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ ان کی وجہ سے مجھے بہت مدد ملی۔

میں اس عنایت اور التفات خصوصی کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا جس کا مظاہرہ ڈاکٹر جی۔ ایس۔ سردیسائی کی طرف سے ہوا۔ جب کبھی بھی میں نے ان کے قدموں تلے بیٹھنے کی عزت حاصل کرنا چاہی مجھے ملی۔

مہامہوپادھیا پروفیسر داتودی پوندار (پونہ) نے بھی ہمیشہ گرم جوشی اور تپاک سے مجھے خوش آمدید کہا اور کئی مرتبہ بعض نایاب اور نادر مرہٹی کتابیں میرے لئے فراہم کیں۔

خاص طور پر میں پروفیسر ہربنس سنگھ ایم۔ اے کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جو ٹکہ صاحب فرید کوٹ کے اتالیق ہیں۔ انہوں نے میرے ٹائپ شدہ مواد کو دیکھنے کی زحمت گوارا فرمائی، پروف پڑھے اور کئی مفید مشورے دیے۔

پروفیسر گورچرن سنگھ ایم۔ اے (مہندرا کالج پٹیالہ) نے بھی پروف ریڈنگ میں میری مدد کی، جس کا میں بہت ممنون ہوں۔

حکومت ہند کی وزارت تعلیمات اور شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی امرتسر کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے جن کی طرف سے مالی مدد ملی۔ جس سے کتاب کی اشاعت کا مرحلہ میرے لئے آسان ہو گیا۔

نیز مخلصانہ شکریہ جذبات ممنونیت کے ساتھ ہزایکسی لینسی سردار فیض محمد خاں فیضی سابق وزیر امور خارجہ حکومت افغانستان کا بھی ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے از راہ عنایت ستمبر ۱۹۵۲ء میں میرا پورا مسودہ پڑھا جب کہ میں افغانستان میں تھا۔ اور کئی تاریخی نکات پر مجھ سے بحث و گفتگو کی۔ اس کتاب کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی جس رائے کا اظہار کیا ہے اسے تقریظ کے طور پر میں نے شامل کتاب کر دیا ہے۔

میں اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہوں گا اگر میں اپنے پرانے دوست منشی فیض الحق امرتسری کا ذکر اس موقعہ پر نہ کروں۔ جنہوں نے پندرہ سال تک ایک جگہ سے دوسری جگہ، یہاں سے وہاں کا میرے ساتھ مخطوطات و کتب کی تلاش میں سفر کیا۔ اور پھر میرے ہدایات کے مطابق نشان زدہ مقامات صحت کے ساتھ نقل کئے۔ میں ان کے مخلصانہ تعاون اور کردار بلند کا دل سے مداح اور معترف ہوں۔ اگست ۱۹۴۷ء میں میرا ان سے رابطہ منقطع ہو گیا جب کہ انہوں نے پاکستان کی شہریت اختیار کر لی۔ وہاں میں نے ان کا پتہ چلانے کی بہت کوشش کی مگر بدقسمتی سے کامیاب نہ ہو سکا۔ میں اپنے اس ذاتی صدمہ کا اظہار نہیں کر سکتا جو کچھ عرصہ ہوا مجھے ان کی وفات سے پہنچا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔

آخر آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو ہندوستان کے بہت بڑے خادم اور بہت بڑے مدبر ہیں۔ انہوں نے میرے اس کام سے کافی دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ اور کہیں کہیں سے مسودہ بھی دیکھا۔ ان کی وفات نے مشرق کی ثقافتی زندگی میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے۔

گنڈا سنگھ

دسمبر ۱۹۵۸ء

لوور مال، پٹیالہ۔

پہلا باب

ابدالیوں کی داستان عروج و فروغ

سیدو زئی

احمد شاہ درانی افغانوں کے ابدالی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ہمارا موضوع سخن اسی شخصیت کے حالات و سوانح اور کارناموں پر مشتمل ہے۔ ابدالی قبیلہ ابدال کے نام سے منسوب ہے(ا) یہ قس کے خاندان کی نسل کا پانچواں فرد تھا۔ قس ایک اسرائیلی (یہودی) خاندان کا فرد تھا۔ اس نے اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام عبدالرشید رکھا گیا' جیسا کہ مسلمانوں کا معمول ہے کہ وہ نو مسلموں کے اسلامی نام رکھ دیتے ہیں۔ ابدال ابن ترین' شرف الدین کا پوتا تھا جس کا باپ سرابن' عبدالرشید کا بڑا لڑکا تھا۔ ہمارا موضوع اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ اس قبیلہ سے متعلق تفصیلی مواد اور معلومات زیر بحث لائیں۔ اس کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت ہے۔ موضوع کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ درانی قبیلہ کے لوگ ابدال کی پہلی بیوی کی اولاد ہیں۔ احمد شاہ نے برسراقتدار و عروج آنے کے بعد یہ نام اختیار کر لیا تھا۔ بعد میں اس کے اہل خاندان اور اولاد نے بھی اسے اپنے نام کا ایک جز بنائے رکھا۔

ابدال کا ایک پوتا سلیمان تھا جو عیسیٰ کا بیٹا تھا۔ سلیمان کو زیرک کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ یہ نام عرف کے طور پر استعمال ہوتا تھا یہی سلیمان ہے جو پوپلزئی' بارکزئی' علی کوزئی' اور موسیٰ زئی قبائل کا جد ہے۔

پوپلزئی قبیلہ کا ایک فرد عمر تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا سیدو(۲) عبدالرشید کی نسل کا سولھواں فرد تھا۔ یہی نام اس کی نسل کا نام پڑ گیا' اور یہ لوگ سیدو زئی کہلانے لگے۔

سیدو کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں دوسرا بیٹا خواجہ خضر خاں' خضر خیل خاندان کا سردار بن گیا۔

خواجہ خضر خاں ایک درویش صفت صوفی منش اور باخدا شخص تھا۔ افغانوں کی ایک بڑی جماعت اب تک اس کی عقیدت کے جذبہ سے سرشار ہے۔ اس کی قبر پر نذرو نیاز کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ تحفے تحائف بھی چڑھتے رہتے ہیں۔ دعائیں بھی کی جاتی ہیں' اور مرادیں بھی مانگی جاتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ خواجہ خضر خاں کی پارسائی اور بزرگی نے جو اس کی تقدس مآب شخصیت کا نتیجہ تھی پورے خضر خیل قبیلہ کو معزز اور ممتاز کر دیا۔ اس قبیلہ کے افراد کو عوام میں اجلال و احترام کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ یہ لوگ اتنے مقدس مانے جاتے تھے کہ تعزیر و عقوبت سے یکسر بری کر دیے گئے تھے۔ انہیں حکومت کی طرف سے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ بجز خود اپنے سردار خاندان کے۔ اور موت کی سزا تو ابدالی قبیلہ کا سردار اعلیٰ بھی کسی سیدوزئی کو نہیں دے سکتا تھا۔(۳)

عمر کے آخری لمحات میں سیدو نے چاہا کہ خواجہ خضر خاں کو اپنا جانشین نامزد کر دے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی کیونکہ اس قبیلہ کے متعدد خاندانوں کے سرداروں نے سختی سے اس بات کی مخالفت کی۔ اور مخدود خاں کی حمایت کی جو خواجہ خضر خاں کا بڑا بھائی تھا۔ اس لئے کہ پرکھوں سے دستور یہی چلا آرہا تھا کہ باپ کی جانشینی بڑے لڑکے کو ملتی تھی۔

سیدو کی وفات کے بعد اس کی آرزو پوری ہو گئی یعنی جملہ افراد قبیلہ نے بالاتفاق خضر خاں کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں خضر خاں سے بڑھ کر اہم ترین اور گراں بار ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کی صلاحیت کسی اور میں نہیں تھی۔

شیر خاں سیدوزئی

خضر خاں کی جانشینی اس کے بڑے لڑکے خدا داد کے حصہ میں آئی ۔ خدا داد خاں کو ہندوستان کے شہنشاہ اورنگ زیب کی طرف سے "سلطان" کا خطاب ملا تھا۔ یہ افغانوں میں "سلطان خدا کئی" کے نام سے مشہور تھا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خداداد خاں کو اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں حکومت اور اختیار و اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا۔ یہ چھوٹا بھائی شیر خاں تھا۔ خداداد خاں کی دستبرداری کا

سبب یہ تھا کہ اس نے جوش برہمی میں ایک بے گناہ شخص اور اس کے تین معصوم بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ اور اپنے اس فعل پر وہ بہت نادم تھا۔ اس ندامت کے باعث اس نے گویا خود اپنے آپ کو یہ سزا دی۔ پھر بھی وہ اپنے نامزد حکمران شیر خاں کا نائب اور مشیر و صلاح کار بن کر کام کرتا رہا۔

شیر خاں کو کبھی کبھی قندھار کے ایرانی گورنر سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا جو بگ لربیگی کے نام سے معروف تھا۔(۴) اس شخص نے شاہ حسین نامی ایک شخص کو شیر خاں کا حریف بنا کر میدان میں لاکھڑا کیا۔ شاہ حسین مغداد خاں کا بیٹا تھا اور اسے "مرزا" کا خطاب حاصل تھا۔ لیکن ایران کا یہ خطاب یافتہ ـــــ مرزا ـــــ زیادہ عرصہ تک ایران کی پشت پناہی اور امداد و اعانت حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس کی جماعت اس کے بزدلانہ زوال کے باعث پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔ اور وہ خود اپنے سابق سرپرستوں کا قیدی بن گیا۔ آخر بعد خرابی بسیار شیر خاں سے صفائی کر کے یہ ہندوستان چلا گیا۔ جو اس کے لئے ایک پناہ گاہ ثابت ہوا۔(۵) اسی کی نسل کا ایک فرد نواب مظفر خاں ملتان کا آخری افغان گورنر تھا جو نہایت بہادری کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے خلاف لڑتا ہوا ۱۸۱۸ء میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔(۶)

دولت خاں سیدوزئی

شیر خاں ایک مرتبہ شکار کے لئے اپنے علاقہ سے باہر گیا۔ لیکن اتفاقاً" گھوڑے سے گر پڑا اور ہلاک ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ مرنے سے پہلے شیر خاں نے بختیار خاں ...... عمر خاں کے بیٹے صالح خاں کی نسل کے ایک فرد ...... کو طلب کیا اور اسے وصیت کی کہ اس کے بیٹے سرمست خاں کی حفاظت اور نگہداشت پورے طور پر ملحوظ رکھے۔

سرمست خاں نے اپنے موقع پر اپنے چھوٹے بیٹے دولت خاں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور اس کا اتالیق اپنے ابن عم حیات سلطان کو بنایا جو سلطان خداداد کا بیٹا تھا۔

دولت خاں نے جب بلوغ و شعور کی منزل میں قدم رکھا تو قدم قدم پر قندھار کے ایرانی گورنر کی طرف سے مزاحمتیں اور دشواریاں پیش آئیں۔ جو نتیجہ تھیں اس کے اتالیق حیات سلطان کی کمزوریوں کا۔ سلطان حیات حالات کی بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور ہندوستان جا کر ملتان میں پناہ کا جویا ہوا۔(۷)

لیکن دولت خاں ذرا دوسرے قسم کا آدمی تھا۔ وہ مشکلات سے ہراساں اور دشواریوں سے خائف ہونا نہیں جانتا تھا۔ اس کی عزیمت واستقامت نے ایران کی طرف سے کئے ہوئے دو فوجی حملوں کو روکا۔ اور ایرانی سپاہ کو شکست فاش دی۔ اس کارنامہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ افغانوں

کا ہیرو بن گیا۔ اور احترام و اکرام کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ اس کی شہرت ملک کے بعید ترین گوشوں تک پہنچ گئی۔(۸)

دولت خاں کی فتح مندیوں اور کامگاریوں نے نہ صرف اس کی قوم میں اسے ہر دلعزیز اور محبوب عوام بنا دیا بلکہ دہشت بھی دور کر دی جو ایرانیوں کے ناقابل تسخیر و شکست ہونے کی عام طور سے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس صورت احوال نے ایران کے صفوی دربار کو ہراساں کر دیا۔ اس وقت ایران پر ایک متعصب اور راہب صفت شخص شاہ حسین داد حکمرانی دے رہا تھا۔ یہ فہم و دانش سے عاری تھا۔ اور متعصب ملاؤں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ جیسا کہ میلسن Malleson کا History of Afghanistan میں بیان ہے۔

"شاہ عباس دی گریٹ نے جو اقدامات افغان قبائل کو زیر اثر اور مطیع رکھنے کے لئے کئے تھے اور جنہیں اس کے جانشین ..... اور بعد میں سلیمان نے باقی اور قائم رکھا تھا وہ رفتہ رفتہ سلطان حسین کے دور میں روبہ تنزل ہوتے گئے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محکوم و مطیع قبائل یعنی غلذئی اپنی بے اطمینانی اور اضطراب کو دبا نہ سکے۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے کھلم کھلا بغاوت نہیں کی لیکن ان کی طرف سے جو مظاہرے ہوئے وہ اس حقیقت کے آئینہ دار تھے کہ انہیں دولت خاں سیدوزئی کی صورت میں ایک پشت پناہ اور سرپرست حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ مظاہرے اپنی نوعیت کے اعتبار سے اتنے سخت اور شدید تھے کہ بعض اوقات شاہ حسین کے ناکارہ مشیر ایسے اقدامات تک کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے جو انہیں روبہ عمل لانا چاہئے تھے۔

گرجین خاں

قندھار کا گورنر واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ مملکت کا قابل ترین جنرل مامور کیا گیا۔

یہ جارجیا کا رہنے والا ایک نو مسلم تھا جسے گرجین خاں کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بعد میں یہ شاہ کرڑ خاں کے نام سے مشہور ہوا۔

گرجین خاں غیر معمولی صلاحیتوں کا شخص تھا۔ اس نے جو فوجی کارنامے انجام دیے تھے اس کی بہترین سفارش تھے۔ فنون جنگ میں مہارت کے باعث اس نے غیر معمولی اختصاص و امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ دولت خاں کے خلاف یہ اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں بروئے کار لے آیا' جن میں تدبر اور فراست کے عناصر بھی شامل تھے۔ ۱۷۷۵ء میں جب یہ وارد قندھار ہوا تو اس نے ابدالی سردار کی خدمت میں قیمتی اور گراں بہا تحائف کا انبار لگا دیا اور اس نے دوستانہ

راہ و رسم اور خط و کتابت اور گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ اچھی طرح محسوس کرتا تھا کہ افغان ایک متحد قوم نہیں ہیں۔ ایک قوم کو چٹان اور فولاد آہن کی طرح مضبوط و محکم بنانے کے لئے جس ایثار اور جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس قوم میں بڑی حد تک ناپید تھا۔ گرجین خاں کے لئے یہ بات بہت آسان ہو گئی کہ وہ زر پرست اور خود غرض سرداروں کو خرید لے اور اسیر دام کرلے۔ اور ان میں تفرقہ پیدا کرکے اپنے اشاروں پر ناچنے کا عادی بنا دے۔

ابدالیوں میں کوئی ایسا مرد دانا نہیں تھا جو ان حالات کو محسوس کرتا اور تدارک و تلافی کی طرف متوجہ ہوتا۔ یہی کیفیت سیدوزئی لوگوں کی تھی۔ ان میں کوئی ایسا مرد ہوش مند نہیں تھا جو حالات کی بگڑی ہوئی رفتار کو سنبھال لیتا۔ اور قابو میں لے آتا۔

گرجین خاں نے دولت خاں کے دو بدترین دشمنوں اور حریفوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ یہ سیدوزئی کے عزت اور اتل تھے۔ گرجین خاں نے ان دونوں کو باور کرایا کہ دولت خاں کا کانٹا جیسے ہی راستہ سے ہٹا تو بغیر کسی کی مخاصمت اور مزاحمت کے سرداری ان کے ہاتھ میں آجائے گی(۹)۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے غلذئی قبیلہ کے لوگوں میں بھی ولولہ سرداری پیدا کیا۔ حاجی امیر خاں ہوتک جو عام طور پر میروائس کے نام سے مشہور تھا بہترین مہرہ ثابت ہوا۔ اسے افغانوں کی قیادت اعلیٰ کا خواب شیریں دکھایا گیا۔ گرجین خاں نے یہ بات اس کے دل میں بٹھا دی کہ یہ مقصد..... قیادت اعلیٰ ..... اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس کے حریف دولت خاں کے حلقہ سے مخالفت اور مزاحمت کا کوئی امکان باقی نہ رہ جائے۔

اس ساز باز اور دراندازی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں سیدوزئی سردار اور ہوتک گرجین خاں کے لائحہ عمل پر پورے طور سے مصروف کار ہونے پر آمادہ ہو گئے۔

زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ قدرت نے ہی ایک نادر موقعہ مہیا کر دیا۔

دولت خاں قلعہ شہر صفا کے باہر ایک غیر محفوظ مقام پر منتقل ہو آیا۔ سازش کرنے والوں نے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ ایک روز رات کی تاریکی میں جب ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اس کی اقامت گاہ پر چھاپہ مارا۔ دولت خاں' اس کا بیٹا نذر خاں' اور اس کا ایک غلام جس کا نام فقیر تھا' تینوں گرفتار کر لئے گئے۔ اور گورنر ..... گرجین خاں ..... کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی حکم دیا'

"گردن اڑا دو"۔(۱۰)

رستم خاں اور زماں خاں سیدوزئی

دولت خاں کے تین بیٹے تھے ان میں سے ایک کا انجام نذر خاں کے ہاتھوں وہی ہوا جو

دولت خاں کا ہوا تھا۔ باقی دو رستم خاں اور زماں خاں تھے۔ گو حالات اس درجہ نازک اور ناساعد تھے اور ان کی زندگی سخت خطرے میں گھری ہوئی تھی مگر ان دونوں میں سے کسی کو بھی آرزوئے حیات یا آرزوئے اقتدار گرجین خاں کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہ کر سکی۔

یہ رنگ دیکھ کر گرجین خاں نے رستم خاں کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ اپنے بھائی زماں خاں کو یرغمال کے طور پر اس کے پاس رکھنے کو تیار ہو جائے تو وہ اسے ابدالیوں کا سردار بنانے اور ماننے کو آمادہ ہو جائے گا۔

رستم خاں نے یہ پیش کش سرداران قبیلہ کے سامنے رکھی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ غورو فکر کے بعد انہوں نے یہ رائے دی کہ قبیلہ کی سرداری اعلیٰ کو کسی غدار یا طالع آزما شخص کے ہاتھ میں جانے سے بچانے کے لئے یہ پیش کش قبول کر لینا ہی مناسب ہے۔(۱۱)

چنانچہ رستم خاں ابدالیوں کا تسلیم شدہ سردار اعلیٰ بن گیا۔ گرجین خاں نے اپنے یرغمال زماں خاں کو ایک دور دراز صوبے کرمان میں منتقل کر دیا۔ جہاں ایرانی اس کی نقل و حرکت کی بہت اچھی طرح نگرانی کر سکتے تھے۔

بہت جلد رستم خاں نے ایرانی گورنر کا اعتماد حاصل کر لیا اور دوسرے افغانی سرداروں پر بھی اپنی بالادستی قائم کر لی۔ اس کا یہ مرتبہ اس کے غلذئی اور ابدالی حریفوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا اور عین اس موقع پر جسے بدبختی ہی سے تعبیر کرنا چاہئے بلوچیوں نے بغاوت کر دی اور رستم خاں اس بغاوت کو دبانے اور کچلنے کے لئے گرجین خاں کی طرف دست اعانت بڑھانے کو مجبور ہو گیا۔ لیکن یہ مہم بری طرح ناکام ہوئی۔ بہت سا' بلکہ بے اندازہ جانی و مالی نقصان اٹھا کر شکست خوردہ حالت میں رستم خاں واپس آیا۔ جس سے اس کے غلذئی اور سیدوزئی حریف بہت خوش ہوئے۔ اور اس طرح انہیں ایک اچھا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے ایرانی عزائم و مقاصد کی راہ میں رستم خاں کو ایک روک' اور ایرانی مفاد کا غدار ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور اس شکست کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ اس نے جان بوجھ کر ایرانی مملکت کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ شکست کھائی ہے۔ گرجین خاں کی برہمی نقطۂ شباب پر پہنچ گئی۔ اس نے اسے فوراً" نذر زنداں کر دیا اور حکم دیا اسے فوراً" قتل کر دیا جائے۔ اس موقع پر ہوشیاری کے ساتھ غلذئی پیچھے ہٹ گئے۔ اور یہ کام انجام دینے کے لئے سیدو زئیوں کو آگے بڑھا دیا۔ گرجین خاں کا ایما اور منشا بھی یہی تھا۔

اس موقعہ پر عزت خاں سے نہ رہا گیا!

عزت خاں نے بغاوت کر دی ..... اور اس بے گناہ اور مظلوم شخص کی جان بچانے کے

لئے میدان میں اتر آیا۔ جو سیدوزئی قبیلہ میں عظمت اور تقدس کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اتل کو سردار اعلیٰ بننے کا خواب اتنا شیریں نظر آیا کہ اس نے ضمیر کی ذرا سی بھی خلش محسوس کئے بغیر..... اور اس کی سفاکی اور خوں آشامی ضمیر کی خلش کو خاطر میں بھی کب لاتی تھی..... رستم خاں کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اور ایک غیر ملکی قوت کا آلۂ کار اور مطیع و فرماں بردار بن جانا منظور کر کے خود اپنی قوم کی قبر کھودنے اور اپنے آدمیوں کو ہلاک و برباد کرنے پر تیار ہو گیا۔(۱۲)

میروائس غلزئی اور اس کی اولاد

لیکن اس کارِبد کا انجام بد دیکھنے میں بھی کچھ زیادہ مدت نہیں لگی۔

گرجین خاں نے ابدالیوں کی سرداری بایں شرط پیش کی کہ وہ اپنے حوالیوں موالیوں اور اہل قوم کے ساتھ قندھار کے قرب و جوار میں آکر آباد ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح اتل خاں اور اس کے ساتھیوں اور اہل قبیلہ کی نگرانی اور ان کے عزائم کی پاسبانی بہت آسانی کے ساتھ ممکن ہو سکے گی۔ اور اگر کوئی علامت سرکشی یا بغاوت کی نظر آئی تو اس کا فوراً سدباب کیا جا سکے گا۔ اور دل ہی دل میں خفیہ طور پر اس نے جو نقشہ عمل بنا رکھا تھا اس پر عمل درآمد بھی بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے ہو سکے گا۔

اتل خاں اتنی موٹی سمجھ کا آدمی تھا کہ وہ گرجین خاں کی ان باتوں کی تہہ تک نہ جا سکا' اور بڑی آسانی کے ساتھ اس جال میں آگیا جو اس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

ابدالیوں کا ایسا کوئی سردار نہیں تھا جو ان کی رہنمائی کرتا اور انہیں نشیب و فراز سمجھا پاتا۔ گرجین خاں کی سفاکیوں اور خوں آشامیوں نے انہیں ہیبت زدہ اور سراسیمہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنے محفوظ اور ناقابل تسخیر علاقوں کو چھوڑ کر قندھار کے غیر محفوظ اور کھلے ہوئے مقامات میں آکر آباد ہو جائیں۔

گرجین خاں کیا سوچ رہا تھا اور اس نے کیا مجرمانہ فیصلہ کر لیا تھا اس سے میروائس ناواقف نہ تھا۔ پھر بھی وہ اس کے آلۂ کار کی حیثیت سے ممدو معاون ثابت ہو رہا تھا۔

ایک اندھیری رات میں' پوری بے خبری کی حالت میں ابدالیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

انتہائی سفاکانہ قتل عام!

جو لوگ اس قتل عام سے بچ گئے وہ یا تو قید کر دیئے گئے' یا انہیں کرمان جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ ۱۷۰۷ء کا واقعہ ہے۔

اس المیہ کے بعد کچھ عرصہ تک ابدالی پس منظر میں چلے گئے۔ اور میروائس کی قیادت میں

غلذئی عروج حاصل کرنے لگے۔ آخر انہوں نے ایرانیوں کے خلاف مقاومت اور مزاحمت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ۱۷۰۹ء میں انہوں نے قندھار میں افغانستان کی خود مختاری اور آزادی کا اعلان کر دیا۔(۱۳)

حالات کا مختصر ساخاکہ یہ ہے کہ میروائس نے گرجین خاں کو اسی کے انداز میں جواب دیا۔ ابدالیوں کے وحشیانہ قتل عام کو ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ گرجین خاں نے میروائس کو بھی گرفتار کرلیا۔ اور اسے ایک قیدی کی حیثیت سے ایرانی دارالحکومت روانہ کر دیا۔ یہاں اس نے بہت جلد اپنی دولت کے بل پر دربار شاہی میں رسوخ حاصل کرلیا' اور شاہ کے منظور نظر لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ بعد ازاں وہ قندھار واپس کر دیا گیا۔ اور سابقہ پوزیشن پر بحال کر دیا گیا۔ یہاں میروائس نے گرجین خاں سے دوستانہ تعلقات استوار کر لئے۔ بعد میں ایک تفریحی دعوت میں غلذئی نے اسے مدعو کرکے ہلاک کر دیا۔ اب موقع سے فائدہ اٹھاکر میر وائس نے قندھار میں افغانستان کی آزادی واستقلال کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷۰۹ء کا ہے۔(۱۴) اس اعلان کے ساتھ ہی تین زبردست ایرانی فوجیں یکے بعد دیگرے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی گئیں۔ لیکن میروائس نے انہیں شکست فاش دی۔ اور اپنی آزادی کو محفوظ و مستقل بنا لیا۔

نومبر ۱۷۱۵ء میں میروائس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جانشینی میر عبدالعزیز کے حصہ میں آئی جو میر عبداللہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ (۱۷۱۵-۱۶ء) لیکن عبداللہ نے اپنی قوم کا اعتماد بہت جلد کھو دیا۔ مارچ ۱۷۱۶ء میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ یہ حملہ میروائس کے بیٹے میر محمد نے کیا تھا۔

میر محمد بڑے دم خم کا آدمی تھا۔ اس نے نہ صرف قندھار کی افغان حکومت کو تحفظ اور سلامتی عطا کی بلکہ ایران کے تخت حکومت سے صفوی خاندان کو اتار پھینکا۔ مارچ ۱۷۲۲ء میں شاہ حسین صفوی کو معزول کرکے وہ خود وہاں کا حکمراں اور فرماں روا بن گیا۔ ایران پر غلذئی حکومت صرف آٹھ سال تک قائم رہی کیونکہ ۱۷۳۰ء میں نادر شاہ نے ایران کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے ۱۷۳۶ء میں قندھار کی افغان حکومت کو فتح کر لیا۔ اور کابل بھی اس کے زیر نگیں آگیا۔ اس طرح ۱۷۳۸ء میں افغانستان ایک مغل صوبہ بن گیا۔(۱۵)

حوالہ جات

۱۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ابدال اس کا اصلی نام نہیں تھا بلکہ یہ لقب تھا جو اپنے وقت کے مشہور صوفی باصفا خواجہ ابو احمد ابدالی نے جو چشتی مسلک رکھتے تھے اسے عطا کیا تھا۔

۲۔ اس کا اصلی نام اسد اللہ تھا۔ سیدو عرف تھا۔ اور یہی عرف سب کی زبان پر چڑھ گیا۔ اور رفتہ رفتہ وہ اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ اس کی ولادت ذی الحجہ ۹۶۵ھ میں ہوئی (یعنی ستمبر۔ اکتوبر ۱۵۸۵ء)۔ جب شاہ طہماسپ صفوی ایران میں سریر آرائے حکومت تھا۔ نوے سال کی عمر میں، یعنی اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے عمر نے سیدو کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں پٹکا باندھا اور تلوار لٹکائی۔ یہ رسم بڑی دھوم دھام سے انجام پذیر ہوئی۔ اس وقت سیدو کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ یہ تیز طرار، ہوشیار اور طرحدار نوجوان اپنے کارناموں کے باعث اتنا مقبول و محبوب تھا کہ قبیلہ کی سرداری پر اس کی نامزدگی کا سب کی طرف سے پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ ان پرجوش خیر مقدم کرنے والوں میں اس کا بڑا بھائی (جس کی عمر ساٹھ سال کی تھی) ملک صالح بھی شامل تھا۔

۳۔ ملاحظہ ہو تاریخ مخزن افغان: تاریخ احمد ۴، ۵
تاریخ حسین شاہی ۴، ۶
صولت افغانی، ۳۳۶
حیات افغانی ق ۳، ص ۱۱۵، ۱۲۳، نیز:
Nash, History of the war in Afghanistan 23

اس خواجہ خضر خاں کو، زندہ جاوید خواجہ خضر سے ملتبس نہیں کرنا چاہیے جن کی ذات سے آب حیات کا قصہ وابستہ ہے۔ اگرچہ کسی نہ کسی اہمیت سے یہ التباس افغان قبائل میں موجود ہے۔ چنانچہ سیدو زئی قبیلہ کے لوگوں میں یہ روایت ہے کہ خواجہ خضر خاں، حضرت آدم کی بشارت سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی لیے ان کے نام پر ان کا نام رکھا گیا۔ (حیات افغانی، ۱۲۳)

۴۔ تاریخ سلطانی (ص ۶۱) کے بیان کے مطابق گلِ بیگی قندھار کا گورنر ۱۱۰۵ھ (۹۴ ۔ ۱۶۹۳ء) میں مقرر ہوا تھا۔

(حیات افغانی ۴ ۔ ۱۲۳)

۵۔ تاریخ سلطانی، ۶۱، ۶۴
صولت افغانی، ۳۳۸
حیات افغانی ۱۴ ۔ ۱۲۳
۶۔ صولت افغانی، ۳۳۸ ۔ حیات افغانی، ۱۲۵
۷۔ وقائع ملتان : ۱۹
صولت افغانی : ۱۲۵
حیات افغانی : ۴ ۔ ۱۲۳
۸۔ تاریخ سلطانی : ۶۶
۹۔ تاریخ سلطانی ۷۰۔۶۶
صولت افغانی ۴۹۔۵۰
حیات افغانی، ۶۵۔۶۶ نیز FERRIER, HISTORY OF THE AFGHANS 22
۱۰۔ تاریخ سلطانی ۶۷
۱۱۔ تاریخ سلطانی ۶۷
۱۲۔ تاریخ سلطانی، ۶۰، ۶۸۔
۱۳۔ تاریخ سلطانی ۶۸، ۶۹
۱۴۔ FERRIER, 28-9 'MALLESON, 225-6, LOCKHART, NADIR
تاریخ سلطانی، ۶۸، ۹۰ SHAH 3۔ AND
۱۵۔ جہاں کشائے نادری،
نادر شاہ (لوکمارن)
حسین شاہی
تاریخ احمد

دوسرا باب

ہرات کے ابدالیوں کا دم خم

عبداللہ خاں

میروائس کی کامیابیوں نے ..... سرزمین افغانستان سے ایرانیوں کا اخراج اور آزاد افغان حکومت کی تاسیس و قیام ..... دوسرے افغان قبائل میں بھی بغاوت اور انقلاب کی لہرپیدا کر دی۔ ان قبائل میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل ذکر ہرات کے ابدالی ہیں۔

ہرات کے ابدالیوں نے حیات خاں کے بیٹے عبداللہ خاں کو ملتان سے بلایا۔ جہاں وہ دولت خاں کے زمانے سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس تحریک سے ہراتیوں کے پیش نظر دو اہم مقاصد تھے۔

ایک یہ کہ میروائس خاں سے انتقام لیا جائے اور اسے تباہ و برباد کر دیا جائے۔ جس کے خلاف ایرانیوں کا ایک لشکر گراں (۱۷۱۱ء) گرجین خاں کے بھانجے خسرو خاں کی سرکردگی میں پیش قدمی کر رہا تھا۔

دوسرے یہ کہ ابدالیوں کی خواہش تھی کہ ایک زبردست زعیم اور قائد کی سرپرستی میں اپنی قوت اور طاقت زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور ایرانی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ اور جیسے ہی حالات سازگار اور مساعد ہوں اس مقصد عظیم کے لئے تن بہ تقدیر اٹھ کھڑے ہوں۔

عبداللہ خاں نے اس دعوت کو لبیک کہا' اور اپنے بیٹے اسداللہ خاں کے ساتھ وارد ہرات

ہوا۔ اس نے بہت جلد خسرو خاں سے تعلقات و روابط کی طرح ڈال دی۔ اور غلذئی قوت کو پارہ پارہ کر دینے کے لئے' اپنی خدمات پورے اخلاص کے ساتھ رضاکارانہ طور پر پیش کر دیں۔ یہ ادا خسرو خاں کو بھاگئی۔ اور اس طرح عبداللہ خاں نے جارجیا کے اس سپہ سالار افواج کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اور اس کی امداد سے بہت جلد یہ ابدالیوں کا سردار مان لیا گیا۔

لیکن خسرو خاں کی مہم بہرحال ناکام ہوئی۔ اور وہ قندھار سے راہ فرار اختیار کر کے جب اپنی سرزمین کی طرف رواں دواں تھا تو اسے ہلاک کر ڈالا گیا۔ شاہ ایران نے ایک دوسری مہم بھیجی لیکن ان کا انجام بھی یہی ہوا۔ لیکن میروائس کے جانشین عبداللہ (۱۷۱۵-۱۶ء) نے فراست اور ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایرانیوں کو باور کرایا کہ وہ صلح کا متمنی ہے نہ کہ جنگ کا۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے ایک وفد اصفہان روانہ کر دیا۔ عبداللہ خاں اپنے بیٹے اسداللہ خاں کے ساتھ جب ہرات پہنچا تو عباس قلی خاں شاملو گورنر ہرات نے محسوس کیا کہ ان باپ بیٹے کی آمد ہرات پر ایرانی اقتدار اور غلبہ و تسلط کے لئے ایک عظیم خطرہ ہے۔ چنانچہ اس نے بے تامل دونوں کو گرفتار کیااور جیل میں ڈال دیا۔ اس موقعہ پر ہرات کے قزلباش شاملو کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے اس منصب سے برطرف کر دیا۔

اس عبوری دور میں یعنی شاملو کے جانشین جعفر قلی خاں کے ہرات پہنچنے سے پہلے عبداللہ اپنے بیٹے اسداللہ خاں کو لے کر مغربی سلسلہ کوہ دوشاخ میں بچ کر چھپ رہا۔(۱) یہاں اسے ذرا موقع ملا تو اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنے قبایل کے آدمیوں کو جنگ و پیکار کے لئے مجتمع کرنے لگا۔ پاس کے قبائل سے بھی اس نے مدد لی۔ اور بہت جلد ایک اچھی خاصی فوج فراہم کر کے ہرات پر حملہ آور ہوا۔

مقابلہ ہوا۔ افغانوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور بہت جلد صورت احوال یہ واقع ہوئی کہ جعفر ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

افغانوں نے شہر کا محاصرہ شدت کے ساتھ شروع کر دیا۔ محصورین کی طرف سے شدید مزاحمت اور مقاومت کا مظاہرہ ہوا۔ لیکن چونکہ ایران سے کسی طرح کی کمک نہیں پہنچ سکی لہٰذا اندرون شہر ابدالیوں کے جو ہوا خواہ موجود تھے انہوں نے محاصرین کو فیل خانے کی طرف سے ۲۶ شعبان ۱۱۲۹ھ (۲۶ جولائی ۱۷۱۷ء) کو رات کی تاریکی میں راستہ دے دیا۔ اور ابدالیوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ہرات پورے طور پر ابدالی تصرف میں آگیا۔ اب وہ یہاں کے فرماں روا اور حاکم تھے۔ چنانچہ انہوں نے بغیر کسی تاخیر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا(۲)۔ اس تصویر میں آخری رنگ اس وقت بھرا گیا جب ۱۷۱۹ء میں اسداللہ خاں نے ایک زبردست ایرانی فوج کو

شکست فاش دی جو بیس ہزار سپاہیوں پر (صفی قلی خاں کی سالاری میں) مشتمل تھی۔ حالانکہ اسد اللہ خاں کی سپاہ میں پندرہ ہزار سے زیادہ نفر نہیں تھے۔(۳)

اس واقعہ کے بعد دونوں حریف قبائل ..... ابدالی اور غلذئی ..... مستقل طور پر کشمکش باہمی میں مبتلا ہو گئے۔ دونوں کی سعی و کوشش صرف اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ جس طرح اور جس قیمت پر بھی ہو سکے حریف مقابل کو نیچا دکھائیں اور اس کو سر اٹھانے کا موقعہ نہ دیں۔

۱۷۲۰ء (۱۱۳۲ھ) میں ایک بہت درد انگیز حادثہ پیش آیا۔

اسد اللہ خاں نے غلذئیوں سے کش رود کے کنارے پر واقع ایک مضبوط قلعہ فرح چھین لیا۔(۴)

اسد اللہ کی اس کامیابی پر غلذئی قبیلہ نے بہت پیچ و تاب کھایا۔

چنانچہ اس قلعہ کے سلسلہ میں ایک زبردست جنگ ابدالیوں اور غلذئیوں میں برپا ہوئی۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسد اللہ خاں دل آرام میں مارا گیا۔(۵)

یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔

عبداللہ خاں کی کمر اس حادثہ نے توڑ دی۔ اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔

اس ہونہار اور نوجوان بیٹے سے کیسی کیسی امیدیں اس بوڑھے باپ نے باندھ رکھی تھیں۔

وہ ساری امیدیں ختم ہو گئیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ خاں کی صحت جواب دے گئی۔

عبدالغنی علی کوزی کی مدد سے رستم خاں کا بھائی زماں خاں سیدو زئی عبداللہ خاں کا جانشین بنا۔ جو ابھی حال ہی میں کرمان کی جلا وطنی سے واپس آیا تھا۔

لیکن عبداللہ خاں کو سرداری چھٹ جانے کے بعد بھی سکون نہ ملا۔

جعفر خاں اب آزاد ہو چکا تھا۔ اس کے اشارے سے یا نئے سردار زماں خاں نے اپنے جذبہ عناد سے مجبور ہو کر اس خمیدہ کمر اور دل شکستہ بوڑھے کو جیل بھیج دیا۔ اور وہاں زہر دے کر یا کسی اور ترکیب سے کام لے کر اسے اس دنیا سے رخصت ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ بہرحال یہ حرکت تھی زماں خاں کی خواہ اپنے طور پر یا کسی کے اشارہ سے۔(۶)

زماں خاں کا عہد اقتدار کن واقعات و حوادث سے مملو ہے اور اس کے دور میں کون کون سے خاص واقعات پیش آئے اس کے بارے میں تاریخ ہمیں کچھ نہیں بتاتی۔

تقریباً" ڈھائی سال تک زماں خاں نے حکومت کی۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جانشینی

محمد خاں کے حصہ میں آئی۔ یہ واقعہ ۱۱۳۵ھ (۲۳-۱۷۲۲ء) کا ہے۔

یہ بھی تاریخ کا عجیب اتفاق ہے' زماں خاں کی مسند پر اب جس شخص نے ..... محمد خاں نے ..... قدم رکھا۔ یہ اسداللہ خاں کا بھائی اور عبداللہ خاں کا لڑکا تھا۔ جسے بے بسی کے ساتھ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مدت سے دو چار ہونا پڑا تھا۔(۷)

ذوالفقار خاں

۲۳-۱۷۲۲ء کے موسم سرما میں محمدؐ نے مشہد کی طرف کوچ کیا اور چار مہینے تک محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن قبضہ نہ ہو سکا۔ اس ناکامی نے اسے قبیلہ کی نظر میں حقیر اور سبک کر دیا۔ اور اسے زماں خاں کے بڑے بیٹے ذوالفقار خاں کے حق میں دست بردار ہونا پڑا۔ اسی زماں خاں کا چھوٹا بیٹا احمد شاہ درانی ہے۔ جو تاریخ میں غیر فانی حیثیت حاصل کر چکا ہے اور جس کے کارناموں سے اوراق تاریخ بھرے پڑے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی وہ شخص تھا جس نے تاریخ کو بدل دیا۔

۱۱۳۷ھ (۲۵-۱۷۲۴ء) میں مقتول احمد خاں کا لڑکا رحمان باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ انتقام کے جوش سے وہ بے قابو ہو رہا تھا۔ اس نے ذوالفقار خاں پر ایک بھرپور حملہ کیا۔

یہ جنگ جو رحمان نے ذوالفقار خاں کے خلاف برپا کی تھی کافی عرصہ تک بے نتیجہ طور پر جاری رہی۔ آخر ابدالی قبیلہ کے بعض اکابر نے مداخلت کی۔ اور اس مداخلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذوالفقار خاں کو ثالثی کا فیصلہ ماننا پڑا۔ وہ سبزد بھیج دیا گیا۔ اور رحمان کو قندھار کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد اللہ یار خاں جو عبداللہ خاں کا بیٹا اور سابق گورنر محمد خاں کا بھائی تھا' ملتان سے بلایا گیا۔ وہ یہ دعوت پاکر ملتان سے روانہ ہوا اور حاضر ہو گیا۔ اور بالاتفاق اسے ۱۱۳۸ھ (۲۶-۱۷۲۵ء) میں ابدالی قبیلہ کا سردار منتخب کر لیا گیا۔

لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی۔ اس موقعہ پر عبدالغنی خاں جو ذوالفقار خاں کا ماموں تھا۔ از سرنو نمودار ہوا۔ قدرتاً" اسے اپنی بہن کے خاندان کا تحفظ منظور تھا۔ اور وہ اس کی سلامتی کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ سب سے زیادہ اسے جو فکر لاحق تھی وہ اپنے تین برس کے بچے احمد شاہ کی تھی۔ اور اس بچہ کی سلامتی صرف اس طرح ممکن تھی کہ یا تو ذوالفقار خاں کے ہاتھ میں پھر سے عنان اقتدار و اختیار آجائے یا پھر اس کی سرپرستی میں رہے۔

چنانچہ عبدالغنی خاں کی حوصلہ افزائی کامیاب ہوئی۔ اور ذوالفقار خاں نے پوری شدت اور اصرار کے ساتھ اللہ یار خاں کے انتخاب اور اقتدار کو چیلنج کیا' اور مقابلہ میں آموجود ہوا۔

اللہ یار خاں کی قوت ابھی اتنی اور ایسی نہیں تھی کہ اس حریف کو آسانی کے ساتھ وہ کچل سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی برپا ہوگئی اور اس کا سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔(۸)

اسی زمانے میں نادر شاہ افشار نے ..... جو بعد میں شہنشاہ نادر شاہ کے لرزہ خیز نام سے مشہور ہوا۔ اور جو سارے ایران کا بادشاہ بن گیا ___ مشہد پر قبضہ کرلیا۔ یہ واقعہ ۱۶ ربیع الاخر ۱۱۳۹ھ (۱۷۲۶ء) کا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ افواہ مشہور ہوئی کہ مشہد سے فراغت پاتے ہی نادر شاہ افشار ابدالیوں کے سر پر قضا بن کر گرے گا۔ اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔

نادر شاہ کا خطرہ کوئی معمولی خطرہ نہ تھا۔ نہ یہ کسی ایک قبیلہ کے لئے خاص تھا۔ یہ پورے ملک' اور پوری قوم کی آزادی اور خود مختاری کے لئے ایک خطرہ عظیم تھا۔ اور اس کے رفع کرنے کے لئے ضروری تھا کہ باہمی اختلافات ختم کر دیئے جائیں اور سب مل کر اس خطرہ کا سدباب کرنے کی تدبیر سوچیں۔ تاکہ اپنی قومی اور ملکی سرحد سے یہ بلا ٹالی جاسکے۔ اس مقصد کے پیش نظر سید وزئی اکابر نے مداخلت کی۔ اور یہ مداخلت کارگر اور موثر بھی ثابت ہوئی یعنی ایک باعزت اور آبرو مندانہ مفاہمت' ان دونوں حریفوں کے مابین ہوگئی۔ طے پایا کہ اللہ یار خاں بدستور ہرات پر فرماں روائی کرتا رہے اور فرح پر ذوالفقار خاں کا قبضہ اور تسلط ہو جائے۔(۹)

لیکن ادھر ایران کے حالات بھی ویسے نہیں تھے جیسے سمجھے جارہے تھے۔

بے شک مشہد سے فراغت کر کے نادر شاہ کا ارادہ افغانستان پر حملہ کر دینے کا تھا۔ لیکن کچھ داخلی فتنہ سامانیاں ایسی عناں گیر ہوئیں اور طہماسپ سے اختلافات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ یہ فوری متوقع حملہ دو سال چار مہینے کے لئے ٹل گیا۔

آخر شوال ۱۱۴۱ھ (اپریل ۱۷۲۹ء) میں فاتح ایران نادر شاہ نے ہرات کی طرف کوچ کیا۔ یہ خبر سنتے ہی اللہ یار خاں اپنی فوج لے کر ہرات سے باہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لیکن کامیابی کے ساتھ عہدہ برآنہ ہو سکا۔ نادر شاہ کا مقابلہ کرنا یا اسے شکست دینا اللہ یار خاں کے لئے آسان نہ تھا۔ مقابل فوج کا اس پر ایسا دباؤ پڑا کہ اس نے نادر شاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس فیصلہ کو ابھی عملی جامہ نہیں پہنا سکا تھا کہ خبر ملی اس کا حریف ذوالفقار خاں ایک فوج لے کر اس کی مدد کو بڑھا چلا آرہا ہے۔

ذوالفقار خاں کی فوج بھی اللہ یار کے ساتھ شریک ہوگئی۔ لیکن نادر شاہ کی قوت اتنی

زبردست اور ناقابل شکست تھی کہ یہ فوجیں مل کر بھی اسے شکست نہ دے سکیں۔ اس جنگ اور مقابلہ کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ جون کے مہینے میں ابدالیوں نے نادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ ابدالیوں نے نہ صرف یہ کیا کہ نادر شاہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اس کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لی بلکہ یہ بھی کیا کہ غلزئیوں کے مقابلہ میں نادر شاہ کی امداد و اعانت کا عہد بھی کر لیا۔ یہ پیش کش نادر شاہ نے منظور کر لی۔ جس کے نتیجہ میں شاہ طہماسپ کی طرف سے اللہ یار کو ہرات کا گورنر نادر شاہ نے نامزد کر دیا۔ اور اس کام سے فراغت پانے کے بعد ایرانی فوجیں مہینے کے آخر میں اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئیں۔(۱۰)

اس اثنا میں کہ نادر شاہ اپنی پہلی ترکی مہم میں مصروف تھا ذوالفقار خاں نے ایک اور کوشش حصول آزادی کی کر ڈالی۔ حسین سلطان غلزئی نے کچھ ابدالیوں کو ملا کر ایک جتھہ بنا لیا تھا۔ ذوالفقار نے اس کی سربراہی قبول کر لی۔ یہ واقعہ قندھار میں رونما ہوا (۱۷۳۰ء)۔

اللہ یار خان سے استدعا کی گئی کہ وہ بھی حصول آزادی کی اس جدوجہد میں تعاون کرے اور ہاتھ بٹائے۔ لیکن وہ نادر شاہ سے اس درجہ دہشت زدہ ہو چکا تھا کہ اس نے یہ استدعا قبول کرنے اور بغاوت میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ذوالفقار خاں نے بڑی آسانی سے اسے بھگا دیا (اپریل ۱۷۳۰ء)۔ اس ابتدائی کامیابی نے جذبہ کامرانی سے ذوالفقار خاں کو مخمور کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی فوج لے کر مشہد کی طرف بڑھا اور وہاں جو ایرانی فوج متعین تھی اس کے سالار کو شکست دیدی۔ یہ کمانڈر ابراہیم تھا جو نادر شاہ کا بھائی تھا۔ یہ واقعہ یوم شنبہ ۱۲ محرم ۱۱۴۳ھ (۱۸ جولائی ۱۷۳۰ء) کا ہے۔ مشہد کا محاصرہ ۳۱ دن تک جاری رہا تھا۔ اس کے بعد ذوالفقار کامیاب و کامران ہرات واپس آگیا۔

نادر شاہ یوم شنبہ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ (۱۳ اکتوبر ۱۷۳۰ء) کو جو اس مہینے کا آخری دن تھا مشہد واپس آیا اور اس سال ۱۵ رمضان (۱۳ مارچ ۱۷۳۱ء) کو ہرات روانہ ہو گیا۔ تاکہ ابدالیوں کو باقاعدہ اور مستقل طور پر ماتحت اور غلام بنا لے۔

ذوالفقار خاں نے اس زبردست سپہ سالار اور فاتح کے مقابلہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس نے پورے تہور اور شجاعت کے ساتھ اس زبردست حریف کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی اور اپنی قوم کی آزادی کے تحفظ اور سلامتی کے لئے جان لڑا دی۔ قندھار کے غلزئی قبائیل نے بھی حسین سلطان کی سربراہی میں ذوالفقار خاں کا ساتھ دیا۔ قندھاری سپاہ کا سالار محمد صیدل خاں تھا۔

لیکن نادر نے ان دونوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ ان کی متحدہ یورش اور یلغار کامیاب نہیں ہو

سکی۔ نادر شاہ نے ہرات کا محاصرہ کر لیا۔ یہ واقعہ شروع مئی کا ہے۔ محاصرہ کا سلسلہ دو مہینے سے جاری تھا۔ ایک مرتبہ پھر ذوالفقار اپنی فوج لے کر نادر شاہ کا مقابلہ کرنے ۱۷ محرم ۱۱۴۴ھ (۱۱ جولائی ۱۷۳۱ء) کو ہرات سے باہر نکلا۔ لیکن اس مرتبہ بھی پسپا کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے صیدل خاں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور بعض ابدالی صلاح کاروں کی رائے سے متاثر ہو کر وہ اپنے غلذئی سپاہیوں کے ساتھ ایک روز خفیہ طور پر میدان چھوڑ گیا۔ حالات کی یہ نامساعدت اور فیضان راہ کی یہ گریز پائی دیکھ کر اب ذوالفقار خاں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ نادر شاہ سے معاہدہ صلح استوار کرنے کی کوشش کرے۔ نادر شاہ نے گرم جوشی اور مسرت کے ساتھ یہ استدعا منظور کر لی۔ ذوالفقار اور ابدالیوں کی درخواست کے جواب میں نادر شاہ نے اللہ یار خاں کو پھر سے ہرات کا گورنر نامزد کر دیا۔ اور اس نے ۱۸ صفر (۱۱ اگست) کو اپنے اس منصب کا چارج لے لیا۔ ذوالفقار خاں فرح واپس چلا گیا۔

یا تو یہ وجہ ہوئی کہ ہرات کے دفاع سے وہ پورے طور پر مطمئن تھا۔ یا صیدل خاں کی سربراہی میں ۴ ہزار غلذئی سپاہیوں کی ذوالفقار خاں کے ساتھ شرکت سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ بہر حال واقعہ یہ ہوا کہ اللہ یار خاں نے بھی یہ سوچ کر کہ ایرانی خستہ اور ماندہ ہیں نادر شاہ کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ اور افغانستان کی آزادی کا پرچم لہرایا۔

لیکن نادر شاہ ان پراگندہ اور غیر متحد ابدالیوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اس کا غصہ بھڑک اٹھا اور اس کے سامنے کوئی مزاحمت بھی ان حریت خواہوں اور آزادی پسندوں کی کامیاب نہیں ہو سکی۔(۱۱)

وسط دسمبر ۱۷۳۱ء میں اللہ یار خاں نے شرائط امن و صلح پیش کرتے ہوئے کوشش کی کہ اس بہانے سے قوت کو مستحکم اور مجتمع کرنے کے لئے کچھ مزید وقت مل جائے گا۔ لیکن نادر شاہ بھی ایک ہی شاطر تھا۔ اس نے امن و صلح کی پیش کش بغیر کسی تامل کے قبول کر لی۔ اور اس طرح اللہ یار خاں کا سوچا ہوا سارا نقشہ درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس نے ایک چال اور چلی۔ یعنی پیش کش صلح واپس لے لی۔ نادر شاہ کا محاصرہ اور زیادہ شدید ہو گیا۔ اور تابڑ توڑ حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان شدید اور ناقابل مزاحمت حملوں کی تاب نہ لا کر یکم رمضان ۱۱۴۴ھ (۱۶ فروری ۱۷۳۲ء) کو ہرات کا سقوط عمل میں آ گیا۔

یہ بڑا فیصلہ کن معرکہ ثابت ہوا۔

آخری مرتبہ اللہ یار خاں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ملتان روانہ ہو گیا۔

نادر شاہ نے اب فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہرات کو ابدالیوں کے سپرد نہیں کرے گا۔ اس نے باقاعدہ ہرات پر قبضہ کر لیا اور وہاں کا انتظام ایک ایرانی گورنر پیر محمد سلطان کے حوالے کر دیا۔(۱۲)

اس وقت اور اس زمانہ میں ذوالفقار خاں کو بھی فرح سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس خیال سے کہ ذوالفقار خاں اور صیدل خاں کی فوجیں متحد ہو کر پھر ہرات کے لئے ایک خطرہ نہ بن جائیں' اور آزادی و حریت کی ایک نئی لہر نہ اٹھ کھڑی ہو' نادر شاہ نے اپنے بھائی ابراہیم خاں کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ فرح کو فتح کرلے۔

فرح کی تاب مقاومت اسی وقت جاتی رہی جب اللہ یار خاں یوسف بے کارواں بنا ہوا ہرات سے رخصت ہو کر ملتان جاتا ہوا ادھر سے کس مپرسی اور بے چارگی کے عالم میں گزرا۔

یہ رنگ دیکھ کر ذوالفقار خاں نے اپنے چھوٹے بھائی احمد خاں کے ساتھ قندھار کی طرف راہ فرار اختیار کی تاکہ وہاں پناہ حاصل کریں ۔ یہاں پناہ تو کیا ملتی میزبان میر حسین نے ان دونوں کو جیل میں ڈال دیا۔ وہاں سے ان کی رہائی اس وقت عمل میں آئی جب نادر شاہ نے مارچ ۱۷۳۸ء میں قندھار بھی فتح کر لیا۔(۱۳)

گو اللہ یار خاں ہرات سے رخصت ہو کر ملتان پہنچ چکا تھا اور ذوالفقار بھی فرح سے بھاگ کر قندھار چلا آیا تھا۔ لیکن جب تک ابدالی قبیلہ کے لوگ یہاں موجود تھے اس وقت تک نادر شاہ کو اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ ان کی طرف سے وہ بے فکر ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بار بار کے تجربہ سے اس پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ابدالیوں کو دبانا اور انہیں مطیع بنائے رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی سربراہی اور سرداری ان اشخاص کے ہاتھ میں ہے جو بار بار سر اٹھاتے رہے ہیں۔ موقع ملتے ہی یہ پھر درد سر بن کر نمودار ہوں گے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ افغانستان سے ابدالیوں کو جلا وطن کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے چھ ہزار کے قریب ابدالیوں کو غنی خاں علی کوزی اور نور محمد خاں غلزئی کے ساتھ مشہد' نیشاپور اور دامغان میں جو خراسان کے صوبے میں واقع تھے جلا وطن کر دیا۔ کچھ پہلے اسی طرح اس نے چھ گنی تعداد میں افشار اور دوسرے قبیلے کے لوگوں کو جلا وطن کر دیا تھا۔

ابدالیوں کی جلا وطنی کے باوجود کچھ ابدالی سرداروں کو اس نے ملازمت میں لے لیا۔ اور اپنے ذاتی عملہ میں شامل کر لیا۔(۱۴)

اس طرح آنے والے چھ سالوں تک ابدالیوں کی قسمت پر مہر لگ گئی۔

اس مدت میں انہوں نے نادر شاہ کا اعتماد پھر سے حاصل کر لیا۔ اور اس کی نوازش اور مراحم خسروانہ سے ۱۷۳۸ء میں یہ لوگ اپنے آبائی وطن ہرات اور قندھار میں پھر سے آکر آباد ہو گئے۔

آزادی حاصل کرنے میں انہیں مزید ۹ سال لگے۔ جب ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کی ہلاکت کے بعد احمد خاں ذوالفقار خاں کا بھائی' قبیلہ کا سب سے بڑا سردار تسلیم کر لیا گیا اور افغانوں کا بادشاہ بن گیا۔ اس کا شاہی خطاب تھا'

احمد شاہ در دراں!

حوالہ جات

(۱) دلی میں نادر شاہی ۶، ۷۷۔

(۲) تاریخ سلطان مولف سلطان محمد خان ابن موسیٰ خاں درانی

(مطبوعہ محمدی پریس بمبئی (۱۲۹۸ھ)

(۳) حسین شاہی۔

(۴) نادر شاہ و لاکھارن، ص ۳۱۔

(۵) دل آرام کا قصبہ قندھار اور ہرات کے مابین واقع تھا۔

(۶) لوکہارت نے اپنی کتاب نادر شاہ میں لکھا ہے کہ زماں خاں نے عبداللہ خاں کو قتل کر دیا تھا۔

(۷) جہاں کشائے نادری ص ۹۵۔ لوکہارت نے لکھا ہے کہ اس سال محمد خاں نے تتھ پر چڑھائی کی تھی۔

(۸) تاریخ سلطانی ۹۹۔۱۰۰ نیز

Lockhart : Nadir Shah p.31

"احمد خاں بابا" کے مصنف کا خیال ہے کہ ذوالفقار خاں اور احمد شاہ کی مائیں جدا جدا تھیں۔ احمد شاہ کا سگا بھائی علی مراد خاں تھا (ص ۳۱، ۳۴)

(۹) جہاں کشائے نادری ص ۹۶

(۱۰) حسین شاہی ۷، ۸

تاریخ احمد ۶، ۷،

Lockhart, Nadir Shah p-31

(۱۱) صولت افغانی، ص ۳۴۰۔،

(۱۲) جہاں کشائے نادری ص ۱۷۲

تاریخ سلطانی ۱۱۵۔

(۱۳) جہاں کشائے نادری، تاریخ سلطانی ۱۱۸۔

(۱۴) Lockhart : Nadir Shah PP.52-54

تیسرا باب

احمد شاہ کی ابتدائی زندگی

احمد شاہ درانی کا نام ماں باپ نے احمد خاں رکھا تھا۔ یہ زماں خاں ابدالی کا دوسرا بیٹا تھا جو سیدوزئی قبیلہ کا سردار اعلیٰ تھا۔ احمد خاں یا احمد شاہ ۱۷۲۲ء میں بہ مقام ملتان پیدا ہوا۔(۱)

اس وقت اس کا باپ (زماں خاں) ہرات کا گورنر تھا۔ اور بیٹے (احمد شاہ) کی پیدائش کے چند ہی ماہ کے اندر وفات پائی۔ اس خاندان کے لئے زمانہ سازگار نہیں تھا۔ احمد شاہ کی ماں زرغونہ علی کوزی تھی۔ اور یہ اپنے نو مولود بیٹے کی سلامتی کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند تھی۔ چنانچہ علی زئی قبیلہ کے سردار حاجی اسماعیل کی پناہ میں چلی گئی جو ہرات کے نئے گورنر نامزد ہوئے تھے۔ اور شرط یہ قرار پائی کہ زرغونہ اپنی بیٹی کی شادی حاجی اسماعیل سے کردے۔

اسماعیل خاں نے احمد شاہ کی طرف پوری پوری توجہ مبذول کی اور اسے سبزوار بھیج دیا۔ فرح بھی کبھی کبھی اسے بھیج دیا کرتا تھا۔

احمد شاہ نے اپنی دس برس تک کی عمر کا زمانہ کہاں اور کس طرح بسر کیا؟ ہم نہیں جانتے۔ تاریخ اس باب میں خاموش ہے۔ ہم اس کا ذکر ۱۷۳۲ء میں سنتے ہیں جب اپنے بھائی ذوالفقار خاں کی شکست کے بعد جو اسے فرح میں حاصل ہوئی تھی' یہ جان بچانے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے قندھار کی طرف راہ فرار اختیار کرتا نظر آتا ہے۔ یہاں میر حسین نے ان دونوں بھائیوں کو پناہ دینے کے بجائے جیل میں ڈال دیا۔ یہ میر حسین قندھار کا غلزئی گورنر تھا۔

میر حسین نے ایسا کیوں کیا؟ ...... اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ قدم اس نے قدیم قبائلی عداوت کے باعث اٹھایا۔ ورنہ پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے ابدالیوں سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ جو ذوالفقار کی سرداری میں کسی وقت بھی سر پر لٹکتی ہوئی تلوار بن سکتے تھے۔(۲)

بعد کے سات سال یعنی ۱۷۳۲ء سے ۱۷۳۸ء تک کا زمانہ اس طرح گزرا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابدالی نادر شاہ کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور اس کی ملک گیری اور توسیع مملکت کی ہوس میں جوش و خروش اور وفاداری کے ساتھ سرگرم حصہ لے رہے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ان سے متاثر ہوتا ہے۔ ان کی وفاداری کی قدر کرتا ہے اور انہیں اپنی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنے لگتا ہے۔ ۱۱۴۷ھ (۳) میں جب اس نے داغستان کی مہم شروع کی تو وہ ابدالیوں کی وفاداری اور جوش عمل سے بہت متاثر ہوا۔ اور یہ تاثر ایک موقعہ پر تو اتنا بڑھا کہ اس نے بر سر دربار وعدہ کیا کہ ابدالی جو مانگیں گے پائیں گے۔

ابدالی سرداروں نے (جن میں سب سے زیادہ سربر آوردہ اللہ یار خاں سیدوزئی تھا) اس پیش کش سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور بجائے کچھ اور طلب کرنے کے شہنشاہ نادر سے یہ استدعا کی کہ انہیں ان کا وطن واپس دے دیا جائے ...... افغانستان جہاں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اور جہاں کی سرزمین ان کے لئے وجہ جذب و کشش ہے۔ انہوں نے ساتھ ہی ساتھ یہ استدعا بھی کی کہ وہ تمام ابدالی جنہیں ۱۷۳۲ء میں جلا وطن کرکے خراسان کے صوبے میں بھیج دیا گیا تھا اس کے مجاز بنائے جائیں کہ اب پھر اپنے وطن آئیں اور وہاں آکر آباد ہو جائیں۔ نیز یہ کہ قندھار غلزئی اقتدار کے جوئے سے آزاد کر دیا جائے اور انہیں واپس کر دیا جائے۔

نادر شاہ نے از راہ مراحم خسروانہ و عطوفت شاہانہ یہ تمام گزارشیں من و عن تسلیم کر لیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی وہ قندھار میں داخل ہو گا۔ یہ سارے مطالبات منظور کر لے گا۔ اور آخر کار ۱۷۳۸ء میں اس نے اپنے کئے ہوئے تمام وعدوں میں ایک ایک وعدہ حرف بہ حرف پورا کیا۔(۴)

نادر قندھار فتح کرتا ہے

۱۷۳۶ء میں نادر شاہ نے ترکوں سے التوائے جنگ کا معاہدہ کر لیا۔ اور بختیاری قبیلہ کے لوگوں کو اچھی طرح کچل دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے دارالحکومت واپس آیا۔ یہ واقعہ ۹ جمادی الثانی ۱۱۴۹ھ کا ہے۔(۵)

یہاں پہنچتے ہی نادر شاہ نے اپنے ایک دیرینہ فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لیا۔

یعنی فتح قندھار کی مہم کا آغاز کر دیا۔ ۱۷ رجب ۱۱۴۹ھ (۶) کو اس نے غلذئیوں کی قوت توڑنے اور انہیں شکست دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ وہ کرمان اور سیستان ہوتا ہوا اور سیستان قندھار کی سرحد سے گزرتا ہوا' ۲ شوال کو خیمہ زن ہوا۔ ۷ فروری کو' وہ فرح' دھلک' اور دل آرام ہوتا ہوا' گریشک پہنچ گیا۔ یہاں خیمہ زن ہونے کے بعد چوتھے دن' ارگندھاب کے مغربی کنارے پر' نادر کی فوجیں پہنچ گئیں' یہاں غلذئی سرداروں نے شب خون مارا جس میں یونس خاں اور صیدل خاں پیش پیش تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی ماتحتی میں آٹھ آٹھ ہزار منتخب سوار تھے۔

اس موقعہ پر عبدالغنی خاں جو نادر شاہ کے ہم رکاب ابدالیوں کا سردار تھا' آگے بڑھا۔ اس نے اس حملہ کی خبر پاتے ہی ایک لمحہ کا توقف بھی نہیں کیا اور میدان میں اتر آیا۔ اس نے دفعتا" یونس خاں پر ایک مہلک وار کیا۔ جب تک' صیدل خاں اس کی کمک کو پہنچے اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس حادثہ نے غلذئیوں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر دیا۔ صیدل خاں کی لائی ہوئی کمک بھی ان میں حوصلہ نہ پیدا کر سکی۔

عبدالغنی کا یہ کارنامہ نادر شاہ کی نظروں میں بے حد وقیع ثابت ہوا۔ یوں بھی وہ ابدالیوں پر مہربان تھا اور انہیں مورد لطف و کرم قرار دیتا رہتا تھا۔ لیکن عبدالغنی خاں کی اس جواں مردی اور وفاداری نے اس کی نظروں میں ابدالیوں کی وقعت اور عزت دوچند بڑھا دی۔

قندھار کا محاصرہ اپریل ۱۷۳۷ء کے پہلے ہفتہ میں شروع ہوا۔ اور ۱۳ مارچ ۱۷۳۸ء (۷) تک جاری رہا۔ آخری رات کو ایرانیوں نے شہر کے برجوں میں سے ایک برج پر قبضہ کر لیا اور پیش قدمی شروع کر دی۔

یہ دیکھ کر کہ اب کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی ہے اور سب کچھ کھویا جا چکا' میر حسن نے افغانی رسم "ننوات" کے مطابق اپنی بڑی بہن زینب کو غلذئی سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حصول پناہ کے لئے بھیجا۔ نادر شاہ نے اس رسم کا احترام ملحوظ رکھا۔ اور حسین' اس کے خاندان اور اس کے ساتھیوں کی جاں بخشی کر دی۔ اور ان سب کو جنگی قیدی کی حیثیت سے ماژندران بھیج دیا۔ (۸)

ابدالی ہرات اور قندھار واپس لیتے ہیں

جیسا کہ معلوم ہے اس زمانے میں ذوالفقار خاں سدوزئی اور اس کا بھائی احمد خاں قندھار میں قید تھے۔ نادر شاہ نے ان دونوں کو آزادی عطا کی۔ کیونکہ اسے حاجی اسماعیل خاں علی زئی کا

پاس خاطر ملحوظ تھا۔ یہ حاجی اسماعیل جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں احمد شاہ کا بہنوئی تھا۔ نادر شاہ نے احمد شاہ کے ساتھ خاص طور پر بہت اچھا برتاؤ کیا۔ اس نے خزانہ شاہی سے اسے ایک بہت بڑی رقم مرحمت فرمائی۔ تاکہ اپنا اور اپنے بھائیوں کا معیار حیات درست کر سکے۔ اور ماژندران کی فرماں روائی سونپ دی۔ ۱۱۴۷ھ میں نادر شاہ نے ابدالیوں سے جو وعدہ داغستان کی مہم کے زمانے میں کیا تھا بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پورا کر دیا۔ عبدالغنی خاں جو احمد شاہ کا چچا تھا" قندھار کا گورنر بنا دیا گیا۔ دوسرے ابدالی سرداروں کو گریشک' بست' اور زمندوار کی سرداری سونپ دی۔ ابدالی قبیلہ کے جن ہزار ہا ہزار لوگوں کو جلا وطن کر کے نیشاپور مشہد' دامغان اور خراسان کے دوسرے صوبوں میں بھیج دیا گیا تھا' انہیں اجازت دی گئی کہ جوق در جوق اپنے آبائی وطن واپس آجائیں۔ اور یہیں بود و باش اختیار کر لیں۔ اور جن زمینوں پر اب تک غلذئیوں کا تسلط اور قبضہ چلا آرہا تھا ان پر قبضہ کر لیں۔ کیونکہ اب ایک مرتبہ تاریخ پھر اپنے آپ کو دوہرا رہی تھی۔ آج سے پہلے ابدالیوں کو خراسان کے صوبے میں مختلف مقامات پر جلا وطن کر کے بھیج دیا گیا تھا۔ اور آج غلذئیوں کو خراسان کے صوبے میں مختلف مقامات پر جلا وطن کر کے بھیجا جا رہا تھا۔ علاوہ ازیں غلذئیوں کی تین ڈویژن سپاہ جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھتی تھی بھرتی کر لی گئی۔ ارگندھاب علی کوزی قبیلہ کو عطا کیا گیا۔ جس کا سردار عبدالغنی خاں تھا۔ زمندور علی زئی قبیلہ کو دے دیا گیا جس کا سردار نور محمد خاں تھا۔ باقی علاقہ بارک زئی قبیلہ کو مرحمت فرما دیا گیا۔ ہرات بھی ابدالیوں کو دیدیا گیا۔ اس پر خاص طور سے سیدوزئی لوگوں کا غلبہ اور تسلط تھا۔ احمد شاہ ابدالی اس ابدالی قبیلہ کی اسی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ مغربی حصہ میں جاکر آباد ہو گئے اور جس پر اب تک ابدالیوں کا قبضہ چلا آرہا ہے۔(۹)

احمد خاں نادر شاہ کے پرسنل اسٹاف میں

ذوالفقار خاں ماژندران کب گیا؟ اور وہاں اس نے کس طرح اپنے ایام فرماں روائی و سرداری گزارے؟ اس بات کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے' ہم تو احمد خاں کو زیر بحث لائیں گے۔

احمد خاں کی دل آویز اور سحر طراز شخصیت سے نادر شاہ بہت متاثر ہوا۔ اس کی عمر صرف سولہ سال کی تھی لیکن باایں ہمہ نادر شاہ نے اسے اپنے پرسنل اسٹاف میں شامل کر لیا۔ اس کا جو منصب قائم کیا گیا وہ "یسوال" کا تھا۔ یعنی ذاتی نگہداروں کا سربراہ۔

یہ کوئی معمولی اعزاز نہ تھا۔

اسی اعزاز کی بدولت احمد خاں احمد شاہ بنا۔ اور اسے وہ سربلندیاں حاصل ہوئیں جن کا وہ

خود بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔

اسی اعزاز کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ سایہ کی طرح نادر شاہ کے ساتھ رہنے لگا۔ جہاں ■ جاتا یہ بھی جاتا۔ اس کے ساتھ اس نے ہندوستان ' ترکیہ ' اور دوسرے مقامات پر جنگی مہمات میں شرکت کی۔ اور جب بھی موقعہ آیا اپنی شجاعت اور دلیری کا جھنڈا گاڑ دیا۔

نادر شاہ کی یہی مصاحبت اور رفاقت تھی جس نے احمد شاہ کے دل میں آگے جا کر ملک گیری اور توسیع مملکت کا جذبہ خوابیدہ بیدار کیا۔

احمد شاہ نے اپنے آقا کی خدمت اس وفاداری ' جاں نثاری اور دل سوزی سے کی کہ بہت جلد اس نے ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔ حد یہ ہے کہ وہ بنک باشی یعنی خزانہ دار(۱۰) بنا دیا گیا۔

نادر شاہ احمد شاہ کی خوبیوں اور صفات سے اس درجہ متاثر اور مسحور تھا کہ بارہا اس نے بھرے دربار میں اپنے اعیان و اشراف' امرا و حکام اور سرداروں کے سامنے بغیر کسی جھجک کے صاف اور واشگاف الفاظ میں احمد شاہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ اور کہا کہ میں نے ایران' توران' ہندوستان' کسی مقام پر بھی اتنا ذہین' صلاحیتوں سے بھرپور' وفادار اور بہادر نوجوان نہیں دیکھا۔(۱۱) احمد شاہ کو اس کے چار ہزار ابدالی سپاہیوں کے ساتھ جو حد درجہ تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ تھے' نادر شاہ اپنے شاہی حرم سرا کے دوسرے دروازے پر متعین رکھتا تھا۔ یہ گویا اعتماد کی انتہا تھی۔(۱۲)

نظام الملک کی پیش گوئی اور نادر شاہ

لیکن نادر شاہ نے جب مغل فرماں روائے ہندوستان محمد شاہ کو مغلوب کر لیا' اور دہلی کے شاہی قلعہ پر قبضہ کر لیا۔(۱۳) تو ایک مرتبہ نظام الملک چین قلیچ خاں سابق وزیر اعظم کی نظر احمد شاہ پر پڑی۔ جو اس وقت دکن میں نائب السلطنت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ احمد شاہ دیوان عام کے پاس جالی دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔(۱۴) نظام الملک نے جو بہترین قیافہ شناس تھا اس نوجوان میں بزرگی اور عظمت کے آثار دیکھے اور اس نے پیش گوئی کی کہ یہ نوجوان ایک روز ضرور تخت شاہی پر رونق افروز ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ نظام الملک کے کمال قیافہ شناسی سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ پرچہ نویسوں نے یہ خبر بھی اس تک پہنچا دی۔ اس نے فوراً" احمد خاں کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ پیٹی سے خنجر نکالا اور اس کے کان میں نوک خنجر چبھوتے ہوئے کہا:

"جب تم بادشاہ بنو گے یہ چرکا تمہیں میری یاد دلائے گا۔"(۱۵)

یہ واقعہ بہت سے مورخوں نے اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔

ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز نادر شاہ اپنے تخت طلائی پر رونق افروز تھا اور موسم کی خوش گواریوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ احمد شاہ سراپا ادب بنا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دفعتہً نادر شاہ نے اسے حکم دیا۔

"آگے آؤ! احمد شاہ ابدالی!"

احمد شاہ جب قریب پہنچا' نادر شاہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اور قریب آؤ۔"

وہ نادر شاہ کے ادب اور اجلال و اکرام کو پورے طور پر ملحوظ رکھتا ہوا اور زیادہ قریب آگیا۔ نادر شاہ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور کہا:

"احمد خاں ابدالی یاد رکھو' میرے بعد بادشاہت تمہارے ہاتھ آئے گی۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ نادر شاہ کی اولاد کے ساتھ زیادہ لطف اور مہربانی کا برتاؤ کرو!"

احمد خاں نے مؤدب ہو کر جواب دیا:

"میری تمنا تو یہ ہے کہ آپ پر قربان ہو جاؤں۔ اگر اعلیٰ حضرت مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔ میرا سر حاضر ہے۔ ورنہ اس طرح کے ارشادات کا مطلب اور سبب کیا ہے"۔

نادر شاہ نے جواب دیا'

"میں اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ تم ایک دن بادشاہ بنو گے۔ لہٰذا پھر کہتا ہوں میری اولاد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رعایت اور عنایت کا برتاؤ کرنا۔"

اور جیسا کہ میر امام الدین حسینی نے اپنی تاریخ حسین شاہی میں جسے انہوں نے نومبر ۱۷۹۸ء میں مکمل کیا تھا کہا ہے' یہ بات بلا شبہ پوری صداقت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ نادر شاہ کی اس وصیت پر احمد خاں نے پوری راست بازی اور صداقت کے ساتھ عمل کیا۔ جب وہ تخت حکومت پر جلوہ گر ہوا تو پوری وفاداری کے ساتھ اس نے نادر شاہ کے الفاظ کا احترام کیا۔ اس نے نادر شاہ کے جانشین اور پوتے مرزا شاہ رخ کی پوری مدد کی۔ اسی طرح احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور نے شاہ رخ کے بیٹوں کی ہر طرح سے امداد کی اور انہیں جیل سے نکال کر آزاد کیا۔ اور مشہد پورے اعزاز و احترام کے ساتھ روانہ کر دیا۔ تیمور کے اس برتاؤ اور نوازش سے مرزا اتنا زیادہ متاثر ہوا اور اس پر ممنونیت کا جذبہ ایسا طاری ہوا کہ اس نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ امام الدین مصنف تاریخ حسین شاہی ہمیں بتاتا ہے کہ احمد شاہ کے خاندان کی طرف سے نادر شاہ کی اولاد کے ساتھ یہ شریفانہ اور مربیانہ اور ہمدردانہ سلوک مسلسل اور غیر

منقطع طور پر برابر جاری رہا۔(۱۶)

نادر شاہ کا قتل

ان واقعات کے بعد نادر شاہ کا نام ۱۷۴۷ء میں سننے میں آتا ہے۔ اپنے افسوس ناک حادثہ قتل سے کچھ پہلے نادر شاہ کا ذہنی اور دماغی توازن متزلزل ہو گیا تھا۔ وہ شک اور وہم کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بات بات پر بھڑک جاتا اور اپنے مقرب بارگاہ لوگوں کو معتوب قرار دے کر انہیں لرزہ خیز اذیتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بناتا۔ اس طرز عمل سے وفاداروں کے قدم بھی ڈگمگا گئے اور ان میں بھی باغیانہ جذبات پیدا ہو گئے۔ اس چیز نے اسے اور زیادہ مشتعل کر دیا اور ذرا ذرا سے شبہے پر قتل و ہلاکت کا بازار گرم کرنے لگا۔

۱۱ محرم ۱۱۶۰ھ(۱۷) کو نادر شاہ اصفہان سے یزد اور کرمان کے لئے روانہ ہوا۔ جہاں کہیں بھی وہ پڑاؤ کرتا، بہت سے لوگوں کو معتوب قرار دے کر طرح طرح کی اذیتیں دیتا، اور بہتوں کو ہلاک کر ڈالتا۔ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ ان کے سروں کا مینارہ تیار کر لیا جاتا۔

کرمان میں جشن نو روز دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منانے کے بعد، نادر شاہ مشہد کی طرف بڑھا۔ یہاں قسمت کا لکھا پورا ہوا۔ اور وہ اس سے کہیں زیادہ سفاکی اور بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالا گیا جس سفاکی اور بے دردی کے ساتھ وہ دوسروں کو قتل کیا کرتا تھا۔

اس موقع پر سیستان میں نادر شاہ کے بھتیجے علی قلی خاں کی بغاوت کی خبر آئی۔

اس خبر نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اور نادر شاہ کے ظلم و جبر کے خلاف جو فضا پیدا ہو گئی تھی ▪ اور زیادہ شدید ہو گئی۔

علی قلی خاں کی مدد کے لئے کرد اٹھ کھڑے ہوئے اور رادکان میں انہوں نے شاہی محل کا محاصرہ کر لیا۔

نادر شاہ کی برہمی اور اشتعال میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جو مجرم بغاوت اور شورش کرتے ہاتھ آئے انہیں اس نے موت کے گھاٹ اتارا اور فتح آباد چلا آیا۔ جو صرف دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ واقعہ ۱۱ جمادی الثانی (۷ جون) کا ہے۔(۱۸)

Rev. Pere Lovis Bazin جو نادر شاہ کے درباریوں میں تھا۔ بیان کرتا ہے کہ:

"ایسا معلوم ہوتا ہے نادر شاہ کو کسی نامعلوم حادثہ کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا محسوس ہوا کرتا تھا۔ جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ کئی دن تک اس نے اپنی حرم سرا میں ایک گھوڑا جس پر ہمہ وقت زین کسی رہتی تھی تیار رکھا۔ اس کا ارادہ

قلات چلے جانے کا تھا۔ اس کا خیال تھا وہاں یہ آفت ٹل جائے گی۔ لیکن اس کے محافظوں نے اسے روکا' اور بتایا کہ اگر وہ چلا گیا تو حالات اور زیادہ ناساز گار اور نامساعد ہو جائیں گے۔ یقین دلایا کہ وہ اس کے جاں نثار اور سرفروش خادم ہیں اور اس کے پسینے پر خون بہانے کو تیار' یہ بھی یقین دلایا کہ وہ اس کے دشمنوں سے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اپنے آخری قطرہ خون تک جنگ کرتے رہیں گے۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ان میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا ساتھ چھوڑ جائے۔ اس یقین دہانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ ابھی چند روز ہوئے اسے قتل کر دینے کی سازش کی گئی تھی۔ دربار کے اشراف اور اعیان میں قلی خاں اور صالح خاں سب سے زیادہ اس کے خلاف تھے۔ اور یہی سب سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ اس کے خلاف کر رہے تھے۔ ان میں سے پہلا شخص یعنی قلی خاں اس کے نگہبانوں کا امیر اعلیٰ تھا اور دوسرا امور خانہ داری کا سربراہ اور ذمہ دار۔ آخری شخص یعنی صالح خاں زیادہ خطرناک نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی ماتحتی میں نہ کوئی فوج تھی' نہ دستہ سپاہ۔ لہٰذا اس کی مخالفانہ سرگرمیوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اصل خطرہ اول الذکر یعنی قلی خاں سے تھا۔ اور اس سے نادر شاہ خائف بھی تھا۔ یہ بڑا تیز' منچلا اور سراپا جوش و عمل تھا۔ اپنی بہادری اور دلیری کے باعث مقبول عوام اور محبوب خواص بھی تھا۔ اور سرکاری حکام و عمال سے اس کے تعلقات بھی زیادہ سے زیادہ دوستانہ اور یگانگت کا پہلو لئے ہوئے تھے۔ لہٰذا یہی شخص تھا جس سے اصل خطرہ تھا اور اسی سے وہ متوحش اور بدگمان تھا!"

یہی شخص آگے چل کر مزید اس پہلو پر روشنی ڈالتا ہوا' اور صورت احوال کے بعض نئے پہلوؤں کو زیر بحث لاتا ہوا کہتا ہے۔

"نادر شاہ اپنے کیمپ میں چار ہزار افغان سپاہی رکھتا تھا۔ یہ غیر ملکی سپاہی پورے طور پر اس کے وفادار' اور ایرانیوں کے مخالف اور دشمن تھے۔ ۱۹۔ ۲۰ جون کی رات کو نادر نے اپنے سرداروں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور کہا۔

"میں اپنے نگہبانوں سے مطمئن نہیں ہوں۔ البتہ تمہاری وفاداری اور دلیری کا مداح اور قدر شناس ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ صبح صبح ان کے تمام افسروں کو گرفتار کر لو۔ اور بے تامل انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دو۔ ان میں سے

اگر کوئی مزاحمت کی جرات کرے تو ذرا رعایت نہ کرو۔ فورا" اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔ یہ میری ذاتی سلامتی اور تحفظ کا سوال ہے۔ اور میں اپنی زندگی کے تحفظ اور سلامتی کے بارے میں جس پر اعتماد کر سکتا ہوں وہ تم اور صرف تم ہو"۔(۱۹)

ان افغان سپاہیوں کا جن پر نادر شاہ کو اس درجہ اعتماد تھا سردار اعلیٰ احمد خاں ابدالی تھا۔

احمد خاں نے فورا" ہی ان ارشادات و احکامات پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کر لیا۔ اور صبح کی معرکہ آرائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اس معرکہ کے لئے آمادہ کر لیا۔ جو صبح پیش آنے والا تھا اور کوئی شبہ نہیں حد درجہ خوف ناک تھا۔

صاف ظاہر تھا نادر شاہ ان ایرانی افسروں کے قتل عام کے در پے تھا جو اس کی نظر میں مشکوک اور معتوب تھے۔ لیکن قسمت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔

نادر شاہ کی یہ باتیں ایک جاسوس کے کان میں پڑ گئیں۔ اس نے فورا" ہی جا کر محمد قلی خاں کو ایک ایک لفظ اس ساری گفتگو کا جو نادر شاہ اور احمد خاں ابدالی کے مابین ہوئی تھی سنا دیا۔ محمد قلی خاں نے یہ باتیں صالح خاں تک پہنچا دیں۔

اب وقت ضائع کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ فورا" ہی ان دونوں نے ایک خفیہ مجلس منعقد کی' اور فیصلہ کر لیا کہ بغیر کسی تاخیر اور تامل و تذبذب کے جو کام کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ اس خون آشام اور سفاک شخص کا خاتمہ کر دیا جائے۔

آدھی رات کے سناٹے میں' ستر سربر آوردہ سرداران حکومت نادری' محمد قلی خان' صالح خاں' محمد خاں قاچار' موسیٰ بیگ افشار' اور قوجہ بیگ کی سیادت میں نادر شاہ کے خیمہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھے۔ ان میں سے ۵۷ افراد تو خوف و دہشت کے باعث راستے ہی سے داغ جدائی دے گئے اور اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ گئے۔ صرف قلی خاں اور صالح خاں نادر شاہ کے خیمہ میں جانے کی ہمت اپنے اندر پیدا کر سکے۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اپنا مقصد پورا کئے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔ صالح خاں نے نادر شاہ پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دونوں ہاتھ قطع کر دیئے۔ اور قبل اس کے کہ نادر شاہ جنبش بھی کر سکے محمد قلی خاں نے ایک مہلک وار کر کے اس کا سر گردن سے اڑا دیا۔(۲۰)

ان قاتلوں اور سازشیوں نے فیصلہ کیا کہ صبح تک نادر شاہ کے قتل کی خبر افشا نہ ہونے پائے۔ اور فوج کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پائے تاکہ وہ ازبکوں اور افغانوں سے بالکل بے خبری کے عالم میں نمٹ سکیں۔

لیکن اسی اثنا میں احمد خاں کو بی بی صاحبہ(۲۱) کا ایک پیغام ملا۔ یہ پیام حرم سرا کی ایک

باندی لائی تھی۔ اس پیام میں اسے اس حادثہ جاں گداز کی اطلاع دی گئی تھی۔

احمد خاں کی فوج چار ہزار ابدالیوں پر مشتمل تھی اور بالکل چوکس تھی۔ اور ہر طرح سے مسلح تھی اور ہر ہنگامی صورت احوال کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتی تھی۔ اور جو اپنے آقا کے تحفظ اور سلامتی کے لئے ہر خطرہ مول لینے' اور ہر قوت سے ٹکرا جانے کے لئے تیار تھی۔ پہلے پہل تو احمد خاں کو یقین نہیں آیا کہ واقعی نادر شاہ قتل کر دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بالکل تیار رہا۔ صبح ہوئی تو ابدالی سپاہی ریلا کر کے نادر شاہ کے خیمہ میں پہنچے تاکہ اپنے آقا کی لاش کا دیدار کر سکیں۔ اور اگر ہو سکے تو اس کے اس بے رحمانہ اور سفاکانہ قتل کا انتقام بھی لیں۔

ایرانی اپنی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ابدالی لشکر آتا ہوا دیکھا تو اس پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ابدالی ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور خیمہ میں پہنچ گئے۔ قبل اس کے کہ احمد خاں باہر نکلے اس نے نادر شاہ کی انگلی سے شاہی انگشتری اتار لی نیز کوہ نور ہیرے پر بھی قبضہ کر لیا اور دوسری قیمتی چیزیں بھی لے لیں۔ اور اپنے آقا کی لاش کو آخری سلامی دی۔ شاہی خیمہ میں اس وقت ہر طرف افراتفری' شوروغل اور ہنگامہ کا عالم تھا۔ اس اثناء میں کہ ایرانی قزلباش شاہی املاک و جائداد کی فکر میں سرگرداں تھے' دوسرے قبائل باہمی جنگ میں اور اس سے زیادہ لوٹ مار میں مصروف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس حادثہ کے صرف چار گھنٹے کے اندر اندر نہ کہیں شاہی خیمے کا پتہ نشان تھا۔ نہ شاہی ہیرے' جواہرات' اور دوسرے املاک کا۔ نادر شاہ کے ساتھ ہی یہ ساری چیزیں غائب ہو گئیں۔(۲۲)

نادر شاہ کا سر محمد قلی خاں نے فوراً" ہی اس کے بھتیجے علی قلی خاں کے پاس بھیج دیا۔ اور مقتول کی خواہش کے مطابق قتل کے نویں روز اسے مشہد روانہ کر دیا گیا۔ اور وہاں خیابان اعلیٰ میں اس مقبرہ(۲۳) کے اندر اسے سپرد خاک کر دیا گیا جو اسی مقصد کے لئے تعمیر ہوا تھا۔(۲۴)

حوالہ جات

(۱) احمد شاہ ابدالی کی صحیح تاریخ ولادت تاریخ میں نامعلوم ہے۔ ۱۷۲۲ء کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ تخمینی اور ظنی ہے جو علم حساب کی رو سے قائم کیا گیا ہے جو مبنی ہے ان حوالہ جات پر جو اس کی عمر سے متعلق تاریخ میں مرقوم ہیں۔

لوکھارت نے فارسی مورخوں کی تحریر کی بنا پر اپنی کتاب "نادر شاہ" میں لکھا ہے کہ جب ۱۷۳۸ء میں ..... نادر شاہ نے قندھار کو فتح کیا تو احمد شاہ کی عمر ۱۴ سال اور ۱۶ سال کے مابین تھی (ص ۱۲۰)۔ احمد شاہ کا سن ۲۳ اور ۲۴ سال کے مابین تھا (ص ۲۶۱)۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ احمد شاہ کی ولادت ۱۷۲۴ء میں ہوئی۔ لیکن یہ تاریخ ولادت اس کے باپ زماں خاں کی تاریخ وفات سے مطابقت نہیں رکھتی جس کا انتقال اکتوبر ۱۷۲۳ء کے آخری ہفتے میں ہوا تھا۔ جب ۱۱۳۵ھ کا آغاز ہوا تھا۔ اسی سال دسمبر میں (یعنی موسم سرما کے آخر میں (۲۳۔ ۱۷۲۲ء) اس کے جانشین محمد خاں نے مشہد پر فوج لے کر چڑھائی کی تھی اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کی ولادت کم از کم اگست ۱۷۲۲ء میں ہوئی لہٰذا ہم یہ باور کرنے پر مجبور ہیں کہ احمد شاہ ۱۷۲۲ء میں تولد ہوا جو نادر شاہ کی فتح قندھار (۱۷۳۸ء) کی وقت ۱۶ سال کا اور اس کی وفات (۱۷۴۴ء) کے وقت ۲۵ سال کا تھا۔

جہاں تک احمد شاہ کے مقام ولادت کا تعلق ہے ہم جانتے ہیں اس کا باپ زمان خاں ۱۷۲۰ء میں برسراقتدار آیا۔ اور کسی دستاویز سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ۱۷۲۰ء اور ۱۷۲۲ء کے مابین اس نے ملتان کی سرزمین پر قدم بھی رکھا ہو۔ اس صورت میں کہ امام الدین حسین شاہی نے (ص۱۱) تصریح اور وضاحت کے ساتھ اس کا مقام ولادت ملتان قرار دیا ہے۔ اسے صرف اس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ توجیہ یہ کی جائے کہ ہرات کے نامساعد اور خطرناک حالات اور مسموم فضا کے باعث زرغونہ کو زماں خاں نے ملتان بھیج دیا تھا تاکہ زچگی یہاں کے پرسکون ماحول میں ہو۔

لیکن میر غلام محمد غبار مصنف "احمد شاہ بابائے افغان" اس دعوے سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ احمد شاہ کی ولادت ملتان میں نہیں ہرات میں ہوئی۔ اور اس کا سال ولادت ۱۱۳۵ھ (۱۷۲۳ء) ہے جب کہ اس کا باپ زماں خاں زندہ تھا۔

(۲) صولت افغانی، ص ۳۴۰

(۳) ۳۵۔ ۱۷۳۴ء

(۴) صولت افغانی، ص ۳۴۰

(۵) ۱۰ نومبر ۱۷۳۶ء

(۶) ۲۳ جنوری ۱۷۳۷ء

(۷) ۱۱ ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ

(۸) جہاں کشا نادری۔ ۳۲۴

(۹) تاریخ حسین شاہی، ۹۔ ۱۰

(۱۰) Treasury officer

(۱۱) جہاں کشائے نادری' ۳۲۸

(۱۲) تاریخ احمد' ص ۹

(۱۳) ۹ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ (۹ مارچ ۱۷۳۹ء)

(۱۴) میلس نے اپنی History of Afghanistan کے ص ۲۷۲ پر لکھا ہے کہ احمد شاہ بھی اپنے بھائی ذوالفقار خاں کے ساتھ ماژندران بھیج دیا گیا تھا۔ اور وہاں سے اس وقت واپس آیا جب نادر شاہ ہندوستان فتح کرکے اپنی مملکت میں مال غنیمت سے لدا پھندا واپس آیا تھا لیکن اس بیان کی دوسری معاصر تاریخوں سے تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مہم جب نادر شاہ سر کر رہا تھا تو احمد شاہ اس کے ساتھ تھا۔ ملاحظہ ہو۔

○ تاریخ احمد شاہی ۲۶

○ خزانہ عامرہ ۹۷

○ ماثر الامرا' ج ۲ ص ۹۱

(۱۵) تاریخ احمد شاہی (حاشیہ) نیز۔

Ferrier' P. 93

(۱۶) تاریخ حسین شاہی' ص ۱۱' ۱۲' نیز

تاریخ سلطانی: ص ۱۲۱' علاوہ ازیں:

Sarkar : Fall of Mughal Empire ۲ 201

(۱۷) ۱۱ جنوری ۱۷۴۷ء

(۱۸) جہاں کشائے نادری' ص ۔ ۴۲۶' نیز

Lockhart Nadir shah. P. 254

"بیان واقعی" نے ۱۳ جمادی الاول ۱۱۶۰ھ لکھی ہے۔ لیکن یہ تاریخ صحیح نہیں ہے۔

(۱۹) ملاحظہ ہو Bazin کی یاد داشت Memoirs جسے لوکھارٹ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ص ۲۶۱۔

(۲۰) جہاں کشائے نادری: ۴۲۶۱' نیز

مجمل التواریخ: ص ۱۴۔۱۹

شاہنامہ احمدیہ ۔ ص ۱۴

بیان واقعی ۔ ص ۱۲۵

مجمل التواریخ میں نادر شاہ کے قاتل کا نام محمد بیگ قاچار لکھا ہے۔

(۲۱) بی بی صاحبہ نادر شاہ کی ایک حرم۔

شیر محمد خاں مؤلف "انساب روٗ سائے ڈیرہ اسماعیل خاں" کا بیان ہے کہ یہ خاتون ایک افغان قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ایرانی نہیں تھی۔

(۲۲) حسین شاہی ۔ ۱۴ نیز۔

تاریخ احمد ۔ ۱۱

مجمل التواریخ ۔ ۲۱

انساب روٗ سائے ڈیرہ اسماعیل خاں ۸۱

تاریخ بلوچستان ۔ ۱۹۰ ' ۷۵۳

(۲۳) بیان واقعی ۔ ص ۱۲۶' نادر شاہ عام طور پر کوہ نور ہیرے کو ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔

(۲۴) کوہ نور ہیرا۔ لاکھارٹ نے اپنی کتاب "نادر شاہ" میں لکھا ہے کہ احمد خاں کی سربراہی میں اس حادثہ کے بعد جب قندھار واپس جا رہے تھے تو انہوں نے نادر شاہ کا ایک خزانہ لوٹ لیا اس خزانہ میں کوہ نور ہیرا بھی تھا جس پر اس نے قبضہ کر لیا۔

(Nadir Shah P. 263)

یہاں ایک غلطی موصوف نے یہ کی ہے کہ اسے نادر شاہ کا خزانہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ وہ خزانہ تھا جو نادر شاہ کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ یہ نادر شاہ کے کیمپ سے نہیں آرہا تھا بلکہ نادر شاہ کے کیمپ میں جا رہا تھا۔

لہٰذا اس خزانے میں کوہ نور ہیرے کا موجود ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔

غلام محمد غبار نے اپنی کتاب "احمد شاہ بابا" میں لکھا ہے کہ احمد خاں نے شاہی خاندان کے تحفظ اور سلامتی کے سلسلے میں جوگراں بہا خدمات انجام دیئے تھے ان کی اعتراف کے طور پر نادر شاہ کی ملکہ نے قتل کے بعد احمد خاں کو بہت سی چیزیں تحفہ کے طور پر بھیجیں۔ ان میں کوہ نور بھی تھا۔ (احمد شاہ بابا' ص ۱۸۴)

لیکن اس بیان کی تاریخی استناد کے ساتھ تصدیق نہیں ہوتی لہٰذا اسے صحیح نہیں مانا جا سکتا۔

مشہد کے مقبرے میں بھی نادر شاہ کی لاش کو سکون نہ ملا۔ آغا محمد شاہ قاچار کے حسب الحکم اس کی میت قبر سے نکال کر طہران لائی گئی جہاں وہ شاہی محل کی دہلیز کے نیچے دبا دی گئی تاکہ وہ ہمیشہ پامال ہوتی رہے۔

(Lockhart Nadir Shah, P- 264)

چوتھا باب

قبائلی جرگہ کا اجتماع

احمد خاں سردار اعلیٰ منتخب ہو گیا

ایک درویش کی کرامات

نادر شاہ کی وفات سے افغانستان کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اس تماشہ گاہ کا سب سے بڑا اور ممتاز اداکار احمد خاں ابدالی تھا جسے بجا طور پر جدید افغانستان کا معمار اور بانی کہا جا سکتا ہے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے پہلی مرتبہ افغانستان کا جداگانہ سیاسی وجود قائم کیا۔ جس نے اپنی قوم کو غلامی کی پستی سے نکالا' اور آزادی کے تخت پر بٹھا دیا۔

نادر شاہ کی وفات کے وقت افغان ہرچہار طرف سے ایرانیوں کے حصار میں محصور تھے اور ان ایرانیوں کا برتاؤان کے ساتھ معاندانہ تھا۔ ان ایرانیوں نے ان پر تابڑتوڑ حملے کئے کہ یہ کسی طرح خیام شاہی تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن یہ اپنے سردار اور سالار احمد خاں کی قیادت میں اس پر تلے ہوئے تھے کہ وہاں جاکر رہیں گے۔ انہوں نے ایسی یلغار کی کہ بالاخر یہ ایرانیوں کے حصار سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بادشاہ ہلاک ہو چکا تھا اور کوئی تخت شاہی کا دعویدار بھی یہاں موجود نہ تھا۔ لہٰذا وفاداری کے منقسم ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اب افغانوں کے لئے صرف ایک راستہ کھلا ہوا تھا اور وہ تھا مادر وطن میں واپسی کا۔ اور غیر ملکی جوئے سے نجات حاصل کرکے آزادی اور حریت سے بہرہ ور ہونے کا۔

اس زمانہ میں افغان نور محمد خاں علی زئی کی ماتحتی میں تھے جو نادر شاہ کا نامزد تھا۔ اور فتح قندھار(۱) کے وقت سے لے کر اب تک فرمانروائی کرتا چلا آرہا تھا۔ لیکن اب صورت احوال بالکل بدل گئی تھی۔ نادر شاہ کی وفات نے' اور ایران سے افغانوں کی قندھار کی طرف یورش نے پانسہ بالکل پلٹ دیا تھا۔ Malleson کہتا ہے۔

"اب افغانوں کے سامنے آزادی کی منزل مقصود تھی ۔ غیر ملکی اقتدار دم توڑ رہا تھا۔ اس کا قائم کیا ہوا نظام' اس کے آوردے' اور اس کے آلہ کار سب ہی اپنا مقام کھو چکے تھے۔ افغانوں نے ایک قومی فوج تیار کر لی۔ جو ہر مخالف قوت سے ٹکرانے اور اس کی مزاحمت کرنے کا دم رکھتی تھی۔ اور اب غیر ملکی اقتدار کا بھرم لحہ بہ لحہ کھلتا جارہا تھا۔ اب ابدالی ایک غیر ملکی حکومت کے سپاہی نہیں تھے۔ اب وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کے سرفروش فدائی تھے۔ اور اب یہ ابدالی اور غلذئی اپنے سابق اور مقتول فاتح کے نامزد کردہ گورنر کے احکام کی بجا آوری' اور اس کی اطاعت کے لئے تیار نہیں تھے۔ آقا (نادرشاہ) کی وفات نے راستہ کا ہر پتھر ہٹا دیا تھا۔ اب یہ آزاد تھے' اور اب یہ ایک علی زئی کے احکام کی متابعت اور پیروی کے لئے تیار نہیں تھے(۲) ...... اور جو نسب کے اعتبار سے بھی کوئی پایہ نہیں رکھتا تھا(۳)۔"

ایک تاریخی اجتماع

اب ضرورت اس کی تھی کہ ابدالی اپنا ایک سردار جلد از جلد منتخب کر لیں۔ اور اس ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مشترک تحفظ اور سلامتی کے جال نے ابدالیوں اور غلذئیوں کو اس وقت باہم پیوست کر دیا تھا' اور ان کی دوئی ختم کر کے انہیں متحد کر دیا تھا اور یہ ایک واحدے کی طرح پیش قدمی کر رہے تھے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت یہ ایک غیر ملک میں تھے جہاں ان کا کوئی دوست نہیں تھا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے اپنا ایک جرگہ منعقد کیا جس میں قبیلے کے تمام سردار شریک ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ سب لوگ مل کر اپنا ایک قائد اور زعیم منتخب کر لیں۔

ابن محمد امین عبدالحسن گلستانی کے بیان کے مطابق۔

"ان لوگوں نے بحث و گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اس سفر دور دراز کے طے کرنے کے لئے ہم اپنا ایک سردار اعلیٰ منتخب کر لیں جس کے احکام و ہدایات پر

ہم میں سے ہر ایک بے چون و چرا عمل کرے۔ سردار اعلیٰ کے منتخب کئے بغیر یہ مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ ہم سلامتی اور تحفظ کے ساتھ قندھار اس طرح پہنچ جائیں کہ ہماری فوج ، ہمارے متعلقین، ہمارے سپاہی، اور ہمارے ملازم صحیح سلامت ہوں۔ کیونکہ ہمارے سر پر ایک بہت بڑا خطرہ قزلباشوں کا منڈلا رہا ہے۔ لہٰذا ضروری اور لازمی ہے کہ ہم جلد از جلد، پوری یک جہتی اور ہم آہنگی سے اپنا ایک سردار اعلیٰ منتخب کر لیں جو ہماری منزل مقصود تک (قندھار تک) پہنچنے کے اثنا میں ہر اس خطرے کا مقابلہ کر سکے جو ہمیں پیش آئے۔"

لیکن ایک سردار اعلیٰ کا منتخب کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ہر قبیلہ آرزو مند تھا کہ اس کا امیدوار اس منصب بلند پر فائز ہو۔ ہر قبیلہ بضد تھا کہ سرداری کا اعزاز اسی کو حاصل ہو۔ اس کشمکش میں پورے آٹھ دن گزر گئے اور مسلسل آٹھ روز تک جرگے کے اجتماعات منعقد ہوتے رہے۔ جرگہ کی نویں نشست میں حاجی جمال خاں نے جو محمد زئی قبیلہ کے سردار تھے رائے دھندگان کی اکثریت کو اپنی ذات پر متحد کر لیا۔ لیکن باقی ماندہ اقلیت بھی کمزور نہیں مضبوط اور طاقتور تھی۔ فیصلہ پھر دور ہوتا نظر آیا۔ اندیشہ محسوس ہونے لگا شاید کوئی فیصلہ ہو ہی نہیں سکے گا۔

احمد خاں سدوزئی ابدالی جو نسب اور خاندان کے اعتبار سے ان سب میں بالا اور برتر تھا جرگہ کی ان تمام ہنگامہ خیز نشستوں میں شرکت کرتا رہا تھا اور پورے ضبط و تحمل، اور سکون و اطمینان کے ساتھ جھگڑنے والوں کی تمام باتیں اور ان کے تمام دعاوی سنتا چلا آرہا تھا۔ اور زیر بحث مسئلہ پر اب تک اس کی زبان سے نہ کوئی لفظ نکلا تھا۔ نہ اس نے کسی طرح کی کوئی تجویز پیش کی تھی۔

اور عین اس وقت جب گرمی گفتار تلخ کلامی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور تلواریں میان سے باہر نکلنے کے لئے تڑپ رہی تھیں اور لوگ گرمئ گفتار اور طوفان تکلم سے خستہ ہو چکے تھے۔ ایک درویش محمد صابر شاہ نے دفعتہ" احمد خاں کا نام سرداری کے لئے پیش کر دیا۔ اس نے کہا،

"ان لایعنی باتوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدا نے احمد خاں کو تم سب سے بڑا اور باعظمت آدمی پیدا کیا ہے۔ افغان خاندانوں میں یہ سب سے بالا اور برتر ہے۔ خدا کی مرضی کے سامنے سر جھکا دو۔ ورنہ یاد رکھو اس کی مشیت سے سرتابی تمہیں کہیں کا نہ رکھے گی۔"

حاجی جمال خاں محمد زئی ان تمام سرداروں میں جو اس جرگے کے اندر موجود تھے سب سے زیادہ طاقتور شخصیت رکھتا تھا۔ اس کو اب تک جملہ حاضرین میں سرداری کے لئے سب سے زیادہ ووٹ ملے تھے۔ درویش صابر کی بات اس کے دل میں اتر گئی اور اس نے احمد خاں کی شخصیت کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ سیدوزئی ہر اعتبار سے اعلیٰ اور بلند مرتبے رکھتے ہیں۔ احمد خاں سیدو کی نسل سے براہ راست تعلق رکھتا ہے جو شاہ عباس اعظم کے پاس سفیر کی حیثیت سے گیا تھا۔ اور اس سفارت میں جمال خاں کے جد محمد خاں کی حیثیت صرف ایک رفیق طریق کی تھی۔ اسی طرح سیدو کا بیٹا خواجہ خضر افغان قبائل کا قومی ہیرو' اور روحانی تاجدار تھا۔ اور آخر میں وہ اس کا دادا تھا جس کے ہاتھ میں ابدالیوں کی سرداری تھی۔ اس طرح ہر اعتبار سے احمد خاں کی سرداری قابل قبول ہے۔ اور وہی اس منصب بلند کا سزا وار ہے۔ چنانچہ حاجی جمال خاں نے فوراً ہی احمد خاں کے مقابلہ میں دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ اور پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی تائید و حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس کی سیرت کا یہ ایسا پہلو تھا جس کی عظمت کے آگے افغان ہمیشہ سر جھکاتے رہے۔(۴)

درویش صابر شاہ نے نظام الملک کی طرح' نادر شاہ کے قتل سے صرف تین دن پہلے احمد خاں کی بادشاہت کی پیش گوئی کی تھی۔ اور کہا تھا یہ شخص ضرور بادشاہ ہو کر رہے گا۔ اور ٹھیک اسی روز جب نادر شاہ اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا' اپنی آخری منزل پر پہنچا اور جب اس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا' اور اس کی قوت اور دبدبہ کا کوئی حریف نہ تھا' کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک درویش ایک اونی ٹوپی اوڑھے ' احمد خاں سے ملا اور کہنے لگا۔

"میں تمہارے چہرے پر بادشاہت کا جلال دیکھ رہا ہوں مجھے تھوڑا سا سوتی کپڑا دو تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ کیونکہ بہت جلد تخت شاہی تمہیں حاصل ہونے والا ہے"۔

احمد خاں نے درویش کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اس درویش نے اس کپڑے کو لیا اور بچوں کی طرح احمد شاہ کے خیمہ کے عین مقابل ایک چھوٹا سا خیمہ تیار کر دیا۔ اور کچھ قرآنی آیتیں تلاوت کرنے لگا۔

اور اس واقعہ کے ٹھیک تیسرے دن نادر شاہ قتل کر دیا گیا۔

احمد شاہ کے دل میں اس درویش کی عقیدت اور عظمت بڑھ گئی جو مستقبل کے

اسرار سے پردہ اٹھا سکتا تھا۔ اور جب وہ نادر شاہ کے قتل کے بعد قندھار جانے لگا تو اس نے درویش کو بھی ساتھ لے لیا۔ درویش برابر اس پر زور دیتا رہا کہ وہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دے۔ لیکن احمد خاں اس وقت تک یہ اعلان کرنے میں متامل رہا جب تک قبائلی جرگے نے اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر دیا۔(۵)

حوالہ جات

(۱) ۱۷۳۸ء

(۲) Histoary of Afghanistan P-273

(۳) Ferrier: History of the Afghans P-68

(۴) مجمل التواریخ، ص ۷۴۔

(۵) مجمل التواریخ، ص ۷۴، ۷۵،

تاریخ حسین شاہی اور تاریخ احمد شاہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صابر شاہ نے نادر شاہ کے قتل سے تین سال پہلے احمد خاں کے متعلق پیش گوئی کی تھی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس باب خاص میں ابن محمد امین کی مجمل التواریخ کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے۔

فریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

افغان سرداروں کا جرگہ مقبرہ شیخ سرخ میں منعقد ہوا تھا جو ایک چھوٹے سے قصبے نادر آباد میں واقع تھا، اور قندھار سے صرف پینتیس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔

ملاحظہ ہو Ferrier کی History of Afghanstan P-68

پانچواں باب

تخت شاہی

احمد شاہ ابدالی کے عروج کا شاندار دور

احمد شاہ کا تامل

احمد شاہ کو یہ منصب بلند ..... بادشاہی ..... قبول کر لینے میں تامل تھا' کیونکہ موجودہ بے سرو سامانی کے حالات میں کہ وہ شاہی لوازمات جلال و عظمت سے محروم تھا اپنے آپ کو نااہل خیال کرتا تھا۔ لیکن صابر شاہ ایسا آدمی نہیں تھا جسے آسانی کے ساتھ اس کے طے شدہ فیصلہ سے منحرف کیا جا سکتا۔ جب اس نے دیکھا کہ احمد کا نام افغان سرداروں اور اہل قبائل کے لئے ناقابل قبول نہیں ہے بلکہ انہوں نے اسے اپنا سردار اعلیٰ منتخب کر لیا ہے تو اس نے اس عظیم اور نفسیاتی لمحہ سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے فوراً ہی زمین پر ایک چھوٹا سا چبوترہ بنایا۔ احمد خاں کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بٹھایا اور کہا'

"یہ تمہاری مملکت کا تخت شاہی ہے!"

اس طرح صرف چند لمحوں کے اندر یہ ابدالی نوجوان بادشاہ بھی بن گیا اور تخت شاہی پر بھی جلوہ افروز بھی ہو گیا۔

اس کے بعد اس مرد درویش نے احمد شاہ سے کہا'

"اب تم بادشاہ در دوران ہوا"

احمد نے اس القاب و خطاب میں تھوڑی سی ترمیم کی' اور در دوراں کی بجائے در

دراں کر دیا۔ اس وقت سے اس کا قبیلہ درانی کے نام سے مشہور ہو گیا۔(۱)

جیسا کہ ہونا بھی چاہئے تھا احمد شاہ کے دل میں صابر شاہ کی غیر معمولی عقیدت اور عظمت پیدا ہو گئی۔

امام الدین حسینی' مصنف تاریخ حسین شاہ نے نواب نصیر خاں جن کا ذکر آگے ذرا وضاحت سے آئے گا کے حوالہ سے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

"ایک روز میں احمد شاہ کے دربار میں گیا۔ میں نے دیکھا احمد شاہ تخت شاہی پر متمکن ہے۔ اور ایک درویش جو سر سے پاؤں تک برہنہ تھا' اور گرد و غبار میں لت پت تھا اس کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا۔ اکثر وہ ہاتھ اٹھا کر اس کا کان یا ناک اپنی طرف کھینچتا اور کہتا

"اے افغانی دیکھ میں نے تجھے بادشاہ بنا دیا!"

اور جواب میں احمد شاہ کچھ نہ کہتا سوا اس کے کہ حد درجہ احترام و اکرام کے ساتھ اس سے پیش آتا۔ اس کے سامنے سر جھکائے رہتا۔ بات کرتا تو انتہائی ادب کے ساتھ۔

میں نے محل کے لوگوں سے اس درویش کا نام دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا انہیں صابر شاہ کہتے ہیں"(۲)۔

اعلان آزادی

اس اجتماع میں دوسرا اہم ترین فیصلہ یہ کیا گیا کہ افغانستان کا سیاسی تعلق ایران سے منقطع کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ اب مملکت آزاد اور خود مختار ہے اور خود اپنا ایک بادشاہ رکھتی ہے۔

یہ فیصلہ بالاتفاق ہوا۔ جملہ افراد قبائل' اور سرداران قبائل نے اس فیصلہ کی پر جوش تائید اور حمایت کی۔ مخالفت میں ایک آواز بھی نہیں اٹھی۔

اس موقع پر شاہ ولی خاں بامیزئی کو اشرف الوزراء کا خطاب دیا گیا' اور وزارت عظمیٰ کا منصب جلیلہ سونپا گیا۔

سردار جان خاں جو بعد میں جہان خاں کے نام سے مشہور ہوا' سپہ سالار اعلیٰ اور وزیر جنگ بنایا گیا۔ سپہ سالار اعلیٰ کا عہدہ کمانڈر انچیف کے برابر تھا۔

شاہ پسند خاں کو امیر لشکر(۳) بنایا گیا۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ اور بھی کئی سردار اعلیٰ مناصب پر فائز کئے گئے۔ مثلاً" برخوردار خاں' عبداللہ خاں' اور نورالدین کو متعدد اعزاز اور مناصب عطا کئے گئے۔ اور اس نئی حکومت

میں انہیں ' اور اسی طرح کے دوسرے افراد کو ترقی اور فروغ کے زیادہ سے زیادہ مواقع بہم پہنچائے گئے۔(۴)

احمد خاں کی براہ راست ماتحتی میں تقریباً" چار ہزار افغان تھے۔ انہیں لے کر وہ سرزمین قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ ہرات پر نادر شاہ کے ایک نامزد گورنر کی حکومت تھی۔ احمد خاں میں ابھی اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اس کو برطرف کرکے وہاں اپنا عمل دخل کر سکتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ابھی اسے اپنے ساتھیوں پر پورا پورا اعتماد نہیں تھا کیونکہ ان کی وفاداری ابھی تک آزمائی نہیں جا سکی تھی۔ نیز اس وقت اصل مقصد قندہار کی طرف کوچ کرنا تھا۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہاں غلبہ و تسلط قائم کر لینا تھا۔ چنانچہ اس نے ہرات پر قبضہ کرنے کا خیال فی الحال دل سے نکال دیا۔ اور منزل مقصود کی طرف سیدھا روانہ ہو گیا۔

فرح کے قریب چند ہزار ایرانیوں کی فوج اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی لیکن افغانوں نے بڑی آسانی سے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ اس مزاحمت کو کچلنے کے بعد بغیر کسی رکاوٹ کے نہایت آسانی کے ساتھ وہ قندھار میں داخل ہو گئے۔(۵)

احمد شاہ قندہار میں

اسے بھی ایک طرح کی خوش بختی تصور کرنا چاہئے کہ احمد شاہ کے قندہار میں پہنچنے سے صرف ایک دن پہلے محمد تقی خاں شیرازی وارد قندہار ہوا۔(۶) یہ سندھ اور پنجاب میں نادر شاہ کا بیگلر بیگی تھا۔ احمد سید خاں جو والی لاہور محمد زکریا خاں' اور والی کابل نواب نصیر خان کا نمائندہ تھا' دو کروڑ روپے کا خزانہ جو زر نقد اور بے شمار ہیرے جواہرات اور شالوں پر مشتمل تھا' اور تین سو اونٹوں کے قافلے پر بار تھا۔ افغان محافظوں کی حفاظت میں قندھار آیا۔ یہ خزانہ اور یہ تحائف نادر شاہ کی خدمت میں بھیجے جا رہے تھے۔ اور یہ خزانہ دار قندہار میں چند دن ستانے اور آرام لینے اور راستے کے لئے ضروری مویشیوں اور اشیاء کا بندوبست کرنے کے لئے ٹھہرے تھے۔

اس موقع پر احمد خاں کے لئے اس سے بڑی اور اہم کوئی چیز نہیں ہو سکتی تھی۔

احمد خاں نے فوراً" منادی بھیجے اور انہوں نے منادی کی کہ نادر شاہ ہلاک کر دیا گیا۔ احمد خاں اب افغانستان کا بادشاہ ہے۔(۷) اس اعلان اور منادی کے بعد احمد شاہ نے اس کاروان زر پر قبضہ کر لیا۔ اس کارواں کے ساتھ بہت سے ہاتھی بھی تھے ان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جو کچھ مال و متاع ہاتھ آیا' اسے سب کا سب اپنی فوج کے سرداروں ' سالاروں اور سپاہیوں ' نیز حکومت کے عہدیداروں اور ملازموں میں تقسیم کر دیا۔

فریر نے بالکل سچ لکھا ہے کہ احمد شاہ کی اس حوصلہ مندی' عالی ظرفی اور دریا دلی نے اس کے مستقبل کی تعمیر میں بہت مدد دی۔ اس کے ذاتی کردار اور مجدد شرف کے مقابلہ میں صرف یہ ایک اقدام کام کر گیا۔ متعدد ایسے قبائل تھے جنہوں نے واضح اور غیر مبہم طور پر اب تک اس کے انتخاب کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کی یہ فیاضی اور دریا دلی دیکھ کر اس کے سردار احمد شاہ کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے" اور ان کی اس وابستگی اور نیاز مندی سے اس نے فائدہ اٹھانے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ اس طرح اس نے اپنی قوت مجتمع اور مستحکم کر لی' اور اپنی حکومت کے پہلے سال کے دوران میں اس نے ایک بہت بڑی فوج کابل پر حملہ کرنے اور اسے فتح کرنے کے لئے تیار کر لی۔(۸)

احمد خاں نے محمد تقی خاں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے قزلباش ساتھیوں اور رفیقوں کے ساتھ اس کی سلک ملازمت میں داخل ہو گیا۔

محمد تقی خاں نے اپنے نئے آقا..... احمد شاہ..... کے ایما' اور خواہش کے مطابق نادر شاہ کے قزلباش ملازموں کو' جو کابل اور پنجاب میں تعینات تھے واپس بلایا' اور انہیں ترغیب دی کہ اس نئی حکومت کے زمرہ ملازمت میں شامل ہو جائیں۔

لیکن نصیر خاں ان لوگوں میں نہیں تھا جو آسانی سے ہتھیار ڈال دیتے ہیں' لہٰذا وہ نظر بند کر دیا گیا۔(۹)

اب افغان ایک آزاد اور خود مختار قوم تھے۔ مستعد بھی تھے۔ چند ایرانی فوجی پلٹنیں بھی افغان حکومت کی ملازمت میں داخل ہو چکی تھیں۔

پورے طور پر مطمئن اور یکسو ہو کر' احمد شاہ اب قندہار کی طرف بڑھا۔

شہر کے اعیان و اکابر' اور اشراف و امراء اس کا استقبال کرنے شہر سے باہر نکل آئے۔

ان میں بعض وہ لوگ بھی تھے جو محسوس کر رہے تھے کہ اقتدار و اختیارات کے ختم ہونے پر ان کی حیثیت ختم ہو گئی ہے اور اب وہ احمد خاں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس احساس نے ان میں بغاوت کا جذبہ پیدا کیا۔ اور وہ اس کے خلاف ترکیبیں سوچنے اور اسکیمیں تیار کرنے لگے۔

لیکن بات چھپ نہ سکی۔ ملاقات کے وقت احمد خاں نے ان مخالف سرداروں میں سے ایک کو گفت و شنید کے لئے اپنے پاس طلب کیا۔ اور اس کے بعد اسے ہاتھی کے قریب پھینک دیا گیا اس نے اسے پاؤں تلے روند ڈالا۔ ان میں سے دو سرداروں کی گردن تلوار سے قلم کر دی گئی۔

اب راستہ صاف ہو چکا تھا۔

راستے میں جو سنگ گراں حائل تھے وہ ہٹ چکے تھے۔ احمد خاں اور اس کا لشکر شہر میں اپنے لشکر گراں کے ساتھ داخل ہو گیا۔(۱۰)

حوالہ جات

(۱) مجمل التواریخ۔ نیز بیان واقعی ۔ ۱۲۳
سیرالمتاخرین۔ ۸۶۰، علاوہ ازیں
Sarkar. Fall of the Moghal Empire II PP - 203,204
معمولی سے اختلاف کے ساتھ یہ واقعہ احمد شاہ کے تمام سوانح نگاروں اور مورخوں نے بیان کیا ہے۔

"بیان واقعی" اور "تاریخ سلطانی کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ درویش صابر شاہ جنہیں "بابا صابر شاہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے دراصل لاہور کے رہنے والے تھے جو پنجاب کا صدر مقام تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے یہ نس بند تھے۔ ان کا اصل نام نظام الدین عشرت نے "شاہنامہ احمدیہ (ص ۴۳) میں "رضا شاہ" لکھا ہے۔ "صابر شاہ ان کا صوفیانہ نام تھا" ..... مزید تفصیل کے لئے ملاخطہ ہو "مرآۃ آفتاب نما۔"

صابر شاہ کے ایک بھائی باقر شاہ تھے یہ ۱۲۱۲ھ میں بہ مقام پشاور اقامت گزیں تھے۔ انہیں افغان حکومت پانچ ہزار روپے سالانہ وظیفہ دیا کرتی تھی۔ امام الدین حسینی، تاریخ حسینی کے مصنف ذاتی طور پر ان سے واقف اور شناسا تھے۔

باقر شاہ بھی نہایت ذہین، معاملہ فہم اور صائب الرائے شخص تھا (حسین شاہی، ص ۱۵، ۱۶)

شیر محمد خاں نے اپنی کتاب "انساب روٗسائے ڈیرہ اسماعیل خاں" میں لکھا ہے کہ جس پیر نے احمد شاہ کو در دوراں کا خطاب دیا تھا وہ حضرت عمر چمکنی تھے جو پشاور کے قریب ایک مقام ہے۔

فریر نے اپنی کتاب (س ۱۶۹) میں لکھا ہے کہ درویش صابر مقبرہ شیخ سرخ کے مجاور تھے جو نادر آباد میں قندہار سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہمیں وہ تاریخی اجتماع ہوا تھا جہاں

افغانوں نے قندہار آنے کے بعد اپنے سردار اعلیٰ کا انتخاب کیا تھا۔ (تاریخ سلطانی' ص ۱۲)

نظام الدین عشرت نے اپنی کتاب "شاہنامہ احمدیہ" میں اس موقع پر صابر شاہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم نے اوپر جو مواد پیش کیا ہے وہ دوسری معتبر اور مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ میرا خیال ہے کہ احمد خاں کا انتخاب بہ حیثیت سردار اعلیٰ قندھار آتے ہوئے راستہ میں ایک جرگہ کے اندر ہو گیا۔ تاجپوشی کی رسم نادر آباد میں مقبرہ شیخ سرخ میں انجام پائی' جو قندہار سے بجانب جنوب مشرق صرف ۱۱میل کے فاصلہ پر واقع ہے

(۲) تاریخ حسین شاہی ص ۱۰

(۳) Chief of the Army

(۴) تاریخ حسین شاہی' ص ۱۴' ۱۵ء نیز

تاریخ احمد' ص ۱۲

(۵) شاہنامہ' ص ۳۴

(۶) شیرازی یک چشم تھا اور "کر" (اندھا) کے نام سے مشہور تھا۔

(تذکرہ آنند رام' ص ۲۳۵)

(۷) "بیان واقعی" (ص ۱۳۰) کے مطابق یہ خزانہ تیس لاکھ کا تھا۔ اسے افغان سرداروں نے لوٹ کر باہمی طور پر تقسیم کر لیا۔ یہ لوٹنے والے اور تقسیم کر لینے والے سردار نور محمد خاں' لاہو خاں اور دوسرے لوگ تھے جو قندہار کے قریب رہتے تھے۔

احمد خاں نے ان لوگوں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ خزانہ واپس کر دیں۔

میں نے خزانہ جو دو کروڑ کا بتایا ہے تو Frrier پر اعتماد کیا ہے۔ اس دو کروڑ میں زر نقد' جواہرات اور شالیں وغیرہ سب شامل ہیں۔

امام الدین سعادت نے یہ خزانہ دس لاکھ اشرفی کا قرار دیا ہے۔ اس میں اگر جواہرات اور شالوں کی قیمت شامل کر لی جائے تو یہ دو کروڑ کا بیٹھتا ہے۔

Skyes نے اپنی کتاب History of Persia میں (ص ۳۷۰) لکھا ہے کہ اس خزانہ میں جو جواہرات تھے ان میں کوہ نور ہیرا بھی تھا ..... لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اگر مزید تفصیل مطلوب ہو' تو مجمل التواریخ کا مطالعہ کیا جائے جو اپنے موضوع پر حد درجہ قابل اعتماد اور مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ نیز جلد دوم کا حاشیہ ۱۴ بھی اس بحث کے سلسلہ میں قابل مطالعہ ہے۔

(۸) History of the Afghans' 70

(۹) "بیان واقعی" ص. ۱۳' نیز
Malleson' 215' 276

(۱۰) قندہار میں احمد شاہ کے حکم سے جو لوگ قتل کیے گئے۔ ان میں اس کے مشفق ماموں عبدالغنی خاں کا نام بھی نظر آتا ہے ۔ جسے ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے قندہار کی گورنری عطا کی تھی۔
(تذکرہ آنند رام' ص ۲۳۳)

چھٹا باب

تاج پوشی

اور جب احمد خاں فرماں روائے قندہار نے محسوس کر لیا کہ بادشاہت محکم بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے۔ اور افغانوں نے اس کی سلطنت شاہانہ کے آگے بسر جھکا دیا ہے۔ اور کوئی حریف مقابل موجود نہیں ہے تو شروع جولائی ۱۷۴۷ء میں قندہار کی ایک مسجد کے اندر اس کی رسم تاج پوشی سادگی اور وقار کے ساتھ انجام پائی۔(۱) اس رسم کے ادا کرنے میں سادگی کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔ شہر کے سب سے بڑے عالم نے اس موقع پر ایک مٹھی بھر گیہوں نئے بادشاہ کے سر پر سے نچھاور کئے۔ اور حاضرالوقت انسانوں کے سامنے اعلان کر دیا کہ بادشاہت کے لئے احمد شاہ کو "خدا نے اور قوم نے منتخب کیا ہے۔"

فریر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے وسط کا یہ شاندار اور پر وقار طریقہ افغانی قبیلوں میں آج تک رائج ہے۔ جب بھی وہ اپنے کسی سردار کو منتخب کرتے ہیں تو یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اس رسم کے ساتھ جو خصوصیت اور اہمیت وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ جسے اختیارات سرداری تفویض کریں گے خدا اس کا ساتھ دے گا اور اس کا دور ہر اعتبار سے باعث برکت ہو گا۔(۲)

احمد خاں نے تخت نشینی اور تاج پوشی کی رسم انجام دینے کے بعد باقاعدہ "شاہ" کا خطاب اپنے لئے استعمال کیا۔ "در دراں" پہلے ہی سے استعمال ہو رہا تھا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، اور اب وہ "احمد شاہ درانی" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ اس نے رسم تاج پوشی کے بعد یہ

اعلان بھی منادی کے ذریعہ کرا دیا کہ آئندہ سے اس کے قبیلہ کو "ابدالی" نہ کہا جائے بلکہ درانی کہا جائے اور آئندہ سے کوئی بھی اس قبیلہ کا پرانا نام ..... ابدالی ــــ ہرگز استعمال نہ کرے۔(۳)

جیسا کہ معمول تھا تخت نشینی اور تاج پوشی کے بعد نئے بادشاہ کا نیا سکہ ڈھالا گیا۔

احمد شاہ درانی کا جو نیا سکہ دارالضرب سے ڈھل کر آیا اس پر یہ مرقوم تھا۔

حکم شداز قادر بے چوں بہ احمد بادشاہ
سکہ زن بر سیم و زر ازاوج ماہی تابہ بماہ

شاہی فرامین پر احمد شاہ درانی کی جو مہر ثبت کی جاتی تھی وہ یہ تھی۔

الحکم للہ یا فتاح۔ احمد شاہ در دراں!

اس مہر کے آخر میں ایک طاؤس کی تصویر نقش تھی۔ اس کی مہری انگشتری ایک کرے کی طرح تھی۔(۴)

ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد احمد شاہ کی عنان توجہ نصیر خاں کی طرف' جو اسیر زنداں تھا مبذول ہوئی۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے فوراً رہا کر دیا جائے' اور اسے کابل کی فرماں روائی سونپ دی جائے۔

لیکن ان عنایتوں اور نوازشوں کے باوجود نصیر خاں کی حالت یہ تھی کہ وہ احمد شاہ کا زیر دست اور تابع ہونے کو تیار نہیں تھا۔ احمد شاہ نے اس کی یہ بات تاڑ لی' اور اس نے یرغمال کے طور پر اس کے بیٹے کو اپنے پاس رکھ لیا تاکہ اس کی طرف سے کسی طرح کا خطرہ نہ رہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواہ بہ رضا و رغبت یا بہ جبرو اکراہ' بہرخان نواب نصیر خاں نے اپنی لڑکی کی شادی احمد شاہ کے ساتھ کر دی اور اسے پانچ لاکھ کا جہیز دیا۔(۵)

نئے بادشاہ کا نیا نظم مملکت

اب احمد شاہ کے سامنے دو اہم ترین مسائل تھے جنہیں اسے حل کرنا تھا۔ ایک تو افغانی قبائل کی تنظیم' دوسرے اس نئی حکومت کے استحکام اور تحفظ و سلامتی کا بندوبست۔

اس کے سامنے انداز فرماں روائی اور شان ملک داری کے سلسلے میں نادر شاہ کی مثال موجود تھی' اور یہ ایرانی نمونہ ایسا تھا جس کی وہ تقلید کر سکتا تھا اور اپنے سامنے اسے رکھ کر ہی پیروی کر سکتا تھا۔

لیکن حالات میں فرق تھا۔

نادر شاہ کی تخت نشینی اور ملک داری کے وقت ایران کے جو حالات تھے' احمد شاہ درانی کی

تخت نشینی اور ملک داری کے وقت افغانستان کے حالات اس سے قطعاً" جداگانہ اور مختلف حیثیت رکھتے تھے۔ اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ افغانوں کو اس پر ذہنی اور عملی طور پر آمادہ کر لیا جائے کہ وہ اس ایرانی نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی کو دیکھیں' اور حالات کو بھی ایرانی صدیوں سے ایک مخصوص قسم کے نظام شاہی کو اپنائے اور اس کے سامنے سر جھکاتے چلے آرہے تھے اور یہ نظام حکومت ان کے لئے مانوس اور قابل عمل بن چکا تھا' لہٰذا نادر شاہ بغیر کسی مزاحمت کے کامیاب ہو گیا۔ اس کی مضبوط اور مستحکم بادشاہت کے مقابلہ میں کوئی قابل ذکر قوت سدراہ نہیں ہوئی۔ جس سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ لیکن اس کے برعکس احمد شاہ کا معاملہ دوسرا تھا۔ اسے ایک جنگ جو اور آزاد خود مختار قوم کے اندر بادشاہت قائم کرنی اور اسے استحکام بخشنا تھا' اور اس قوم نے ایک غیر ملکی فاتح ..... نادر شاہ ــــــ کی بادل نخواستہ جو غلامی اور اطاعت قبول کی تھی وہ رضا کارانہ اور خوش دلانہ ذرا بھی نہ تھی بلکہ اس کی بنیاد تمام تر نفرت اور تلخی پر تھی۔ اس قوم میں مساوات جڑ پکڑ چکی تھی۔ یہ جذبہ ورثہ میں اسے پشتوں اور نسلوں سے ملا ہوا تھا۔ یہ اپنے ہی جیسے اور اپنی ہی قوم کے ایک شخص کو مرتبہ سلطانیت و ملوکیت پر فائز دیکھ کر اس سے زیادہ برانگیختہ اور مشتعل ہو سکتی تھی' جتنی ایک غیر ملک اور غیر قوم کے بادشاہ کو دیکھ کر ہو سکتی تھی۔ لہٰذا احمد شاہ مجبور تھا کہ اپنی راہ آپ پیدا کرے۔ وہ ایک افغان پیدا ہوا تھا۔ اس کی ساری زندگی افغانوں ہی میں گزری تھی۔ وہ ایک صاف دل اور صاف دماغ آدمی تھا۔ وہ اپنے مخصوص لیکن واضح تصورات اور خیالات رکھتا تھا۔ وہ ان مسائل سے روبرو ہونے اور ان سے نمٹ لینے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا افغان سرداروں کو سب سے زیادہ جس بات کی فکر ہے اور جو چیز بہت زیادہ انہیں مبتلائے رشک و حسد کئے ہوئے تھی وہ ــــــ وراثتی قبائلی حقوق کا مسئلہ تھا۔ لہٰذا اس نے طے کر لیا کہ ایسے معاملات میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کرے گا۔ کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک جملہ اختیارات اور حقوق وہ اپنی ذات میں مرتکز نہ کر لے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ قبائل پر حکومت براہ راست نہیں بلکہ ان کے سرداروں کے ذریعہ کرے گا' جو ایک طرح کا جاگیردارانہ نظام تھا۔ اس نے قبائل کی آزادی اور خود مختاری ان کے سرداروں کی ماتحتی میں پورے طور پر قائم رکھی' اندرونی معاملات و مسائل اور نظم و انتظام میں اس نے ذرا بھی مداخلت نہیں کی۔ قوت حاکمیت جو اس کی ذات میں مجتمع تھی اس کا استعمال بھی براہ راست کرنے سے وہ گریز کرتا تھا بلکہ قبائلی سرداروں کی وساطت سے کرتا تھا۔ ان سرداروں کا ایک کام یہ تھا کہ ان کے علاقوں سے جو تعداد سپاہ کی مقرر کر دی گئی تھی اسے قائم رکھیں اور بہ وقت ضرورت خدمت کے لئے

پیش کر دیں۔ جنگ کی صورت میں اس سپاہ کا سرفروشی کے لئے حاضر ہونا لازمی تھا۔ اور ان کی خدمات کے عوض مرکزی حکومت ایک مخصوص اور معین رقم ادا کرتی تھی ۔

سب سے پہلے اس نے اس امر کی طرف توجہ مبذول کی کہ وہ خود اپنے قبیلہ کا سرگرم' وفادارانہ اور مخلصانہ تعاون حاصل کر لے کیونکہ اسی چیز پر اس کی حاکمیت ' بالا دستی اور بادشاہت کا انحصار تھا۔ چنانچہ اس نے ان زمینوں کے مالکانہ حقوق کو جو درانیوں کے قبضہ میں تھیں بحال رکھا ' اور اس کی سوا ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا کہ جتنی تعداد سپاہ بادشاہ نے متعین کر دی تھی اسی تعداد میں سپاہیوں کو ضرورت کے وقت فراہم کر دیں۔ بادشاہ نے اپنی مملکت میں تمام اہم اور کلیدی مناسب درانیوں کو تفویض کئے اور ان مناصب اعلیٰ کو اس نے تقریباً" موروثی بنا دیا۔ اس نے درانیوں کو مرتبہ اعلیٰ پر پہنچا دیا۔ اور یہ درانی کوئی غیر نہ تھے۔ خود اس کے اپنے لوگ تھے ہم قبیلہ ' ہم نوالہ ' ہم پیالہ ' اب سارا اقتدار و اختیار اور جاہ و جلال سمٹ کر ' سیدو اور خواجہ خضر کی نسل میں آگیا تھا۔

دوسرے قبائل کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ اچھا اور خوش گوار تھا۔ عالی دماغی ' وسعت نظر اور جذبہ ہمدردی سے سرشار ہو کر اس نے کوشش کی کہ انہیں اپنے سے قریب تر کرے ' اور انہیں ایک ایسے کنبہ کا فرد بنا دے جس میں کسی طرح کی باہمی دوئی نہ ہو۔ اس نے ان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرنے کی سعی بھی کی کہ وہ اپنے ہم قوم بادشاہ سے وفاداری اور خلوص کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کریں۔ وہ ان میں زیادہ سے زیادہ وطنیت اور قومیت کے جذبہ کو فروغ دینے کی تدابیر عمل میں لایا۔ وہ ایک ایسا بادشاہ بننا چاہتا تھا جو افغان حدود مملکت میں توسیع کا جویا تھا۔ جو افغان قومیت کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرنا چاہتا تھا۔ جو افغان تصورات و نظریات کو دور سے دور تر مقامات تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بار بار کے اکسانے کے باوجود وہ ان قبائل پر حملہ آور نہیں ہوا جو اس کی سلطانی سے منحرف تھے۔ اس کا جواب ایسے مواقع پر صرف ایک ہی ہوتا تھا یعنی یہ کہ وہ نہیں چاہتا کہ اپنے ملک اور اپنی قوم میں افتراق پیدا کرے اور خون کی ندیاں بہائے۔ محبت خاں سابق قلعدار ۔ نور محمد خاں بلدیاتی حاکم اور گدائی خاں سالار افغان قندھار کی امن شکن اور افتراق انگیز سرگرمیوں کو وہ برابر نظر انداز کرتا رہا۔ اور جب تک پانی سر سے اونچا نہیں ہو گیا اور اس نئی مملکت کا وجود خطرہ میں نہیں پڑ گیا وہ برابر اسی پالیسی پر عمل پیرا رہا۔ آخر میں حالات سے بالکل مجبور ہو کر اسے ان کی سرکوبی کے لئے اٹھنا پڑا۔(٦)

قبائل کو اپنے ساتھ لینے کے لئے اور اپنے قومی تصورات ان میں رائج کرنے کے لئے

اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ سرداران قبائل کو مٹھی میں لے لیا۔ اس نے نوافغان سرداروں کی ایک مجلس مشاورت قائم کی اور اپنے اوپر یہ پابندی عائد کر لی کہ مجلس مشاورت کی تائید و اجازت کے بغیر وہ کوئی اہم قدم نہیں اٹھائے گا۔

ایلفنسٹن کا بیان ہے۔

"داخلی طور پر اپنی قوت و حکومت مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے اس نے زیادہ تر غیر ملکی سرزمین پر جنگ و پیکار کی پالیسی اختیار کی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر ان مہمات میں کامیابی ہوتی ہے تو اس کا نام بھی اونچا ہو گا۔ اور اسے ایسے وسائل و ذرائع حاصل ہو جائیں گے کہ وہ ایک مضبوط اور منظم فوج کی مستقل بنیادوں پر ترتیب و تنظیم کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ افغان سرداروں کو انعامات اور ہدایا سے مالا مال کر کے ان کی اطاعت اور وفاداری حاصل کر لے۔ مال غنیمت کی تمنا بہت سے ایسے قبائل کو اس کا ساتھ دینے' اور اس کی فوج میں شریک ہونے پر اکسائے گی جنہیں بصورت دیگر وہ اپنے ساتھ ملانے اور اپنا مطیع و منقاد بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرنے اور فوج میں اہم عہدے تفویض کر کے اس نے ان لوگوں کے خطرے سے نجات حاصل کر لی۔ وہ خطرہ جو ان کی ہردلعزیزی اور اثر و رسوخ کے باعث اس کے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ فوجی آداب کی پیروی' اور فوجی تنظیم کے باعث خود بخود ان میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا کہ وہ اپنی قومی حکومت کی اطاعت اور خدمت میں کسی طرح کی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔ نیز افواج کے سامنے جب بادشاہ مستقل طور پر رہے گا اور وہ دیکھیں گی کہ ان کے قبائلی سردار بھی کس طرح اس کی اطاعت میں سرگرم ہیں تو وہ مجبور ہوں گی کہ اسے قوم کا سربراہ اعلیٰ تصور کریں۔ اسے بجا طور پر امید تھی (اور یہ امید پوری بھی ہوئی) کہ اس کے ہردلعزیزانہ اطوار ہمت' دلیری' سرگرمی' معاملہ فہمی اور دوسری حربی خصوصیات تمام طبقات میں اسے محبوب بنا دیں گی اور وہ شدت کے ساتھ اس کی ذات خاص سے محبت اور عقیدت رکھنے لگیں گے۔(۷)

پڑوسی ممالک کے ابتر حالات نے اور زیادہ اس نئی حکومت کے فروغ میں آسانیاں بہم پہنچائیں۔ نادر کی تاخت و تاراج نے عظیم ہندی اور ازبک حکومت کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اب ان میں کوئی دم نہیں رہ گیا تھا۔ جنگجو بلوچ کو بھی اس نے کچل دیا تھا اور ان سے کسی طرح کا

خطرہ لاحق نہیں تھا۔ بلکہ قوی امکان اس کا تھا کہ وہ افغانوں سے اتحاد و اشتراک کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پسند کریں گے۔ نادر شاہ کی ہلاکت نے ایران کا آفتاب اقبال بھی غروب کر دیا تھا۔ ان بد ترین حالات میں مستقبل قریب میں سیاسی افق پر اس کے پھر سے ابھرنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

یہ تھے وہ حالات جب احمد شاہ درانی افغانستان کے تخت شاہی پر جلوہ گر ہوا' اور فتح و کامرانی کی منزل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

حوالہ جات

(۱) فریر نے احمد شاہ کی تاریخ تاجپوشی ۱۷۴۷ء کے آخر میں بتائی ہے۔ اسی طرح Nash نے اکتوبر ۱۷۴۷ء لکھی ہے

History of the war in Afghanistan. P. 25

لیکن ہمارے سامنے خود احمد شاہ کا ایک خط ہے جو اس نے محمد حسین آفریدی کو ۱۸ رجب۔ ۱۱۶۰ھ (۱۵ جولائی ۱۷۴۷ء) کو لکھا تھا۔ جو تذکرہ آنند رام میں موجود ہے۔ جس میں اس نے اپنی تاجپوشی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم جولائی ۱۷۴۷ء میں انجام پائی تھی۔

اس سلسلہ کے تمام مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ رسم تاج پوشی مقبرہ شیخ سرخ واقع نادر آباد .... جو قندہار سے بجانب جنوب مشرق صرف ۴ میل کے فاصلہ پر ہے ...... عمل میں آئی۔ ملاحظہ ہو "احمد شاہ بابا' ص ۸۵"

(۲) History of the Afghans P. 70

(۳) لہراسپ نامہ : ص ۱۱' نیز شاہ نامہ احمدیہ : ص ۳

Frrier P. 93

(۴) تاریخ حسین شاہی : ص ۱۶ نیز ملاحظہ ہو

Latif : Punjab P. 215

(۵) ملخص التواریخ ص ۳۵۶ نیز

عمدۃ التواریخ، ص ۱۲۲

رسالۂ نانک شاہ ص ۱۲۱

صولت افغانی، ص ۲۴۴

(۶) گلستان رحمت، ص ۱۴۶

(۷) Cabul PP-283-4

ساتواں باب

کابل پر قبضہ

احمد شاہ نے اپنی حکومت و سلطنت اور شخصیت اور وجاہت کے تحفظ اور استحکام کے لئے جو وسائل و ذرائع اختیار کئے تھے وہ پورے طور پر کامیاب ہوئے۔ اور اس نے افغان قبائل کو یکسر اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ فوجی بھرتی کے لئے ہر طرف سے سپاہیوں کا تانتا لگ گیا۔ اور بہت قلیل عرصہ میں اس کی فوج چالیس ہزار نفوس سے زیادہ افراد پر مشتمل ہو گئی۔ یہ سپاہی زیادہ تر ابدالی اور غلزئی قبائل کے مختلف خاندانوں اور کنبوں کے افراد تھے۔ ان میں قزلباش بھی تھوڑی تعداد میں سہی لیکن پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھے۔

فتح کابل

اس وقت تک افغانستان نام کا کوئی ملک نہیں تھا۔ احمد شاہ کے سامنے جو پہلا کام تھا وہ یہ تھا کہ ان مختلف اضلاع کو جو افغان آبادی پر مشتمل تھے' ایک سیاسی واحدے میں تبدیل کر دے۔ ہرات کو کسی آئندہ وقت کے لئے اس نے چھوڑ دیا۔ غزنی اور کابل سے اپنے مہمات شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نواب نصیر خاں والی کابل(۱) کو قید سے رہا کر کے پھر سے کابل کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ یہ طالع آزما اور سازشی شخص تھا۔ اپنی فطرت اور مزاج کے اعتبار سے یہ محسن کش اور احسان ناشناس تھا۔ اس کے ساتھ کتنا ہی بہتر برتاؤ کیا جاتا مگر نہ یہ اعتراف کرتا' نہ ممنون ہوتا۔ اگرچہ اس نے اپنے بڑے لڑکے کو احمد شاہ کے پاس یرغمال کے طور پر رکھ چھوڑا تھا جو اچھا چال چلن رکھنے کی ضمانت تھی لیکن اس کے ذہن و دماغ کے بعید ترین گوشے

میں بھی پاس وفا اور پاس عہد کا خیال نہیں تھا۔ کابل آتے ہی یہ پشاور روانہ ہو گیا۔ اور وہاں جاتے ہی احمد شاہ کے خلاف فوجی تیاریاں کرنے لگا۔ شروع شروع میں یہ محمد شاہ فرمانروائے ہندوستان کی طرف سے کابل کا گورنر تھا۔ لیکن جب یہ صوبہ نادر شاہ کی عملداری میں منتقل ہو گیا تو بھی اسے اس کے منصب پر بحال رکھا گیا۔ اور اب یہ احمد شاہ کو نادر شاہ کا جانشین ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ نہ کابل پر اس کے سطوت اور اقتدار کو تسلیم کرنے پر رضامند تھا۔ اور رہائی کے وقت جو مواعید اس نے کئے تھے انہیں بھی یکسر فراموش کر چکا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اعلان کر دیا کہ مغل حکومت (حکومت ہند) کا باج گزار اور تابع ہے۔ احمد شاہ اور اس کی حکومت سے اسے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں۔

یہ وہی شخص ہے جس نے بے بسی اور بے کسی کے عالم میں کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر اپنی بیٹی کا ہاتھ احمد شاہ کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ جب یہ قندھار میں گرفتار اور مقید تھا۔

کابل کی گورنری پر اسے فائز کرتے وقت احمد شاہ نے طے یہ کیا تھا کہ یہ پانچ لاکھ روپیہ ادا کرے گا۔ لیکن بعد میں اس معاہدے سے منحرف ہو گیا۔ کابل کے افغانوں نے بھی یہ رقم ادا کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ اور انہوں نے اسے مجبور کیا کہ درانی بادشاہ سے لڑائی چھیڑ دے۔

اس کی ساتھ پانچ درانی سردار اس مقصد سے بھیجے تھے کہ رقم معاہدہ لے کر واپس آئیں۔ مگر اس نے روپیہ دینے کے بجائے انہیں خالی ہاتھ واپس کر دیا' اور پشاور جا کر اس کے خلاف جنگی تیاریاں کرنے لگا۔(۲)

اپنی حکومت و سلطنت اور بادشاہی کے آغاز ہی میں احمد شاہ ان غدارانہ سرگرمیوں کو کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک لشکر گراں لے کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ غزنی کا گورنر جسے نادر شاہ نے متعین کیا تھا' راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اسے شکست فاش حاصل ہوئی۔ اور وہ کہیں کا نہ رہا۔ اور غزنی پر کسی خاص مزاحمت کے بغیر احمد شاہ کا قبضہ ہو گیا۔

نصیر خاں بہر حال پشاور میں بیٹھا احمد شاہ کے خلاف فوجی مہم تیار کر رہا تھا۔ چونکہ اس نے مغل شہنشاہ سے عقیدت اور وفاداری کا اعلان کر دیا تھا لہٰذا اس نے اس سے فوجی اور مالی مدد طلب کی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ازبک اور ہرش قبائل کے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔

ایک طرف تو یہ حالات تھے دوسری طرف احمد شاہ افغان سرداروں کو خط لکھ لکھ کر اپنی

تائید و حمایت اور نصرت و اعانت کی وحدت ملی کے نام پر دعوت دے رہا تھا اور یہ دعوت اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب وہ تخت نشین ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے کابل کے افغانوں سے سلسلہ مکاتبات و مراسلات شروع کر کے انہیں اپنا ہم نوا اور مدد گار بنا لیا۔ انہوں نے واضح اور غیر مشتبہ انداز میں اس سے پورے پورے تعاون کا وعدہ کیا۔ انہوں نے کہا بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم مغلوں کے لئے افغانوں سے لڑیں؟ حد یہ ہے کہ بالاحصار کے سربر آوردہ ایرانی خاندان بھی' خفیہ اور پوشیدہ طور پر احمد شاہ کے ساتھ ہو گئے۔ اور ہر طرح سے اس کی اعانت کرنے کا وعدہ اور معاہدہ کر لیا۔ اس طرح وہ اور افغانی گویا ایک مشترک مقصد کے لئے یک جان ہو گئے۔

احمد شاہ کابل کے افغانوں سے یہ وعدہ کر کے کہ ان کے اقتدار پر حرف نہیں آئے گا' وہ داخلی مسائل میں پورے طور پر آزاد ہوں گے' ان کے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی قدم اعزاز و مناصب کی تقسیم کے سلسلے میں نہیں اٹھایا جائے گا' ان کے ساتھ مساوات کامل کا برتاؤ کیا جائے گا' کابل میں داخل ہو گیا۔

نصیر خاں کے قائم مقام نے کابل کی طرف سے کچھ عرصہ تک مدافعت کی' لیکن جب دیکھا کہ افغان سپاہی دھڑا دھڑ اس سے کٹ کر احمد شاہ کی فوج میں شریک ہو رہے ہیں تو مایوس ہو کر پشاور بھاگ گیا تاکہ اپنے آقا کو اس حادثہ الیمہ کی خبر کرے۔

کابل کے سقوط نے احمد شاہ کی مملکت میں ایک اور صوبے کا اضافہ کر دیا۔

اس صوبہ کے دارالحکومت (کابل) پر احمد شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ اور ایک افغان سردار جو احمد شاہ کا مطیع اور وفادار تھا' کابل کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

نصیر خاں کی بیوی جو زبردست خاں علی مردان خاں کی بیٹی تھی' درانیوں کے ہاتھ آ گئی۔ لیکن اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہی اعزاز و اکرام کا برتاؤ کیا گیا جو اس کے شایان شان تھا' اور جو اعلیٰ خاندان کی خاتون کے ساتھ روا رکھا جانا چاہیے تھا۔

فتح کابل کے بعد احمد شاہ درانی تو اس نئے صوبے کے نظم و نسق اور احوال و مسائل کو درست کرنے کی سعی و کوشش میں سرگرم عمل ہو گیا۔ اس لئے کہ یہ اس کی فوری توجہ کے طالب تھے۔ لیکن اس مصروفیت کے باوجود اس نے دشمن کو اور اس کی معاندانہ سرگرمیوں کو فراموش نہیں کیا۔ وہ اسے سبق دینے اور اس کی سرکوبی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس نے سردار جہاں خاں کو جو اس کا سپہ سالار تھا' اور عام طور پر جسے "بخشی" کہا جاتا تھا' نصیر خاں کے خلاف مہم سر کرنے کے لئے پشاور روانہ کر دیا' اور اس نے فوراً" پیش قدمی شروع کر

دی۔(۳)

حوالہ جات

(۱) اس کا اصل نام نصیری خاں تھا۔ یہ ناصر خاں محمد خاں کا بیٹا تھا جو شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں کابل کا گورنر تھا۔ ۱۱۲۹ھ (۱۷۱۷ء) میں اپنے والد کی وفات کے بعد یہ کابل کا صوبیدار بن گیا اور اپنے والد کا خطاب حاصل کر لیا۔ یہ واقعہ محمد شاہ کے عہد سلطنت کے دوسرے سال کا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔

ماثر الامرا۔ احمد یادگار' سلاطین افغانیہ' طہماس نامہ اور تاریخ علی۔

(۲) سیر المتاخرین ج ۳' ص ۲۵۳' نیز

عمدۃ التواریخ' ج ۱' ص ۱۲۴' رسالۂ نانک شاہ ج ۱' ص ۱۲۰' ملخص التواریخ ص ۳۵۶

(۳) تاریخ آنند رام ص ۲۳۷' نیز

سیر المتاخرین' ص ۸۶۱۔

آٹھواں باب

فتح پشاور

احمد شاہ کابل میں آکر جم گیا

نصیر خاں کا حال ابتر تھا اسے اندیشہ تھا کہ افغان قبائل کے سپاہی حملہ آور ہوں گے۔ اسے یقین کامل تھا کہ فتح پشاور کی مہم میں یہ اس کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ اس نے اس خطرہ کو دور کرنے اور افغان قبائل کو سبق دینے کی ایک تدبیر سوچی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ان قبائل کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے سب سے بڑے سردار عبدالصمد خاں محمد زئی (میمن زئی بھی) پر شبخون مارا جائے جو ہشت نگر کے ایک مقام ذوبا کا رہنے والا تھا۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کا خیال تھا کہ پھر کوئی خطرہ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اور وہ بہ آسانی پوری کامیابی کے ساتھ درہ خیبر کا راستہ روک دے گا۔ اور احمد شاہ کا ادھر سے یلغار کناں گزرنا ممکن نہیں رہے گا۔ لیکن عبدالصمد خاں بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھا۔ اس نے نصیر خاں کی نیت اور ارادہ کو بھانپ لیا ۔ وہ اپنے قلعہ سے نکلا' اور جلال آباد پہنچ گیا تاکہ لال پور میں احمد شاہ کی فوج سے مل جائے۔

نصیر خاں' عبدالصمد خاں کے نکل جانے اور ہاتھ نہ آنے پر دانت پیس کر رہ گیا۔ اس نے غصہ میں آکر ہشت نگر کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ عبدالصمد خاں کے بہت سے عزیزوں' رشتہ داروں اور متوسلین کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا' اور اس کام سے فارغ ہو کر پشاور واپس آگیا۔(۱)

عبدالصمد خاں کی رہنمائی میں " سردار جہاں خاں تیزی اور سرعت کے ساتھ درہ خیبر کی طرف بڑھا۔ اور قبل اس کے کہ نصیر خاں یہ درہ بند کرنے میں کامیاب ہو سکے وہ وہاں پہنچ گیا۔
کچھ ہی مدت کے بعد احمد شاہ بھی اپنی فوج لے کر یہاں آگیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے نصیر خاں اتنی فوج بھی فراہم نہیں کر سکا تھا جو اتنی طاقتور ہوتی کہ کامیابی کے ساتھ احمد شاہ کی فوجی پیش قدمیوں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی۔ کابل کا سارا صوبہ جس میں پشاور بھی شامل تھا' احمد شاہ کے ہم قوموں سے آباد اور معمور تھا۔ جو علی الاعلان احمد شاہ کی تائید و حمایت میں سرگرم اور مستعد نظر آرہے تھے۔

یہ حالات دیکھ کر مایوسی اور دل برداشتگی کے عالم میں نصیر خاں دریائے انڈس کے مشرق میں چلا گیا اور چھچ ہزارا میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

احمد شاہ پشاور میں ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے داخل ہوا اور متعدد علاقوں کے لوگوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی پذیرائی کی' اور خیر مقدم میں مصروف ہو گئے۔ یوسف زئی اور خٹک قبائل کے سردار بغیر کسی استثناء کے خراج عقیدت و اطاعت پیش کرنے کے لئے احمد شاہ درانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبدالصمد خاں محمد زئی جو سمند خاں میمن زئی کے نام سے بھی معروف تھا پہلے ہی حلقہ اطاعت گردن میں ڈال چکا تھا اور جہاں خاں کے ساتھ شریک ہو چکا تھا۔ عبدالصمد خاں کی یہ مثال دوسروں کے لئے قابل تقلید ثابت ہوئی' اور درانی کی خدمت میں دوسرے قبائل کے سرداران والا شان بھی آ آکر اظہار اطاعت کرنے لگے۔ چنانچہ مندر کا سردار فتح خاں بھی حاضر ہوا جو تورو اور باود زئی کے علاقہ کا فرماں روا تھا۔

احمد شاہ نے اظہار اطاعت کرنے والے ان سرداروں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ باریاب کیا۔ انہیں مناصب اور اعزاز سے نوازا۔ اس نے مندر کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لشکر میں ہندوستان کی مہم میں شرکت کے لئے شریک ہو جائیں اور اپنے پانچ سو سرداروں کا الگ دستہ بنالیں۔ پھر اس نے انہیں تحائف دے کر رخصت کر دیا۔ پشاور سے متعلقہ علاقوں کو اس نے دریائے انڈس کے داہنے ساحل تک وسعت دیدی۔ اس مقام پر قابض ہونے اور یہاں کے سرداروں سے عہد اطاعت لینے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ اس نئی مملکت کی سرحد مغرب میں ان علاقوں تک وسیع ہو گئی جہاں احمد شاہ کے ہم قوموں کا کوئی قبیلہ بھی آباد تھا۔

پشاور پہنچنے کے بعد احمد شاہ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے جہاں خاں کو حکم دیا کہ وہ نصیر خاں کی تلاش اور تعاقب میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کریں۔ یہاں تک کہ وہ ہزارہ کے علاقہ سے نکال باہر کر دیا جائے۔

بہت ہی جلد یہ اطلاع موصول ہوئی کہ معتوب شخص ..... نصیر خاں ...... راہ فرار اختیار کر کے پنجاب پہنچ گیا ہے۔

تذکرہ آنند رام کی تصریح کے مطابق نصیر خاں ۲۳ ذی قعدہ ۱۱۶۰ھ (۱۵ نومبر ۱۷۴۷ء) کو لاہور پہنچا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لاہور کا گورنر حیات اللہ خاں شاہ نواز خاں' احمد شاہ سے خفیہ نامہ و پیام میں مصروف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نصیر خاں کا پبلک طور پر شاندار اور شایان شان استقبال نہیں کیا جا سکا۔ بلکہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ گورنر پنجاب اس سے ملاقات تک کرنے میں متامل تھا۔ نصیر خاں عید گاہ کے ایک ایوان میں چند روز تک مقیم رہا۔ یہاں شاہ نواز نے اس سے ایک مرتبہ نجی ملاقات کی۔ اس کے بعد نصیر خان یہاں سے دہلی روانہ ہو گیا۔ یہاں ۲۷ ذی الحج (۱۹ دسمبر ۱۷۴۷ء) کو محمد شاہ کے دربار میں اسے شرف باریابی عطا ہوا' اور چھ پارچہ کا خلعت دیا گیا۔ نیز ایک شمشیر مرصع' ایک ہاتھی اور ایک لاکھ روپیہ نقد اس صلہ میں بخشا گیا کہ وہ مغل شہنشاہ کا وفادار ثابت ہوا تھا۔(۲)

نصیر خاں کے فرار کے بعد سردار جہاں خاں پشاور واپس آ گیا اور اپنے آقا ...... احمد شاہ درانی ..... کے حسب ایما ہندوستان پر چڑھائی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا جس پر حملہ کرنے کی شاہ نواز خاں گورنر لاہور نے دعوت دی تھی۔

حوالہ جات

(۱) تذکرہ آنند رام' ص ۲۲۷' نیز
سیر المتاخرین' ص ۸۷۱

(۲) حسین شاہی' ص ۱۸' نیز
تذکرہ آنند رام' ص ۲۳۷
شاہنامہ احمدیہ' ص ۵۰

نواں باب

ہندوستان پر پہلا حملہ

پنجاب کے دارالحکومت لاہور کی تسخیر

پنجاب کے سیاسی حالات و کوائف

۳۹۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس حملہ نے نہ صرف مرکزی مغل حکومت کو کمزور اور کھوکھلے پن کا شکار کر دیا' بلکہ دہلی کی مرکزی حکومت سے صدیوں کی وفاداری بھی متزلزل ہو گئی۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے گورنری کا منصب چند مخصوص خاندانوں میں مستقل طور پر موروثی چلا آرہا تھا۔ یہ لوگ تمام معاملات و مسائل میں صرف اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے حتیٰ کہ امور خارجہ تک میں بسااوقات ان کی پالیسی یہ تھی کہ غیر ملکی حکومتوں سے سیاسی گفت و شنید کے مراحل بطور خود طے کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے تھے بلکہ حد یہ ہے کہ ملکی حکومت کی دشمن طاقتوں سے بھی راہ و رسم رکھتے تھے۔ اور مرکزی حکومت سے اس سلسلہ میں استصواب یا اجازت کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

دکن اور بنگال کے نائب السلطنت فرنچ اور انگلش حکومتوں سے سلسلہ نامہ و پیام جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس مثال کی رہنمائی میں پنجاب کے غدار گورنر شاہ نواز خاں نے بھی اپنی نصرت و طاقت اور اقتدار و اختیار کو مستحکم کرنے کے لئے اپنے بڑے بھائی' اور ہندوستان کی مرکزی حکومت ..... مغل سلطنت ..... کے خلاف بھی کارروائی کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

کیونکہ اسے سب کچھ منظور تھا مگر اپنی حکومت کی مداخلت گوارا نہ تھی۔

شاہ نواز' خاں بہادر زکریا خاں کا دوسرا بیٹا تھا جو ۱۷۲۶ء سے ۱۷۴۵ء تک پنجاب کا گورنر رہا تھا۔ اس کا حقیقی نام حیات اللہ خاں تھا' بعض اوقات اسے پھلوری خاں کے عرف سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

نادر شاہؒ کے حملہ کے زمانے میں زکریا خاں اس کے ساتھ لاہور سے دہلی تک گیا۔ اور جب نادر شاہ دہلی سے رخصت ہونے لگا تو زکریا خاں کو شاہی احکام ملے کہ فوراً" اپنے باپ کے پاس جاکر نادر شاہ کے لئے ایک کروڑ روپے کا بندوبست کرے۔ چنانچہ جب نادر شاہ رخصت ہوا تو یہ بھی اس کے ہمرکاب لاڑکانہ (سندھ) تک گیا۔ یہاں نادر شاہ نے اسے "شاہ نواز خاں" کا خطاب عطا کیا' اور ملتان کا گورنر بنا دیا۔(۱)

۱۳ جمادی الثانی ۱۱۵۸ھ (یکم جولائی ۱۷۴۵ء) کو زکریا خاں کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔ اس موقع پر شاہ نواز خاں اور اس کا بڑا بھائی یحییٰ خاں ...... جس کی شادی وزیرالممالک قمرالدین خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی ...... دونوں دہلی میں موجود تھے۔ اس خبر کے ملتے ہی ہفتہ بھر کے اندر اندر دونوں بھائی پنجاب روانہ ہو گئے۔ شہنشاہ محمد شاہ کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ زکریا خاں کے بیٹوں کو لاہور اور ملتان کی گورنری پر فائز کریں۔ کچھ عرصہ بعد شہنشاہ نے وزیر الممالک کو ان دونوں صوبوں کی گورنری تفویض کر دی۔ اور اختیار دیدیا کہ وہ اگر چاہیں تو اپنی طرف سے یحییٰ خاں کو لاہور میں اور شاہ نواز خاں کو ملتان میں نائب بااقتدار و بااختیار بنا کر بھیج دیں۔ بادشاہ نے از راہ عنایت خسروانہ ۹ شعبان ۱۱۵۸ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۷۴۵ء کو انہیں خلعت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس طرح یہ دونوں بھائی ..... تیسرا بھائی میرباقی کم از کم تاریخ کے صفحات میں گمنام ہے ..... علی الترتیب لاہور اور ملتان کے عملی طور پر گورنر ہو گئے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد یحییٰ خاں دہلی گیا۔ اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہ کی خدمت میں عرض گزار ہو کہ اس کے باپ کی جائیداد و املاک اسے واپس کر دی جائے جو مغل قوانین کے مطابق ضبط ہو گئی تھی۔ کیونکہ مغل حکومت کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی منصب دار فوت ہوتا تھا تو اس کی املاک و جائداد بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی۔

یحییٰ خاں کو دہلی میں کئی مہینے لگ گئے۔ وہ یکم جولائی ۱۷۴۶ء کو لاہور واپس ہوا اور کامیاب و کامران واپس آیا۔ شہنشاہ نے سیف الدولہ کی ساری املاک و جائداد اسے بخش دی تھی' اور وہ اس میں اپنے باقی بھائیوں یعنی شاہ نواز اور نیز باقی کو شریک کرنے یا انہیں حصہ رسدی دینے پر تیار نہیں تھا۔

شاہ نواز خاں ایک آتش خو اور شعلہ مزاج نوجوان تھا۔ ۱۸ ذی قعدہ ۱۱۵۹ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۷۴۶ء کو ملتان سے لاہور پہنچا۔ اور بڑے بھائی سے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ باپ کی جائداد و املاک میں سے اسے بھی اس کا حق اور حصہ دیا جائے۔ اس مسئلہ پر جب گفتگو شروع ہوئی تو نوبت تلخ کلامی تک آ گئی۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ میان سے تلواریں باہر نکل آئیں۔ دونوں بھائیوں کے سپاہی اکثر لاہور کی سڑکوں پر جنگ و جدال میں مصروف ہو جاتے۔ دونوں بھائی اپنے اپنے خیموں میں مقیم تھے۔ اور ان کے سپاہی اپنے آقاؤں کے برعکس زبانی جنگ پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ شمشیر و سناں کا استعمال بھی کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ بہت جلد اس جنگ نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ اور باقاعدہ فریقین میں تصادم اندرون شہر ہونے لگا۔ خوں ریزی اور قتل و غارت روز مرہ کے واقعات بن گئے۔ یہ خانہ جنگی پورے چار ماہ تک جاری رہی۔ آخر ۱۷ مارچ ۱۷۴۷ء کو یحییٰ خان کی سپاہ کو شکست ہوئی اور شاہ نواز شہر میں داخل ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۱ مارچ ۱۷۴۷ء کا ہے۔ سابق گورنر لاہور ..... یحییٰ خاں ..... غاصب شاہ نواز کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ اور اپنی پھپھی اردانہ بیگم کی حویلی میں نظربند کر دیا گیا۔ یہ اردانہ بیگم زکریا خاں کی بہن تھیں۔

شاہ نواز خاں نے یحییٰ خاں کو گرفتار کر کے نظربند کر دیا۔ لیکن سہما ہوا بھی تھا۔ جانتا تھا یحییٰ خاں ہندوستان کے وزیراعظم کا داماد ہے۔ اسے گرفتار اور نظربند رکھنا راس نہیں آسکتا۔ اس کا خطرناک نتیجہ ضرور برآمد ہو گا۔ اس اندیشے میں اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ ایک غدار کی حیثیت سے جانتا تھا کہ اس نے تاج شاہ کے ساتھ غداری کی ہے۔ وہ وزیراعظم قمرالدین خاں سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ قمرالدین خاں ہی لاہور اور ملتان کا حقیقی گورنر تھا' اگرچہ پانچ ماہ تک اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا گیا' لیکن خطرہ بہرحال سر پر مسلط تھا۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد محمد نعیم خاں کو شہنشاہ دہلی کی خدمت میں پیام رساں بنا کر بھیجا' اور گزشتہ گناہوں سے تائب ہونے کا اعلان اور گزشتہ غداریوں اور غلطیوں پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے استدعا کی کہ اسے لاہور کا ڈپٹی گورنر بنا دیا جائے۔ اس کا یہ سفیر ۹ رمضان ۱۱۶۰ھ (۲) کو وارد دہلی ہوا۔ اور دیوان عبدالمجید خاں سے گفت و شنید کا آغاز کر دیا۔ اس کے بعد بخشی الممالک سعادت خاں کو بھی بیچ میں ڈالا۔ علاوہ ازیں وزیراعظم کی خدمت میں بھی شرف باریابی حاصل کیا۔ اس طرح کی بات چیت میں تاخیر ہونا ایک قدرتی چیز ہے۔ خاص طور پر جب کہ قمرالدین خاں کا اس کے ساتھ برتاؤ اور طرز عمل بھی اچھا نہیں رہا تھا۔ (۳)

"بیان واقعی" (ص ۳۰-۱۲۹) کے مطابق وزیر قمرالدین نے شاہ نواز خاں کو لکھا کہ یحییٰ

خاں کو آزاد کر دیا جائے۔ لیکن شاہ نواز خاں اس وقت تک اس حکم کی تعمیل پر رضامند نہیں ہوا جب تک اسے پنجاب کی گورنری کی سند نہ عطا کر دی جائے۔ یہ اطلاع ملنے پر وزیر قمرالدین نے لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں تاکہ اپنے داماد یحییٰ خاں کو قید سے رہائی دلائے۔

اس واقعہ نے شاہ نواز خاں کو حواس باختہ کر دیا' اور وہ سخت خلفشار میں مبتلا ہو گیا۔

شاہ نواز احمد شاہ کو بلاتا ہے

اس صورت حال سے پریشان اور آشفتہ خاطر ہو کر اس نے سوچا کہ اب مدد کے لئے کسی غیر ملکی کو دعوت دینا چاہیے۔ چنانچہ اس کی نگاہ احمد شاہ پر گئی ۔ اس زمانے میں احمد شاہ درانی صوبہ کابل میں رونق افروز تھا۔ اور شاہ نواز کو اس کی جنگی مہمات کا بہت اچھی طرح علم ہو چکا ہو گا۔ اس کی نگاہیں احمد شاہ پر جا کر رک گئیں۔ چنانچہ اس نے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور آدینہ بیگ سے مشورہ کر کے جو اس کی جاگیر واقع جالندھر دو آب کا فوجدار تھا' اور ہمیشہ بڑے جوش و خروش سے اس کی تائید و حمایت کرتا رہا تھا' احمد شاہ کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا' اور ایک نامہ لکھ کر اس سے استدعا کی کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھائے اور ملک پر آ کر جلد سے جلد قبضہ کر لے۔ اس کے معاوضے میں اپنے لئے اس نے جو کچھ طلب کیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ اسے وزیراعظم بنا دیا جائے۔(۴) ساتھ ہی ساتھ اس نے شیعہ مذہب بھی قبول کر لیا اور اپنی مہر سے خلفائے ثلاثہ کے نام نکال دیئے' اور بارہ اماموں کے نام کندہ کرا دیئے۔ شاید اس اقدام کا سبب یہ تھا کہ اس طرح وہ ایران کے شیعوں سے مدد حاصل کرے گا۔ اور ان کی نصرت و تعاون سے کامیاب ہو سکے گا۔ نیز ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ احمد شاہ پر یہ اثر ڈالا جائے کہ اب اس کا مغلوں سے کوئی اور کسی طرح کا تعلق باقی نہیں رہا ہے۔

شاہ نواز کے نامہ بر کو احمد شاہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ نامہ پا کر وہ سجدہ شکر بجا لایا۔ کیونکہ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ یوں غیر متوقع طور پر اچانک حالات اس کے لئے اتنے ساز گار ہو جائیں گے۔ اس نے فوراً" ایک عہد نامہ تیار کرایا جس میں مندرج تھا کہ تاج شہریاری احمد شاہ زیب سر کرے گا' وزارت عظمیٰ شاہ نواز کو ملے گی۔ اس عہد نامے پر اپنے افسران فوج سے اپنے تصدیقی اور تائیدی دستخط ثبت کرائے اور فوراً" اپنے معتمد خاص بغرا خاں پوپلزئی کے ہاتھ لاہور بھیج دیا۔(۵)

آدینہ بیگ کی دو رخی چال

اس تمام مدت میں آدینہ بیگ بڑی صفائی سے دو رخی چال چلتا رہا۔ چنانچہ احمد شاہ کو شاہ

نواز سے خط بھجوا کر اس نے وزیر قمرالدین خاں کو ایک خط لکھا اور اس میں شاہ نواز اور احمد خاں کی خط و کتابت کی پوری تفصیل لکھ دی۔ اس نے لکھا کہ آپ کا یہ بھانجا بڑا خود سر اور ہٹیلا واقع ہوا ہے۔ آپ کے دیرینہ خادموں(۶) اور خدمت گزاروں کی اس نے ایک نہ سنی اور احمد شاہ سے آخر ربط قائم کر ہی لیا۔ لیکن اب بھی وقت نہیں گیا ہے۔ اس صورت حال کا فوری تدارک ممکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اجازت دی جائے تو شاہ نواز کو گرفتار کر کے بے بس کر دیا جائے تاکہ وہ کوئی غدارانہ اقدام نہ کر سکے۔ شاہ نواز خاں کا ایلچی محمد نعیم خاں اس وقت دہلی میں تھا۔ جب یہ خفیہ خط وزیر قمرالدین کو ملا۔ وہ شاہ نواز کی طرف کچھ زیادہ متوجہ تھا۔ اس کے سفیر کی چکنی چپڑی باتوں کے باوجود تاخیر سے کام لے رہا تھا۔ لیکن یہ خط پا کر بہت زیادہ چوکنا ہو گیا۔ اور صورت حال کے سنگین حقائق اس کی نظر کے سامنے آگئے۔ اس کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ نہلے پے دہلا لگائے اس نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے شاہ نواز کی معذرت منظور کر لی۔ فوراً مسودہ تیار ہوا اور سفیر کے حوالے کر دیا گیا۔

وزیر قمرالدین نے اس نفسیاتی موقع پر ایک اور کام بھی کیا۔ اس نے دست خاص سے اپنے بھانجے شاہ نواز خاں کو ایک دل دہی اور تسلی کا خط لکھا۔ اس خط میں اس نے لکھا تھا۔

> "تمہارا خاندان ہمیشہ اور ہر موقع پر شاہان مغلیہ کا جاں نثار اور وفادار رہا ہے۔ اس سے کبھی بھی غداری یا بے وفائی کا ارتکاب نہیں ہوا ہے۔ یہ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہو گی اگر اب وہ اس جادہ مستقیم سے ہٹے اور اس سے بڑھ کر تو شرم کی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی کہ نادر شاہ کے ایک افغان یسوالی(۷) کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے نظر آئے۔ حکومت ہند اپنے تمام وسائل اور ذرائع کے ساتھ تمہاری پشت پناہی کے لئے موجود ہے۔"

اس خط نے سارا نقشہ پلٹ دیا۔ شاہی فرمان پا کر شاہ نواز پھول گیا اور وزیر اعظم کے اس خط سے اس کی اتنی حوصلہ افزائی ہوئی کہ وہ اپنے حدود مملکت کی توسیع کا پروگرام بنانے لگا۔ وزیراعظم نے اس کی اور اس کے خاندان کی وفاداری کو خوب سراہا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنی رائے بدل دی' اور احمد شاہ سے جو گفت و شنید کر چکا تھا اسے یکسر نظرانداز کر کے فیصلہ کر لیا کہ اب اس کی قسمت قدیم آقاؤں یعنی خاندان مغلیہ کے ساتھ وابستہ رہے گی۔(۸)

احمد شاہ کا ہندوستان کی طرف کوچ

دوسری طرف احمد شاہ اپنی تیاریاں بالکل مکمل کر چکا تھا۔ افغان مہم پسندوں کی ایک بڑی جماعت جو مختلف قبائل کے افراد پر مشتمل تھی ہندوستان کے زر و گوہر کی طمع میں اس کے

ساتھ ہو گئی تھی۔ ۱۷۴۷ء کے وسط دسمبر میں وہ اٹھارہ ہزار کا لشکر(۹) لے کر پشاور سے باہر نکلا۔

اس لشکر کے ایک تہائی افراد درانی کے قبیلے کے تھے۔

درانی نے دریائے انڈس (سندھ) کشتیوں کے پل پر پار کیا۔ یوسف زئی سپاہ اٹک میں اس سے آملی۔

اس مقام پر درانی ایلچی بغرا خاں لاہور سے واپس آتا ہوا اس سے ملا۔ اور تبدیل شدہ صورت احوال سے اسے مطلع کیا۔

خود بغرا خاں کا جہاں تک تعلق ہے وہ کچھ اچھا آدمی نہیں تھا اور دوسروں کو اپنی طرف راغب کرنے کا مادہ تو اس میں سرے سے نہیں تھا۔ علی الدین نے بتایا ہے کہ شاہ نواز سے ملاقات کے وقت اس کا انداز کچھ زیادہ معقول اور حوصلہ آفریں نہ تھا۔ اور کئی غیر ضروری مباحث چھیڑ کر اس نے خواہ مخواہ اسے مشتعل کر دیا۔

لیکن وہ بہرحال ان تیاریوں سے ناواقف نہیں تھا جو شاہ نواز کر رہا تھا۔ اور جن کا مقصد احمد شاہ درانی کو شکست دینا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سفر کی منزلیں جلد جلد طے کرتا ہوا وہ اپنے آقا سے راستے میں آملا۔ اور اطلاعات کا جو ذخیرہ اس کے پاس تھا وہ حوالے کر دیا۔

پیر صابر شاہ کا لاہور میں قتل

لیکن احمد شاہ بغرا خاں کی لائی ہوئی ان اطلاعات سے متاثر نہیں ہوا۔ نہ اس کے عزم اور ارادے میں کسی طرح کا تزلزل واقع ہوا۔ اس کی فوج جہلم کی طرف بڑھی۔ اور قلعہ روہتاس پر بغیر کسی مزاحمت اور مقاومت کے قبضہ کر لیا۔

روہتاس سے احمد شاہ درانی نے اپنے پیر صابر شاہ کو لاہور آگے آگے روانہ کیا۔ پیر صابر شاہ کے ساتھ محمد یار خاں ضرب باشی(۹) تھا جس کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ اپنی والدہ سے ملاقات کر لے جو لاہور میں مقیم تھی' اور وہاں بزرگان و اولیائے دین کے مزارات کی زیارت سے شرف اندوز ہو لے۔

لاہور آنے کے بعد پیر صابر شاہ نے مفتی عبداللہ کے گھر پر اقامت اختیار کی۔ پیر صابر شاہ کی آمد سے پہلے ان کی کرامتوں کی خبریں یہاں پہنچ گئی تھی' اور مشہور یہ تھا کہ وہ اس لئے آئے ہیں کہ مغل توپ خانے کو اپنی دعاؤں سے اتنا ناکارہ بنا دیں کہ احمد شاہ درانی کے خلاف کچھ نہ کر سکے اور بالکل بے کار ہو کر رہ جائے۔

شاہ نواز کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ لاہور آنے سے پیر

صابر شاہ کا اصل مقصد کیا ہے؟ آدینہ بیگ خاں اور دیوان کوڑھ مل کو ان کے پاس بھیجا۔

سوال کے جواب میں پیر صابر شاہ نے کہا۔

"میرا تم دونوں میں سے کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔ ویسے میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ اس شہر سے میرا لگاؤ ہے۔ یہاں کے باشندوں سے تعلق خاطر بھی رکھتا ہوں" یہاں کے فرماں رواؤں کا ہمدرد اور بہی خواہ بھی ہوں جن کے ساتھ میں زندگی کے دن بسر کر چکا ہوں، لیکن یہ کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا کہ بے وفائی سے نہ آدمی خوش ہوتا ہے نہ خدا! اور یہ بھی کہ احمد شاہ ابدالی کی تلوار کا تمہاری تلوار مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

اس موقع پر کسی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی آپ کا مقصد اس ارشاد سے کیا ہے؟ کیا ہماری تلوار لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور ابدالی کی تلوار آہن سے بنی ہے؟"

پیر صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"نہیں یہ بات تو نہیں، دونوں تلواریں آہن ہی کی بنی ہوئی ہیں، لیکن اس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر ہے اور تمہارا آفتاب اقبال گہنا چکا ہے۔"

آدینہ بیگ نے یہ ساری روداد شاہ نواز تک پہنچا دی جو ان باتوں سے بہت آشفتہ خاطر ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ "اس مرد درویش اور اس کے رفیق طریق محمد یار خاں کو گرفتار کر لیا جائے، اور ان دونوں کی کڑی نگرانی کی جائے، اور کسی قیمت پر بھی انہیں درانی کے کیمپ تک نہ پہنچنے دیا جائے"...... علی الدین نے "عبرت نامہ" میں شاہ نواز اور پیر صابر شاہ کے مابین جو گفتگو ہوئی تھی اسے درج کیا ہے،

شاہ نواز "کہیے ہمارے بھائی احمد شاہ کا کیا حال ہے؟"

پیر صابر شاہ:"وہ افغانستان اور خراسان کا بادشاہ ہے، اور ہندوستان فتح کر لینے کا عزم رکھتا ہے۔ تمہاری حیثیت صرف ایک صوبیدار یعنی گورنر کی ہے جو صرف ایک صوبہ کا کار فرما ہے تم آزاد نہیں ایک دوسرے شخص کے ملازم اور خادم ہو۔ تمہیں اپنے منہ سے یہ الفاظ نکالنے کی جرات کیسے ہوئی؟"

تذکرہ آنند رام کے مطابق پیر صابر شاہ نے شاہ نواز سے کہا۔

"شہنشاہ ہند تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ وہ موقع کی تاک میں ہے کہ تم سے شدید انتقام لے۔ خود تمہارے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ میرے ساتھ احمد شاہ درانی کے پاس چلے چلو۔ وہ تمہاری عزت بڑھائے گا۔ اعزاز میں اضافہ کرے گا، اور پورے ملک کی وزارت تمہیں سونپ

دے گا۔"

یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں شاہ نواز پر اثر انداز نہیں ہوئیں۔ آخر پیر صاحب کو جلال آگیا۔ انہوں نے چند چبھتی ہوئی باتیں کہیں، اور سخت الفاظ استعمال کئے۔ جن کا برداشت کرنا اس نوجوان نائب السلطنت (شاہ نواز) کے لئے ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ جوش غضب سے مغلوب ہو کر شاہ نواز نے حکم دیا کہ پیر صاحب بخشی عصمت اللہ خاں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ بخشی نے پیر صاحب کو ہلاک کر دیا۔ اس کا یہ اقدام شاہ نواز کے حکم پر مبنی تھا۔ محمد یار خاں کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں ہوئی لہٰذا اسے واقعہ کے فوراً بعد رہا کر دیا گیا اور واپس چلے جانے کی اجازت دیدی گئی۔(۱۰)

روہتاس سے شاہدرہ تک

احمد شاہ جس زمانے میں بہ مقام روہتاس خیمہ زن تھا، کہا جاتا ہے کہ اس نے بالا ناتھ جوگی کا مندر منہدم کرا دیا۔ جو اب ٹیلہ گورکھ ناتھ کے نام سے مشہور ہے اور جہلم سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔

(Jhelm District Gazetteer (1904) P-34-35)

احمد شاہ کو جیسے ہی پیر صاحب کے دردناک حادثہ قتل کی اطلاع ملی وہ فوراً لاہور کی طرف بڑھا۔ راستے میں گجرات جب آیا تو اس نے سلطان مقرب خاں، راولپنڈی کے ایک گکھڑ کو اس ضلع کا کار فرما تسلیم کر کے توثیق کر دی، جہاں وہ ۱۷۴۱ء سے ایک مستحکم حکومت کی داغ بیل ڈالے ہوئے تھا۔(۱۱)

ابدالی نے سوہدرہ کے مقام پر دریائے چناب کو عبور کیا اور اس کے بعد تیزی کے ساتھ کوچ کرتا ہوا راوی کے داہنے کنارے پر بہ مقام شاہدرہ پہنچ گیا اور شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے میں آکر مقیم ہو گیا۔(۱۲)

شاہ نواز خاں لاہور میں

اس جگہ یہ بات علم میں آجانی چاہئے کہ شاہی فرمان پاتے ہی شاہ نواز خاں نے پوری شد ومد کے ساتھ جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس کی اس تیزی اور سرگرمی میں وزیر دہلی قمرالدین خاں کا نامہ بھی کام کر رہا تھا۔ یہ قمرالدین خاں شاہ نواز خاں کا ماموں تھا۔

لیکن یہ ساری تیاریاں صرف دفاعی تھیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے حملہ سے لاہور کو بچایا جائے۔ یہ نہیں تھا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روک دیا جائے۔

دسمبر کے دوسرے ہفتے میں شاہ نواز نے اپنے خیمے شہر سے باہر نصب کر دیئے تاکہ تیاریوں

کی بہ چشم خود نگرانی اور دیکھ بھال کر سکے۔ اس کا خیال شاید یہ تھا کہ احمد شاہ کے پاس توپیں نہیں ہیں اور لاہور کے توپ خانے کو کام میں لاکر اسے بہ آسانی شکست دی جا سکتی ہے۔ لیکن ایک منقسم گھر کے لوگ کسی طرح بھی کامیابی نہیں حاصل کر سکتے ۔ حکومت کے جتنے وفادار ملازم اور عہدیدار تھے یا تو وہ جیل خانوں میں محبوس اور مقید تھے یا برگشتہ اور منحرف ہو چکے تھے۔ جو لوگ وفاداری کا دم بھر رہے تھے وہ بھی بد دل تھے۔ ان کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور ۔ قصور کے افغان امرا یحیٰی خاں کی رہائی کے لئے لگاتار سازشوں اور کوششوں میں مصروف تھے۔ اور بالآخر انہوں نے شاہ نواز خاں کو اسے رہا کر دینے پر آمادہ کر ہی لیا۔ یہ واقعہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۷۴۷ء کا ہے(۱۳) اور جب کہ صورت احوال یہ تھی کہ آدینہ بیگ پر اس کی دو عملی اور دو رخی کے باعث پورا پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہ تھے وہ یاس انگیز حالات جب احمد شاہ لاہور کو فتح کر لینے کے لئے اس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

پیر غلام محمد کی پیش گوئی

اس موقع پر شاہ نواز خاں' عالم یاس واضطراب میں اپنے پیر غلام محمد شاہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس کی ظفرمندی اور فوجی کامیابی کے لئے دعا کریں۔

پیر صاحب کی نظر پھری ہوئی دیکھ کر ایک روز وہ آستانے پر بیٹھ گیا' اور عرض گزار ہوا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلنے کا جب تک پیر صاحب اس معاملہ میں اپنی کرامت کے زور سے کوئی فیصلہ نہ کر دیں۔ پیر غلام محمد نے اس سے کہا:

"جاؤ تین اینٹیں لے آؤ۔"

ایک رومال میں لپیٹ کر تین اینٹیں لائی گئیں' اور پیر صاحب کے سامنے رکھ دی گئیں۔ اس کے بعد انہوں نے مراقبہ کیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب مراقبہ سے انہوں نے سر اٹھایا تو وہ اینٹیں چاندی کی ہو چکی تھیں۔ انہوں نے فرمایا!

"تمہارا سفینہ غرق ہو کر رہے گا۔"

پھر فرمایا: "تمہیں جور و ظلم سے باز آجانا چاہئے۔ اور اپنے باپ کے عہد کے امرا کو جیل سے آزاد کر دینا چاہئے۔

لیکن شاہ نواز پر ان نصائح کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کہا۔

"شاید پیر صاحب تک قیدیوں کی غوغا آرائی پہنچ چکی ہے۔(۱۴)

جنگ لاہور

اچانک ۲ محرم ۱۱۶۱ھ(۱۵) کو 'یعنی اپنی آمد کے تیسرے دن ابدالی کی فوج دریائے راوی کے پایاب حصہ سے شالامار باغ پہنچ گئی 'اور اپنے خیمے محمود بوٹی گاؤں کے شمال مشرق کے میدان میں نصب کر لئے۔

اس موقع پر شاہ نواز خاں شہر سے باہر ایک بڑی فوج اور بہت کافی ساز و سمان جنگ کے ساتھ دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ جو فوج گراں اس کی ماتحتی میں تھی اس کے علاوہ بھی اس نے دو مقامات پر اس کا انتظام کر رکھا تھا کہ بروقت کمک پہنچ سکے' اور دشمن پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ ایک مرکز تو حضرت الیشاں کے قلعہ میں تھا جہاں دس ہزار سوار اور پانچ ہزار تفنگی بالکل تیار موجود تھے۔اور خواجہ عصمت اللہ خاں اس سپاہ کا کمانڈر تھا۔(۱۶)

دوسرا مرکز شاہ بلوال کی درگاہ اور پرویز آباد کے قریب تھا۔ یہاں پانچ ہزار سوار اور بہت سے برقنداز لچن بیگ کی ماتحتی میں تیار اور مستعد تھے کہ اگر ناگہانی صورت پیش آئے تو فورا" آمادہ عمل ہو کر جوہر مردانگی دکھائیں۔

شاہ نواز نے یہ اطلاع پاکر کہ درانی اس کی طرف کا راستہ عبور کر رہا ہے' اس نے قصور کے جلہ خاں کو حکم دیا(۱۷) کہ درانی کی افواج کا مقابلہ کرے اور روکے۔ لیکن یہ افغان سردار اپنے ہم قوم افغانوں سے مل گیا اور اپنے ساتھ پوری فوج اور سارا سازو سامان جنگ بھی لیتا گیا۔ احمد شاہ کے پاس کوئی توپ نہیں تھی

پیش قدمی کا مرکز موضع ملک پور کو بناکر درانی سپاہ اسی صبح کو یعنی ۲۱ محرم کو لاہور کی طرف بڑھی' اسے روکنے کے لئے خواجہ عصمت اللہ خاں اپنے دس ہزار سرداروں اور پانچ ہزار تفنگچیوں کو لے کر اور لچن بیگ اپنے پانچ ہزار سواروں اور بہت سے برقندازوں کے ساتھ بڑھے اور درانی سپاہ پر بے محابہ آتش زنی توپ خانے سے شروع کر دی۔

احمد شاہ کے پاس کوئی توپ نہیں تھی۔ وہ شاہ نواز خاں کے توپ خانے کو خاموش کر دینے کی طاقت سے محروم تھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ جتنے آدمی بھی آگے بھیجے جائیں گے وہ آگ کی اس بارش میں کام آجائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایک اور ترکیب کی۔ اپنی سپاہ میں سے تقریبا" ایک ہزار تفنگچیوں کو اس نے الگ کر لیا۔ یہ حکم پاتے ہی مغل فوج کی طرف تیزی سے بڑھے۔ انہوں نے تفنگ چلانے شروع کئے 'اور دشمن کی زد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی' کسی فریق کو غلبہ حاصل نہ ہو سکا۔ جو جہاں تھا وہاں سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔(۱۸)

طالع منحوس

اس جنگ کے دوسرے دن صبح صبح شاہ نواز نے ' سیرالمتاخرین کے بیان کے مطابق اپنے ایک آدمی کو درویش شاہ کلب علی کی خدمت میں بھیجا۔ جو بڑے اچھے سائل اور منجم مانے جاتے تھے۔ اور استدعا کی کہ اس جنگ کا انجام کیا ہو گا؟ ارشاد فرمائیں۔

شاہ کلب علی نے جواب میں کہلایا:

"آج کا دن تمہارے لئے منحوس ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آج لڑائی بند رکھو۔ کل سے فتح و ظفر تمہارے قدم چومے گی۔ پھر تم جس طرح چاہو' اور جہاں چاہو کامیابی کے ساتھ لڑ سکتے ہو۔"

شاہ کلب علی کا یہ جواب پاکر شاہ نواز نے اپنے افسران فوج آدینہ بیگ خاں اور دیوان کوڑامل کو پیام بھیجا کہ آج درانیوں کے خلاف پیش قدمی نہ کی جائے۔ اور اگر ان کی طرف سے دباؤ پڑے تو بھی لڑائی کو خندق کے اندر سے جنگ کرکے دشمن کو پسپا کیا جائے۔ یہ حکم دے کر وہ اپنے خیمہ میں آرام کرنے چلا گیا۔(۱۹)

معمول کے مطابق آدینہ بیگ اور دوسرے سرداروں کے ساتھ جب وہ دسترخوان پر بیٹھا تو توپ دغنے کی آواز آئی۔ اور پھر مسلسل توپ کے داغے جانے کی آوازیں آنے لگیں۔ تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ ابدالی دو سوار نمودار ہوئے اور دو سو قزلباشوں نے ان پر حملہ کر دیا تھا(۲۰) ۔ درانی اس حملہ کے بعد خاموشی سے پسپا ہو گئے۔ بعد میں بڑی فوج لے کر پھر سے حملہ آور ہوئے۔ اس دفعہ قزلباش یلغار نہ روک سکے اور پیچھے دھکیل دیئے گئے' اور درانی سپاہی خندقوں میں گھس آئے۔ اس واقعہ نے بخشی عصمت اللہ کی سپاہ میں خلفشار پیدا کر دیا۔ اس نے فوراً" امدادی فوج طلب کی۔ کیونکہ جنگ چھڑ گئی تھی۔

شاہ نواز نے آدینہ بیگ کو حکم دیا کہ وہ فوراً" جنگ گاہ کی طرف مدد کے لئے روانہ ہو جائے۔ لیکن وہ دوسری طرف چلا گیا اور ایک تماشائی کی طرح جنگ کا منظر دیکھنے لگا۔ آدینہ بیگ کو بار بار احکام پہنچے لیکن اس نے شام تک جنبش بھی نہیں کی۔ اور ابھی سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی کہ وہ میدان جنگ سے شہر میں واپس آگیا۔(۲۱)

اس سے ہندوستانی فوج نے یہ خیال کیا کہ باقی ماندہ دن کے لئے جنگ بند ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ اطمینان سے رات گزارنے کے لئے خندقوں میں واپس چلے گئے۔ اس کے بعد آنند رام کے بیان کے مطابق ابدالی فوجیں دفعتہ" ٹوٹ پڑیں۔ ابدالی سواروں نے اتنی تیزی سے یورش کی اور اتنے تسلسل سے حملہ کیا اور اہل لاہور پر ایسی زبردست آتش زنی کی کہ وہ حیران اور سراسیمہ ہو کر رہ گئے۔ اور مایوسی کے عالم میں ان کے اندر بھگدڑ پڑ گئی۔

بخشی کا فرار

بخشی بھی(۲۲) جو ہمیشہ بڑی بلند آہنگی کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری کے دعوے کیا کرتا تھا میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس بھگدڑ میں اس کے ساتھ بہت سے ناتجربہ کار سردار بھی تھے۔

قلعہ حضرت ایشاں مضبوط اور مستحکم حصار کا کام ان لوگوں کے لئے دے سکتا تھا' لیکن یہ یہاں نہیں ٹھہرے' انہیں تو بس فکر یہ تھی کہ کسی طرح پیران شہر سے فصیل پار کر کے اندرون شہر میں پہنچ جائیں۔ قلعہ حضرت ایشاں کو انہوں نے سراسیمگی کے عالم میں اس طرح چھوڑا کہ وہاں بارود' اسلحہ اور سازو سامان جنگ کا جو بہت بڑا ذخیرہ تھا وہ بھی وہیں چھوڑ آئے۔ یہ سب درانیوں کے قبضہ میں آگیا۔

شاہ نواز بھی فرار ہو گیا

آدینہ بیگ خاں جو پہلے ہی سے شہر میں آگیا تھا وہ بخشی کے ساتھ زبردست خاں کی حویلی میں آیا' اور آنند رام کے بیان کے مطابق دہلوی سپاہ لے کر باہر جانے کی کئی بار کوشش کی لیکن یہ ساری کوششیں رائگاں گئیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکا کہ رات کے ابتدائی حصہ میں اس کی آتش زنی کے باعث درانی سپاہ قلعہ حضرت ایشاں سے آگے نہ بڑھ سکی' جس پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

لیکن اب یہ ساری تدبیریں بے کار تھیں۔ بخشی اور دوسرے سرداروں کے فرار نے فوج کو ہراساں اور حواس باختہ کر دیا تھا۔ شاہ نواز خاں نے چاہا کہ اپنے ہاتھی سے اتر پڑے اور اپنے خیمہ میں قیام کرے تاکہ فوج کا حوصلہ بلند ہو اور اس کے اکھڑے ہوئے قدم جم سکیں' اور دوسرے روز وہ زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جنگ جاری رکھ سکے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بگڑی ہوئی صورت حال کو اب بھی سنبھال سکتا ہے' لیکن اس کا ایک عزیز جو اس کی پھپھی کا شوہر تھا' آڑے آیا۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ اپنے عزم اور ارادے کے برخلاف شہر کے کسی محفوظ مقام میں جا کر پناہ گزین ہو جائے۔ جیسے ہی اس کا ہاتھی خیمہ سے آگے بڑھا تو وہ لوگ بھی جو اب تک اس کا ساتھ دے رہے تھے اور فرار سے گریز کر رہے تھے اس کے نقش قدم کی پیروی پر مجبور ہو گئے۔ اور سر پر پاؤں رکھ کر جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن سب کی منزل مقصود فصیل شہر تھی۔

اس موقع پر تورانیوں کے ایک گروہ نے موقع نادر سمجھ کر خیموں پر حملہ کر دیا اور اسے لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ گورنر (شاہ نواز خاں) کا خیمہ بھی نہ بچا۔ اس کا تمام بیش قیمت سازو سامان اور زرکار و زرنگار چیزیں لوٹ لی گئیں کیونکہ اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ افسران اور عمال

سب اسے یوں ہی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

اپنے افسران اور ساتھیوں کی بے وفائی اور کج ادائی کا شکار ہو کر شاہ نواز خاں شہر کے اندر اپنی حویلی میں آگیا۔

اب ساری امیدیں منقطع ہو چکی تھیں۔

احمد شاہ کے پیرومرشد صابر شاہ کو قتل کرنے کے بعد وہ اس سے کسی رحم و کرم کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اطاعت اور ہتھیار رکھ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اب اسے جان کی سلامتی صرف راہ فرار اختیار کرنے میں نظر آ رہی تھی۔ آدھی رات کو اس نے اشرفی سے بھری ہوئی کچھ تھیلیاں اپنے دوستوں میں تقسیم کیں۔ اور جواہرات کا صندوقچہ اپنے خواجہ سرا کے حوالے کیا۔ اور خاموشی کے ساتھ دہلی کی طرف فرار ہو گیا۔

احمد شاہ کا لاہور پر قبضہ

اس طرح شہر لاہور کا دفاع ناممکن ہو گیا۔

دوسری صبح (۲۳) شاہ نواز خاں کے فرار کی خبر سن کر احمد شاہ اپنے کیمپ سے باہر نکلا اور بغیر کسی مزاحمت اور مقابلہ کے مفرور گورنر کے فوجی صدر دفتر' اور عسکری سامان پر قابض اور متصرف ہو گیا۔

یحییٰ خان کے وفادار افسروں کے ایک گروہ نے جس میں میر مومن خاں' میر نعمت خاں' سید جمال الدین خاں' اور میری امین خاں شامل تھے' اور جو کئی ماہ سے شاہ نواز خاں کی قید میں تھے' رہا ہونے کے بعد ایک مجلس منعقد کی اور فیصلہ کیا کہ فاتح کی خدمت میں ایک وفد کی صورت میں حاضر ہوں' حلقہ اطاعت گلے میں ڈالیں اور شہر لاہور کی طرف سے اور پورے صوبہ کی جانب سے اطاعت کا اعلان کریں۔

اس فیصلہ کے مطابق میر مومن خاں' دیوان لکھپت رائے اور دیوان صورت سنگھ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور استدعا کی کہ اہل شہر کی جاں بخشی کی جائے اور انہیں لوٹ مار سے محفوظ رکھا جائے اس کے بدلے میں تیس لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرنے کا بھی انہوں نے عہد کیا۔

احمد شاہ نے یہ پیش کش بخوشی منظور کر لی ' اور اپنے کچھ افسروں کو حکم دیا کہ شہر کی حفاظت کریں۔ اور اس کی نگرانی کریں کہ کوئی سپاہی اندرون شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔

لیکن اس کے باوجود بہت سے مقامات اور بہت سے گھر لوٹے گئے۔ خاص طور پر مغل محل سرا پورے طور پر لوٹ لیا گیا۔ ایک مقامی بزرگ حاجی محمد سعید لاہوری کی سفارش پر لکھی

محلہ اور عبداللہ باڑی کو بالکل محفوظ رکھا گیا۔ یہاں کی ہر چیز سلامت رہی۔ میر مومن خاں کی قابل ستائش اور زبردست جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر لاہور میں بہت جلد امن و امان بحال ہو گیا۔ اور شہریوں کو اگر گزند پہنچا تو کم از کم۔

احمد شاہ کا نیا سکہ

اس فتح کے سلسلہ میں احمد شاہ کو جو مال غنیمت ملا وہ بے حد و حساب تھا۔ شہریوں کی طرف سے جو نذرانہ ملا' اور مفرور گورنر اور اس کے خاندان کا سارا بیش قیمت اثاثہ اور گراں بہا سامان منقولہ ملا۔ اس کے علاوہ بہت بڑا خزانہ بھی ہاتھ آیا۔ گزشتہ پینتیس سال سے جو کچھ از قبیل زر نقد و سامان جنگ جمع ہوتا چلا آرہا تھا وہ سب ہاتھ آیا۔ یعنی نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ اور زکریا خاں کے زمانے سے اب تک جو کچھ جمع ہوتا رہا تھا وہ سب مل گیا۔ شفقت خاں میر سامان کو ان چیزوں کا تحویل دار بنا دیا گیا۔

شہر میں جتنے بھی گھوڑے اور اونٹ تھے وہ سب قبضہ میں لے لئے گئے۔ بلکہ آس پاس کے علاقوں سے بھی چھین لئے گئے اور فوج کے استعمال کے لئے دیدیے گئے - یہ سب کچھ اتنا تھا کہ ابدالی فوج کے پانچ ہزار پیادے ایک باقاعدہ سوار رجمنٹ میں تبدیل کر دیئے گئے۔ اور ایک ہلکے پھلکے توپ خانے کا بھی ابدالی فوج میں اضافہ ہو گیا۔(۲۴)

احمد شاہ ابدالی نے لاہور میں پانچ ہفتے تک قیام کیا۔ اس عرصہ میں راجہ جموں' راجہ باہو اور شمالی کوہستان کی دوسری ریاستوں نے اپنے وکیل بھیج کر اظہار اطاعت کیا۔ پنجاب کے سربر آوردہ زمیندار اور سردار خود آستانہ شاہ پر سر تسلیم خم کرنے کے لئے حاضر ہونے لگے۔ یہاں احمد شاہ نے ایک سکہ بھی ڈھلوایا۔ جس پر یہ عبارت مرقوم تھی:

در دراں احمد شاہ بادشاہ

ضرب دار السلطنت لاہور

جلوس میمنت مانوس احمد(۲۵)

حدیقۃ اولیاء کے مصنف کا کہنا ہے کہ احمد شاہ جب شاہدرے آیا تو اس نے تحقیق کرنا چاہا آیا لاہور میں کوئی مرد بزرگ ہیں؟ جواب میں شیخ حاجی محمد سعید نقشبندی کا نام لیا گیا۔ چنانچہ جب وہ لاہور میں داخل ہوا تو حضرت شیخ کی خدمت میں بہ نفس نفیس حاضر ہوا۔ حضرت شیخ سے وہ اتنا متاثر تھا کہ گو شہر لاہور کے ممتاز علاقے اور محلے ابدالی سپاہیوں کی لوٹ سے نہ بچ سکے لیکن محلہ لکھی اور عبداللہ باڑی کی طرف کوئی سپاہی نظر اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرات نہ کر سکا۔

احمد شاہ کے سامنے ابھی ایک اور مہم تھی جس کی تیاریوں میں وہ مشغول تھا۔ چنانچہ اس نے ایک مقامی حکومت کی تشکیل کر دی جس کا سربراہ جلہ خاں تھا۔ جو قصور کا افغان سردار تھا اور ابھی گورنر نامزد ہوا تھا۔ میر مومن خاں نائب گورنر اور لکھپت رائے دیوان یعنی چیف سیکریٹری۔

حوالہ جات

(۱) ملتان کی گورنری شاہ نواز خاں کے دادا (زکریا خاں کے والد) کے ہاتھ میں تھی جس کا نام سیف الدولہ نواب عبدالصمد خاں تھا۔ یہ اس منصب پر ۱۷۲۶ء سے ۱۷۳۷ء تک فائز رہا۔ اس سال اس کا انتقال ہو گیا تو اس کا بیٹا اور شاہ نواز خاں کا باپ زکریا خاں اس منصب پر لاہور کی گورنری کے ساتھ فائز ہوا۔ ملاحظہ ہو۔

مآثر الامرا، ج ۲، ص ۵۱۴

Beal- Dictionary of Oriental Biogrophy P.14

مفتاح التواریخ: ص ۳۱۶

تذکرہ آنند رام، ص ۱۰۵

(۲) ۳ ستمبر ۱۷۴۷ء

(۳) سیرالمتاخرین، ص ۱۰۵، ۲۲۷

(۴) سیرالمتاخرین، ص ۸۹۱، نیز

طہماس نامہ، ص ۶۴

خوش وقت رائے، "تاریخ سکھاں" ص ۶۱

عمدۃ التواریخ، ج ۱، ص ۱۱۴

علی الدین ا "عبرت نامہ" ص ۲۲۳

(۵) عمدۃ التواریخ میں مذکور ہے کہ وہ درویش صابر خاں تھا جسے سفیر بنا کر احمد شاہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس بیان کی تائید کسی دوسری معتبر تاریخ سے نہیں ہوئی۔

(۶) "دیرینہ خادموں" سے مراد خود آدینہ بیگ خاں اور لاہور کا دیوان لکھپت رائے تھا۔
(خوش وقت رائے: تاریخ سکھاں، ص ۶۱)

(۷) سیر المتاخرین، ص ۲۶۱، نیز
تاریخ آنند رام، ص ۲۳۵
علی الدین، عبرت نامہ، ص ۲۳۳

(۸) آنند رام مخلص نے ان خبروں کی بنا پر جو دہلی میں اس وقت عام تھیں لکھا ہے کہ احمد شاہ درانی کی فوج میں ۲۵ ہزار سوار تھے۔

لیکن عبدالکریم نے اپنی کتاب "بیان واقع" میں (ص ۱۳۱) عبدالرحیم کی کتاب "مراۃ آفتاب نما (ص ۱۵۶) میں شاہ نواز کا ذکر کرتے ہوئے بارہ ہزار سے کچھ زیادہ لشکر لکھا ہے جو پیادوں اور سواروں پر مشتمل تھا، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ درانی کی سپاہ ۱۸ ہزار تھی۔ جیسا کہ سر جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب

The Fall of Moghal Empire, P-257

میں لکھا ہے۔

(۹) دارالضرب یعنی ٹکسال کا افسر اعلیٰ

(۱۰) Bellow Yousufzaies 11-1

Latif Punjab PP- 216، 217

گلستان رحمت، ص، ۱۴

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پیر صابر شاہ اپنی صوابدید پر، نہ کہ احمد شاہ کی اجازت سے، تن تنہا ہندوستان پہنچے تھے۔ وہ شاہدرہ سے آئے تھے نہ کہ روہتاس سے۔ لاہور آکر یہاں کے بازاروں میں انہوں نے علی الاعلان کہنا شروع کیا کہ وہ اپنے ساتھ احمد شاہ کی حکومت لائے ہیں۔ شاہ نواز یہ باتیں برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اس درویش کو قتل کر دینے کا حکم دیدیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں پیر صاحب کی گردن تلوار سے اڑا دی گئی اور شہر میں تشہیر کرائی گئی۔ پیر صاحب کا مقبرہ بادشاہی مسجد لاہور کے عقب میں ایک بلند مقام پر ٹکسالی گیٹ کے پاس ہے۔

عمدۃ التواریخ ج ۱، ص ۱۲۲

Goulding، Old Lahore، P- 73

Latif، Lahore pp، 75، 117

(۱۱) Gujrat District Gazettear (1883-84) pp، 15، 115

(۱۲) ۱۸ محرم ۱۱۶۱ھ (۸ جنوری ۱۷۴۸ء)

(۱۳) یحییٰ خاں کی رہائی اس کی خالہ کی کوششوں سے عمل میں آئی۔ جو زکریا خاں کی بہن تھی۔ وہ ۲۳ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۷۴۸ء کو دہلی پہنچا جب کہ اس کا خسر شالامار باغ میں مقیم

تھا۔ اور ایک فوج مرتب کرنے کی سعی و کوشش کر رہا تھا تاکہ احمد شاہ درانی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جا سکے۔

(تذکرہ آنند رام ' ص ۴۰۔۲۳۹)

(۱۴) خوش وقت رائے "تاریخ سکھاں" ص ۶۱'۶۲

(۱۵) ۱۲ جنوری ۱۷۴۸ء

(۱۶) خوش وقت رائے "تاریخ سکھاں" ص ۶۱' ۶۲

(۱۷) اس نام کے تلفظ میں بعض مؤرخین کو مغالطہ ہوا ہے' چنانچہ بعض اسے زلا خاں یا جملہ خاں لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو (Elliot) کا ترجمہ تاریخ احمد شاہی ' اور (Dowson) کی کتاب

History of India as told by its own Historians vol (viii), 106

لیکن برٹش میوزیم میں جو اصل فارسی نسخہ ہے اس میں صاف جلہ خاں لکھا ہے۔ اس کے بعد اس کا امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ اسے زلا خاں یا جملہ خاں پڑھا جائے۔

عمدۃ التواریخ میں جو نام جلی خاں چھپا ہے (Lahore ' 1885' vot i' 123) وہ دراصل حلی خاں ہے جیسا کہ اصل فارسی مسودے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۸) تذکرہ آنند رام ' ص ۲۵۷

(۱۹) شاہنامہ احمدیہ ' ص ۷۶ ' ۷۷

(۲۰) شاہ نامہ احمدیہ میں قزلباش کے بجائے ازبک لکھا ہے اور اس جنگ کی کچھ تفصیل بھی دی ہے جس میں قزلباش مکمل طور پر غارت ہو گئے۔

(۲۱) سیر المتاخرین ص ۸۶۲' ۸۶۳

(۲۲) تاریخ مظفری (ص ۴۲۳) نے بخشی حشمت اللہ خاں لکھا ہے۔ لیکن تزکرہ آنند رام میں عصمت اللہ خاں ہے آخر کار یہ جنگ کرتا ہوا قتل ہوا۔

(۲۳) ۲۲ محرم ۱۱۶۱ھ (۱۲ جنوری ۱۷۴۸ء)

(۲۴) چہار گلستان پنجاب" ص ۱۲۵

آنند رام ص ۴۴' ۴۵

سیر المتاخرین ' ج ۳' ص ۲۵۷

(۲۵) حسین شاہی ' ص ۱۹

دسواں باب

جنگ مان پور

فیصلہ کن اور اہم ترین معرکہ

احمد شاہ لاہور میں مقیم تھا کہ دہلی سے پے بہ پے یہ خبریں آنے لگیں کہ عظیم مغل شہنشاہ محمد شاہ ایک بہت بڑی فوجی مہم اسے شکست دینے کے لئے ترتیب دے رہا ہے۔ اور بہت جلد ایک لشکر گراں لے کر اس پر حملہ کیا چاہتا ہے۔

دربار دہلی کو وسط نومبر ۱۷۴۷ء میں نصیر خاں آف کابل کی جنگ اور شکست کے بعد ہی یہ انتباہ موصول ہو چکا تھا کہ اب احمد شاہ کا مرکز عمل ہندوستان ہو گا۔ اور وہ اس پر ہر حالت میں چڑھائی کر کے رہے گا۔ افغان قبائل کے سامنے اس نے جو اعلان کیا تھا اس میں یہ آثار و عزائم مضمر تھے کہ وہ توسیع مملکت کا خواہاں ہے اور اس سلسلے میں ہندوستان کو ہدف بنائے بغیر نہیں رہے گا۔

یکم ستمبر مطابق ۷ رمضان کو نصیر خاں کے نائب امیر بیگ خاں کے بھیجے ہوئے فرمان کی نقل دربار دہلی میں موصول ہو گئی تھی۔ اس کی رو سے احمد شاہ نے ۱۸ رجب المرجب ۱۱۶۰ھ (۱) کو ملک محمد ہاشم آفریدی کو "آفریدی قبیلے کا مرد بزرگ اور "ملک" مقرر کیا تھا جو پشاور کے حدود میں واقع تھا۔

احمد شاہ نے کابل پر اکتوبر میں قبضہ کر لیا تھا۔ اور نصیر خاں شروع نومبر میں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ نواز خاں کی تعدیوں اور دراز دستیوں نے 'نیز

احمد شاہ سے اس کی خط و کتابت اور گفت و شنید نے صورت احوال کو زیادہ نازک اور پیچیدہ بنا دیا تھا لیکن اس صورت حال کے باوجود نصیر خاں کی کوئی مدد نہیں کی گئی کہ احمد شاہ کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا یا شاہ نواز خاں کی امداد و اعانت کرنے کے قابل بن سکتا۔ واقعہ یہ ہے جیسا کہ سر جادو ناتھ سرکار نے کہا ہے:

"محمد شاہ کے دربار میں جمود اور سازش کا دور دورہ تھا۔ نادر شاہ کے ہولناک اور تباہ کن حملے نے بھی جسے ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی محمد شاہ کے حکام اور اعیان و امراء میں سے کسی کو بیدار نہیں کیا۔ سب مست خواب تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ فرض کا احساس تھا نہ آنے والے دور کا اندیشہ۔ پست ہمتی' پیکار باہمی' سازش اور دراندازی نے دہلی کی حکومت کو اس سے زیادہ پست اور شرمناک حد تک پہنچا دیا تھا۔ جب ایرانی حملہ ایک طوفان بلا خیز بن کر نمودار ہونے کی تیاری کر رہا تھا(۲)۔"

خود شاہ دہلی کا یہ حال تھا کہ افیون نے اس پر قبضہ جما رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ جب شکست خوردہ نصیر خاں دہلی آیا(۳) تو دارالسلطنت سے باہر خیمے نصب کرنے میں ایک ہفتہ کی مدت لگ گئی (۲۳ نومبر) طے یہ ہوا تھا کہ دہلی کی فوجیں احمد شاہ کے خلاف ۱۱ ذی الحجہ۔ ۱۱۶۰ھ مطابق ۳ دسمبر کو پیش قدمی شروع کر دیں گی۔ لیکن اس تاریخ کو افواج شاہی نے ذرا بھی نقل و حرکت نہیں کی۔ بلکہ تاریخ بدل کر ۲۲ ذی الحجہ (۱۴) دسمبر کر دی گئی۔ لیکن اس تاریخ کو بھی کسی طرح کی فوجی نقل و حرکت عمل میں نہیں آئی۔ اس لئے کہ منجموں نے یہ رات منحوس بتائی تھی۔ اس طرح تین ہفتے گزر گئے اور کسی طرح کا اقدام نہیں کیا جا سکا۔

اس کے بعد بادشاہ دہلی کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ جب تک وہ خود بہ نفس نفیس افواج ہند کی سالاری کے فرائض انجام نہیں دے گا' یہ آرام طلب اور سست گام ہندوستانی سپاہی' برق رفتار' اور طرار ابدالی سپاہیوں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ لیکن بادشاہ سلامت بیمار پڑ گئے' اور اطبا نے انہیں نقل و حرکت سے منع کر دیا۔ بادشاہ سلامت اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر افواج کی سالاری سونپ دیتے۔ کہن سال وزیر اعظم قمرالدین خاں کو کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ نواب منصور علی خاں صفدر جنگ (والی اودھ) اور راجہ ایشری سنگھ (راجہ جے پور) کو نائب سالار مقرر کیا گیا۔ جہاندیدہ اور کار آزمودہ افسران فوج کی ایک خاصی تعداد ان حضرات کی امداد و اعانت پر متعین کر دی گئی۔ ان امراء کو ایک بہت بڑی رقم یعنی ساٹھ لاکھ روپیہ اس لئے عطا کیا گیا کہ یہ ضروری سازو

سامان جنگ بہم پہنچائیں۔ اور اس کار اہم کے لئے پورے طور پر تیار ہو جائیں۔ لیکن بایں ہمہ چند چھوٹے افسروں کو مستثنیٰ کر کے سب کے سب امراء و اعیان سستی' غفلت اور سہل انگاری سے کام لیتے اور وقت کو شرمناک طور پر ٹالتے رہے اور اقدام و پیش قدمی سے گریز کرتے رہے(۴)۔

قمرالدین خاں کا شمال کی طرف کوچ

۱۸ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۸ جنوری ۱۷۴۸ء کو وزیر سپہ سالار قمرالدین خاں نے فوج کی پیش قدمی کے لئے رخصت حاصل کی۔ یہ وہی دن ہے جب احمد شاہ ابدالی شاہدرہ پہنچ چکا تھا اور لاہور کے دروازے پر مقیم تھا۔ لیکن توپ خانے کی نقل و حرکت کے انتظار میں قمرالدین خاں کو چار پانچ روز مزید بیٹھا رہنا پڑا۔ راجہ ایشری سنگھ ۲۳ محرم (۱۳ جنوری) کو دہلی سے روانہ ہوا۔ اور دو لاکھ خیمے اس کے ساتھ جلو میں چلے۔ تاکیدی خطوط حجری اور لکھی جنگل کے زمینداروں کے نام روانہ کئے گئے۔ علاوہ ازیں خدا یار خاں عباسی' غازی خاں بلوچ 'اسماعیل خاں ہوت' ولی داد خاں اور دوسرے زمینداران ملتان و سندھ کو بھی تاکیدی مراسلے روانہ کئے گئے۔ زاہد خاں نائب گورنر ملتان کو حکم پہنچا کہ اپنی افواج لے کر فوراً" شاہی عساکر کے ساتھ آملے۔

شاہی فوج کے سربراہوں نے ایک کانفرنس میں جو امراء و اعیان فوج پر مشتمل تھی یہ بھی طے کیا کہ تیسرے یا چوتھے مرحلے پر جب توپ خانہ اور افواج باہم مل کر کام کر سکیں گے تو جلدی جلدی منزلیں مارتے ہوئے' کوچ کرتے یہ لوگ قبل اس کے کہ درانی دریائے چناب عبور کر سکے لاہور پر قبضہ کر لیں گے۔ لیکن یہ لوگ ابھی دہلی سے صرف سولہ میل کے فاصلے پر نریہ میں پہنچے تھے کہ یہ چونکا دینے والی خبر آئی کہ احمد شاہ نے لاہور پر قبضہ کر بھی لیا۔ اور اب تازہ دم فوج تیار کر کے شاہی افواج کے مقابلہ کو خود آگے بڑھ رہا ہے۔

شاہی جنگی کونسل نے شہنشاہ دہلی سے استدعا کی کہ یہ بڑا نازک وقت ہے اور اس وقت بگڑا ہوا کام صرف اس طرح سنبھل سکتا ہے کہ ولی عہد مملکت شہزادہ احمد کو فوج کے ساتھ رکھا جائے تاکہ اس کے حوصلے بلند رہیں۔ اور عزم و ثبات میں فرق نہ آئے۔ بڑی مشکل سے بادشاہ سلامت نے آخر کار یہ تجویز مان لی۔ شہزادہ اتوار کے دن دہلی سے روانہ ہوا(۵)۔ اور اسی دن سونی پت کے مقام پر فوج سے جاملا۔

۲۱ صفر کو(۶) پانی پت پہنچنے کے بعد فوج کو از سر نو ترتیب دیا گیا۔ اور اسے ہر اعتبار سے مسلح اور کیل کانٹے سے لیس کر دیا گیا۔ پہلی ربیع الاول کو کرنال میں یہ اطلاع ملی کہ علی محمد خاں روہیلہ فوج دار سرہند اپنا مقام چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور انولہ میں جو اس کا مقام پیدائش ہے

جا بیٹھا ہے۔ یہ مقام ضلع بدایوں میں واقع تھا(۷)۔ بہرحال ۷ ربیع الاول کو شاہی فوج سرہند کے قریب پہنچ گئی اور دوسرے دن تک وہاں قیام کیا۔(۸ ربیع الاول مطابق ۲۶ فروری)۔ اس دن لشکر کا تمام سامان اور وزیر قمرالدین خاں کا سارا سازو سامان قلعہ سرہند میں لاکر اتارا گیا۔ لیکن اس کے حفظ و دفاع کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔ سوا اس کے کہ یہاں ایک ہزار سواروں اور پیادوں کا دستہ ایک خواجہ سرا کی ماتحتی میں کافی سمجھا گیا۔ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں' علی محمد کے دونوں بیٹے بھی جو یرغمال کے طور پر دہلی میں تھے اور اب شہزادہ احمد کی معیت میں فوج کے ساتھ آئے تھے یہیں سرہند کے قلعہ میں چھوڑ دیئے گئے۔

۹ ربیع الاول کو شاہی افواج نے مچھی واڑے کی طرف کوچ کیا۔ خیال تھا یہاں دریائے ستلج لدھیانے کے مقابلہ میں زیادہ پایاب ملے گا' اور آسانی کے ساتھ عبور کرلیا جائے گا۔

لیکن لدھیانے اور سرہند سے گزرتی ہوئی شاہراہ عظیم کو ترک کردینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمد شاہ درانی کے لئے مغل دارالسلطنت دلی کی طرف کوچ کرنے کا راستہ صاف ہوگیا۔ اگر یہ سوچی سمجھی تدبیر کا نتیجہ تھا تو یہ ایک ناقابل معافی جرم کا ارتکاب تھا' اور تدبیر جنگ سے ناواقفیت کا سب سے بڑا ثبوت۔

قصبہ بھرولی کے قریب پہنچنے کے بعد جو مچھی واڑے سے دوسری منزل تھا' دفعتہ" شاہزادہ احمد کو اس کے جاسوسوں اور گویندوں کے ذریعہ اطلاع ملی کہ احمد شاہ درانی نے ۱۹ ربیع الاول مطابق یکم مارچ کو دریائے ستلج پار کرلیا' اور سرہند کے شہر اور قلعہ پر قبضہ کرلیا(۸)

درانی سے مقابلہ کے لئے مغل فوج کو یہاں تیاریاں کرتے چھوڑ کر ہم پھر لاہور کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ اندازہ کرسکیں کہ لاہور سے سرہند تک پہنچنے میں احمد شاہ نے کیا تدبیر اختیار کی؟

احمد شاہ کا سرہند کی طرف کوچ اور اس پر قبضہ

جلہ خاں کی ماتحتی اور سرکردگی میں ایک مقامی حکومت کی تشکیل کرکے اور اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرکے پیش قدمی کرتی ہوئی مغل افواج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یکم ربیع الاول ' ۱۱۶۱ھ(۹) کو احمد شاہ تیس ہزار سوار لے کر لاہور سے روانہ ہوا۔

پہلی منزل سرائے خان خاناں پر میر مومن خاں اور دیوان لکھپت رائے موعودہ نذرانے کے سلسلہ میں اب تک تحصیل کیا ہوا ۲۲ لاکھ روپیہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔(۱۰)

اپنی نقل و حرکت کو پورے طور پر پوشیدہ رکھنے کے لئے احمد شاہ نے یہ فرمان صادر کردیا تھا کہ جو ہندوستانی بھی فوج کے آس پاس گھومتا پھرتا دکھائی دے اسے بے تامل فورا" قتل کردیا

جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں وزیر قمرالدین اور دوسرے امراء و اعیان کے بہت سے ہرکاروں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی کسی طرح کی خبریا نامہ لے کر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکا۔

سرائے نور دین اور دیراول پر چند معمولی جھڑپوں کے سوا جو سکھوں کی غیر باقاعدہ جماعتوں سے ہوئیں' اور کوئی خاص حادثہ رونما نہیں ہوا۔ یہ سکھ جماعتیں سردار اہلو والیہ کی سرکردگی میں اس امید میں اپنی کمین گاہوں اور خفیہ جائے پناہوں سے نکلی تھیں کہ لوٹ مار کا اچھا موقع قسمت سے حاصل ہو گیا ہے۔ احمد شاہ کی طرف سے ان کو کچھ زیادہ مزاحمت نہیں ہوئی(۱۱)۔ پھلور میں احمد شاہ کو معلوم ہوا کہ مغلوں نے بہت بڑا خزانہ اور بہت سا سازوسامان قلعہ سرہند میں رکھ چھوڑا ہے۔ احمد شاہ نے لاہور سے ایک خط سرہند کے فوجدار علی محمد خاں روہیلہ کو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ وہ اطاعت اور رفاقت کے لئے تیار رہے۔ صلہ میں اس نے وعدہ کیا تھا کہ فتح و کامرانی حاصل ہونے کے بعد اسے ہندوستان کا وزیر بنا دے گا۔ اسی اثنا میں شہنشاہ محمد شاہ نے جیسا کہ محمد مستجاب خاں کا بیان ہے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اسے حکم دیا کہ وہ اپنے خاص علاقے کٹھیار کا انتظام اور دروبست سنبھال لے۔ علی محمد نے یہ فرمان پانے کے بعد اپنے سرداروں کی ایک مجلس طلب کی اور ان سے صلاح اور مشورہ طلب کیا۔ مجلس کے افغان سرداروں نے متفقہ طور پر یہ رائے دی کہ احمد شاہ کی دعوت طاعت و رفاقت فوراً قبول کرلینی چاہئے۔ لیکن علی محمد خاں ایک زیرک شخص تھا اس نے کہا

"آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر لیکن میں جانتا ہوں احمد شاہ ہندوستان میں قیام نہیں اختیار کرے گا۔ بہت جلد وہ اپنے ملک واپس چلا جائے گا۔ لہٰذا میری رائے میں یہ مناسب نہیں ہو گا کہ ہم اس ملک کے لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوں' اور ہندوستان کے شہنشاہ اور سرداروں کے معتوب و مقہور ٹھہریں۔"

چنانچہ علی محمد خاں نے محفوظ ترین صورت اختیار کی۔ اور اپنی تمام سپاہ کے ساتھ جو بیس ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی فوراً اپنے دیس میں جو کوہستان کمایوں کے زیر قدم واقع تھا' چلا گیا اور اس طرح اس نے سرہند کو دفاعی قوت سے محروم کرکے در حقیقت احمد شاہ کی بڑی مدد کی۔(۱۲)

بارہ ربیع الاول (یکم مارچ) کو احمد شاہ نے لدھیانہ کے مقام پر ستلج عبور کرلیا اور ناک کی سیدھ میں سرہند کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مغلوں نے دشمن کے ہجوم و اقدام کو روکنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر روک ٹوک اور مزاحمت و مقاومت کے درانی

فوجیں رواں دواں بڑھتی چلی گئیں۔ تقریباً" چالیس میل کا فاصلہ ان فوجوں نے صرف ایک دن میں طے کر لیا۔ دو مارچ کو ابدالی کی فوجیں قلعہ سرہند کی فصیل کے ساتھ کھڑی تھیں۔ قمرالدین خاں نے ایک ہزار سپاہیوں کا جو دستہ یہاں حفاظت پر مامور کیا تھا وہ اس لشکر کا مقابلہ کیا کرتا؟ پھر بھی اس نے کمزور سی مزاحمت کی اور جب گولہ بارود ختم ہو گیا تو مجبور ہو کر احمد شاہ کے لئے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ قلعہ کا سارا خزانہ جملہ سازو سامان" اور وزیر قمرالدین کی خواتین حرم احمد شاہ کے قبضہ میں آ گئیں۔ مردوں کی بہت بڑی تعداد کی گردن تلوار سے اڑا دی گئی۔ اور عورتیں باندیاں بنا لی گئیں۔ اندرون و بیرون قلعہ بہت سے مکانات نذر آتش کر دیئے گئے اور ان کا مال و زر اور ساز و سامان لوٹ لیا گیا۔

احمد شاہ کی جنگی مہارت

احمد شاہ نے اپنے خیمے بادشاہی باغ میں نصب کئے۔ فوج نے دوسرے ملحقہ باغات پر قبضہ کر لیا۔ اپنی فوج کو ہلکا پھلکا رکھنے کے لئے احمد شاہ نے سارا مال غنیمت اور لوٹا ہوا سازو سامان لاہور بھیج دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب سامان بہ حفاظت واپسی کے وقت اسے مل جائے گا۔

یہ خبر فورا" ہی ہرکاروں نے بہ مقام بر دلی ابوا لمنصور خاں کو پہنچا دی جہاں شہزادہ احمد خیمہ زن تھا۔

وزیر اس خبر کے یقین کرنے پر تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے مخصوص ہرکاروں میں سے ..... جو سب کے سب تہہ تیغ ہو چکے تھے ..... کسی نے بھی کوئی اطلاع، حتیٰ کہ درانی کی آمد تک کی اطلاع نہیں دی تھی۔ چنانچہ چند آدمی اس نے سرہند بھیجے جو صرف بارہ کوہ(۱۳) کے فاصلے پر شاہی افواج کی چھاؤنی سے واقع تھا۔ ان آدمیوں کے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اس دہشت انگیز خبر کی صداقت اور واقعیت معلوم کی جائے۔ بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ جو خبر اس تک پہنچی تھی وہ افواہ نہ تھی امر واقعہ تھی۔ اور اس پر مزید ستم یہ کہ سرہند بھی اب درانی کے قبضے میں تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہ درانی دہلی پر یلغار کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے، اور بہت جلد کوچ کرنے والا ہے۔ سرہند کا ہاتھ سے نکل جانا اور دہلی کی طرف کوچ کی تیاریاں کرنا ایسا حادثہ تھا جس نے ہندوستانیوں کو سراسیمہ کر دیا۔ انہیں اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں بغیر لڑے انہیں شکست سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ ابوا لمنصور خاں نے اپنی طرف سے پوری جدوجہد کی کہ اس شیرازے کو منتشر نہ ہونے دے۔ اس نے وزیر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دہلی کی طرف پٹھانوں کے تعاقب میں کوچ کر دینا چاہئے۔(۱۴)

سرہند پر درانی کے قبضے اور دہلی کی طرف احمد شاہ درانی کے کوچ کی جب خبر دہلی پہنچی تو

دارالحکومت میں سخت اضطراب اور تشویش کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگوں کو وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والے خونریز حوادث یاد آگئے جو نادر شاہ کی آمد پر رونما ہوئے تھے۔ چنانچہ بہت بڑی تعداد میں وہ اپنی آل اولاد اور مال و متاع لے کر راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ شہنشاہ کو اس فرار عام کے روکنے کے سلسلے میں سخت اقدامات پر مجبور ہونا پڑا۔

ساتھ ہی ساتھ شہنشاہ نے محمد اسحاق خاں' محمد غازی الدین' راجہ بخت سنگھ' راجہ ہمت سنگھ ' سعدالدین خاں "خان ساماں" اور چند دوسرے حکام کو حکم دیا کہ وہ دہلی سے باہر نکلیں اور ان چوکیوں پر جو سرائے بدلی اور وزیر آباد کے قریب ہیں قابض ہو جائیں۔ شاہی قلعہ کے استحکام اور حفاظت کا اہتمام بھی اور زیادہ سخت کر دیا گیا۔

لیکن مان پور کی جنگ کا جو انجام ہوا اس نے شہر کو تمام متوقع پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچا لیا۔(۱۵)

مان پور کی لڑائی کا فیصلہ

۱۴ ربیع الاول مطابق ۳ مارچ کو شہزادہ اپنی فوج لے کر سرہند کی طرف بڑھا اور قصبہ مان پور میں چھاؤنی تقریباً" دس میل کے فاصلے پر ڈال دی۔

دوسری طرف احمد شاہ درانی نے سرہند کے باغات میں اپنے مورچے قائم کئے اور تقریباً" پانچ میل آگے بڑھ کر خندقیں کھود لیں۔ ان خندقوں سے مان پور کا فاصلہ بھی قریب قریب پانچ میل کا تھا۔

جنگ کا آغاز دونوں طرف سے گولہ باری کی صورت میں ہوا۔

مغل فوج کی پوزیشن زیادہ محفوظ نہیں تھی' آس پاس کا تمام علاقہ خشک اور بے آب و گیاہ تھا۔ جو کنوئیں تھے وہ ضرورت کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھے۔

اس کے برعکس شاہ درانی کی پوزیشن مغلوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم تھی۔ سرہند پر قبضہ ہونے کے باعث نہ پانی کی تکلیف تھی نہ رسد اور اناج کی فراہمی میں کوئی دشواری تھی۔ پانی بھی بہ افراط تھا اور اناج کی بھی بہتات تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ جس چیز کی سب سے زیادہ کمی محسوس کر رہا تھا وہ توپ خانے کا نہ ہونا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک بھاری توپ تھی۔ باقی چند اور چھوٹی چھوٹی توپیں تھیں۔ اس کے برعکس مغلوں کے پاس صدہا توپیں اور بھاری اسلحہ تھے۔ چنانچہ درانی اپنی اس مجبوری کے باعث بڑے اور وسیع پیمانے پر مغلوں کے خلاف حملہ کرنے کی سکت اور قوت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر سکتا تھا وہ صرف یہ کہ چھوٹے چھوٹے دستے ادھر ادھر چھاپے مارنے کے لئے بھیجتا رہے تاکہ

مغلوں میں افراتفری پیدا ہو اور وہ پیش قدمی کرنے کی بجائے صرف دفاع پر مجبور ہو جائیں۔ ان کے پاس رسد کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ آس پاس کے علاقوں سے ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ان علاقوں پر پٹھان قابض تھے۔

پانی کی کمی' اناج کی نایابی اور اس طرح کی دوسری دشواریوں نے مغل سپہ سالار کو حواس باختہ اور پریشان کر رکھا تھا۔

راجہ ایشوری سنگھ اور دوسرے سرداروں نے مشورہ دیا کہ یہی وقت ہے بے دھڑک ایک زبردست حملہ پٹھانوں پر کر دیا جائے اور انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔

لیکن یہ مشورہ قبول نہیں کیا گیا۔

سپہ سالار نے مناسب سمجھا کہ جنگ کو ڈھیل دی جائے اور بڑے پیمانے پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس طرح افغان بھوکے مرنے لگیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ مقامی سرداروں " سردار آلھا سنگھ آف پٹیالہ اور رائے کلھا آف رائے کوٹ اپنے دستوں کے ساتھ پٹھانوں کی رسد منقطع کر دیں' اور پھر توپ خانے سے آگ برسا کر پٹھانوں کو ختم کر دیا جائے۔

اس اسکیم کے مطابق ایک ہفتہ تک کوئی بڑی لڑائی نہیں چھیڑی گئی۔

لیکن دوسری طرف احمد شاہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا تھا۔ اس کے چھاپہ مار دستے زیادہ سرگرم اور کارگزار تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پٹھانوں نے مغلوں کو اسی جال میں پھانس لیا جو ان کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ سردار آلھا سنگھ اور رائے کلھا کو کبھی کبھی اس میں کامیابی ہوئی کہ وہ پٹھانوں کی رسد کے اونٹوں اور خچروں پر قبضہ کر لیں اور انہیں مغل وزیر کی چھاؤنی میں پہنچا دیں۔ لیکن مغلوں کی فوج گراں کے لئے کہیں زیادہ رسد کی ضرورت تھی۔ اور وہ بہرحال نایاب تھی۔

آخر احمد شاہ نے فیصلہ کر لیا کہ حملہ شروع کر دیا جائے۔

۲۰ ربیع الاول (۹ مارچ) کو اس نے اپنی بھاری توپ سے جو صرف یہی ایک تھی' مغل خیموں پر آگ برسانی شروع کر دی۔ نشانہ اتنا درست تھا کہ گولے خندقوں میں' امراء کے خیموں پر' اور شہزادے کی چھولداری پر برسنے لگے۔ سپاہیوں اور جانوروں کی بڑی تعداد ہلاک ہو گئی۔ اس آتش باری سے اتنی زیادہ تعداد میں لوگ مجروح اور ہلاک ہوئے کہ ابوالمنصور خاں اور دوسرے امراء کے دباؤ سے مجبور ہو کر وزیر پوری قوت سے حملہ کرنے پر تیار ہو گیا۔(۱۶)

عام حملے کے لئے جمعہ کا دن منتخب کیا گیا (۲۲ ربیع الاول' ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۱ مارچ ۱۷۴۸ء) ساری فوج جو ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کر دی گئی۔ سالار فوج

وزیر بذات خود تھا۔

۱۔ وزیر کی سپاہ ترک دستوں پر مشتمل تھی جس میں اس کے بیٹوں میر نجم الدین خاں' فخرالدین خاں' اور صدر الدین نیز احمد زماں خاں طالب جنگ اور آدینہ بیگ خاں آف جالندھر دو آب کی سپاہ بھی شامل تھی۔ اس کی سالاری وزیر کے بڑے بیٹے میر معین الدین خاں کے ہاتھ میں تھی جو منو کے نام سے مشہور ہے اور جو بعد میں معین الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا۔

۲۔ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ اپنے منتخب ایرانی سپاہیوں کے ساتھ جن میں نادری سپاہی اور پوربئے شریک تھے' میمنہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔(۱۷)

۳۔ قلب فوج کی کمان شہزادہ احمد کے ہاتھ میں تھی۔ سید صلابت خاں اور دلاور خاں اس کے معاون اور مددگار کی حیثیت سے ساتھ تھے۔

۴۔ راجہ ایشری سنگھ والی جے پور نے بایاں بازو سنبھال رکھا تھا۔ علاوہ ازیں راجپوت سپاہ بھی جو ہندوستانی راجاؤں کی سرکردگی میں آئی تھی' ایشری سنگھ کے ماتحت تھی۔

۵۔ عقب فوج کی کمان نصیر خاں سابق گورنر کابل کے ہاتھ میں تھی۔

درانیوں کی طرف سے زبردست حملہ

شاہ نے دوسری طرف تین ہزار قزلباش ایرانیوں کو محمد تقی خاں شیرازی کی کمان میں دیا اور حکم دیا کہ میر منو کے خلاف یلغار و ہجوم کرے۔ اسی اثنا میں وہ خود اپنے چیدہ افغان سرداروں کو لے کر ابوالمنصور خاں کے خلاف یلغار کناں بڑھا۔(۱۸) ناقہ سوار فوج کو بھی حسب ضرورت تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب درانیوں کی طرف سے توپ زنی شروع ہوئی۔ مغل سالار اعلیٰ نے بس ابھی نماز چاشت سے فراغت کی ہی تھی۔ یہ وقت صبح ۹ اور ۱۰ بجے کے مابین کا تھا۔ اور ہنوز وہ مصلے پر بیٹھا اوراد اور وظائف میں مشغول تھا کہ دفعتہ" اس کے خیمے کو چاک کرتا ہوا ایک گولہ افغان فوج کی طرف سے آکر گرا۔ پہلے وہ زمین پر گرا۔ پھر اچھلا اور اس کی پیٹھ کو کمر کے پاس زخمی کر دیا۔ اس موقع پر فراش خاں' سنجین خاں اور تین دوسرے رفقاء موجود تھے لیکن کوئی بھی زخمی نہیں ہوا۔(۱۹)

آنند رام کی تصریحات

یہ بات بظاہر انہونی سی معلوم ہوتی ہے کہ درانی توپوں کا نشانہ اتنا سدھا ہوا تھا کہ گولہ ٹھیک وزیر کے خیمے پر آکر گرا۔ اور وہ بھی پہلا گولہ جو چلایا گیا۔

لیکن یہ بات آنند رام کے بیان سے صاف ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ شاہ کے جاسوسوں نے پہلے سے ضروری معلومات و اطلاعات اس سلسلے میں فراہم کر دی تھیں۔

آنند رام کا بیان ہے:

"۲۰ ربیع الاول(۲۰) کو افغان فوج کے دو آدمی وزیر کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ یہ نواب زکریا خاں کے پرانے جاں نثاروں اور وفاداروں میں ہیں۔ اور انہیں جبراً" درانی فوج میں بھرتی کر لیا گیا ہے۔ یہ درانی فوج کو چھوڑ دینے پر بالکل تیار ہیں۔ اور اپنے تمام دوسرے ساتھیوں کے ساتھ وزیر سے آکر مل جائیں گے۔ وزیر نے اس داستان پر اعتماد کر لیا۔ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ اور سلوک کیا۔ اور داروغہ کو حکم دیا کہ فہرست سپاہ میں ان کا نام لکھ لیا جائے۔ اور سو روپیہ بطور انعام دیا جائے۔ اس طرح ضروری معلومات اور اطلاعات لے کر یہ لوگ درانی فوج میں واپس آئے۔ اور وزیر کو یہ جھانسہ دے آئے کہ اپنے آدمیوں کو لے کر واپس آتے ہیں"۔(۲۱)

تاریخ احمد شاہی کا حوالہ

اس کے علاوہ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ایک اور قصہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک روز احمد افغان نے اپنے آدمیوں کی معرفت ایک بار شتر پھل ایک خط کے ساتھ شہزادہ احمد کو بھیجے۔ اس خط میں اس تمنا کا اظہار کیا گیا تھا کہ اگر کابل اور ٹھٹھہ نادر شاہ کی طرح اس کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ نیز یہ کہ نادر شاہ دہلی سے جو روپیہ لے گیا تھا اسے اس کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ واپس چلا جائے گا۔ شہزادے نے خط اور ناقہ ذوالفقار جنگ (سعادت خاں) کو بھیج دیئے۔ انہوں نے یہ چیزیں اعتماد الدولہ (وزیر قمرالدین) کو روانہ کر دیں۔ وزیر نے احمد افغان کو پیغام بھیجا کہ اسے دست بستہ حضور شاہی میں حاضر ہونا چاہئے۔ تب ہی شہنشاہ کی طرف سے اس کے جرائم کی سزا معاف ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر جو شخص سفارت کے فرائض انجام دے رہا تھا وہ عمادالسعادت کے بیان کے بموجب مہدی قلی خاں توپچی باشی تھا جو احمد شاہ درانی کی فوج میں توپ خانہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ وزیر کے خیمے سے واپس آتے ہوئے اس نے اپنے قدموں کا شمار کر کے خیمے کے فاصلے کا اندازہ کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ افغان توپچیوں نے ٹھیک وزیر کے خیمے کا نشانہ باندھا اور وہ بالکل کامیاب رہا۔

سید غلام علی جو "عمادالسعادت" کے مصنف ہیں اس واقعے کو محض افسانہ قرار دیتے

ہیں۔ یہ کہانی چند مغلوں نے اپنے سرداروں کو خوش کرنے کے لئے گھڑلی تھی۔ انہی سے سن کر سید غلام علی نے اسے عمادا لسعادت میں درج کر دیا۔

میر منو کمان ہاتھ میں لیتا ہے

یہ دیکھ کر کہ وزیر مہلک طور پر زخمی ہو گیا ہے تمام حاضرین نے آہ وفغان کا شور بلند کر دیا۔ اس وقت وزیر کا بیٹا معین الدین خاں سپاہ کے ساتھ مصروف کار تھا۔ باپ کی یہ حالت سن کر دوڑا دوڑا آیا۔ وزیر کا دم لبوں پر تھا۔ اس نے موت کا احساس کر لیا تھا۔ بیٹے سے جسے پیار سے "منو" کہا کرتا تھا' کہا

"میرے بچے' میرا تو اب چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے۔ شہنشاہ کا کام ابھی باقی ہے۔ تم فوراً سوار ہو کر میدان میں جاؤ اور دشمن پر حملہ کر دو' قبل اس کے کہ یہ خبر مشہور ہو۔ آقا کا حق نمک ہر چیز پر بالا ہے۔ میری پروا نہ کرو۔"

ان الفاظ کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا وزیر الممالک اعتماد الدولہ نواب قمرالدین خاں نصرت جنگ سپہ سالار اعلیٰ افواج مغل راہی عدم ہوا۔

میر منو کا حوصلہ اور ہمت

باپ کا حادثہ وفات میر منو کے لئے بہت بڑا دل دوز سانحہ تھا۔ لیکن اس نے حواس قابو میں رکھے۔ ہمت سے کام لیا۔ اس نے انہی خون آلود کپڑوں میں باپ کو اسی خیمے میں دفن کر دیا ۔ اور زمین اس طرح برابر کر دی کہ کسی طرح کا نشان باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد وہ باپ کے ہاتھی پر سوار ہوا' اور حکم دیا کہ نقارے بجیں۔ اس غم انگیز سانحہ کی خبر شہزادہ احمد' ابوا لمنصور خاں صفدر جنگ' سعادت خاں ذوالفقار جنگ اور ناصر خاں کے علاوہ کسی کو نہ تھی۔ مشہور یہ کیا گیا کہ وزیر کو نزلے زکام کی شکایت ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے فرزند ارجمند میر منو کو حکم دیا ہے کہ ان کی جگہ وہ فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لیں اور جنگ جاری رکھیں۔

اس کے بعد میر منو نے سرداروں کو اپنے حضور میں طلب کیا اور دل ہلا دینے والے الفاظ میں ان سے اپیل کی' اور صاف الفاظ میں کہا

"جو میرے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہے میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں اور جو جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتا وہ اپنے خیمے میں بہ شوق واپس جا سکتا ہے کیونکہ جنگ کے دوران میں پیٹھ پھیرنا تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو جب تک تن میں جان ہے انشاء اللہ میدان جنگ سے قدم نہیں ہٹاؤں گا۔"

اس تقریر کے بعد میر منو درانی فوجوں کا سیلاب روکنے کے لئے میدان جنگ کی طرف جھپٹ پڑا۔(۲۲)

میر منو کی دلیری اور پامردی

بہرحال کسی نہ کسی طرح وزیر کی ہلاکت کی خبر درانی سردار کو ہو گئی۔ اس خبر کے ملتے ہی محمد تقی خاں شیرازی نے اپنا رخ موڑا۔ اور سارا زور میر منو کی جانب لگا دیا۔ اور پے در پے مسلسل حملے اس کی فوج پر شروع کر دیئے۔

اس موقع پر میر منو شجاعت پیکر بنا ہوا نمودار ہوا۔ اس نے اپنے آدمیوں کا دل بڑھایا اور افغانوں کے سیل رواں کو روک دیا۔ شاہ نے فوج کی تازہ دم اور نئی ٹکڑیاں شیرازی کی مدد کے لئے پے بہ پے روانہ کیں لیکن اس تابڑ توڑ کمک کے باوجود میر منو کو نہ صرف یہ کہ افغان شکست نہیں دے سکے بلکہ اسے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکے۔

راجپوتوں پر مغلوں کی طوفانی حملے

البتہ پٹھانوں کو غیر معمولی کامیابی داہنے بازو پر ہوئی۔ جہاں مغلوں کی فوج بیسار راجہ ایشری سنگھ کی ماتحتی میں لڑ رہی تھی۔

راجپوت کیسری بانا (زعفرانی لباس) پہن کر میدان جنگ میں اس عزم کے ساتھ اترے تھے کہ یا تو فتح کریں گے یا جان دیں گے۔ شاہ نے ان کے مقابلے میں دو ہزار افغان اور دو سو ناقہ سوار بھیجے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دو ڈویژنوں میں تقسیم کر لیا۔ اور یکے بعد دیگرے طوفانی حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ راجپوت جو تلوار کے دھنی تھے اور جنہیں اپنی شمشیر زنی پر بھروسہ تھا' ان طوفانی حملوں میں ناکارہ ثابت ہوئے۔ ہر تازہ حملے کے بعد ان کے بہت سے آدمی کھیت رہتے تھے۔ اور یہ حملے اتنے ہوش ربا ہوتے تھے کہ نہ انہیں تلوار چلانے کا موقع ملتا تھا نہ دشمن سے دوبدو جنگ کی نوبت آتی تھی۔

اس عجیب و غریب انداز جنگ نے راجپوت سپاہیوں کے اعصاب کو خستہ اور مضمحل کر دیا جو صدیوں سے اپنے مخصوص طرز جنگ میں مہارت کی بنا پر امتیاز خاص کے حامل رہتے چلے آئے تھے۔(۲۳)

راجپوتوں کا فرار

راجپوتوں کی اس بے بسی اور کمزوری کو افغانوں نے بہت جلد محسوس کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور اسی طرف لگا دیا۔ اور زبردست آتش باری شروع کر دی۔

اپنے راجپوت سپاہیوں کا یہ حال زار دیکھ کر اور ہزاروں سپاہیوں کو کشتہ اور زخمی نظر کے سامنے پڑا ہوا پاکر راجہ ایشری سنگھ کے حواس جاتے رہے۔ آخر انہیں اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ راہ فرار اختیار کریں اور جس طرح ہو سکے جان بچالیں۔ وہ لوگ جو زعفرانی لباس پہن کر اور مارنے یا مرنے' فتح حاصل کرنے یا جان دیدینے کا عہد محکم کر کے جنگ کے میدان میں اترے تھے۔ جنہیں اپنے تہور اور شجاعت پر فخر و ناز تھا۔ اس وقت وہ انتہائی سراسیمگی اور بد حواسی کے عالم میں اپنے افغان حریفوں کے سامنے سے نوک دم بھاگ رہے تھے۔

راجپوتوں کی سراسیمگی اور دہشت زدگی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ہلکے پھلکے بھاگنے کے لئے انہوں نے اپنا بہت سا' سازو سامان جنگ یا تو کنوؤں میں پھینک دیا' یا اسے آگ لگا دی اور بہت سا یوں ہی میدان جنگ میں چھوڑ دیا۔

راجپوتوں کا صفایا کر چکنے اور اس طرف سے بالکل مطمئن ہو جانے کے بعد احمد شاہ نے اب ساری فوجی قوت میر منو کے مقابلے میں لاکر بھونک دی۔ اور قلب کی طرف بھی زور ڈالا۔ جس کی کمان شہزادہ احمد کے ہاتھ میں تھی۔

منو نے پوری دلیری اور حوصلے کے ساتھ افغانوں کی یلغار کو روکا' زبردست جنگ ہوئی اور طرفین کے بہت سے آدمی زخمی اور ہلاک ہوئے۔ بہت سے افسر بھی اس جنگ میں کام آئے۔

انجام کار ہراس کا غلبہ ہندوستانی فوج پر ہو تا گیا۔ بہت سے ہندو اور مسلمان اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگے۔ ان سب کا رخ دہلی کی طرف تھا۔ ایسا معلوم ہو تا تھا جیسے مغل فوج میں اب دم نہیں رہا ہے اور وہ شکست کھایا ہی چاہتی ہے۔

صفدر جنگ نے پانسہ پلٹ دیا

منو نے ایک لحہ بھی ضائع کئے بغیر درانی افواج پر زبردست یلغار شروع کر دی۔ اور بڑھتے درانیوں کے قدم روک لئے۔ ذوالفقار خاں سعادت جنگ اور باقر خاں بھی منو کی کمک پر تھے۔

مغل اور افغان سپاہی آمنے سامنے اور دست بدست لڑ رہے تھے۔ یہ بڑی ہولناک اور خونریز جنگ تھی۔ ایک طرف توپ خانے سے آتش باری ہو رہی تھی تو دوسری طرف تیر و پیکان سے کام لیا جا رہا تھا۔ سر کٹ رہے تھے۔ دھڑ گر رہے تھے۔ موت کا بازار گرم تھا۔ زخمیوں کی کراہیں آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔

اس زبردست جنگ میں میر منو نے شجاعت اور دلیری کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ وہ بار بار اپنا ترکش خالی کر رہا تھا۔ اور بڑھتے ہوئے افغانوں کے سینے اپنے تیروں سے چھید رہا تھا۔ وہ ہر طرف سے بے پروا ہو کر پورے عزم و ثبات کے ساتھ مرد میدان بنا ہوا تھا۔

اس جنگ کی ہولناکی اور شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاید ہی کوئی افسر ایسا ہو جو زخمی ہونے کی سعادت سے محروم رہ گیا ہو۔ منو خود ایک گولی سے زخمی ہوا تھا۔ اس کا بھائی فخرالدین بھی زخم کھا چکا تھا۔ آدینہ بیگ (جالندھر دوآب) کو دو گولیاں لگی تھیں۔ جانی خاں، داروغہ شہاب الدین اور اس کا بیٹا بہروز خاں اور دوسرے بہت سے افسر ہلاک ہو کر راہی عدم ہوئے۔

جنگ کے اس نازک ترین مرحلے پر مغل حکومت کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا کہ اس اثناء میں ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کمک لے کر آگیا۔ اور اس کے آتے ہی پانسہ پلٹ گیا۔ اور درانیوں کو جان کے لالے پڑ گئے۔(۲۴)

صفدر جنگ نے افغانوں کے یسار کو پیچھے دھکیل دیا۔ شاہ کے حکم کے مطابق ایک ڈویژن افغان سپاہیوں کی اور ناقہ سواروں کی ایک فوج ابو لمنصور خاں صفدر جنگ پر ٹوٹ پڑی۔ شاہ کی اس فوج نے بے محابا آتش باری شروع کر دی۔ اور وسیع پیمانے پر جنگ کا آغاز کر دیا۔ صفدر جنگ یہ رنگ دیکھ کر اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور فوج کی کمان کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے اپنے ڈویژنوں میں سے ایک ہزار سات سو ایرانی سپاہیوں کو گھوڑوں سے اتر پڑنے کا حکم دیا۔ اور انہیں پا پیادہ افغان سپاہیوں پر یورش کرنے کا حکم دیا۔ ایرانی سپاہیوں نے پہلے ہی ملے میں بہت سے افغان سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کے بہت سے اونٹوں پر قبضہ کر لیا۔ افغان سپاہی یہ کیفیت دیکھ کر ٹھہر نہ سکے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے وہ اپنی ڈویژن میں بھاگ کر جان بچا لینے میں کامیاب ہو گئے۔

احمد شاہ نے ایک اور لشکر بھیج کر اونٹوں کے اس قافلے کو جسے ایرانی سپاہیوں نے پکڑ لیا تھا، چھڑا لینے کا حکم دیا۔ لیکن وہ ایرانیوں کی آتش باری اور جنگ کی تاب نہ لا سکے۔ جس طرح آئے تھے اسی طرح انہیں ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ اور جاتے جاتے اپنے بہت سے ساتھیوں کا داغ مرگ بھی دیکھنا پڑا۔

اس صورت حال نے افغان سپاہ میں ابتری پیدا کر دی، اور صفدر جنگ کے سواروں کو موقع دیا کہ وہ کامیابی کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھ سکیں۔ اس طرح بڑی آسانی کے ساتھ افغانوں کا یسار پسپا کر دیا گیا۔(۲۵)

ابوالمنصور خاں صفدر جنگ ابھی اطمینان کا سانس نہ لینے پایا تھا کہ اسے اطلاع ملی، میر منو اور شہزادہ احمد کی طرف افغانوں کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ وہ فوراً ان دونوں کی مدد کے لئے لپکا اور اپنے تازہ دم ایک دستہ فوج کے ساتھ جس میں ناقہ سوار بھی تھے، اور توپ خانہ بھی، اس نے

آتے ہی افغانوں پر آگ برسانا شروع کر دی۔ اور ان کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اس صورت حال سے میر منو' شہزادہ احمد اور ناصر خاں کی سپاہ میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش اور زور شور کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔

افغان گرداب بلا میں پھنس گئے۔ یہ سب کچھ اتنا دفعتہ" ہوا تھا کہ ان کی عقل گم ہو گئی۔ وہ ہر طرف سے درماندہ اور گھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اب ان کے لئے ناممکن تھا کہ میدان میں ٹھہر سکتے اور مقابلہ جاری رکھ سکتے۔

درانیوں کی سیہ بختی

اس نازک ترین مرحلے پر درانیوں کو ایک اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ درانیوں کے بارود خانے میں آگ لگ گئی۔ لاہور سے جو آتشیں بان ساتھ لائے تھے۔ وہ اڑ اڑ کر خود ان پر گرنے لگے۔ اور شعلوں کی لپٹ آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ بارود کے دھماکوں اور بان کی آتش ریزیوں سے کم و بیش ایک ہزار درانی اور ایرانی سپاہی ہلاک ہو گئے۔ آگ کی شائیں شائیں کو سہمے ہوئے درانیوں نے سمجھا کہ کوئی آسمانی بلا "شاہ کو؟" (شاہ کہاں ہے؟) کہہ رہی ہے۔ اس دہشت کے باعث وہ جدھر منہ اٹھا سر پر پاؤں رکھ کر نہایت بے ترتیبی اور بدحواسی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔(۲۶)

افراتفری کے اس عالم میں حواس باختہ درانیوں کے لئے صفدر جنگ کے حملوں کی مدافعت کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ وہ بھاگے۔ اگرچہ اس معرکے میں انہیں شکست ہوئی لیکن احمد شاہ نے حسن تدبیر سے کام لے کر افغانوں کو مکمل ہلاکت سے بچا لیا۔ اس نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سرہند کی طرف پسپائی اختیار کی۔ لیکن انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ۔ وہ مان پور اور سرہند کے مابین ایک گڑھی پر قابض ہو گیا۔ اور بڑھتی ہوئی مغل فوج پر فائرنگ شروع کر دی اور اس کی پیش قدمی روک دی۔ رات کی تاریکی میں احمد شاہ سرہند پہنچ گیا اور وہاں سے افغانستان جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

مغل یہ توقع رکھتے تھے کہ ۲۳ ربیع الاول (۱۴ مارچ) کو وہ پھر میدان جنگ میں نمودار ہو گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہرکاروں نے خبر دی کہ وہ مارا گیا یا شدید زخمی ہو گیا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ تھا کہ ۲۴ ربیع الاول کو اس نے اپنے توپ خانے اور خزانے کا ایک حصہ لاہور روانہ کر دیا۔

افغانوں کی پسپائی

۲۶ ربیع الاول (۱۵ مارچ) احمد شاہ نے محمد تقی خاں کو سفیر بنا کر شہزادے کے پاس بھیجا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ صلح کا طلب گار ہے۔ بشرطیکہ وہ علاقہ جو نادر شاہ کو دیا گیا تھا اسے دیدیا جائے۔

پھر وہ افغانستان واپس چلا جائے گا۔

لیکن شہزادے اور میر منو کو صلح کی بات سننا بھی گوارا نہ تھی۔ انہوں نے تلخ جواب دیا اور تمام شرائط صلح رد کر دیئے۔ افغان ۲۷ ربیع الاول کو پھر میدان جنگ میں نمودار ہوئے لیکن درحقیقت یہ ایک چال تھی۔ اس طرح وہ اپنا خزانہ اور سازو سامان " مغلوں کو مصروف' اور صفدر جنگ کو دھوکے میں رکھ کر' بہ سلامتی افغانستان واپس لے جانا چاہتے تھے۔ درانیوں کی عقبی سپاہ مغلوں کو روکے رہی' اصل سپاہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئی۔ ۲۸ ربیع الاول (۱۷ مارچ) کو جو درانی سپاہ مغلوں کو روکے ہوئے تھی وہ بھی غائب ہو گئی اور قبل اس کے کہ مغل اس کا پتہ چلاتے اور تعاقب کرتے وہ لدھیانہ پہنچ کر' ستلج پار کرکے لاہور کی طرف بڑھ رہی تھی۔(۲۷)

لقمان خاں کی بغاوت

سرہند سے آگے بڑھنے کے بعد احمد شاہ درانی کو اطلاع ملی کہ اس کے بھتیجے لقمان خاں نے قندھار میں بغاوت کر دی ہے۔ لہٰذا وہ اور تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنے ملک کی طرف بڑھا(۲۸) وہ لکھپت رائے کو سزا دینے کے لئے لاہور میں بھی زیادہ قیام نہ کر سکا۔ جس نے چند ہی روز پہلے جھٹے خاں قصوری حاکم لاہور کو نکال کر کاروبار حکومت خود اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

احمد شاہ لاہور میں حالات کی نامساعدت کے باعث قیام نہ کر سکا(۲۹) اور قندھار روانہ ہو گیا۔

واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاہ درانی اپنا سارا سازو سامان افغانستان واپس نہ لے جا سکا کیونکہ اس کا ایک معقول حصہ مہدی قلی خاں لاہور سے لے کر ۲۸ دسمبر ۱۷۴۸ء کو دہلی پہنچا جیسا کہ سر جادو ناتھ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے Delhi Chronicle سے لیا ہے۔

احمد شاہ اور سکھ سردار

لاہور سے جاتے وقت احمد شاہ کو سکھ سرداروں نے بھی پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سردار چڑھت سنگھ سکر چکیہ نے جو بعد میں گوجرانوالہ میں آگیا تھا' احمد شاہ کی فوج کے عقب پر حملہ کرکے بہت سے گھوڑے اور دوسرا سامان چھین لیا۔(۳۰)

باغی لقمان خاں

قندھار پہنچنے کے بعد احمد شاہ نے پہلا کام جو کیا وہ لقمان خاں کی سرکوبی تھی۔

لقمان خاں احمد شاہ درانی کے بڑے بھائی ذوالفقار خاں کا بیٹا تھا۔ احمد شاہ کا برتاؤ لقمان کے ساتھ وہی تھا جو باپ کا بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ غزنی اور کابل جاتے وقت اس نے لقمان ہی کو اپنا نائب قندھار میں بنایا تھا۔

احمد شاہ کو ہندوستان میں مصروف جنگ اور افغانستان میں میدان خالی پاکر' چند طالع آزماؤں نے جو لقمان کے دم سازوں میں تھے اسے ابھارا کہ اپنی بادشاہی کا اعلان کر دے' خود لقمان کے دل میں بھی یہ خیال عرصے سے پرورش پا رہا تھا۔ اس نے احمد شاہ کے پرانے اور تجربہ کار افسروں کو برطرف کیا۔ اور اپنے ساختہ پرداختہ آدمیوں کو ان کی جگہ مامور کر دیا۔ اور اس طرح وہ نظام درہم برہم کر دیا جو احمد شاہ قائم کر گیا تھا۔

لیکن جیسے ہی احمد شاہ کی واپسی کی اطلاع ملی لقمان کے ساتھی دبک کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ یہ رنگ دیکھ کر لقمان نے بعض لوگوں کو واسطہ بنا کر معافی مانگی۔ مگر شاہ نے دو تین روز قید رکھ کر اسے جلاد کے حوالے کر دیا جس نے اس کی گردن اڑا دی۔(۳۱)

حوالہ جات

۱۔ ۱۵ جولائی ۱۷۴۷ء

۲۔ Sarkar: 211-212

Anand Ram: 234-235

۳۔ ۲۵ نومبر ۱۷۴۷ء

۴۔ تذکرہ آنند رام' ص ۲۳۷' ۲۴۳' ۲۴۶' ۲۴۸

۵۔ ۱۱ صفر ۱۱۶۱ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۷۴۸ء

۶۔ ۱۹ فروری

۷۔ تذکرہ آنند رام' ص ۲۵۴' ۲۵۵

تاریخ مظفری کے بیان کے مطابق علی محمد خاں نے سرہند چھوڑ دیا لیکن اس کا سرہند چھوڑنا وزیر قمرالدین خاں کے حسب ایما تھا کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ مبادا علی احمد خاں کی نیت

کسی وقت بدل جائے اور وہ درانی کے ساتھ شریک ہو جائے (ص ۴۲۳)

گلستان رحمت کا بیان ہے۔

وزیر قمرالدین خاں نے شہنشاہ دلی سے استدعا کی کہ علی محمد خاں کو سرہند سے خود اسی کے علاقے کٹھار میں تبدیل کر دیا جائے۔

۸۔ Sarker 1'2'12-19

تاریخ حسین شاہی ' ص ۱۹' ۲۱

مجمل التواریخ ' ص ۹۸' ۱۰۰

جام جہاں نما' ص ۱۳

فرح بخش ' ص ۴۱

۹۔ ۱۹ فروری ۱۷۴۸ء

۱۰۔ تذکرہ آنند رام ' ص ۲۲۶

۱۱۔ تاریخ کپور تھلہ (از رام جس) ص ۱۳

۱۲۔ گلستان رحمت ' ص ۳۷' ۳۸

۱۳۔ تقریباً ۲۴ میل

۱۴۔ مجمل التواریخ ' ص ۱۰۲' ۱۰۴

۱۵۔ تاریخ احمد شاہی ' ص ۴' ۵

۱۶۔ آنند رام۔ ص ' ۲۷۲' ۲۷۱

تاریخ احمد شاہی ' ص ۵

مجمل التواریخ ' ص ۱۰۴' ۱۰۵

۱۷۔ ابوالمنصور صفدر جنگ میں گو بعض کمزوریاں ذاتی اور صفاتی قسم کی تھیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ شخص بڑا جیالا' منچلا' تلوار کا دھنی اور مرد میدان واقع ہوا تھا۔ اس نے اپنے دور میں جو وقیع کارنامے انجام دیئے وہ فراموش نہیں کئے جا سکتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حالات ساز گار ہوتے اور فضا موافق ہوتی تو یہ اولوالعزم شخص تاریخ میں بہت اونچا نام پیدا کر سکتا تھا۔ پھر بھی اس کا ایک مقام تاریخ میں بہرحال ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۱۸۔ غبار نے جو تفصیل اس جنگ کی دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان فوج کا یمین سپہ سالار سردار جہان خاں کے ماتحت تھا۔ اور یساہ شاہ پسند خاں امیر لشکر کی سرکردگی میں تھا۔ اور

قلب خود شاہ کی ماتحتی میں (احمد شاہ بابا' ص ۲۰۰)

۱۹۔ آنند رام' ص ۲۷۳' ۲۷۹' ۲۸۰

مجمل التواریخ' ص ۱۰۷' ۱۰۸

تاریخ مظفری' ص ۴۲۵

Sarkar' 224-220

۲۰۔ مطابق ۹ مارچ

۲۱۔ تذکرہ آنند رام' ص ۲۷۴' ۲۷۵

۲۲۔ تذکرہ آنند رام' ص ۲۷۶

بیان واقعی' ص ۱۳۷

۲۳۔ Sarkar' i' 227

۲۴۔ مجمل التواریخ' ص ۱۰۹' ۱۱۱

تذکرہ آنند رام' ص ۲۷۷' ۲۷۸' ۲۸۰' ۲۸۲

Sarkar i' 227' 228

۲۵۔ مجمل التواریخ' ص ۱۰۷' ۱۰۸' ۱۱۱

۲۶۔ امام الدین حسینی کا بیان ہے کہ افغانوں نے خود ہی بے خیالی میں ان آتشیں بانوں کو دشمن پر برسانے کے لئے فیتہ دکھایا لیکن ان کا رخ اپنی فوج کی طرف تھا۔ جس سے یہ بان اڑ اڑ کر آتشیں گرز کی طرح خود ان ہی کی فوج پر گرنے لگے۔

یہ ہولناک منظر دیکھ کر جو خود افغانوں ہی کا پیدا کیا ہوا تھا وہ یہ کہتے ہوئے جدھر منہ اٹھا بھاگے۔

یہ بلا جو ہندوستان سے آئی تھی۔ بادشاہ کہاں ہے؟ بادشاہ کہاں ہے؟ پکار رہی تھی اور بادشاہ کو تلاش کر رہی تھی۔

"تاریخ علی" مصنفہ صالح قدرت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آتشیں بان درانیوں نے میر منو کے اسلحہ خانے سے دوران جنگ میں حاصل کئے تھے۔

(ص ۱۵۹)

۲۷۔ آنند رام' ص ۲۸۴' ۲۸۵

مجمل الاخبار' ص ۱۷۴

۲۸۔ "احمد شاہ بابا" کے مصنف کا بیان ہے کہ لقمان کی بغاوت کی خبر احمد شاہ کو میدان جنگ

میں ملی تھی۔

۲۹۔ مجمل التواریخ، ص ۱۱۲، ۱۱۳

خوش وقت رائے کا بیان ہے کہ لاہور پہنچ کر احمد شاہ درانی نے لکھپت رائے کو لکھا کہ وہ اسے لاہور میں قابض ہو کر جنگ جاری رکھنے کا موقع دے۔

لکھپت رائے نے جواب دیا،

"شاہی فوجیں لاہور میں موجود ہیں۔ آپ میں سکت ہو تو ان سے لڑ کر بزور قوت لاہور حاصل کر لیجئے۔"

یہ بات احمد شاہ کے لئے ناممکن تھی۔ لہٰذا وہ اپنے ملک واپس چلا گیا۔

(خوش وقت رائے، ص ۲۳)

لیکن تاریخی طور پر یہ بیان مستند نہیں۔ اس وقت تک شاہی فوجیں لاہور نہیں پہنچی تھیں۔ وہ ایک مہینہ بعد ۲۳ ربیع الثانی کو پہنچیں۔

(تاریخ احمد شاہی)

۳۰۔ خالصہ نامہ، ص ۳۲

Cunningham' History of the Sikhs (1849) p-100'101

۳۱۔ ایلفنسٹن نے اپنی کتاب An account of the King dom of Kabul

(مطبوعہ لندن ۱۸۴۲ء) میں یہ واقعہ احمد شاہ کی ہندوستان پر تیسری چڑھائی کے سلسلے میں بیان کیا ہے (ص ۲۸۸)

لیکن مجمل التواریخ سے اور تاریخ احمد شاہی سے مذکورہ بالا زمانہ ثابت ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک یہی درست ہے۔

گیارھواں باب

ہندوستان پر احمد شاہ درانی کا دوسرا حملہ

میر منو سے شاہ درانی کا معاہدہ

لقمان سے نجات پانے کے بعد احمد شاہ کے لیے اندرون ملک میں کوئی خطرہ باقی نہیں رہ گیا۔ موسم بہار اس نے قندھار میں گزارا' اور ہندوستان پر دوسری چڑھائی کی تیاریاں کرتا رہا۔

اس وقت دو امور اس کے پیش نظر تھے:

۱۔ ہندوستان میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی

۲۔ ہرات کی فتح

ہرات ابدالی قبیلہ کا وطن تھا اور اب تک ایرانیوں کے قبضے میں تھا۔ بغیر ہرات کے افغانستان کا تصور ناتمام تھا۔

لیکن احمد شاہ نے تین وجوہ سے ہندوستان پر حملے کو ترجیح دی۔

۱۔ امیر معین الملک (میر منو) جنگ مان پور کا ہیرو اب پنجاب کا گورنر تھا اور روز بروز افغانستان کی سرحد پر اپنی عسکری قوت میں اضافہ کر رہا تھا۔

اگر احمد شاہ ہرات پر حملہ کرتا تو میری منو پشاور پر آسانی سے قبضہ کر لیتا اور حدود افغانستان میں داخل ہو جاتا۔

۲۔ ناصر خاں سابق گورنر کابل ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۴۸ء کو دوبارہ اس

صوبے کا گورنر نامزد کر دیا گیا تھا اور اب لاہور میں مقیم تھا۔ اور میر منو نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ کابل پر قبضہ کر لینے میں وہ اس کی مدد کرے گا۔(۱)

ہرات پر حملہ کی صورت میں میر منو اور ناصر خاں کی متحدہ یلغار کابل کو فتح کر لیتی۔

۳۔ ایرانی فخر کرتے تھے کہ وہ ہندوستان کے فاتح رہ چکے ہیں۔ احمد شاہ درانی بھی یہ فخر حاصل کر کے ہرات پر قبضہ کرنا چاہتا تھا بجائے اس کے کہ اس طرح ہرات پر حملہ آور ہو کہ ہندوستان میں تو شکست کھا گیا یہاں لڑنے کو آیا ہے۔

دشمن کے لیے سازگار حالات

دہلی کے سیاسی حالات بھی اس کے متقاضی تھے کہ ہندوستان پر بے تامل حملہ کر دیا جائے۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۷۴۸ء کو شہنشاہ دہلی محمد شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اور شہزادہ احمد تخت شاہی پر احمد شاہ کے لقب سے متمکن ہو گیا۔ یہ نیا بادشاہ زندگی کے دن حرم سرا میں گزارتا رہا تھا۔ جنگ کے آداب اور نظم و انتظام کے فن سے یکسر ناواقف تھا۔ یہ خواجہ سراؤں کے ہاتھ کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ اور درباری جو ناچ چاہتے تھے نچاتے تھے۔ وزیر اعظم صفدر جنگ کو حکومت کی بقا اور استحکام کی اتنی فکر نہ تھی جتنی اپنے مستقبل کی' اور اقتدار اور ذاتی مفاد کی فکر تھی۔ چنانچہ یہ میر منو کے خلاف سازش میں مصروف ہو گیا اور اس کے مقابلے میں نئے نئے حریف پیدا کرنے لگا۔ اس نے ناصر خاں کو میر منو کے خلاف کر دیا۔ اور شاہ نواز خاں کو ملتان کا گورنر بنا دیا جس نے میر منو سے یہ منصب گویا جبراً" حاصل کیا۔ ان حالات میں میر منو یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ احمد شاہ درانی کے حملے کی صورت میں اسے دہلی سے کوئی مدد مل سکے گی۔(۲)

سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت نے بھی پنجاب کے امن و امان کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اگرچہ میر منو کے دست آہن نے انھیں دبا رکھا تھا لیکن گرفت ذرا ڈھیلی پڑی اور وہ سرکشی کے مظاہروں پر اتر آئے۔ درانی پسپائی کے پندرہ ہی دن بعد جب پرانی مغل حکومت کمزور تھی اور ابھی نئی حکومت قائم اور مستحکم نہیں ہوئی تھی' سکھ اپنی پہاڑیوں اور جنگلوں سے (جہاں زکریا خاں اور اس کے جانشینوں نے انھیں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا تھا) باہر نکلے اور جالندھر دوآب کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مغل حاکم کو امرتسر سے رخصت ہو جانے پر مجبور کر دیا' اور اپنے اس مذہبی مرکز میں آزاد اور خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا اور ایک گڑھی رام راؤنی بھی بنا لی جس کے محاصرہ میں میر منو کے بہترین افسروں کو خاصی دشواریاں پیش آئیں۔(۳)

یہ حالات احمد شاہ درانی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہے تھے۔ چنانچہ ۱۷۴۸ء کے ختم ہونے سے پہلے(۴) اس نے پنجاب پر پیش قدمی شروع کر دی۔ اس نے پہلے ہی سے پشاوری قبائل کو احکام بھیج دیئے تھے کہ وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسے ملیں اور اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔

پشاور میں وہ شیخ عمر کی خدمت میں حاضر ہوا جو ثمرقند کے مانے ہوئے بزرگ اور فقیر تھے ان سے دعائے فتح و اقبال حاصل کی۔ پھر اس نے سردار جہاں خاں پوپلزئی کی سرکردگی میں ایک دستہ فوج آگے روانہ کیا۔ اٹک پر خٹک کے بہت سے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے۔(۵)

کچھ ہی عرصے بعد شاہ نے بھی پیش قدمی کی۔ چناب کے دوسرے کنارے پر میر منو راستہ روکے کھڑا تھا۔ شاہ نے اپنی فوج کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیدیا۔

میر منو کو جیسے ہی احمد شاہ کی پیش قدمی کی خبر ملی وہ فوراً لاہور سے باہر نکلا اور چناب پر راستہ روک کر دشمن کا انتظار کرنے لگا۔ اپنا قائم مقام لاہور میں سید عوض خاں کو بنا گیا۔ فوج کو کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ اس نے چاہا کہ لکھپت رائے تنخواہیں ادا کر دے۔ اس نے خالی خزانے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور کہا ان ہنگامی حالات میں روپیہ فراہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میر منو نے جیب خاص سے یہ رقم ادا کی۔ اور فوج لے کر آگے بڑھا۔ سوہدرہ میں خیمہ زن ہو کر اس نے دہلی پیام بھیجا کہ کمک جلدی روانہ کی جائے۔ لیکن یہ التماس رائگاں گئی۔ دہلی سے کوئی کمک نہ پہنچی۔(۶)

کچھ عرصے تک دونوں فوجوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں کوئی اہم معرکہ نہیں ہوا۔

احمد شاہ درانی نے اس موقع پر فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک کی سربراہی خود کر رہا تھا۔ اس نے سوہدرہ میں میر منو کو الجھائے رکھا۔ دوسرا جہاں خاں کی سرکردگی میں لاہور کی طرف بڑھا' اور مختلف مقامات آس پاس کے تہس نہس کر کے دہشت پھیلا دی۔ اس طرح وہ لاہور سے صرف دو کوس کے فاصلے پر شاہدرہ میں راوی کے کنارے تک پہنچ گیا۔ لیکن شہر تک نہ پہنچ سکا۔

عوض نے ڈٹ کر مدافعت کی۔ دو ماہ کی تباہ کاریوں کے بعد جہاں خاں احمد شاہ درانی سے آملا۔(۷)

جہاں خاں جب شاہدرہ میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا' موقع سے فائدہ اٹھا کر نواب کپور سنگھ سپہ سالار خالصہ جیو' شہریوں کی منظوری سے اپنے بیس سواروں کے ساتھ شہر لاہور میں داخل ہوا' اور اپنا چبوترہ(۸) کوتوالی(۹) کے پاس قائم کر دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ چنگی کے بہانے شہریوں

سے جتنی زیادہ رقم ممکن ہو وصول کر لے اور پھر اپنے دل میں واپس چلا جائے۔

چناب تک درانی کے پہنچ جانے اور جہاں خاں کی تباہ کاریوں کی خبریں برابر دہلی پہنچ رہی تھیں لیکن نہ شہنشاہ کے کان پر جوں رینگتی تھی' نہ وزیراعظم کے۔ دونوں نے میرمنو کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا۔

اس موقع پر احمد شاہ درانی نے میر منو سے صلح کر کے ہتھیار ڈال دینے کا مطالبہ کیا۔ منیر منو بالکل بے سہارا تھا۔ اس نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ اور شرائط صلح طے کرنے کے لیے پیر شیخ عبدالقادر اور علامہ نوری عبداللہ کو بھیجا۔ نظام الدین عشرت مؤلف شاہنامہ احمدیہ بھی اس وفد میں شریک تھا۔

معاہدہ صلح

احمد شاہ نے شیخ عبدالقادر اور علامہ مولوی عبداللہ کا شایان شان استقبال احترام و اجلال کے ساتھ کیا۔ میر منو نے جو تحائف بھیجے تھے وہ مسرت کے ساتھ قبول کیے۔ شرائط صلح ایسے طے ہوئے جو فریقین کے لیے قابل اطمینان تھے۔

طے ہوا کہ:

انڈس کے مغرب کا سارا علاقہ احمد شاہ درانی کی حکومت کا حصہ ہوگا۔ اور "چہار محل" یعنی چار اضلاع' سیالکوٹ' اورنگ آباد' پسرور اور گجرات کے محاصل جو چودہ لاکھ سالانہ ہوں گے احمد شاہ کو بھیجے جائیں گے۔(۱۰)

درحقیقت یہ اس معاہدے کی تجدید تھی جو نادر شاہ درانی اور محمد شاہ کے مابین ۱۷۳۹ء میں ہوا تھا۔

تاریخ احمد شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ میر منو نے یہ صلح شہنشاہ دہلی احمد شاہ کی تحریری ہدایت اور منظوری سے کی اور ناصر خاں کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ چہار محل کے محاصل وصول کر کے احمد شاہ درانی کو ہر سال بھیجا کرے۔

احمد شاہ درانی کے لیے یہ شرائط صلح حد درجہ مسرت بخش تھے۔ مان پور کا فاتح (میر منو) آج اس کے سامنے سرنگوں تھا! ------ اس کے علاوہ چودہ لاکھ سالانہ کی آمدنی مستزاد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنا کھویا ہوا وقار اپنے وطن اور ہندوستان دونوں جگہ بحال کر لیا۔

احمد شاہ درانی کی واپسی

احمد شاہ ملتان اور ڈیروں کے راستے وطن واپس گیا۔ جب وہ ڈیرہ غازی خاں پہنچا تو نذر

عقیدت پیش کرنے کے لیے زاہد خاں سدو زئی آف ملتان موجود تھا۔ اس نے استدعا کی کہ اسے ملتان کی گورنری پھر سے عطا کی جائے۔

زاہد خاں سدو زئی

زاہد خاں ابن عابد خاں شاہ حسن خاں سدو زئی کا پوتا تھا۔ یہ شیر خاں کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا اور شہنشاہ دہلی نے اسے ملتان کا گورنر بنا دیا کیونکہ علی محمد خاں روحیلہ نے اس کی سفارش کی تھی۔

احمد شاہ درانی کے پہلے حملے (۴۸ - ۱۷۴۷ء) کے زمانے میں اس منصب پر احمد شاہ نے اسے مستقل کر دیا۔ لیکن جب میر منو لاہور اور ملتان کا گورنر مقرر ہوا تو اسے مناسب نہ سمجھا کہ ابدالی قبیلے کا ایک فرد اس ذمے داری پر مامور رہے۔ اس نے دیوان کوڑا مل کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ زاہد خاں نے میر منو کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ لڑا لیکن ناکام ہو کر بھاگا۔ اور سیت پور میں پناہ گزیں ہو گیا۔ کوڑامل نے لاہور واپس آکر عبدالعزیز خاں سدو زئی کو اپنا نمائندہ ملتان میں بنا دیا۔ عبدالعزیز خاں کے زمانے میں احمد شاہ درانی ڈیرہ غازی خاں آیا۔

احمد شاہ درانی کے پاس یا تو زاہد خاں کی درخواست پر توجہ کرنے کا وقت نہ تھا' یا اس نے اپنا کیس خوبی کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنے سدو زئی امراء کو اس کام پر مامور کیا کہ زاہد خاں کے شکایات و مطالبات سنیں اور خلاصہ اس کے سامنے پیش کریں۔ لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ وہ پھر سیت پور آکر شاہ نواز خاں کا انتظار کرنے لگا جس سے دوستانہ روابط اب تک قائم تھے۔

احمد شاہ کی بادشاہت

اس موقع پر ڈیرہ غازی خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے قبائل نے احمد شاہ درانی کی بادشاہت قبول کر لی۔ اس نے سرداروں کی سرداری' اور ان کی جاگیریں قائم رکھیں' اور قندھار واپس آگیا۔(۱۱) میر نصیر خاں قلات (بلوچستان) کے سردار نے بھی احمد شاہ درانی کو بادشاہ مان لیا۔

حوالہ جات

۱۔ طہماس نامہ، ص ۵

۲۔ Sarkar, i, 325 - 330

احوال السلاطین، ص ۱۷۶

۳۔ خوش وقت رائے، ص ۶۷، ۶۸

پراچین پنتھ پرکاش (رتن سنگھ) ص ۳۹۸، ۴۰۴

۴۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ احمد شاہ درانی کا ہندوستان پر دوسرا حملہ ۵۰۔ ۱۷۴۹ء میں ہوا تھا۔

(Sarkar, Fall of the Mughal Empire, 417)

(Gupta, History of Sikhs, 63, 65)

لیکن دوسری معتبر اور مستند تاریخوں مثلاً تاریخ احمد شاہی وغیرہ سے مذکورہ بالا بیان کی توثیق ہوتی ہے۔

۵۔ شاہنامہ احمدیہ، ص ۱۱۴

۶۔ عمدۃ التواریخ، ج ۱، ص ۱۲۹

خوش وقت رائے نے منو کے قائم مقام کا نام عوض خاں کے بجائے عزت خاں لکھا ہے۔

۷۔ عمدۃ التواریخ، ص ۱۲۹

۸۔ چبوترہ چنگی کی چوکی کو بھی کہتے ہیں

۹۔ تاریخ سکھاں (خوش وقت رائے) ص ۱۷

Elliot VIII 115

۱۰۔ Elliot & Dowson. VIII, 115.

تاریخ مظفری، ص ۴۵۸

سیر المتاخرین، ص ۸۷۴

۱۱۔ Elphistone, Cabul, 286.

بارہواں باب

ہرات کی تسخیر

شاہ کے خلاف سازش کی ناکامی

شاہ قندھار واپس آیا تو ایک خوفناک سازش کا، اس کی تکمیل سے چند لمحات قبل پتہ چل گیا۔ اس سازش کا مقصد شاہ کو قتل کرنا تھا۔ اس سازش کا سرغنہ نور محمد تھا جو نادر شاہی عہد میں افغان افواج کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ احمد شاہ کے زمانہ عروج میں اس سے فوج کی کمان چھین لی گئی تو وہ اس کے خلاف سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف ہو گیا۔ اگرچہ شاہ نے نور محمد خاں کی بڑی قدر افزائی کی تھی اور اس کو "میر افغان" کے خطاب سے نوازا تھا۔

لیکن ہوس اور اقتدار کی خلش نور محمد خاں کو چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ اس نے بہت سے افغان سرداروں مہابت خاں پوپلزئی، کاؤد خاں اور عثمان خاں توپچی باشی وغیرہ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ سردار احمد شاہ کے روز افزوں اقتدار سے جلتے تھے۔ شاہ نے پنجاب اور ڈیرہ جات میں جو عظیم الشان کامیابی حاصل کی تھی انھیں ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ انھوں نے قندھار کے شمالی گاؤں کی جس کا نام شمالی شہر ہے ایک پہاڑی "مقصود شاہ" نامی پر شاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن ایک شریک سازش نے شاہ کو اس منصوبہ سے آگاہ کر دیا۔ اس جرم کی سزا اس وقت ایک ہی ہو سکتی تھی۔ نور محمد اور اس کے ساتھیوں اور سازش میں شامل ہر قبیلہ کے دس دس آدمیوں کو اسی پہاڑی پر موت کے گھاٹ اتا دیا گیا۔ ہر سازشی قبیلہ کے دس آدمیوں کو سارے

قبیلہ کی طرف سے سزا بھگتنا اس نوعیت تعزیر کا اظہار کرتا ہے جو اس وقت مروج تھی۔
اس پر افغان سرداروں میں ہل چل مچ گئی۔ چونکہ یہ احمد شاہ کے حکم سے پہلی سزائیں دی گئیں تھیں اس لیے افغان سردار ڈرے کہ مبادا مستقبل میں یہی معاملہ ان سے پیش آئے۔ ان کے خیال میں احمد شاہ کو سزائے موت کا حکم صادر کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ سزاؤں کے عمل درآمد پر انھوں نے سوال اٹھایا کہ قانون مکافات شاہ اور اس کے خاندان پر عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ وہ چاہتے تھے کہ شاہ کے اختیارات محدود کر دیئے جائیں یا ان کی منظوری کے تابع کر دیئے جائیں۔ لیکن شاہ نے سختی سے اس تمام شور و شر کو دبا دیا۔ اور مزیر کے قول کے مطابق شاہ کے عزم اور انصاف نے تمام ملک میں امن و امان پیدا کر دیا۔(۱)

ایرانی معاملات

جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں ہرات ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ افغانی سلطنت کے قیام کے لیے اس کی تسخیر ضروری تھی۔ اس وقت ہرات پر ایک عرب سردار امیر خاں نامی مرزا شاہ رخ نادر شاہ کے پوتے کی طرف سے حکمراں تھا۔
پیشتر اس کے کہ ہم احمد شاہ درانی کی ہرات، مشہد اور نیشاپور پر یلغار کا ذکر کریں، دو سال قبل کے ایرانی واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔ نادر شاہ کا قتل اس کے بھانجے علی قلی خاں کے ایما پر ہوا تھا جو عادل شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے اس نے پہلا یہ کام کیا کہ ایک اعلان عام کے ذریعہ نادر شاہ کی سفاکیوں کی مذمت کی۔ اور اس کے قتل کی ذمہ داری اپنے سر لے لی جو Hanway (ہنوے) کے الفاظ میں خونریزی سے خوش رہتا تھا اور اپنی رعایا کے سروں کے مینار بنایا کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اچھا نہ ثابت ہوا۔ اس نے شاہ رخ کے سوا نادر شاہ کے تمام کنبے کو قتل کر ڈالا۔ شاہ رخ بد قسمت رضا قلی خاں کا لڑکا تھا جس کو خود نادر نے اندھا کر ڈالا تھا۔ عادل کو اس کے بھائی ابراہیم نے تخت سے اتار کر اندھا کر ڈالا جسے اس کے فوجیوں نے شکست دی اور بعد ازاں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شاہ رخ تخت نشین ہوا تو مرزا سید محمد (متولی مزار امام رضاؑ) نے اس کی مخالفت کی اور شکست دی اور بادشاہ کو اندھا کر کے خود تخت سنبھال لیا۔ اور سلیمان شاہ کا لقب اختیار کیا۔ لیکن اس کو بھی چین نہ نصیب ہوا۔ شاہ رخ کا جرنیل یوسف علی اس وقت ہرات میں احمد شاہ درانی کے خلاف مصروف پیکار تھا جب اس کے آقائے ولی نعمت کا ستارہ گردش میں آیا۔
سلیمان سے بدلہ لینے کے لیے وہ جلد واپس آیا۔ اور اس کے دو لڑکوں کو قتل کرا دیا۔ شاہ

رخ کو دوبارہ تخت نشین کیا گیا۔ اور یوسف علی اس کا نگران مقرر ہوا۔ لیکن اس المیہ کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ شاہ رخ کے تخت نشین ہوتے ہی میر عالم خاں نے جو سیستان کے عربوں کا کمانڈر تھا۔ اور جعفر خاں کمانڈر کرد نے یوسف خاں کو مغلوب کر کے اسے نور بصارت سے محروم کر دیا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد ان دونوں سرداروں میں ان بن ہو گئی اور وہ ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ جعفر خاں کو شکست ہوئی تو اسے بھی اندھا کر دیا گیا۔ میر عالم خاں احمد شاہ درانی سے مشہد کی جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے بعد افغان حکمران نے فیصلہ کیا کہ شاہ رخ کی سیادت میں خراسان کی چھوٹی سی ریاست قائم کر دی جائے جس پر افغانوں کو بالا دستی حاصل رہے۔(۲)

ہرات کا محاصرہ

اب ہم ہرات کی معرکہ آرائیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب ایرانی تخت و تاج کے حصول کے لئے سلیمان شاہ اور شاہ رخ میں رسہ کشی ہو رہی تھی' شاہ کو قندھار میں امیر خاں اور بہبود خاں ہراتی کے پیغامات ملے جن میں ملک کی ابتری اور افراتفری مذکور تھی۔ یہ خبریں شاہ کے لئے خوش آئند تھیں۔ تیاریوں سے فارغ ہو کر احمد شاہ ابدالی ۱۷۴۹ء کے موسم بہار میں پچیس ہزار سواروں کا لشکر لے کر ہرات کی جانب چل کھڑا ہوا۔ ہرات پہنچنے پر اس نے امیر خاں اور بہبود خاں کو بلا بھیجا۔ ان دونوں سرداروں نے تو دعوت قبول کر لی۔ لیکن چیدہ چیدہ شہری ان سرداروں کے طرز عمل پر معترض ہوئے اور انہوں نے ان کو گرفتار کرنا چاہا۔

اس پر امیر خاں اور اس کے دوست ڈرے اور اپنے کئے پر نادم ہوئے۔ امیر خاں نے قلعہ کو مستحکم کیا۔ شہر کے میناروں پر توپیں چڑھا دیں اور شاہ کے مراسلہ کا توپ خانہ کی بمباری سے جواب دیا۔

شہر کو بزور فتح کرنے کے لئے شاہ نے پیش قدمی کی لیکن کمین گاہوں سے اتنی آگ برسی اور اتنا جانی نقصان ہوا کہ پیچھے ہٹنا پڑا۔ فوجی سرداروں سے مشورہ ہوا تو سب نے تندہی سے ہرات کا محاصرہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر شہر کی ناکہ بندی سخت کر دی گئی اور محاصرہ کئی ماہ تک جاری(۳) رہا۔

اس اثنا میں امیر خاں نے اپنے آقا شاہ رخ کو مشہد میں کئی خط لکھے لیکن وہ اس وقت اپنی مصیبت میں مبتلا تھا اور مشہد سے باہر نکل نہیں سکتا تھا۔ سر پر سی سا ئکس نے تاریخ ایران میں لکھا ہے کہ "شاہ رخ نے یوسف علی کو احمد شاہ درانی سے ملنے کے لئے بھیجا تھا' اور اس کی غیر حاضری میں شاہ کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔"

لیکن اس کے احمد شاہ سے ملنے اور مقابلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ غالباً" وہ ہرات نہیں پہنچ سکا اور سلیمان کی سرگرمیوں کو اپنے آقا کے خلاف سن کر مشہد واپس چلا آیا۔

آخری مرحلہ

احمد شاہ نے بڑی سرگرمی سے ہرات کا محاصرہ جاری رکھا۔ اور آخر کار حملہ کرکے اسے فتح کر لیا۔ یہ معلوم کرکے کہ محاصرہ مشکل ہے اور طوالت پکڑتا جاتا ہے اس نے افغانوں سے اپیل کی کہ شہر پر قبضہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں۔ انہوں نے تہیہ کرلیا کہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے دھاوا بول دیں اور جب تک قلعہ نہ فتح ہو جائے واپس ہٹنے کا نام نہ لیں۔ شاہ اور اس کے آدمیوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اور صبح کی فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ افغانوں کی تیاریوں کی خبر پاکر محصور فوج نے بھی پیش آمدہ جنگ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔

صبح سویرے افغانوں نے قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ آگ کی پروا کئے بغیر وہ بڑھتے گئے۔ ہزاروں سپاہی مرے اور زخمی ہوئے لیکن وہ بے تکان پیش قدمی کرتے گئے۔ خون کے دریا سے گزر کر، مردہ سپاہیوں کو روندتے ہوئے آخرکار افغان شام کے وقت قلعہ تک پہنچ گئے۔ محصورین نے جلتا ہوا بارود ان پر پھینکا۔ لیکن افغانوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اس پر شاہ نے اپنے آدمیوں سے چاہا کہ وہ محصورین تک اس کا پیغام پہنچا دیں۔

ایک پکارنے والے نے زور سے کہا کہ ہم تو تمہاری درخواست پر آئے ہیں۔ یہ مقابلہ اور جنگ کس لئے ہے۔ اب حالات نے یہ صورت اختیار کرلی ہے کہ نہ تم باہر نکل سکتے ہو اور نہ ہم واپس جا سکتے ہیں۔ لہٰذا لڑنا بند کر دو۔ میرا پیغام اپنے سرداروں کو پہنچا کر جواب لاؤ۔ ہمارا شاہ انتظار میں ہے۔ ہم آخری سانس تک جنگ جاری رکھیں گے۔

اس پر امیر خاں اور بہبود خاں سوچنے لگے کہ ہم لگاتار نو ماہ سے جنگ کر رہے ہیں۔ ہم نے شاہ رخ سے کمک بھیجنے کے لئے پیہم درخواستیں کی ہیں لیکن بے فائدہ۔ قلعہ میں سامان رسد ختم ہو چکا ہے۔ افغانوں کو روز بروز بدل مل رہی ہے اور ہم نے شاہ کو خود بلوا بھیجا ہے۔ شاید اس پیغام سے اس کا مطلب صلح کا ہو۔ اب مزید سامان خوراک کے بغیر ہمارے آدمی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ ہم صلح کرلیں۔ آخر کار انہوں نے صلح کا پیغام بھیج دیا۔

آخری حملہ

شاہ اور امیر خاں کے درمیان خط و کتابت سے محصورین کی ابتری کا اندازہ کرکے افغانوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ سیڑھیوں کی جانب سے قلعہ کی دیواروں پر چڑھ گئے

اور میناروں اور پشتی بانوں میں داخل ہو گئے۔

شور و غوغا سن کر ہرات کے سردار افغان سرداروں کو باہر نکالنے کے لئے موقعہ پر پہنچے لیکن افغان سیڑھیوں کی مدد سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں داخل ہو گئے اور لڑائی چھڑ گئی۔ اس افراتفری میں افغان قلعہ کے دروازہ کی طرف بڑھے اور اسے کھول دیا۔ اس پر ساری فوج اندر گھس آئی۔ اور صبح تک قلعہ کو تباہ و برباد کرتی رہی۔

فریر کے قول کے مطابق امیر خاں شہر کے زوال کو ایک براج سے دیکھ رہا تھا۔ آخری کوشش کے لئے اس نے اپنے آدمی جمع کئے اور مضافات کی طرف چل دیا۔ اب اس کے سامنے درانی تھے اور پیچھے ہراتیوں کا جم جتھا۔ لیکن اس کے بہت سے ساتھی کام آئے اور آخر کار اسے ہٹنا پڑا۔

احمد شاہ ابھی تک قلعہ کے باہر خیمہ زن تھا۔ امیر خاں اور بہود خاں شاہ کے سامنے جاں بخشی کے لئے حاضر ہوئے اور اپنے کئے پر معافی کے خواستگار ہوئے۔ شاہ نے ہرات کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا اور انتظام علی خاں ہزارہ کے سپرد کر دیا۔

اس طرح ابدالیوں کا وطن بھی دوسرے افغان صوبوں سے منسلک ہو گیا اور افغانی علاقوں کا افغانستان کے نام سے ایک واحد ملک عالم وجود میں آگیا۔(۴)

حوالہ جات

۱۔ تاریخ سلطانی، ص ۱۲۷، احمد شاہ بابا، ص ۸۔۲۰۷

۲۔ سائکس کی تاریخ ایران، جلد دوم، ص ۲۔۳۷۰

۳۔ مجمل التواریخ، ص ۷۷، ۷۹ میں ہرات کے محاصرہ کی مدت نو ماہ لکھی ہے لیکن فریر نے افغانوں کی تاریخ میں ص ۴۷، میں چودہ ماہ کا عرصہ بیان کیا ہے۔ تاریخ سلطانی ص ۱۲۸ میں چار ماہ مدت محاصرہ ذکر کی گئی ہے۔
دیکھئے تاریخ ایران از سر پرسی سائکس ص ۲۔۳۷۱

۴۔ مجمل التواریخ ص ۷۶، ۸۱
تاریخ سلطانی، ص ۱۲۸
فریب تاریخ افغاناں، ص ۵۔۴۷

تیرھواں باب

محاربات خراسان و مشہد

میر عالم کی شکست اور اس کا قتل

ہرات فتح کرنے کے بعد احمد شاہ کو مشہد اور نیشاپور کے حصول کا خیال پیدا ہوا۔ بارہ ہزار تازہ دم فوج جو ہرات کے محاصرہ کے لئے منگوائی گئی تھی آ پہنچی جس سے اس کی طاقت میں کافی اضافہ ہوا۔ اس وقت مشہد میں بد نظمی کا دور دورہ تھا۔ نابینا شاہ رخ کا عدم و وجود برابر تھا۔ اس کا وفادار اور ہوشیار جرنیل یوسف علی جو ہرات کی مہم پر گیا ہوا تھا اور اپنے آقا کی مدد کے لئے واپس آگیا تھا میر عالم کے ہاتھوں مغلوب اور اندھا ہو چکا تھا۔ مشہد اس وقت میر عالم کے زیر اقتدار تھا۔ جب اس نے احمد شاہ کے ہاتھوں ہرات کی فتح اور مشہد کی طرف پیش قدمی کا حال سنا تو اس وقت وہ نیشاپور کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تمام سرگرمیوں کو چھوڑ چھاڑ کر افغانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے مشہد کا رخ کیا (وہاں پہنچ کر) حفاظت گاہوں کی مرمت کی۔ خوراک کا ذخیرہ کیا اور باشندوں کو حفاظت پر مامور کرکے مشہد سے باہر نکلا تاکہ اگر ممکن ہو تو ہرات پر ٹوٹ پڑے۔

احمد شاہ نے چیدہ چیدہ افغانوں کی پانچ ہزار سپاہ جہاں خاں پوپلزئی کی سرداری میں مشہد کی طرف روانہ کی۔ میر ناصر خاں نواب قلات بھی مدد کے لئے ہمراہ تھا۔ تربت شیخ جام پر پہنچ کر جہاں خاں نے میر عالم خاں پر اچانک حملہ کر دیا۔ پہلے ہی سے سنبھلتے ہی میر عالم نے درانیوں

کو واپس دھکیل دیا۔ لیکن میر نصیر خاں قلاتی نے حملہ سنبھال لیا اور تین ہزار گھوڑ سواروں کی مدد سے ایرانیوں کو پسپا کر دیا۔ میر عالم جنگ میں کام آیا اور اس کی سپاہ کاٹ کر رکھ دی گئی۔

نن کی فتح

احمد شاہ لشکر جرار کے ساتھ مشہد کی طرف بڑھا۔ اہمیت کی دوسری جگہ نن کا قلعہ تھا۔ جس پر میر عالم کا بھائی میر معصوم خاں قابض تھا۔ اس کے پاس تھوڑی سی فوج تھی لیکن وہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ اس کا بھائی کمک بھیجے گا۔ یہ سوچ کر اس نے قلعہ کو مضبوط کر لیا تھا۔

احمد شاہ نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو وہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکا۔ معصوم خاں کو اپنے بھائی کی موت کی خبر ملی تو اس نے ناامید ہو کر صلح کی استدعا کی۔ شاہ نے اسے بلا بھیجا تو اس نے قلعہ کی کنجیاں شاہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور اطاعت قبول کر لی۔

شاہ رخ کی دست برداری

شاہ مشہد کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانیوں نے تندہی سے قلعہ کی حفاظت کی اور بہت سے افغانی حملوں کو ناکام کر دیا۔ لیکن انہوں نے ناکہ بندی سخت کر دی اور شہر میں ہراس پھیل گیا۔ آخر شاہ رخ محاصرہ کرنے والے سے ملنے نکلا۔ درانی شاہ نے ملاطفت سے اس کا استقبال کیا اور اپنی سیادت میں اسے مشہد کے تخت پر بحال رکھنے کا اقرار کیا۔ بشرطیکہ وہ گراں قدر رقم ادا کرے۔ اور درانی خاندان کے تمام ممبروں کو رہا کر دے جو نادر شاہ کے قتل پر اس کے پاس محبوس تھے۔ شاہ رخ کے لئے اس سے زیادہ کونسی چیز خوش کن ہو سکتی تھی۔ اس نے آسانی سے شاہ کے پیش کردہ شرائط مان لئے(۱)۔

شاہ پسند خاں کی مازندراں کو روانگی

جب شاہ خراسان کے معاملات کو سلجھا رہا تھا تو فتح علی خاں کے لڑکے محمد حسین قاچار نے استر آباد میں اپنے قدم جما لئے۔ استر آباد بحیرہ کیسپین کے شمالی ساحل پر چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں اس کا خاندان رہائش پذیر تھا اور سارے مازندران نے اس کی حکومت تسلیم کر لی تھی۔ اس اندیشے سے کہ مستقبل میں محمد حسین خراسانی معاملات میں گڑبڑ نہ پیدا کر دے شاہ نے شاہ پسند خاں کو افغانوں کی ایک ڈویژن دے کر مازندران پر حملہ کرنے بھیجا۔ اور خود تمام لشکر لے کر نیشاپور کی طرف بڑھا۔

نیشاپور کا محاصرہ

اس وقت نیشاپور پر جعفر خاں حکمران تھا اور قلعہ پر عباس قلی خاں متعین تھا۔ عباس قلی

خاں نے قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے پاس صرف دو ہزار اسپ سوار تھے۔ اس نے اپنے ماموں حاجی سیف الدین خاں سے مشورہ کیا تو اس نے موسم سرما تک مقابلہ کا مشورہ دیا جب برف اور سخت سردی سے افغانی فوج بھاگ کھڑی ہو گی۔

سخت مقابلہ کرنے کے لئے ماموں اور بھانجے نے علیحدہ علیحدہ شاہ سے سلسلہ جنبانی شروع کی اور آخر کار اسے آسانی سے صلح کی طرف مائل کر لیا۔ جب کہ عباس قلی شہر کے استحکامات کو مضبوط کر رہا تھا۔ سیف الدین خاں نے ٹال مٹول کے لئے شاہ سے مراسلت شروع کر دی اور لکھا کہ جہاں تک اس کا تعلق ہے اس نے احمد شاہ کی آمد کا حال سن کر ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ لیکن عباس قلی خاں کو کچھ وقت درکار ہو گا۔ بوڑھے حاجی کی سادگی پر اعتماد کرتے ہوئے شاہ محاصرہ کر کے مطمئن ہو گیا اور اس کی چال کو نہ سمجھ سکا۔ حاجی نے گفت و شنید میں اتنا وقت لگا دیا کہ موسم سرما پوری شدت کے ساتھ شروع ہو گیا۔ پیش تر اس کے کہ افغان خندقیں کھودیں برف باری اور سامان رسد کی کمی نے ان کے مصائب میں اور اضافہ کر دیا۔ اور بغیر کسی پناہ کے محاصرہ جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔

عین اس وقت خفیہ پیغام پہنچا کہ شاہ پسند کی زیر کمان فوج کو مازندران میں شکست ہوئی ہے اور ایرانیوں نے ساری فوج کو تہہ تیغ کر دیا ہے۔ مازندران پر شاہ پسند کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے محمد حسین قاچار نے عیسیٰ خاں کرد اور حسن خاں کو روانہ کیا تھا۔ مازندران کے میدان پر جنگ ہوئی جس میں شاہ پسند خاں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ڈر تھا کہ خراسان کے خوانین اس پر باہر سے نہ حملہ کر دیں۔ احمد شاہ نے بھرپور حملہ کرنا چاہا۔ اس نے قلعہ کی طرف توپوں کا رخ کر دیا اور آگ برسانی شروع کر دی۔ آخر کار قلعہ کے شمالی رخ میں شگاف پڑ گیا۔ لیکن اس وقت سخت اندھیرا چھایا ہوا تھا جس سے افغان اندر نہ داخل ہو سکے۔

محاصرین نے راتوں رات شگاف پر جمع ہو کر کنوئیں کھود ڈالے اور ان پر گھاس پھونس اور تنکے ڈال دیے اور فوج کی کافی تعداد افغانوں کو روکنے کے لئے بٹھا دی۔ جیسا کہ توقع تھی صبح کو افغان قلعہ کے شگاف کی طرف بڑھے اور سینکڑوں کی تعداد میں کنوؤں میں گر پڑے۔ محاصرین نے ان پر آگ برسانی شروع کر دی۔

لڑائی دن بھر ہوتی رہی۔ شام کے وقت چند افغانوں نے شگاف کے پاس ایک برج پر قبضہ کر لیا۔ احمد شاہ نے دو سو شتر سواروں کو چھوٹی بندوقیں دے کر مدد کے لئے بھیجا۔ لیکن ایرانیوں نے توپ خانہ کی آگ سے ان کا استقبال کیا۔ اس وقت کہیں سے جعفر خاں کو گولی آ لگی جس سے وہ مر گیا۔ اس کے خون کے قطرے عباس قلی خاں کے چہرے اور ہاتھوں پر آ کر

گرے۔ اگرچہ اس وقت عباس قلی خاں کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی لیکن اس نے آزمودہ کار سپاہی کا سا عمل کر دکھایا۔ اس نے بڑے اطمینان سے نماز ختم کی اور اس جگہ پہنچا جہاں جعفر خاں کشتہ پڑا تھا۔ ایرانی جنگ آزماؤں کو دلاسا دیا اور برجوں کو چھڑانے کے لئے چیدہ چیدہ آدمی بھیجے ۔ ان میں بہت سے مارے گئے اور باقی ماندہ کنوؤں میں گر گئے۔ سورج غروب ہونے تک افغانوں کے بارہ ہزار آدمی کام آچکے تھے۔

محاصرہ کی ناکامی اور شاہ کی ہرات کو واپسی

احمد شاہ مستقبل کے متعلق شش و پنج میں پڑا ہوا تھا کہ قاصد پیغام لایا کہ خراسان کے خوانین ایک بڑا لشکر نیشاپوریوں کی مدد کے لئے لے کر بڑھ رہے ہیں۔ شاہ نے ان کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن اس وقت شہر والوں نے بھی اچانک حملہ کر دیا۔

اس دو طرفہ حملہ نے سردی کے ستائے اور تھکے ہوئے افغانوں کو بالکل ہی حیران کر دیا۔ اور احمد شاہ مجبور ہوا کہ بعجلت تمام واپس ہو جائے۔ خیموں' اسباب' بارود اور توپ خانہ کو چھوڑنا پڑا۔ بہت سا جنگی سامان بھی تباہ و برباد کرنا پڑا۔ بہت سے آدمی اور بار برداری کے جانور راستہ میں مر گئے۔

فریر کہتا ہے کہ "سردی اتنی شدید تھی کہ جب شاہ نے کیافر قلعہ کے پاس مقام کیا تو اٹھارہ ہزار سپاہی ایک رات میں مر گئے۔ اور دوسرے روز ہری رود کو عبور کرتے ہوئے اتنی ہی سپاہ کام آئی' دریا منجمد تھا لیکن گھوڑوں کے پاؤں کے بوجھ سے برف بیٹھ گئی اور بے شمار سپاہ برفانی پانی میں غرق ہو گئی۔ سردار جے خاں اس مہم کے کمانڈر تھے۔ ان کے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سخت سردی سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو کمبل میں لپیٹ کر اونٹ کی پوستین میں رات بسر کی۔ ایک اونٹ ٹھنڈا پڑ جاتا تھا تو دوسرا اونٹ ذبح کر لیتے تھے۔ اس طرح ایک رات میں سترہ اونٹ ذبح کئے گئے۔ سردی اتنی شدید تھی کہ جب احمد شاہ کا لشکر ہرات میں داخل ہوا تو فوجی ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتے تھے۔(۲)

شہزادہ تیمور کا ہرات میں چھوڑا جانا

واپس ہرات آنے پر احمد شاہ کو معلوم ہوا کہ درویش علی خاں درانی خاندان کے زوال پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے سازش میں مصروف ہے۔ احمد شاہ جلد از جلد واپس قندھار جانا چاہتا تھا۔ لیکن درویش علی خاں کو ہرات میں کھلے بندے چھوڑنا بھی خالی از خطر نہ تھا۔ چنانچہ اس کے حکم سے درویش علی خاں کو قید کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ مرزا تیمور کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ پھر اس نے قندھار کا رخ کیا۔ جہاں وہ اوائل ۱۷۵۰ء میں پہنچا۔(۳)

پنجاب کے حالات

تازہ فوج بھرتی کرنے کے لئے زور شور سے تیاریاں شروع ہوئیں۔ شاہ کو روپے کی سخت ضرورت تھی لیکن میرمنو نے کچھ بھی نہیں ادا کیا تھا۔ لہٰذا شاہ نے اپنے دیوان راجا سکھ جیون کو چار محل کا مالیہ اس سے وصول کرنے کو بھیجا۔

یہ محل یعنی اضلاع جیسا کہ ہم جانتے ہیں نواب ناصر خاں والئی کابل کے زیر انتظام تھے۔ نواب نے غداری کی اور دہلی میں میرمنو کے دشمنوں کے ساتھ مل گیا۔ وزیراعظم صفدر جنگ لاہور اور ملتان کے صوبیدار کا اقتدار کم کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ ناصر خاں اور شاہ نواز خاں جو لاہور کے بھگوڑے گورنر اس وقت دہلی میں موجود تھے اس کے نہایت آسانی سے آلہ کار بن گئے۔ شاہ نواز کو ملتان کی صوبیداری کا پروانہ عطا کیا گیا اور کہا گیا کہ بزور قبضہ کرے۔

لیکن دوسری طرف احمد شاہ کے اضلاع کے منتظم ناصر خاں کو اکسایا گیا کہ وہ سیالکوٹ میں فوج اکٹھی کرکے لاہور کے صوبے کو میرمنو سے چھین لے۔ میرمنو ناصر خاں کے عزائم کو تاڑ گیا اور اسے دوستی کی راہ پر لانا چاہا۔ لیکن ناصر نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور میرمنو کو تنہا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن وہ آزمودہ کار سپاہی نہ تھا اور جنگ چھڑتے ہی میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ چونکہ ناصر خاں نے اضلاع کے مالیہ کو جنگی تیاریوں میں صرف کر دیا تھا۔ لہٰذا میرمنو کو نقصان کا معاوضہ اپنے خزانے سے ادا کرنا بہت مشکل ثابت ہوا۔ اور موعودہ رقم احمد شاہ کو ادا نہ کی جا سکی۔(۴)

خوش وقت رائے کے قول کے مطابق راجا سکھ جیون نے لاہور آکر رقم کے حصول کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے۔ اس سے نواب اور اس کے وزیر کوڑامل کے جذبات مجروح ہوئے۔ وزیر نے کہا کہ ہم درانی کو کب تک مالیہ ادا کرتے رہیں گے۔ ہم طاقت میں کمزور نہیں ہیں۔ احمد شاہ کو تو نواب صاحب شکست بھی دے چکے ہیں۔

اس پر آدینہ بیگ نے دخل دیتے ہوئے کہا کہ دو سال قبل جو قول و قرار ہو چکا ہے اس پر چند سال تک عملدرآمد کرنا چاہیے (دو چار سال)۔ سکھ جیون کو تھوڑی سی رقم ادا کر دی گئی اور وہ واپس چلا آیا۔ یہ ۱۷۵۰ء کے اختتام کا واقعہ ہے۔(۵)

شاہ کی نیشاپور پر دوبارہ چڑھائی

گزشتہ ناکامی کے دھبہ کو دور کرنے کے لئے شاہ نے تازہ دم فوج بھرتی کی اور ۱۷۵۱ء کے اوائل میں قندھار سے کوچ کیا۔ اسے معلوم تھا کہ محاصرہ کی توپوں کے نہ ہونے سے اسے

شکست ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے اسپ سواروں کو حکم دیا کہ ہر سوار بارہ پونڈ کے قریب ڈھلی ہوئی دھات اور گولیاں ہمراہ لے چلے۔

محاصرہ

مشہد کے باشندوں کو ان کی سرتابی کی سزا دیے بغیر شاہ نے نیشاپور کی طرف پیش قدمی کی۔ شہر کو چاروں طرف سے گھیر کر بڑی سختی سے محاصرہ کر لیا۔ پہلا مہینہ تو توپ ڈھالنے اور گاڑی پر لادنے میں صرف ہو گیا۔ یہ توپ چھ من کے قریب گولہ پھینک سکتی تھی۔

گذشتہ مہم کے ہیرو عباس قلی خاں کے حالات اس دفعہ ناساز گار تھے۔ بڑی مصیبت سامان خوراک کی تھی۔ جب سے میر عالم خاں اور پھر شاہ نے محاصرہ کیا تھا اناج کی کوئی فصل پیدا نہ ہو سکی تھی۔ اور کافی خوراک ذخیرہ کئے بغیر کسی بھی محاصرہ کا مقابلہ مشکل تھا۔ شاہ اس دفعہ خوراک کا کافی ذخیرہ ہمراہ لایا تھا۔ اور اس نے اناج اور چارہ جمع کرنے کے لئے کئی جماعتوں کو بھی ادھر ادھر بھیجا تھا۔ توپ تیار ہو کر چلائی گئی تو اس سے خوفناک اثر پیدا ہوا۔ کئی مکانوں کے بیچ میں سے گزر کر ان کو ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔

نیشاپوریوں کے دل کانپ اٹھے۔ ان کو پتہ نہ تھا کہ توپ پھٹ چکی ہے اور اب کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ انہوں نے کئی سردار اطاعت کے اظہار کے لئے شاہ کے پاس بھیجے۔ لیکن عباس قلی نہ مانا اور جب افغان شہر میں داخل ہو رہے تھے اس نے حملہ کر دیا۔ لیکن اسے بھاری جانی نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اب اس کے واسطے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ سوا اس کے کہ شاہ کے سامنے حاضر ہو کر رحم کی درخواست کرے۔ شاہ نے اسے کیمپ میں بطور جنگی قیدی کے رکھ لیا۔ اس کی شایان شان عزت افزائی کی گئی اور خراسان سے واپسی پر اسے قندھار ساتھ لے گیا۔

نیشاپور کی تباہی

ابن محمد امین گلستانی بتلاتا ہے کہ نیشاپور کے باشندوں کے خلاف شاہ کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ شاہ نے جان کی امان باشندگان شہر کو اس شرط پر دی کہ تمام باشندے خالی ہاتھ جامع مسجد میں چلے جائیں۔ لیکن اگر کسی کے ہاتھ میں سوئی بھی دیکھی گئی تو غازی اس کو جان سے مار دیں گے۔ اپنی بے کسی پر روتے اور چلاتے ہوئے باشندوں نے فاتح کے حکم پر عمل کیا۔ شہر پر حملہ کر کے اسے لوٹا اور جلایا گیا۔ تمام گھروں کی تلاشی لی گئی اور مال و متاع ضبط کر لیا گیا۔ جامع مسجد کے سوا جہاں لوگ جمع تھے' تمام مکانات مسمار کر دیے گئے اور شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس کے ملبہ اور خندقوں میں پانی بہہ رہا تھا۔ غریب لوگ نوک

شمشیر پر رکھ لئے گئے اور ان کے بیوی اور بچوں کو غلام بنا کر ساتھ لے جایا گیا۔(۶)

سبزوار کی فتح

اٹھارہ دن کے قیام کے بعد شاہ نے سبزوار کا رخ کیا اور بغیر مزاحمت کے اس پر قبضہ کر لیا۔ گلستانی کے قول کے مطابق باشندوں کے اندھا دھند قتل میں بہت سے سید' عالم اور بزرگ بھی افغانوں کی تلوار سے نہ بچ سکے۔(۷)

مشہد کا محاصرہ

نیشاپور اور سبزوار کو سر کرنے کے بعد شاہ نے مشہد کے معاملات کا آخری تصفیہ کرنا چاہا ۔ نیشاپور کی آخری مہم میں شاہ کو جو ناکامی ہوئی تھی اس سے اس نے محسوس کر لیا تھا کہ شاہ رخ اس کا بدترین دشمن ہے۔ اہالیان شہر نے اپنے دروازے بند کر لئے تو شاہ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

ایک اور شاندار فتح

اس وقت شاہ نے اپنے دو معتمد جرنیلوں سردار جہاں خاں پوپلزئی اور میر نصیر خاں' خان قلات کی ماتحتی میں طون اور طباس کی مہم کے لئے جلدی سے فوج روانہ کی۔ انہوں نے ملک ویران کر کے باشندوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا جس کے بعد انہوں نے طباس کے گورنر علی مراد خاں کے خلاف کوچ کیا۔

افغانی اور ایرانی فوجوں کا کہک کے مقام پر طول کے شمال مشرق میں سخت مقابلہ ہوا۔ ایرانی تاریخ میں یہ جنگ سخت اور خونریز شمار ہوتی ہے۔ علی مراد خاں کی آمد سے حملہ آوروں کی سختی اور ضد میں اور اضافہ ہوا۔ جب بارود ختم ہو گیا تو دونوں فوجیں تلواریں لے کر گتھم گتھا ہو گئیں۔ مقابلہ سخت تھا۔ جانبین کو فتح کی امید تھی۔ لیکن ناگہاں علی مراد خاں مارا گیا اور افغانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ علی مراد خاں کی باقی ماندہ فوج بھاگ نکلی اور دونوں شہروں پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتح کا سہرا میر نصیر خاں اور بلوچیوں کے سر ہے جو نہایت بہادری سے لڑے۔ تلوار اور آگ کے عمل کے بعد دونوں شہروں کو لوٹ کر برباد کر دیا گیا۔ اور افغان مال غنیمت سے لدے پھندے شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایرانی کوائف

مشہد کے محافظ ابھی تک مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے اور بظاہر شہر کے سقوط کی کوئی امید نہ تھی لیکن خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا اور اس میں اضافہ کی کوئی توقع نہ تھی۔ مضافات افغانوں

کے قبضہ میں تھے۔ شاہ اور اس کے جرنیلوں کو مغرب اور جنوب میں جو کامیابی ہوئی تھی اس سے کسی جگہ سے بھی امداد آنے کا بھروسہ نہ رہا تھا۔ عظیم الشان ایرانی سلطنت کے حصے بخرے ہو چکے تھے۔ مازندران کا شمالی حصہ محمد حسین قاچار نے ہتھیا لیا تھا اور اس کی فوج درانی جرنیل شاہ پسند کو شکست دے چکی تھی۔ پھر بھی شاہ رخ اور محمد حسین کے درمیان اتحاد اور اتفاق کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ موخرالذکر شاہ رخ کے ترکے پر اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا۔

گیلان میں ہدایت خاں نے اور آذر بائیجان میں نادر خاں کے جرنیل آزاد خاں افغان نے علم حریت بلند کر رکھا تھا۔ جارجیا کا صوبہ ایک عیسائی شاہزادہ ہریکالیس کی سرکردگی میں مسلمان فرمانرواؤں سے طاقت آزمائی کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ یہ تو شمالی صوبوں کی حالت تھی۔

رہی اصفہان کی مرکزی حکومت تو اس کا ذکر ہی نہ کرنا بہتر ہے۔ اقتدار کے لئے تین امیدواروں علی مردان خاں بختیاری سردار، زند قبیلہ کے کریم خاں اور آزاد خاں افغان کے درمیان رسہ کشی ہو رہی تھی۔ لیکن مرحوم بادشاہ نادر شاہ کی نسل کے کسی امیدوار کو کوئی بھی نہ چاہتا تھا۔

یزد اور کرمان میں کوئی بھی سردار قابل ذکر اور قابل اعتماد نہ تھا۔

شاہ رخ کی صلح کے لئے درخواست

ان حالات میں شاہ رخ کے لئے احمد شاہ درانی کے خلاف جنگ جاری رکھنا ناممکن تھا۔ احمد شاہ ساڑھے تین سال سے جنگی مہمات میں مصروف تھا۔ وہ پیدائشی سپاہی تھا اور اس کی جنگی صلاحیتیں بے پناہ تھیں۔ اس نے افغانی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی جس کے جنگ جو پٹھانوں کی استعداد گراں بہا تھی۔ اب شاہ رخ کے لئے صلح کی درخواست کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا اور شاہ نے اس درخواست کو بکمال مہربانی قبول بھی کر لیا۔(۸)

محمد امین گلستانی مورخ کے بیانات کو بوجہ شیعوں کے طرفدار ہونے کے احتیاط سے قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ احمد شاہ نے امام احمد رضا کے روضہ پر حاضر ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور اس کے جواب میں شاہ رخ نے کہلا بھیجا تھا کہ وہ اس سے پہلے شاہ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے دوسرے دن شاہ رخ شاہی ملازموں کو ساتھ لے کر بغرض اطاعت باہر نکلا۔(۹)

شاہ نے اس کی شایان شان پذیرائی کی۔ برابر کی مسند پر اسے جگہ دی اور بات چیت محبت اور اتحاد کی فضا میں شروع ہوئی۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ شاہ رخ احمد شاہ کی بالادستی تسلیم کر کے خراسان پر بدستور قابض رہے۔ اور احمد شاہ اس کو بیرونی دشمنوں اور اقتدار کے خواہش مند

ایرانی صوبیداروں کے خلاف مدد دے گا۔ یہ بھی شرط تھی کہ سکہ احمد شاہ کے نام کا چلے گا۔ شاہی فرامین اور سرکاری دستاویزات پر احمد شاہ کی مہر لگے گی اور تربت شیخ جام یا خرز، تربت حیدری اور خاف کے اضلاع احمد شاہ کو دے دیئے جائیں گے۔

شاہ کا خیال تھا کہ خراسان کے سرداروں نے شاہ رخ سے بے وفائی کی ہے اس بنا پر اس نے تجویز کی کہ اپنا ایک سردار نور محمد خاں مشہد میں چھوڑ جائے جو شاہ رخ کو خراسان کے انتظام اور سرحدوں پر امن و امان رکھنے میں مدد دے۔(۱۰)

ان شرائط پر صلح نامہ مرتب ہوا اور فریقین نے اس پر دستخط کر دیے۔ دوسرے دن شاہ اور شاہ رخ سوار ہو کر شہر کو چلے اور امام رضا کے روضہ مقدس کی زیارت کی۔ ظواہر کی خاطر خطبہ شاہ کے نام کا پڑھا گیا اور سکہ پر اسی کا نام لکھا گیا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ خراسان کی ریاست سرکش سرداروں بالخصوص آزاد خاں افغان کے بالمقابل پشتیبان ثابت ہو گی۔ شاہ ہرات واپس آگیا۔

میلکم کی نظر میں احمد شاہ کی فراست

سرجان میلکم لکھتا ہے کہ اس وقت احمد شاہ درانی سارے ایران کو فتح کر سکتا تھا۔ لیکن حالات کچھ خوش آیند نہ تھے۔ باشندوں کے مصائب کا ذمہ دار افغانوں کو گردانا جاتا تھا۔ ملک کے مذہب کو تبدیل کرنے کے ناکام کوشش نے بھی اس نفرت میں اضافہ کیا۔ جو ایرانی سُنیوں سے کرتے تھے۔ ان موانعات کے علاوہ ہر صوبہ دار کے پیش نظر نادر شاہ کی دراز دستی کی مثال تھی۔ اور ایران میں تاج شاہی کے دعویداروں کی کمی نہ تھی۔ دریں حالات ہمیں احمد شاہ کی عقلندی کی تعریف کرنی چاہئے کہ اس نے بدامنی کی آماجگاہ سے منہ موڑ کر اپنی توجہ سلطنت کی داغ بیل ڈالنے پر مرکوز کر دی۔ جس سے اس کی قوم کو بلند رتبہ ملا۔ اور اس کے جانشین اس ملک کے وارث ہوتے رہے۔

ایک فارسی مسودہ میں مذکور ہے کہ احمد شاہ نے خراسان چھوڑنے سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کو جمع کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ نادر شاہ کی جنم بھومی کو ایران سے علیحدہ کر کے اس کے پوتے شاہ رخ کے حوالہ کر دیا جائے۔ سب نے اتفاق کر کے وفاداری کا عہد کیا۔ احمد خاں خراسان کی آزادی کا ضامن بنا۔ اس نے یہ درست نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس ریاست کا قیام اس کی سلطنت کے استحکام کا باعث ہو گا۔

دیگر کامیابیاں

ہرات کو جنگی مرکز بنا کر شاہ نے اپنے ایک وزیر بیگی خاں (شاہ ولی خاں) کو لشکر جرار دے

کر آمو دریا (دریائے جیحوں) کے شمال مشرق کے علاقوں کی طرف بھیجا۔ ان اطراف میں از بیگ ہزاری اور دوسرے قبائل آباد تھے جنھوں نے ابھی تک شاہ کی اطاعت کا دم نہیں بھرا تھا۔ کامیابی اس کے ہمرکاب تھی۔ بغیر کسی مزاحمت کے اس نے میمنہ' اند کھوئی' شبرگان' اکچھ' ساری پل' بلخ اور خرم پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ آگے بڑھ کر' بدخشاں' ہندوکش کے دوسرے اضلاع اور کابل کے مغرب میں بامیان کو بھی فتح کر لیا۔ مفتوحہ ممالک کی تنظیم اور استحکام سے فارغ ہو کر اور ان ممالک کو معتمد صوبیداروں کے سپرد کر کے بیگی خاں قندھار چلا آیا۔ جہاں شاہ پہلے پہنچ چکا تھا۔

احمد شاہ نے شاہ ولی کی گراں قدر خدمات سے خوش ہو کر اسے صدر اعظم کے خطاب سے نوازا اور گل بہار میں زرخیز جاگیر عنایت کی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں شاہ اپنے ہمراہ عباس قلی خاں کو نیشاپور لے گیا تھا۔ اس کی بہادری' خود اعتمادی اور سادگی نے شاہ کو اس کا مداح بنا دیا تھا اور اس کو قابل اعتبار سمجھ کر اس کی بہن کو اپنے حبالہ عقد میں لے آیا تھا اور اپنی ہمشیرہ اس کے بڑے لڑکے کو بیاہ دی تھی۔ اس طرح جب دونوں خاندانوں کا قریبی تعلق ہو گیا تو شاہ نے عباس قلی خاں کو نیشاپور کی صوبیداری پر فائز کر کے واپس وطن بھجوا دیا۔(۱۱)

حوالہ جات

۱۔ تاریخ سلطانی' ص ۹-۱۲۸
سائیکس تاریخ افغانستان' ص ۳۰
۲۔ مجمل التواریخ' ص ۹-۸۴
تاریخ سلطانی' ص ۹-۱۲۸
۳۔ تاریخ سلطانی' ص ۱۳۲
فریر' ص ۷۸
۴۔ طہماسپ نامہ' ص ۵' ۸
تاریخ سلاطین افغاناں' ص ۸-۲۴۲

تاریخ علی، ص ۲۱۲، ۲۱۵
۵۔ تاریخ سکھاں، ۶۹
۶۔ مجمل التواریخ، ص ۹۴، ۹۳
تاریخ سلطانی، ص ۱۳۰
میلکم کی تاریخ ایران، ص ۷۷
۷۔ مجمل التواریخ، ص ۹۳
۸۔ تاریخ سلطانی ص، ۱۲، ۱۳۱
۹۔ شاہنامہ احمدیہ، ص ۱۲۸
۱۰۔ مجمل التواریخ، ص ۹۰، ۹۱
میلکم۔ تاریخ ایران ص ۴۱، ۴۲
۱۱۔ میلکم۔ تاریخ ایران، ص ۷۷

چودھواں باب

ہندوستان پر حملہ

پنجاب اور کشمیر کی تسخیر

اب شاہ نے آزاد ہو کر اپنی توجہ پنجاب کی طرف مبذول کی۔ ۱۷۴۹ء کے عہد نامہ کی رو سے سیالکوٹ، اورنگ آباد اور پسرور کے اضلاع جن کا مالیہ چودہ لاکھ تشخیص ہوا تھا شاہ کے سپرد کئے گئے تھے۔ لیکن کوئی باقاعدہ ادائیگی نہ ہو سکی تھی۔ پہلے تو راجہ سکھ جیون کو بقایا جات کی تحصیل کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن وہ معمولی سی رقم لے کر واپس چلا آیا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت ملک اندرونی خلفشار میں مبتلا تھا اور ان چار اضلاع کے ناظم نواب ناصر خاں نے صوبیدار کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ بہت سا روپیہ جنگی تیاریوں پر برباد کر کے باقی رقم خود لے گیا تھا۔ بعد کی دو فصلوں کا مالیہ میر معین الملک کے گماشتوں نے خود وصول کیا تھا۔ ناصر خاں نے جو رقم برباد کر دی تھی اس کی ذمہ داری بھی لاہور کی حکومت پر عائد ہوتی تھی۔ لیکن ان اضلاع پر شاہ کا قبضہ نہ تھا اور نہ ناصر خاں شاہ کا نمائندہ یا ملازم تھا۔ اس لئے ان نقصانات کی ذمہ داری سے شاہ بھی بری الذمہ تھا۔ یہ نقصانات مقامی وجوہات کی پیداوار تھے۔ جو بات بھی ہو شاہ کو عدم ادائیگی کا سبب معین الملک کے عزائم کی تبدیلی تھی جو شاہ کی خراسان میں ہزیمت یا کوژال کے وطن پرست جذبات کی پیدا کردہ تھی۔(۱)

ہارون خاں کی لاہور میں آمد

برسات کا موسم ختم ہوتے ہی شاہ نے کابل کا رخ کیا اور وہاں سے جہاں خاں اور عبدالصمد خاں کی زیر کمان فوج کو پنجاب پر چڑھائی کا حکم دیا۔ شاہ نے اس سے قبل صلح صفائی کی کوشش کی تھی اور باقی ماندہ رقم کی وصولی کے لئے ہارون خاں کو قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ ہارون خاں لاہور کے نواح میں تین اکتوبر ۱۷۵۱ء کو داخل ہوا اور اس کو سرائے حکیماں مقابل جامع مسجد جوہراں والا کٹڑہ اندرون مستی دروازہ نزد شاہ قلعہ ٹھہرایا گیا تھا۔ دس اکتوبر کو صوبیدار نواب معین الملک سے ملا اور بقایا جات فوری طور پر ادا کرنے کی تاکید کی۔ کوڑا مل ملتان گیا ہوا تھا اس کی آمد کا انتظار کرنے کے لئے نواب نے گفت و شنید کو طوالت دیدی۔

کوڑا مل وسط نومبر میں واپس آیا تو ہارون خاں کو جواب ملا کہ رقم کی ادائیگی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور وہ شاہ کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کو تیار ہیں۔ ہارون خاں کو معین الملک نے لاہور میں روک لیا۔ وہ سپاہ اور جنگی تیاریاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔(۲)

شاہ کی لاہور پر چڑھائی

شاہ ۱۲ ستمبر ۱۷۵۱ء کو کابل سے روانہ ہو کر پشاور پہنچ گیا اور ہارون خاں کی گفت و شنید کے اختتام کا انتظار کرنے لگا۔ دہلی کی اطلاع مورخہ ۶ دسمبر ۱۷۵۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ۱۹ نومبر ۱۷۵۱ء کو پشاور پہنچ گیا تھا جب جہاں خاں اٹک سے روہتاس جا چکا تھا۔

میر منو کی لاہور میں تیاریاں

شاہ کابل سے روانہ ہوا تو باشندگان لاہور میں ہل چل پڑ گئی اور انہوں نے حفاظت کے لئے ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ درحقیقت معین الملک نے اس سے بہت پہلے یعنی ۱۷۵۰ء کے اواخر میں تیاریاں کرنی شروع کر دی تھیں۔ جب راجہ سکھ جیون قندھار واپس ہوا تھا۔ یہ معلوم کرکے کہ شاہ کی فوج کے ہراول دستے اس کی عملداری میں داخل ہو چکے ہیں اس نے زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نئی فوج بھرتی کرلی جس میں دو سو اسپ سوار تھے جو مہدی قلی خاں اور شمس الدین پسوال کے ہمراہ کشمیر۔ مہدی علی خاں اور آدینہ بیگ کے ساتھ سیالکوٹ اور دوآبہ جالندھر سے آئے تھے۔ کوڑا مل بھی ملتان سے واپس آگیا تھا اور سکھوں کو شامل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

معین الملک سکھوں کا بدترین دشمن تھا لیکن کوڑا مل جو خود سکھ تھا' سکھوں کی امداد شاہ نواز خاں کے خلاف ملتان میں کامیابی سے حاصل کر چکا تھا۔ اب پھر اس نے سکھوں کو اپنی طرف ملا لیا۔ اور تیس ہزار سکھوں کا جم غفیر ساتھ لیا۔ یہ تعداد مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے۔ امرتسر سے چل کر وائیکی میں اس سے جا ملا۔ لیکن ان میں نااتفاقی پیدا ہو گئی اور بھنگی مثل کے

دس ہزار سکھ واپس چلے گئے۔ اب سردار سنگت سنگھ اور سکھا سنگھ کے زیر کمان سکھ سپاہی کوڑامل کی حمایت میں رہ گئے۔

گفت و شنید

سرحد سے احمد شاہ نے میر معین الملک کو لاہور میں پیغام بھیجا تھا کہ اقرار نامہ کے مطابق جو اضلاع کابل کی تحویل میں دیے گئے تھے ان کا مالیہ پابندی سے ادا کیا جائے گا لیکن ابھی کچھ بھی وصول نہیں ہوا۔ اس واسطے میں یہاں آیا ہوں۔ بہتر ہے کہ تین سال کے مالیہ کی رقم بھجوا دو تاکہ میں واپس چلا جاؤں۔

معین الملک کو خیال ہوا کہ اب وہ اتنا طاقت ور ہو چکا ہے کہ آسانی سے درانی کا جنگ میں مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ناصر خاں دو سال کا مالیہ لے کر بھاگ گیا ہے اور اس نے بد سلوکی بھی کی ہے۔ اب ایک سال کی رقم واجب الادا ہے یہ لینی ہے تو لے لو۔ اگر جنگ کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے تیار ہوں۔(۳)

شاہ کی لاہور کی طرف پیش قدمی

شاہ دریائے سندھ کو عبور کرنا چاہتا تھا۔ جب معین الملک نے نو لاکھ کی رقم شاہ کی خدمت میں روانہ کر دی تو شاہ نے رقم تو وصول کر لی لیکن چونکہ یہ رقم اس کی مانگی ہوئی رقم کے مقابلہ میں کم تھی اس نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ سردار جہاں خاں یکایک روہتاس سے نکلا، جہلم اور چناب کو عبور کیا اور ناگہاں پہلی دسمبر ۱۷۵۱ء کو ایمن آباد پہنچ گیا۔ شاہ اس کے پیچھے پیچھے لگا رہا اور روہتاس، گجرات، سوہدرہ سے گزر کر کوٹلہ سیداں نزد وزیر آباد بتاریخ ۲۶ محرم خیمہ زن ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ شاہ نے جہلم کو عبور کرتے ہوئے یہ فرمان صادر کیا تھا کہ روہتاس کو تباہ نہ کیا جائے اور سیالکوٹ کی حفاظت کے لئے رحمت خاں کو روانہ کیا تھا۔

تیاریوں کی تکمیل کے بعد میر معین الملک نے اولیاء کے مزار کی زیارت اور لاہور کے درویشوں اور پیرزادوں کی خدمت میں حاضری دی۔ یہ ۲۱ محرم مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۵۱ء کا واقعہ ہے۔ ۲۲ نومبر کو راوی عبور کر کے سرائے بلچیاں کے پاس جو لاہور سے چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے ڈیرے ڈال دیے۔ عوض خاں کو اپنا قائم مقام بنا کر لاہور چھوڑا۔ اور بیگمات یعنی اپنی والدہ شولاپوری بیگم بیوی مراد بیگم (جس کو مغلانی بیگم بھی کہتے ہیں) لڑکی عمدہ بیگم اور خاندان کی دوسری مستورات کو جموں بھیج دیا۔ صوبیدار کی حرکات سے لوگوں کے اضطراب میں اور اضافہ ہوا اور لوگوں نے دہلی اور پہاڑوں کی جانب بھاگنا شروع کر دیا۔

ہاروں خاں سے گفت و شنید

درانی قاصد ہاروں خاں کو روانگی کی اجازت نہ ملی تھی اور وہ ابھی تک میر منو کے کیمپ سرائے بلچیاں میں موجود تھا۔ میر منو نے اس سے کہا کہ ابدالی نے بد عہدی کی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی شان مسلمانی ہے۔ میں تو شہر کی حفاظت کی خاطر باہر نکلا ہوں۔ مہاراجہ کوڑامل نے قاصد سے کچھ باتیں کیں۔ بحث و تمحیص کے بعد کوڑامل کے گھوڑوں کے ساتھ جہاں خاں کو کچھ خطوط دیے گئے۔

اس وقت صوفی شکراللہ جو کہ غلام محمد کا ایک ساتھی تھا اور وہ سردار جہاں خاں کے پاس گیا ہوا تھا، میر منو کے کیمپ میں درانی قاصد سلطان علی خاں کو لے کر واپس آیا۔ میر منو سرائے بلچیاں کے پاس خیمہ زن تھا اور شاہ سے نبرد آزمائی کا منتظر تھا۔ اس وقت جہاں خاں کے زیر کمان چھاپہ مار دستوں نے چناب اور راوی کے درمیانی علاقوں کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ کئی دفعہ دونوں فوجوں کے چھاپہ مار دستوں کا آمنا سامنا ہو جاتا تھا اور بندوقوں سے کام لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ یہ صرف جھڑپیں تھیں کوئی فیصلہ کن معرکہ نہیں تھا۔

شاہ کا دریائے راوی کو عبور کرنا

شاہ کو ایک ترکیب سوجھی اور اس نے دلیرانہ اقدام کیا۔ اپنی پیش قدمی کو چھپانے کی خاطر خیمہ جوں کا توں کھڑا رہنے دیا۔ پھر دائیں جانب ہو کر راوی کو چپ چاپ پار کر لیا۔ یہ واقعہ وسط جنوری ۱۷۵۲ء کا ہے۔ پھر غازی پور کے گھاٹ سے ہو کر نیاز بیگ کے راستہ نیچر والی داخل ہو گیا۔ وہاں سے لاہور کی شمالی جانب ہوتے ہوئے شالامار باغ کے جنوب مشرق میں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنی فوج کو شاہ بلوال اور محمود بوٹی تک پھیلا دیا۔ جہاں خاں نے سیدھے راستے سے لاہور کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔

یہ خبر ملتے ہی کہ شاہ نے دریائے راوی عبور کر لیا ہے اور لاہور کے گرد و نواح میں پہنچ گیا ہے معین الملک جلدی سے شہر چلا آیا۔ جہاں خاں نے جلدی سے شمالی گھاٹ سے ہوتے ہوئے دریا عبور کر لیا۔ اور دس ہزار سپاہ لے کر فیض باغ میں فروکش ہوا۔ معین الملک نے خواجہ مرزا جان اسماعیل خاں اور دوسرے سرداروں کو فیض باغ سے جہاں خاں کو نکالنے کے لئے بھیجا۔ جہاں خاں نے فیض باغ خالی کر دیا اور شاہ کے کیمپ کے نزدیک شالامار کے پاس پڑاؤ ڈال دیا۔(۴)

پراچین پنتھ پرکاش کا مصنف سردار رتن سنگھ بھنگو سکھوں اور افغانوں کی جھڑپوں کی دلچسپ داستان بیان کرتا ہے۔ صوبیدار کے کیمپ سے واپسی پر کوڑامل نے یکی دروازہ کے بچاؤ کا انتظام سکھوں کے سپرد کر رکھا تھا۔ بعد دوپہر سکھ فوج کے کماندار سردار سکھا سنگھ ساکن

ماڑی کمبو نے نہنگوں کے پاس دریائے راوی عبور کر لیا۔ افغانی فوج کی موجودگی سے بے خبر ہو کر سکھ کشتیاں چھوڑ کر جنگل میں داخل ہو گئے۔ سکھوں کا شور و غوغا سن کر درانی کمانڈر جہاں خاں نے سوار فوج کے چار دستے حملہ کے لئے بھیج دیے۔ سکھ تو لڑائی کے لئے تیار نہ تھے لیکن سکھا سنگھ نے آدمیوں کو اکٹھا کر کے افغانوں پر جرات آمیز حملہ کر دیا۔ لیکن افغانی فوج کے دل بادل کے سامنے ٹھہرنا اس کے بس کی بات نہ تھی جس نے اسے دریا میں دھکیل دیا۔ سکھا سنگھ کا خیال تھا کہ شاید شاہ بہ نفس نفیس فوجوں کی کمان کر رہا ہے۔ اس نے شاہ تک پہنچنے کی بے حد کوشش کی لیکن شاہ وہاں نہ تھا۔ آخر کار سکھا سنگھ مارا گیا اور سکھ کشتیوں میں بیٹھ کر واپس چلے آئے۔ لیکن کسی غلط فہمی کی بنا پر وہاں آگ سے ان کا استقبال ہوا۔ سکھ تو لاہور کے باشندوں کے بچاؤ کی خاطر آئے تھے۔ لیکن اب ان کا دل اچاٹ ہو گیا اور ایک بڑی تعداد ماجھا کی طرف اپنے ڈیرے کوچ کر گئی۔(۵)

جنگ کا آغاز

جہاں خاں فیض باغ سے چلا آیا تو معین الملک نے رات کے وقت دریائے راوی پار کیا اور لاہور کے باہر خندق کھود کر بیٹھ رہا۔ صبح کو دس بجے کے قریب افغانی دستوں نے لاہور کے صوبیدار کے ہراول دستوں پر حملہ کر دیا۔ سید جمال الدین خاں' آدینہ بیگ خاں' مہدی علی اور کوڑامل جنگ کے لئے نکلے۔ تیروں اور بندوقوں کی تین گھنٹے تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار افغان بغیر کسی تعاقب کے اپنے کیمپ میں داخل ہو گئے اور میر کے دس فوجیوں کو قید کر لائے۔ سات پٹھان حفاظت کرنے والوں کے ہاتھ آئے۔ شہر کے ارد گرد میلوں تک خندقیں ہی خندقیں نظر آتی تھیں۔ اور داخل ہونے والے راستوں پر مضبوط چوکیاں بٹھائی گئی تھیں۔ عمدۃ التواریخ کا مصنف سوہن لال لکھتا ہے کہ میر منو کی خندقیں بارہ کوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سلسلہ بیان کو جاری رکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ شہر کے بوڑھے اور قابل اعتبار آدمیوں کی زبانی میں نے سنا ہے کہ شہر کے گرد و نواح میں باغات اور باغیچے تھے جو دارالخلافہ کی عظمت کی یاد دلاتے تھے۔ لیکن خندقیں کھودنے کے لئے ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ مشرق میں حضرت الیشاں سے لے کر کوٹلی شاہ تک ہرے بھرے درختوں کو کاٹ کر چٹیل اور خاک آلود بنا دیا گیا۔ جس میں خندقیں ہی خندقیں تھیں۔ بھاری توپوں کی عدم موجودگی میں شاہ کے لئے شہر پر حملہ بے حد دشوار تھا۔ دوسری طرف منو خاں کے پاس مضبوط اور پھرتیلی فوج کی کمی تھی اور کھلے میدان میں افغانوں سے مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

شاہ کب نچلا بیٹھنے والا تھا۔ اس نے سرداروں سے مشورہ کر کے ملک کے اطراف کو تباہ

کرنے کی ٹھانی۔ افغانی فوجوں نے چالیس کوس کے رقبہ میں تمام دیہاتوں کو برباد کر ڈالا۔ میرمنو نے بھی افغانوں کے تعاقب میں دستے روانہ کئے۔ طہماس خاں کے کہنے کے مطابق ایک دو پٹھان اپنے گھوڑوں سمیت قیدی بناکر میرمنو کے سامنے لائے جاتے تھے۔ لیکن ان تباہ کاریوں کی بدولت تین تین منزل تک چراغ نظر نہ آتا تھا۔ اور اناج بے حد مہنگا ہو گیا۔(٦)۔ آٹا روپے کا دو سیر بکنے لگا گھاس ' چارہ اور بھوسہ کا تو کسی قیمت پر دستیاب ہونا مشکل تھا۔ چارہ اتنا کمیاب تھا کہ گھوڑوں کو کھلانے کے لئے جھونپڑیاں ڈھادی گئیں۔(٧)

میرمنو کو دہلی سے کوئی مدد نہ ملی

بے عملی کی یہ حالت ڈیڑھ ماہ تک رہی۔ میرمنو کو دہلی سے کمک آنے کی امید تھی۔ احمد شاہ کے حملہ کی خبر سن کر مغل شہنشاہ نے کئی مراسلات اپنے وزیر کو بھیجے کہ وہ احمد خاں بنگش اور سعداللہ خاں پسر علی محمد روہیلہ کے خلاف مہم ختم کرکے فوراً" دہلی آئے لیکن صفدر جنگ معین الملک کا جانی دشمن تھا وہ تو اس کی مدد کی بجائے اس کی بربادی کا متمنی تھا۔ صفدر جنگ نے کوئی کارروائی نہ کی بلکہ روہیلہ مہم کے اختتام کے بعد احمد خاں بنگش اور سعداللہ خاں سے صلح کرلی۔ اپنے حلیف مرہٹوں کو واپس بھیج کر خود اودھ چلا گیا تاکہ وہاں کے انتظامی حالات درست کرے۔ یہ فرض کی ادائیگی سے مجرمانہ غفلت تھی۔ بیرونی دشمن ملک میں داخل ہو چکا تھا اور اس کے اہم حصہ پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا۔ یہ وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ مغل امرا اخلاق کی پستی کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ انہیں اپنے بغض و عناد کا بدلہ لینا تھا قوم یا ملک کی بھلائی کا کسی کو خیال نہ تھا۔(٨)

لاہور میں جنگی مجلس مشاورت

دہلی سے کمک آنے کی کوئی امید نہ رہی تو معین الملک نے جنگی مجلس مشاورت طلب کی تاکہ جنگی تیاریوں کے لئے منصوبہ بنایا جائے۔ لیکن اس پر واضح ہو گیا کہ نہ صرف مرکزی حکومت ادائے فرض میں حد درجہ چشم پوشی سے کام لے رہی ہے بلکہ اس کے دوست اور خیر خواہ بھی کسی بات پر متفق نہیں ہیں۔ بلکہ خود غرض ہیں۔

مکار آدینہ بیگ کوڑامل کے روز افزوں اقتدار سے جلتا تھا اور لاہور کی صوبیداری حاصل کرنے کے لئے اپنے آقا کی تباہی کے در پے تھا۔ اس کے طرز عمل سے اس کی ڈھلمل یقینی کا پتہ چلتا تھا اور عوض خاں قصوری کے ساتھ کبھی جنگ کی رائے دیتا تھا اور کبھی صلح کی۔ بحث کے دوران بھکاری خاں نے ہر قیمت پر صلح کرنے کو کہا۔ آدینہ بیگ کی رائے تھی کہ چونکہ دہلی سے کسی قسم کی مدد ملنے کی کوئی امید نہیں اور سامان رسد چند دنوں میں ختم ہو جانے والا ہے

اس لئے لڑائی مول لئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ راجہ کوڑامل اس رائے کے خلاف تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ صوبیدار کی فوج اناڑی فوجیوں پر مشتمل ہے جو شاہ کے فوجیوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ ملک کا بیشتر حصہ تباہ اور ویران ہو چکا ہے۔ ان کی طرح درانیوں کو بھی سامان رسد کی تکلیف تھی لیکن آئندہ بیس روز تک موسم گرما شروع ہونے والا تھا۔ شاہ اور اس کی فوج سورج کی تمازت کو برداشت نہ کر سکے گی لہٰذا مجبور ہو کر یا تو واپس چلی جائے گی یا ان پر حملہ کر کے نقصان اٹھائے گی۔

میر منو کا حملہ

کوڑامل کی رائے صائب تھی لیکن آدینہ بیگ کی رائے نوجوان صوبیدار کو پسند آئی جس نے دوسری صبح حملہ کرنے کی ٹھانی۔

لاہوریوں کی یہ رائے تھی کہ جہاں خاں کو مار ڈالنے پر ساری توجہ مبذول کر دینی چاہئے۔ ان کا خیال تھا کہ جہاں خاں کے مرنے پر درانیوں کی فوج سر پر پاؤں رکھ کر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے گی۔ صبح کو میر معین الملک سرداروں کے ہمراہ سوار ہو کر حملہ کرنے کے لئے نکلا۔ مدار المہام بھکاری خاں۔ میر مومن خاں اور خنجر خاں کو فوج کے اگلے حصہ کی کمان دی گئی۔ میسرہ پر آدینہ بیگ خاں اور میمنہ پر ہندوستانی سردار سید جمیل خاں اور محمد خاں تھے۔ عقب پر مہدی خاں، راجہ کہارامل بندیلہ اور میر امان اللہ خاں تھے۔ حملہ کا سن کر شاہ نے مقابلہ کی ٹھانی۔ اور اپنی فوج کو آگے بڑھایا۔ لاہوری فوج کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے شاہ نے برخوردار خاں دیوان بیگی اور عبدالصمد خٹک کو آگے بھیجا بائیں بازو پر شاہ ولی خاں اور دوسرے درانی سردار تھے۔ عقب پر اورک زئی سردار محمد سعید خاں اور اللہ یا خاں تھے۔

دونوں فوجوں کے اگلے دستوں کی مڈبھیڑ سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ افغانوں نے برخوردار خاں اور عبدالصمد خاں کی کمان میں بھکاری خاں وغیرہ کی پیش قدمی کو کامیابی سے روک لیا۔ اپنے کو مغلوب پا کر اس نے مہدی علی کو عقب سے آگے بڑھنے کو کہا۔ مؤخرالذکر نے کمان دوستوں کے سپرد کر کے اگلے حصہ کا رخ کیا۔

اس واقعہ نے جنگ کا پانسہ درانیوں کے خلاف پلٹ دیا۔ ان کی بندوقوں سے پہلی گولی ایک عمامہ پوش پٹھان کے لگی۔ جس سے ناگہاں لڑائی تین طرف سے بند ہو گئی۔ رات ہو گئی تو درانی اپنے خیمہ میں واپس چلے آئے۔ شاہ نے جنگی تیاریوں کے لئے ایک محفوظ مقام پسند کیا اور اپنا ڈیرا راوی کے اوپر بارہ کوس کے فاصلہ پر ڈالا۔

رات کے گیارہ بجے میر منو فتح کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے خیمہ میں واپس آیا۔ صبح کو سات

دیسی بندوقیں' چند خچر' خیمے اور دوسری چیزیں اس کے ہاتھ لگیں۔(۹)

دس دن تک میرمنو کی فوج کو شاہ کا پتہ نہ لگا۔ گیارھویں دن خبر ملی کہ شاہ تازہ جنگ کے لئے تیاری کر رہا ہے۔ لیکن اس اثنا میں شاہ نے شاہ غلام محمد فاروقی' پیرزادہ سردار جہاں کے پیر اور مفتی عبداللہ پشاوری کو معین الملک سے صلح کی بات چیت کرنے بھیجا۔ لیکن اس سے شاہ کا اصلی مقصد میرمنو کو غافل کرنا یا اس کے ذرائع اور تیاریوں کا پتہ چلانا تھا اور میرمنو جنگ کے سوا اور کوئی بات کرنا نہ چاہتا تھا۔

آخری جنگ

بروز جمعہ سویرے سویرے بتاریخ یکم جمادی الاول ۱۱۶۵ھ مطابق ۶ مارچ ۱۷۵۲ء میرمنو نے جنگ کے طبل بجانے کا حکم دیا اور درانیوں پر حملہ کرنے کے لئے ڈیرا سے باہر نکلا۔ شالا مار باغ کے شمال مشرقی جانب اینٹوں کے بھٹے پر توپیں گاڑ دیں۔

آدینہ بیگ خاں' مومن خاں' خنجر خاں کابلی اور میر نعمت خاں کابلی میمنہ پر تھے۔ میسرہ پر بھکاری خاں۔ سید جمال الدین خاں' فرید الدین خاں اور خلف محمد خاں تھے۔ قلب پر خود معین الملک تھا اور عقب پر مہدی علی خاں' راجہ کہارامل بندیلہ اور پہاڑی علاقوں جموں' جسروٹ' کانگڑہ اور ہری پور کے سردار تھے۔ کوڑامل سردار جہاں کے مقابلہ پر تعینات تھا۔

اس اثنا میں شاہ نے دریا کے کنارے کنارے ہو کر لاہور کی طرف پیش قدمی کی اور اپنا کیمپ محمود بوٹی کے میدان میں لگایا۔ شاہ کو معین الملک کی خندق سے باہر نکلنے کی خبر ملی تو فوج کا ایک دستہ روانہ کیا جس نے ٹھکانوں پر پہنچ کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر شتر سواروں کے دستوں کو آگے بھیج کر معین الملک کی مرکزی فوج پر آگ برسانی شروع کر دی جس کا سلسلہ دوپہر کے بعد تک جاری رہا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے معین الملک کی فوج پر حملہ شروع ہوا۔

شاہ ان حملوں میں اتنا مصروف ہو گیا کہ اس کے لئے کمین گاہوں پر ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ میر معین الملک لائق ستائش ہے کہ اس نے اپنی فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی ٹھنڈے دل و دماغ سے کی۔ تین سو سواروں کا ایک دستہ آدینہ بیگ خاں کے پاس۔ تین سو کا کوڑامل کے پاس اور باقی تین سو سوار خواجہ مرزا کے ہمراہ قلب میں رکھے۔

دشمن کی فوجوں میں سراسیمگی دیکھ کر شاہ نے اسپ سواروں کے ایک دستہ کو زور دار حملہ کرنے کا حکم دیا جو نہایت کامیاب رہا۔ اور معین الملک کو خندقوں میں پناہ لینے کے لئے پیچھے ہٹنا پڑا۔

اس مرحلہ پر آدینہ بیگ نے تجویز پیش کی کہ کوڑامل کو فوج کا دستہ دے کر درانیوں پر

بھرپور حملہ کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ کوڑامل نے کہلا بھیجا کہ اس کے جہاں خاں کے مقابلہ سے ہٹ جانے کے بعد فوج میں غلط فہمی پیدا ہو کر انتشار کا سبب بنے گی ۔ جس کا نتیجہ شکست ہو گا۔

اس کے جواب میں کوڑامل کو منو کی خدمت میں فوری حاضری کا حکم دیا گیا جس سے وہ حیران رہ گیا۔ کوڑامل نے فوجوں کی کمان ایک اپنے ماتحت کے سپرد کی اور تاکید کی کہ سب آدمی آخری دم تک اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے رہیں اور خود ہاتھی پر سوار ہو کر معین الملک کی طرف چل پڑا۔ وہ بہ مشکل ایک کوس آگے بڑھا ہو گا جب کہ اسے خبر ملی کہ درانیوں نے حملہ کر دیا ہے اور اس کے ڈھلمل یقین سردار پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ وہ فوراً" واپس آیا اور حالات پر قابو پالیا۔(۱۰)

لیکن اس کو بہرحال اپنے آقا کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔ سید جمال الدین خاں' قاسم علی خاں' یاقوت خاں خواجہ سرا' کوڑامل اور دیگر پانچ چھ سرداروں کو فوری طور پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ مہدی خاں نے ان سرداروں کو کمک بھیج دی۔ انہوں نے بعض درانیوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا کہ ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس نے لڑائی کا پانسہ بدل کر شاہ کی فتح کا سامان پیدا کر دیا۔

جب ہندوستانی سردار درانیوں کو پیچھے دھکیل رہے تھے تو اتفاق سے کوڑامل کے ہاتھی کا پاؤں ایک بوسیدہ اور شکستہ قبر پر جا پڑا ۔ جو بوجھ سے نیچے دھنس گئی۔ اس سے آدینہ بیگ کو موقع ہاتھ آیا کہ وہ کوڑامل کے اقتدار پر کاری ضرب لگا سکے۔ جب کوڑامل نعمت خاں کے ہاتھی کے ہودج میں بیٹھ رہا تھا تو آدینہ بیگ نے ایک پٹھان بایزید خاں نامی کو ہدایت کی کہ وہ گولی سے کوڑامل کا کام تمام کر دے۔ اس وقت سید جمال الدین خاں کی ٹھوڑی پر زخم آیا اور سکھ فوج کا سردار سنت سنگھ مارا گیا۔ اس پر درانیوں نے حملہ کر دیا اور کوڑامل اور خواجہ سرا کی لاشوں کو اٹھا کر لے گئے جو لڑائی میں مارے گئے تھے۔ آدینہ بیگ اپنی جگہ چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگ گیا۔(۱۱)

افغانوں کے حملہ کی شدت کو میر معین الملک اور بھکاری خاں نے برداشت کیا اور آخری دم تک ڈٹے رہے لیکن بہت نقصان اٹھایا۔ بے شمار سپاہی زخمی ہوئے یا مارے گئے۔ شاہ نے دشمن کی فوج کے قدم اکھڑتے ہوئے دیکھے تو سواروں کے ایک دستہ کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا جس سے ہندوستانی سنبھل نہ سکے اور ان میں افراتفری پڑ گئی۔ لیکن شام نے ان پر تاریکی کے پردے ڈال کر ان کو تہ تیغ ہونے سے بچا لیا۔

بعض پٹھانوں نے شہر میں داخل ہو کر لوٹ مچا دی لیکن رات اتنی اندھیری تھی کہ کچھ نظر

نہ آتا تھا۔ دوست اور دشمن میں امتیاز کرنا مشکل تھا وہ مایوس ہو کر اپنے ڈیرے واپس چلے گئے۔

میر معین الملک نے مغرب اور عشا کی نماز میدان جنگ میں ادا کی۔ اس کو ابھی تک امید کی کرن نظر آرہی تھی اگرچہ اس کے توپ خانے پر احمد شاہ نے قبضہ کر لیا تھا اور بندوقوں کے لئے گولی بارود نہ رہا تھا لیکن پھر بھی اس کے ساتھ دس ہزار سپاہی میدان جنگ میں موجود تھے۔ وہ میدان جنگ چھوڑنا نہ چاہتا تھا لیکن سرداروں نے مجبور کیا کہ وہ عید گاہ چلا جائے۔ جہاں آدینہ بیگ خاں کے ملنے کی توقع تھی۔ لیکن آدینہ بیگ اس سے قبل اپنے آقا کو چھوڑ کر شہر چلا آیا تھا۔

صلاح مشورہ شروع ہوا تو بعضوں نے رائے دی کہ چونکہ لڑائی کا نتیجہ مخدوش سا ہے للذا دہلی چلنا چاہیے۔ بعض کہتے تھے کہ پہاڑوں میں چلا جانا مناسب رہے گا۔ لیکن معین الملک کو کوئی بھی تجویز پسند نہ آئی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ موضع سوڑیاں کی طرف جو لوپوکی اور اجنالہ کے درمیان لاہور کے شمال مشرق میں واقع ہے کوچ کیا جائے اور وہاں سے درانیوں پر دھاوا بول دیا جائے۔ لیکن شہر کے ایک دروازہ پر پہنچ کر معین الملک نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا میرے دوستو تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے لیکن میں میدان جنگ سے بھاگنا نہیں چاہتا۔ لوگ کہیں گے کہ معین الملک میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا ہے۔ میں تو قلعہ بند ہو کر لڑتا رہوں گا۔ خداوند تعالیٰ کو جو منظور ہو گا ہو کر رہے گا۔ یہ کہہ کر اس نے شہر اور قلعہ کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دے دیا اور دروازوں پر توپیں چڑھا دیں۔

میر منو کی شاہ سے ملاقات

دن نکلتے ہی شاہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور مضافات کو لوٹ لیا۔ لیکن حصار کو مضبوط پا کر اور یہ معلوم کر کے کہ محصورین لڑنے پر ڈٹے ہیں شاہ نے دوپہر کے بعد شاہ ولی خاں' جہاں خاں' شاہ غلام محمد پیرزادہ اور مفتی عبداللہ پشاوری کو خط دے کر معین الملک کے پاس بھیجا کہ وہ کسی معتمد علیہ کو صلح کے لئے بھیج دے۔ طہماسپ خاں کے بیان کے مطابق شاہ نے لکھا تھا کہ گذشتہ چار ماہ سے مسلمان مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اب تم نے قلعہ بند ہو کر لڑنے کی ٹھان لی ہے۔ کیا یہ آپس کی خوں ریزی خدا اور اسکے رسولؐ کو پسند ہو سکتی ہے؟ حقیقت میں یہ ان کی مرضی کے خلاف ہے۔ میری طرف سے یہ بہترین مشورہ ہے کہ اپنے کسی معتبر قاصد کو اختیارات دے کر شرائط صلح کے تصفیہ کے لئے بھیج دو۔ ان شرائط سے مطمئن ہو کر تم شاداں و فرحاں ہو کر خود ملنے کے لئے آؤ گے۔ مجھے تو کوڑامل سے حساب چکانا تھا۔ تم اطمینان سے

قلعہ میں رہ سکتے ہو۔ مجھے تم سے اور تمہارے شہر سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جو رقم میں نے مانگی ہے وہ چاہے شاہی خزانہ سے ادا کر دو یا لوگوں سے اکٹھا کر کے دے دو میں واپس چلا جاؤں گا۔(۱۲)

خط ملنے پر معین الملک کا ارادہ بدل گیا اور اس نے خود شاہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ دوستوں اور سرداروں نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ تاریخ حسین شاہی کے بیان کے مطابق معین الملک چند مصاحبوں مثل بھکاری خاں' مراد خاں' محمد تقی خاں داروغہ اور نواب جاں نثار خاں کے لڑکوں داراب خاں اور میر احمدی خاں اور مہابت خاں خواجہ سرائے کو لے کر احمد شاہ کے قاصدوں کے ساتھ احمد شاہ کے ڈیرے میں چلا آیا۔

عبدالصمد خاں محمد زئی اور شاہ پسند خاں کے خیموں کے پاس جاکر گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا۔ وہاں سے شاہ ولی خاں وزیراعظم اور جہاں خاں کمانڈر انچیف اس کو شاہ کے حضور میں لے گئے۔ احمد شاہ معین الملک کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس کی عالی حوصلگی اور بہادری کی دل کھول کر داد دی۔ اور کہا تم نے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اگر میں تمہارا آقا ہوتا تو قندھار سے لے کر لاہور تک فوجیوں کا پل باندھ دیتا۔

مندرجہ ذیل دلچسپ گفتگو شاہ اور معین الملک کے درمیان تاریخ میں لکھی ہوئی ملتی ہے۔

احمد شاہ: تم نے پہلے ہی کیوں نہ اطاعت قبول کرلی؟

معین الملک: اس وقت میرا دوسرا آقا تھا۔

احمد شاہ: تو اس آقا نے دہلی سے تمہیں کمک کیوں نہ بھیجی؟

معین: اسے یقین تھا کہ معین الملک اتنا طاقتور ہے کہ فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

احمد شاہ: اگر میں گرفتار ہو کر آتا تو تم مجھ سے کیا سلوک کرتے؟

معین: میں تمہارا سر کاٹ کا شہنشاہ کے پاس بھیج دیتا۔

احمد شاہ: اب جب کہ تم میرے قبضہ قدرت میں ہو تو میں تم سے کس قسم کا سلوک کروں؟

معین: اگر تم سوداگر ہو تو فدیہ لے لو۔ اگر تم عادل اور رحم دل بادشاہ ہو تو مراحم خسروانہ سے معاف کر سکتے ہو۔(۱۳)

خوش وقت رائے کی تاریخ سکھاں (صفحہ ۷) اور علاء الدین کے عبرت نامہ (صفحہ ۲۲۳) میں آیا ہے کہ میر منو نے احمد شاہ کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ میں تمہیں لوہے کے پنجرے میں قید کر کے دہلی بھیج دیتا۔

احمد شاہ اپنے مخالف کی بے باکی اور سادگی سے اتنا خوش ہوا کہ میرا بیٹا کہہ کر اس سے

بغل گیر ہو گیا۔ فرزند خاں بہادر کے خطاب سے مفتخر کیا۔ شاہی خلعت، خنجر، اپنی دستار سے نوازا۔ تلوار اور اپنا گھوڑا بطور تحفہ عنایت کیا۔ میر معین الملک نے التجا کی کہ ہندوستانی قیدی رہا کر دیے جائیں اور شہر لاہور کو امن عطا کیا جائے۔ جہاں اندھا دھند قتل اور لوٹ کی گرم بازاری تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں کام آنے والے سپاہیوں کی تعداد دو ہزار تھی اور شہر میں قتل ہو جانے والوں کی پانچ ہزار۔

شاہ نے خوش ہو کر میر منو کی درخواست مان لی اور اپنے باڈی گارڈ افسروں کو شہر میں متعین کر دیا کہ پٹھان کسی شہری کو نہ لوٹ سکیں۔ قیدی بھی رہا کر دیے گئے۔ عبداللہ خاں اور فضل اللہ خاں کو روہیل کھنڈ واپس جانے کی اجازت مل گئی۔

ملاقات کے دوران شاہ نے دہلی کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ معین الملک نے شاہ کو باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ اگر آپ دہلی کی طرف کوچ کریں گے تو سب لوگ ہم زبان ہو کر مجھے غدار کہیں گے۔ اب آپ نے میری جاں بخشی کی ہے اور مجھے فرزند کہہ کر پکارا ہے تو جب تک میں زندہ ہوں آپ ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال دل میں نہ لائیں۔ وگرنہ روانہ ہونے سے پہلے مجھے جان سے مار دیں۔ معین الملک کی استدعا احمد شاہ کے دل کو لگی اور اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

معین الملک کو تین دن تک شاہی مہمان بنا کر رکھا گیا اور سردار مصطفےٰ خاں اس کا مہمان دار مقرر کیا گیا۔ چوتھے دن ۱۰ مارچ ۱۷۵۲ء کو احمد شاہ نے معین الملک سے کہا۔ اب تک تم میرے مہمان بن کر رہے ہو لیکن اس کے بعد میں تمہارا مہمان بننا چاہتا ہوں۔ میری واپسی کا انتظام کر دو۔ موسم گرما نزدیک آرہا ہے اور اس کی گرمی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

معین الملک نے جواب دیا۔ اگر مجھے شہر واپس جانے کی اجازت مل جائے تو سارا بندوبست کر دوں گا۔ شاہ نے معین الملک کو مزید تحائف دیے جانے کا حکم دیا۔ اور شاہ ولی خاں۔ جہاں خاں اور شاہ پسند خاں کو ساتھ بھیجا کہ افغانوں کے شاہی طبل کے ساتھ معین الملک کو شہر میں پہنچا آویں۔

میر منو اور احمد شاہ کے درمیان صلح نامہ

چار دنوں میں چند لاکھ کی رقم فراہم کی گئی۔ پانچویں دن معین الملک اور بھکاری خاں یہ رقم شاہ اور اس کی فوج کی ضیافت کے لئے لے کر حاضر ہوئے۔ تمام سردار دری خانہ میں جمع ہوئے اور وہاں مفتی عبداللہ نے ایک کاغذ معین الملک کے ہاتھ میں مہر کرنے کے لئے تھما دیا۔

اس پر بھکاری خاں نے جواب دیا کہ یہ تو صرف سادہ کاغذ ہے۔ مفتی عبداللہ نے کہا کہ تم

تو قیدی ہو۔ تم کو تو اس پر مہر لگا کر شاہ کو دے دینا ہے وہ جو چاہیں گے لکھیں گے۔ بھکاری خاں نے کہا اس پر تو کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نے ہمیں تین انعامات سے نوازا ہے۔ اول اس نے ہماری جاں بخشی کی ہے۔ دوم اس نے انتظامی وجوہ سے صوبہ ملتان اور دریائے سندھ کے قرب و جوار کا علاقہ ہمارے پاس رہنے دیا ہے۔ سوم ہندوستان کو امن و امان بخشا ہے۔ جب برخوردار خاں عرض بیگی نے یہ گفتگو شاہ کے گوش گزار کی تو شاہ نے بھکاری خاں کو بلا کر کہا کہ جو کچھ چاہتے ہو لکھ لاؤ۔ بھکاری خاں نے لکھا کہ معین الملک اقرار کرتے ہیں کہ شاہ کو مندرجہ ذیل رقوم ادا کریں گے۔

- جاں بخشی کے لئے دس لاکھ
- ان علاقوں کے عوض جو ان کو عنایت کئے گئے دس لاکھ
- برائے امن ہندوستان: دس لاکھ

شاہ نے دستاویز کی شرائط کو قبول کر لیا اور رقم کی فوری ادائیگی کا بندوبست کرنے کو کہا۔ مفتی عبداللہ کی خواہش تھی کہ لاہور کی صوبیداری آدینہ بیگ کو عطا کر دی جائے اور معین الملک کو قید کر کے افغانستان لے جایا جائے لیکن اس کے منصوبے ناکام ہو گئے۔ آدینہ بیگ کو قید کر کے اس کی تمام جائیداد جو عبداللہ خاں کے گھر تھی ضبط کر لی گئی اور مفتی کی برسر عام تذلیل کی گئی۔

شہر میں واپسی پر میر منو نے بھکاری خاں' خوش حال خاں اور سزاول خاں کو نور پور سے روپیہ لانے بھیجا جہاں اس کا خزانہ اور خاندان تھے۔ روپیہ لایا گیا اور معین الملک نے مبلغ چھبیس لاکھ روپوں کی رقم افغانی شاہی خزانے میں داخل کر دی اور وعدہ کیا کہ باقی ماندہ چار لاکھ روپے شاہ کو اس وقت ادا کر دے گا جب شاہ افغانستان واپس جاتا ہوا سندھ پر سے گزرے گا۔

شرائط صلح

معین الملک اور شاہ میں جو عہد نامہ ہوا تھا اس کے شرائط یہ تھے:

۱۔ لاہور اور افغانستان کے صوبے احمد شاہ درانی کی مملکت کا حصہ سمجھے جائیں گے۔

۲۔ من جانب شاہ' معین الملک حسب سابق ان صوبوں کا صوبیدار رہے گا۔

۳۔ اندرونی انتظام میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ ہو گی۔

۴۔ فاضل مالیہ شہنشاہ کو بھیجا جائے گا۔

۵۔ اہم امور کا آخری فیصلہ شاہ کریں گے۔

شاہ کی مرضی تھی کہ سکہ اس کے نام کا ڈھلے اور خطبہ میں اسی کا نام لیا جائے لیکن معین

الملک نے ادب سے گزارش کی کہ مغل شہنشاہ احمد شاہ ابھی تک دہلی میں برسراقتدار ہے اور بہت سے امیر اور سردار اس کے جاں نثار وفادار ہیں لہٰذا اگر آپ کے نام کا سکہ جاری کیا جائے گا اور خطبہ میں نام لیا جائے گا تو اس سے اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا سلجھانا اس وقت مشکل ہو گا اور وہ بدنام بھی ہو گا۔ ان مشکل حالات میں شاہ سے معین الملک نے التجا کی جس نے حالات کا اچھی طرح اندازہ کر کے ان مطالبات پر اصرار چھوڑ دیا۔

مغل شہنشاہ کا عہد نامہ کی توثیق کرنا

معین الملک نے اطاعت کے دو ہفتہ بعد اپنے سفیر قلندر خاں کو مغل شہنشاہ کے پاس عہد نامہ کی توثیق کرنے کا بھیجا۔ سفیر مذکور اپنے سات آٹھ سواروں' ایک جمعدار کے ہمراہ جن کے ساتھ معین الملک کے تین سوار بھی تھے یکم اپریل ۱۷۵۲ء کو مغل دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ محی الدین علی خاں نے شالامار باغ کے پاس اس کا استقبال کیا اور اس کی مہمانداری کے فرائض بھی انجام دیے۔

جیسا کہ معلوم ہے مغل شہنشاہ نے اپنے وزیراعظم وزیر الممالک (محمد مقیم ابوالمنصور خاں) صفدر جنگ کو دہلی پہنچنے کے تاکیدی احکام بھیجے تھے اس وقت وہ درانیوں کے خلاف مرہٹوں سے امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ وزیراعظم کی واپسی تک افغان سفیر سے گفتگو ملتوی رہے۔ لیکن صفدر جنگ اودھ کے انتظام کے بہانے دہلی آنے میں جان بوجھ کر دیر کر رہا تھا۔ اس کی آمد کے آثار سے مایوس ہو کر قلندر خاں نے جواب کے لئے اصرار کیا۔ مغل شہنشاہ اور اس کے افسران درانی شاہ کو ناراض کرنے کا موقعہ نہ دینا چاہتے تھے۔ دہلی پر حملہ کا خیال آتے ہی ان کی آنکھوں کے سامنے ۱۷۳۹ء کے خوفناک واقعات پھر جاتے تھے جس سے وہ کانپ اٹھتے تھے۔

آخر فیصلہ ہوا کہ:

افغانی سفیر کو بروز دوشنبہ بتاریخ دو جمادی الثانی مطابق ۶ اپریل ۱۷۵۲ء ملاقات کے لئے بلایا جائے۔ پہلے نواب جاوید خاں بہادر اور پھر شہنشاہ نے قصر چہل ستون میں افغانی سفیر کو شرف باریابی بخشا۔ احمد شاہ کے پیغام کی اس کے شایان شان قدر افزائی کی گئی اور سفیر کو بتلایا گیا کہ ایک ہفتہ کے بعد جواب مل جائے گا۔

مغل شہنشاہ اور اس کے وزراء بڑی آسانی سے لاہور اور ملتان کے صوبوں سے دستبردار ہو گئے اور فاضل مالیہ کے عوض مبلغ پچاس لاکھ روپے کی رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ۹ جمادی الثانی مطابق ۱۳ اپریل ۱۷۵۲ء کو قلندر خاں کو رخصت کی اجازت دے کر شاہ کے نام خط بھیجا

گیا جس میں معین الملک سے صلح نامہ کی توثیق کی گئی تھی۔ ظاہرداری رکھنے کے لئے مغل شہنشاہ نے افغانی سفیر سے کہا میں وعدوں پر مضبوطی سے قائم رہوں گا۔ لیکن اگر تمہارا آقا اس اقرار نامہ سے انحراف کرے گا تو میں جنگ کے لئے تیار ہوں۔ قلندر خاں نے مغل شہنشاہ کے خط کو سر پر رکھ کر جواب دیا کہ جو بھی مملکت خدا داد کو بد نظر سے دیکھے گا خدا وندی عذاب کا مستحق ہو گا۔ روانگی سے پہلے اسے تین پارچہ کی خلعت مرصع سرپیچ اور پانچ ہزار روپے نقد عطا کئے گئے۔ اس کے تین ہمراہیوں کو بھی ایک ایک خلعت ملا۔

شاہ کی روانگی

بیس اپریل کے لگ بھگ قلندر خاں لاہور پہنچا۔ اکیس یا بائیس کو شاہ افغانستان واپس جانے کے لئے لاہور سے باہر نکلا۔ تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے شاہ کی روانگی سے قبل معین الملک نے اپنی لڑکی عمدہ بیگم کا عقد شاہ کے لڑکے شہزادہ تیمور سے کرنا چاہا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ باپ کی وفات کے بعد عمدہ بیگم سیاسی نزاع کا باعث بن گئی۔ اور شاہ نے ہندوستان پر چوتھے حملہ کے وقت اس کی شادی عمادالملک غازی الدین سے کر دی۔

کشمیر کی فتح

شاہ کو لاہور ہی میں کشمیر کے ابتر حالات کی خبر مل گئی تھی۔ یہ صوبہ بدامنی ' سازش اور شورش کی آماجگاہ' بن گیا تھا۔ آخری مغل فرمانرواؤں کے عہد میں منظم حکومت کا نام و نشان نہ رہا تھا۔ چونکہ صوبہ دہلی سے دور تھا لہٰذا صوبیداروں' ان کے دوستوں اور مخالفوں کی بن آئی تھی۔ جو بھی لشکر فراہم کر سکتا پہلے قابض کو نکال کر خود قابض ہو جاتا یا مضبوط تر غاصب کو اپنی جگہ دے دیتا۔

احمد شاہ کے ہندوستان پر پہلے حملہ کے دوران افراسیاب بیگ خاں کشمیر میں نائب تھا۔ اس کی سفاکیوں سے تنگ آکر لوگوں نے احمد شاہ کے ایک امیر عصمت الدین خاں سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی استدعا کی۔ لیکن افراسیاب خاں نے عصمت الدین کو پہلی دفعہ شکست دے دی۔ پندہ کے مقام پر دوسری جنگ میں اس کی فتح ہوئی۔ لیکن ایک وادی سے گزرتے ہوئے دشمن کے سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس طرح افراسیاب صوبیداری کرتا رہا۔ لیکن ۱۷۵۱ء کے آغاز میں اس کو زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد اس کے نابالغ لڑکے احمد خاں نے ڈیڑھ ماہ حکومت کی۔ ایک سرپرست تین ماہ تک حکومت کے کاروبار کے فرائض انجام دیتا رہا۔ حالات کی رفتار سے غیر مطمئن ہو کر سری نگر کے سربرآوردہ لوگوں نے مغل شہنشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی۔ اس پر عبوری عرصہ کے لئے میر مقیم کنٹھ کا صوبیدار مقرر کر دیا

گیا۔ لیکن پانچ ماہ بعد اس کو ابوالبرکات خاں کے لڑکے ابوالقاسم نے مار بھگایا۔ جس کے تقرری کے احکام ۱۷۵۴ء میں صادر ہوئے تھے۔ میر مقیم خاں نے لاہور میں پناہ لی اور احمد شاہ ابدالی سے اپنا دست شفقت روئے زمین پر رکھنے کی درخواست کی۔ وطن واپس جاتے ہوئے دریائے راوی عبور کر کے احمد شاہ ابدالی تھوڑے دنوں کے لئے جہانگیر کے مقبرے کے پاس ٹھہر گیا۔ اور حسب فرمائش ایک تادیبی مہم عبداللہ خاں کی سرکردگی میں کشمیر روانہ کی۔ غاصب ابوالقاسم جو رعایا میں غیر مقبول بھی تھا کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ عبداللہ خاں بغیر کسی روک ٹوک کے سری نگر میں داخل ہو گیا اور حکومت قائم کر لی۔ ابوالقاسم خاں پہاڑوں میں بھاگ نکلا لیکن پکڑا گیا اور قیدی بنا کر واپس لایا گیا۔ اس طرح کشمیر کی خوبصورت وادی بھی شاہ کے زیر نگین آگئی۔

ملتان کا الحاق

عبداللہ خاں کو کشمیر بھیج کر شاہ ملتان کے راستے قندھار روانہ ہو گیا۔ عہد نامہ کی رو سے معین الملک ملتان کا بدستور ناظم رہا۔ یہ شہر شاہ کی ولادت گاہ بھی تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں کے معاملات سے پوری دلچسپی لیتا تھا۔ ملتان کو درانی رنگ میں رنگنے کے لئے شاہ نے اپنے قبیلہ سدوزئی کے بہت سے سرداروں کو جاگیر اور مناصب دے کر یہاں بسا دیا تھا۔ مہاراجہ کوڑامل جب شاہ سے لڑنے لاہور روانہ ہوا تھا تو صوبہ کا انتظام اپنے نائب شاکر خاں کو برخاست کر کے خواجہ حسین کو اس کی جگہ مقرر کر دیا تھا۔ شاہ کو یہ امر ناگوار تھا۔ اس نے ملتان آتے ہی حکم دیا کہ علی محمد خاں خاکوانی پنہ دار ڈیرہ غازی خاں کو نائب ناظم مقرر کیا جائے۔

بہاول پور کی مہم کی روانگی

علی محمد خاں شاہ کے ہمراہ ڈیرہ غازی خاں تک گیا۔ اس کے بہاول پور کے داؤد پوتریوں سے اچھے تعلقات نہ تھے۔ اس نے شاہ کے کان بھرنے شروع کر دیے اور بہاول پور کو فوج بھیجنے کے لئے اکسایا۔ سردار جہاں خاں پوپلزئی کو مہم کا سردار بنا کر ڈیرہ کے نواب جاں نثار خاں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ انہوں نے پنجند پار کر کے اوچ میں ڈیرے ڈال دیے۔ جاں نثار خاں داؤد پوتریوں سے ڈرتا تھا۔ اس نے مبارک خاں کو پوپلزئی کے عزائم سے آگاہ کر دیا۔ افغانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے مبارک خاں موج گڑھ کے قلعہ کی طرف چلا گیا۔ یہ قلعہ بہاول پور سے چالیس کوس پر جنوب مشرق کی طرف واقع تھا۔

ایک دوسرے سردار معروف خاں نے حروث کے قلعہ کی پناہ لی اور دوسرے سرداروں نے پھل را پر قبضہ کر لیا۔ تمام سرداروں کو خیرپور پہنچنے کے احکام صادر کئے گئے جہاں مبارک خاں آرہا تھا۔ انہوں نے اپنے سردار کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی حرم سرائیں موج گڑھ

میں چھوڑیں اور تین ہزار منتخب سواروں کو لے کر خیرپور پہنچے۔ چیدہ چیدہ سردار احمد خاں' بلاول خاں خیر فدانی وڈیرہ جان محمد خاں' نور محمد خاں معرو فانی۔ ملا علی اور ملا تائب وغیرہ بھی ہمراہ تھے ۔ یہاں کوئی متفقہ رائے قائم نہ ہو سکی تو چوبیں گھنٹہ کے انتظار کے بعد یہ سردار اپنے اپنے قلعوں کو واپس چلے آئے۔

اس اثنا میں جہاں خان بہاول پور آپہنچا اور داؤد پوتروں کو پریشان کرنے کے لئے آٹھ ہزار سپاہ خیرپور بھیج دی۔ دوسری طرف مبارک خاں جہاں خاں کی حرکات کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی خیرپور سے باہر نکلا اور دونوں فوجوں کی کٹھیالہ کے پاس مڈبھیڑ ہوئی۔ خونریز لڑائی میں جہاں خاں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلا۔

لیکن بہاول پور پر ابھی تک جہاں خاں کا قبضہ تھا اور وہ مزید تعاقب سے شاہ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا مبارک خاں نے شاہ سے صلح کے لئے گفت و شنید کا آغاز کیا اور موج گڑھ واپس چلا آیا۔ جہاں خاں نے خوشی سے صلح کی تجویز مان لی اور سفیر کی معرفت بڑے اچھے شرائط پر صلح ہو گئی۔ جہاں خاں نے ملتان جانے کے لئے دریائے ستلج عبور کیا اور وطن روانہ ہو گیا۔

چند اہم واقعات

اگلے چار سال احمد شاہ نے امن و چین سے گزارے۔ اس سے پانچ سال قبل احمد شاہ جنگوں اور فتوحات میں سرگرم کار رہا تھا۔ اب سلطنت کے حدود وسیع ہو چکے تھے۔ اس نے یہ مدت ملک کی اصلاح اور انتظام میں صرف کر دی۔

آزاد خاں سے خطرہ اور اس کا انسداد

یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہو گا کہ غلزئی قبیلہ کے آزاد خاں پٹھان نے افغانستان کے تخت کا دعویٰ کیوں کر کیا تھا؟ اور اس کی گرفتاری سے کس طرح احمد شاہ کی سلطنت کو جو خطرہ لاحق تھا وہ ٹل گیا؟ یہ سچ ہے کہ خراسان میں شاہ رخ کی زیر سیادت ایک آزاد ریاست قائم کرنے سے شاہ کا مقصد تھا کہ ایران اور افغانستان کے درمیان کی ریاست اس کو شمال مغرب کے ہوس ناک سردار خصوصاً آزاد خاں سے محفوظ رکھ سکے گی۔

فریر کے قول کے مطابق آزاد خاں مستقل مزاج ' بہادر اور اپنی قوم کے دوسرے افراد سے زیادہ روشن خیال تھا۔ اس کے انصاف ' عادلانہ خیالات اور شیعوں سے طرفداری کے

باعث بہت سے ہمدرد اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اپنی مقبولیت کو روز بروز بڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے نہ صرف عراق اور خراسان پر قبضہ کرنے کا اعلان کیا بلکہ افغانستان پر حملہ کرنے اور احمد شاہ ابدالی کو تاج و تخت سے محروم کرنے کی ٹھانی جسے وہ غاصب سمجھ رہا تھا۔ اس کے رائے میں افغان سلطنت کا اصلی وارث قبیلہ غلذئی کا سردار تھا۔ ایران کی طرف پیش قدمی کریم خاں زند کی سرگرمیوں سے نہ ہو سکی جو محمد حسین قاچار اور احمد خاں کی طرح ایرانی تاج و تخت کو سنبھالنے کا آرزو مند تھا۔

اس سہ طرفہ تنازعہ کی ابتدائی لڑائی کریم خاں زند اور محمد حسین قاچار کے درمیان ماز ندران کی سرحد پر ہوئی اور موخرالذکر فتح یاب ہوا۔ محمد حسین قاچار کی فتح کا حال سن کا احمد خاں چپکے سے واپس آگیا۔ ہزیمت خوردہ کریم خاں نے اپنی فوجوں کی دوبارہ تنظیم کر کے احمد خاں پر حملہ کر دیا جس نے طہران کے شمال مغرب میں قزوین میں پناہ لی تھی۔ یہاں کریم خاں زند کو پھر شکست ہوئی لیکن اس نے اصفہان پہنچ کر افغانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی اور اس کا شیراز تک تعاقب کیا گیا۔ ان ناکامیوں سے مایوس ہو کر کریم خاں نے ہندوستان بھاگ آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے دوست رستم سلطان کشت کے سردار نے اسے باز رکھا اور سمجھایا کہ اگر آزاد خاں کی سپاہ کوتلہ کامرج میں داخل ہو جائے تو اس کا صفایا کرنا آسان ہو گا اور یہ صحیح ثابت ہوا۔

کامراج کا درہ دو میل لمبا تھا۔ پہاڑ کے ساتھ جو پگڈنڈی جاتی تھی وہ بے حد تنگ تھی بلکہ بعض جگہ تو دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہ تھی۔ جس سے ایک ایک سپاہی گزر سکتا تھا۔ درہ کی چوٹیوں پر رستم سلطان کا پہرہ تھا اور وادی کے نیچے رستم سلطان دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ افغانوں کی فوج خطرہ کا اندازہ کئے بغیر جونہی درہ میں داخل ہوئی رستم سلطان اور کریم خاں زخمی شیر کی طرح اس پر جھپٹ پڑے اور آزاد خاں کی فوج کا صفایا کر دیا۔ بعض عرب سرداروں کی مدد سے کریم خاں واپس شیراز آگیا۔ یہ واقعہ ۱۷۵۳ء کا ہے۔

آزاد خاں نے آخری لڑائی ۱۷۵۷ء میں محمد حسین خاں قاچار سے لڑی۔ آزاد خاں کی ترکی تمام ہو گئی اس نے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو کریم خاں زند کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا۔ جس نے آخرکار ایران کے تخت پر قبضہ کر کے زند خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کی سلطنت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی بلکہ صدی کے خاتمہ پر قاچاری خاندان برسراقتدار آگیا۔

دہلی میں صفدر جنگ کی سازشیں

۱۷۵۲ء کے موسم خزاں میں دہلی میں ایک سازش چل رہی تھی۔ جس کا مقصد خراسان کے افغانی شمال مغربی صوبہ میں بغاوت کی آگ کو مشتعل کرنا تھا۔ شہنشاہ اور اس کے وزیر صفدر جنگ میں یگانگت نہ تھی۔ اس لئے وزیر نے ایک سازش کی جس کا مقصد شہنشاہ اور معین الملک ناظم لاہور کو پھنسانا تھا۔ شہنشاہ کی مرضی کے مطابق وزیر المملک صفدر جنگ نے مرہٹوں کی مدد مارچ ۱۷۵۲ء میں حاصل کر لی تھی۔ لیکن وہ دیر سے (۲۵ اپریل ۱۷۵۲ء) دہلی پہنچا اور شہنشاہ کو نواب جاوید خان کے توسط سے افغان سفیر قلندر خاں سے عہد نامہ کی توثیق کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔ اس نے صلح کے شرائط اور اپنے جانی دشمن معین الملک کے لاہوز اور ملتان کے صوبہ جات پر دوبارہ تقرر کو اپنی سیاسی شکست سے تعبیر کیا اور مایوس ہو کر انتقام کے درپے ہو گیا۔

معین الملک کو شاہ کے زیر عتاب لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا یعنی شاہ رخ کو خراسان میں علم بغاوت بلند کرنے کے لئے اکسانا جس سے مغل شہنشاہ اور افغان اعظم کے تعلقات خراب ہو سکتے تھے۔ اس طریقہ سے دو شکار ایک تیر سے ہلاک ہو سکتے تھے۔ میر منو کا خاتمہ شاہ کی پہلی ضرب سے ہو جائے گا جس کے بعد مغل شہنشاہ کی باری آئے گی۔ شاہ مصیبت میں پھنس جائے گا تو وزیر کے لئے زیادہ اختیارات کا حصول آسان رہے گا۔

جے پور کا سوائی مادھو سنگھ جی صفدر کا دوست تھا۔ کہا گیا کہ مادھو سنگھ کو کابل سے خط وصول ہوئے تھے جن میں مذکور تھا کہ مرزا شاہ رخ قندھار میں شاہ کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے آیا ہوا ہے۔(۱۴) یہ جعلی خطوط محض ایک چال تھی جس کا مقصد شاہ رخ کو درانیوں کے خلاف مدد کی پیش کش تھی۔ ایک مرہٹی خط میں ہے کہ شہنشاہ نے نادر شاہ کے پوتے کو لکھا تھا کہ "وہ اس طرف سے چلا آئے تو اپنی فوجیں کابل بھیجنے کا وعدہ کرتے ہیں تاکہ اس بدمعاش کو سزا دی جائے۔" معین الملک کو احکام بھیج کر دہلی بلایا گیا اور اسے کابل فوج بھیجنے کے لئے انتظام کرنے کو کہا گیا اور بیان کیا گیا کہ "از راہ امتثال امر میر منو دہلی آرہا ہے۔" صفدر جنگ کے مرہٹہ حلیف جنہیں مجوزہ مہم میں اہم پارٹ ادا کرنا تھا گورنر پنجاب میر منو سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے اور مرہٹہ سفیر متعینہ دہلی اور میر منو کے مابین خط و کتابت بھی جاری تھی۔

شاہ کی ہندوستان پر فوج کشی سے دست برداری

احمد شاہ کو خفیہ طور پر دہلی سے یا اور کسی طریقہ سے اپنے خلاف سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ محرم ۱۱۶۶ھ مطابق نومبر ۱۷۵۲ء کو شاہ جلال آباد چلا آیا۔ جو کابل سے ۱۱۶ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ شاہ نے جہاں خاں کو دریائے سندھ کی طرف بھیجا۔ اس سے لاہور میں افراتفری اور

دہلی میں گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرمنو نے جہاں خاں اور شاہ کو حقیقت حال سے خبردار کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے کوئی نقل و حرکت نہ کی اور صرف دہلی سفیر بھیجنے پر اکتفا کی۔

شاہ کی نقل و حرکت کی خبر سن کر صفدر جنگ نے شہنشاہ کو لاہور جانے کا مشورہ دیا۔ موخرالذکر نے جواب دیا ہمارے پاس نہ تو سامان جنگ ہے اور نہ سپاہ تیار ہے۔ اگر میرے بغیر حالات سدھر نہیں سکتے تو میں اکیلا جانے کو تیار ہوں۔ سارا ملک اور اس کی آمدنی و خرچ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم روپیہ کا انتظام کرکے سپاہیوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کا بندوبست کر سکتے ہو اور سامان جنگ کی تیاری بھی کروا سکتے ہو۔ اس پر وزیر خاموش ہو گیا۔

یکم صفر ۱۱۶۶ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۷۵۲ء کو صفدر جنگ نے شہنشاہ کو پیغام بھیجا کہ احمد شاہ لاہور کی طرف کوچ کرنے کا تہیہ کئے بیٹھا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جہاں پناہ بھی ادھر چلے جاویں۔ نجومیوں نے ۹ صفر کا دن شہنشاہ کی دہلی سے روانگی کے لئے مناسب بیان کیا ہے۔ اگر آپ اپنی روانگی ملتوی کرنا چاہیں تو اپنے ڈیرہ کا سامان ضرور بھیج دیں اور اس کے بعد جو دن نجومی بتلائیں اس دن سفر اختیار کر لیا جائے۔

شہنشاہ نے اپنی والدہ ملکہ صاحب الزمانی سے مشورہ کیا۔ اس نے جواب دیا خزانہ نہ ہمارے پاس ہے اور نہ وزیرالممالک کے پاس۔ وہ ملک' فوج اور خزانہ کے حالات سے باخبر ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ شہنشاہ خالی ہاتھ چلا جائے تو اسے صاف کہہ دینا چاہئے۔ اس جواب سے وزیر کے لبوں کو مہر لگ گئی اور پھر اس واقعہ کا کسی نے ذکر نہ کیا۔

افغان سفیر دہلی میں

وسط دسمبر ۱۷۵۲ء کا ذکر ہے کہ افغانی سفیر لاہور پہنچا۔ معین الملک نے اپنے تین معتبر اہل کار سفیر کے ہمراہ کر دیے کہ وہ اس کو دہلی پہنچا آئیں۔ سفیر مذکور جنوری ۱۷۵۳ء کے دوسرے ہفتہ میں دہلی پہنچا۔ اسے تکیہ مجنون کے نزدیک کام خاں کے باغ میں اتارا گیا۔ مغل شہنشاہ احمد شاہ کے حکم سے دیوان عام سفیر کی پذیرائی کے لئے آراستہ کیا گیا۔ دو تین دنوں کے بعد وزیر نے چقیں اور پردے وغیرہ اتار پھینکے کہ سفیر اتنی اہم شخصیت نہیں ہے کہ اس کا دیوان عام میں استقبال کیا جائے اس کی پذیرائی دیوان خاص میں ہو سکتی ہے۔ اسے ایک ماہ کے قریب انتظار میں رکھا گیا اور باریابی کے لئے اس کی التجاؤں کو نظرانداز کر دیا گیا۔

آخر کار دس ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۷۵۳ء کو شہنشاہ کو کہلا بھیجا کہ دوسرے دن دیوان خاص میں سفیر کو باریابی سے مشرف کیا جائے گا۔ رات تیاریاں ہوتی رہیں اور بروز

جمعرات بتاریخ ۱۵ فروری ۱۷۵۳ء دس بجے صبح جب وزیر الملک اور دیگر امراء آگئے تھے چھ انگلیوں والے علی خاں نے افغان سفیر کو شہنشاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔

سفیر نے پانچ اشرفیوں کی نذر پیش کی اور احمد شاہ درانی کا بھیجا ہوا خط شہنشاہ کے حوالہ کیا۔ شہنشاہ نے خط کو شاہی محل کے داروغہ حافظ بختیار خاں کے سپرد کیا اور شاہ کی خیریت و عافیت دریافت کی۔ سفیر نے جواب میں کہا میرے شاہ نے سلام بھیجا ہے۔ سفیر کو خلعت اور معین الملک کے کارندوں کو پوشاکیں عنایت کی گئیں۔

قلعہ سے نکل کر سفیر صفدر جنگ کے گھر چلا آیا اور اس نے اپنی آمد کا مقصد کہہ سنایا۔ دوپہر کو شہنشاہ نے وزیر سے کہلا بھیجا کہ سفیر کو واپسی کی اجازت ہے۔ اس کو جواب میں خط دے دیا جائے۔ چھٹے دن بتاریخ ۱۷ ربیع الثانی مطابق ۲۱ فروری سفیر کو خط حوالہ کیا گیا اور وہ اپنے ملک روانہ ہو گیا۔

وزیر کے گھر میں جو گفتگو ہوئی اور جواب میں جو خط لکھا گیا اس کے مطالب سے ہم بے خبر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغل شہنشاہ نے وفاداری' باہمی دوستی اور پار سال کے صلح کی شرائط پر کاربند رہنے کا یقین دلایا ہو گا۔ اس کے بعد شاہ قندھار واپس چلا آیا اور سردار جہاں خاں کو دریائے سندھ کے کنارے سے واپس بلا لیا۔

امیر خاں کی مشہد سے ناکامی

شاہ کی قندھار میں واپسی کی دوسری وجہ خراسان سے ناخوشگوار اطلاعات کا آنا تھا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں شاہ نے انتظامی معاملات میں شاہ رخ کو مدد دینے کے لئے نور محمد خاں کو وہیں رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن اس کو واپس بلا کر ایک قابل تر آدمی امیر خاں قرانی دولت آبادی کو وہاں بھیج دیا۔ نور محمد کی واپسی پر شاہ رخ نے اپنے ملازم فریدون خاں کو نائب مقرر کر لیا تھا۔ امیر خاں مرزا کے عہدہ داروں کے عقائد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امام علی رضا کے روضہ کی زیارت کے بہانے مشہد میں داخل ہو گیا۔ شہر کے دروازوں پر اپنے آدمی بٹھا کر تین یا چار برجوں پر قبضہ کر لیا اور شہر کے باشندوں کو تنگ کرنے لگا۔ اس سے مرزا غضب ناک ہوا اور اس نے میر حسین خاں افشار اور فریدوں خاں کو بھیجا کہ وہ شہر سے امیر خاں کو نکال دیں۔

اس نے بغیر کسی مزاحمت کے یہ کام سرانجام دیدیا۔ حسین اور فریدوں خاں نے چہار باغ کے دروازے سے باہر نکل کر افغانوں کے چھوٹے سے دستے کو تہہ تیغ کر کے قرانی سے ہتھیار چھین لئے۔ اس پر تمام شہری امیر خاں کے آدمیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو برجوں اور دروازوں سے نکال باہر کیا اور امیر خان دولت آباد واپس چلا آیا۔ چونکہ اس رسوائی

کا ذمہ دار خود امیر خاں تھا' شاہ نے ان ناخوشگوار حالات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ فریدوں شاہ رخ کے نائب کے طور پر کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شاہ رخ کے لڑکے نصراللہ مرزا نے اسے مروا ڈالا۔ شاہ رخ کے لڑکے کی سرگرمیاں زمانہ مابعد سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا یہاں ذکر کرنا غیر متعلق سا ہو گا۔ یہ ذکر مناسب جگہ پر آئے گا۔

عباس قلی خاں نیشاپور میں

عباس قلی خاں نیشاپوری عمر بھر احمد شاہ کا وفادار رہا۔ وہ اعتدال پسند اور انصاف پسند حاکم تھا۔ اس نے شہر اور نیشاپور کے علاقوں کے حالات سدھارنے کے لئے بہت کچھ کیا۔ رعایا میں مقبول تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کے عہد میں دارالخلافہ اپنی پہلی شان و شوکت کو پہنچ گیا۔

پنجاب کی شورشوں کو چھوڑ کر جن کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے احمد شاہ کی مملکت میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک امن و امان کا دور دورہ رہا۔ ۶۴۔ ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے سرہند' لاہور اور ملتان کے صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ بلوچستان اور خراسان میں چھوٹی شورشیں برپا ہوئیں۔ سوا ان واقعات کے سلطنت کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

حوالہ جات

۱۔ طہماسپ نامہ' ص ۵' تاریخ احمد شاہی' ص ۲۹
تاریخ علی' ص ۲۱۳' خوش وقت رائے' تاریخ سکھاں' ص ۶۹

۲۔ منتخبات از پشاور دفتر متفرق کاغذات' ۴' ۵
سوہن لال' عمدۃ التواریخ' ص ۳۳۔۱۳۲

۳۔ تاریخ احمد شاہی' ص ۲۸

۴۔ طہماسپ نامہ' ص ۱۶
عمدۃ التواریخ' جلد اول' ص ۱۳۳

۵۔ رتن سنگھ' پراچین پنتھ پرکاش' ص ۴۰۷
گیان سنگھ۔ پنتھ پرکاش' ص ۶۹۳
شمشیر خالصہ' ص ۴

۶۔ طہماس نامہ ص ۱۶

عمدۃ التواریخ، جلد اول، ص ۱۳۳

۷۔ گیان سنگھ۔ شمشیر خالصہ، ص ۴۷۵

خوش وقت رائے۔ تاریخ سکھاں، ص ۷۰

۸۔ تاریخ احمد شاہی، ص ۲۹

Sarkar 'P' ۔۲۵۹۔۶۰

۹۔ سیر المتاخرین (انگریزی ترجمہ) ص ۸۸۹، تاریخ پنجاب، ص ۱۸۸

تاریخ علی، ص ۲۲۱، ۲۲۲

۱۰۔ سیر المتاخرین، ج ۳، ص ۳۲۶ (ترجمہ انگریزی)

۱۱۔ علی الدین۔ عبرت نامہ، ص ۲۴۲۔ فرحت الناظرین جلد ہشتم، ص ۱۶۸، تاریخ علی، ص ۲۲۹

۱۲۔ تاریخ احمد شاہی، ص ۳۱

طہماس نامہ، ص ۱۶

۱۳۔ عمدۃ التواریخ، ج ۱، ص ۱۲۴، ۱۲۵

۱۴۔ مرہٹی خط از جگن ناتھ کرشنا بنام بھگونت راؤ

پندرھواں باب

پنجاب میں شورشیں اور ہنگامے

میر منو کی وفات۔ مابعد کے واقعات

بندا سنگھ کے عروج اور پنجاب میں اس کے قلیل المیعاد راج (۱۷۱۵ء) کے زمانے سے سکھ باغی سمجھے جانے لگے تھے۔ ان کو ہر ممکن طریقہ سے دبایا جاتا تھا۔ ایک دفعہ معین الملک مالک پور کے گاؤں میں لاہور سے سات آٹھ کوس دور خیمہ زن تھا کہ ہرکارے خبر لائے بعض سکھ پاس کے نیشکر کے کھیت میں چھپے ہوئے ہیں۔ معین الملک شکار کے لئے سوار ہو کر گیا اور سکھوں کو گھیر لیا۔ لیکن اچانک اس کا گھوڑا بھڑک کر پچھلے پاؤں کھڑا ہو گیا اور قابو میں نہ رہا۔ میر منو گر پڑا۔ بد قسمتی سے اس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور وہ زمین پر گھسٹتا چلا گیا جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ پانچ محرم ۱۱۶۷ھ مطابق ۲ نومبر ۱۷۵۳ء کا واقعہ ہے۔ تیسرے دن ساتویں محرم کو معین الملک اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔(۱)

ثریا بیگم: ایک باتدبیر خاتون

اب ثریا بیگم یا مراد بیگم جس کو مغلانی بیگم بھی کہتے ہیں تاریخ پنجاب کے صفحات پر نمودار ہوتی ہے۔ وہ معین الملک کی بیوہ اور نہایت ذہین اور باتدبیر خاتون تھی۔ اگر وہ صنف نازک میں سے نہ ہوتی تو بلاشبہ وہ پنجاب کے لئے مستعد اور قابل ناظم ثابت ہوتی۔

مغل شہنشاہ کے تقررات

معین الملک کی وفات کی خبر ۱۳ نومبر کو دہلی پہنچی۔ دوسرے دن شہنشاہ احمد شاہ نے اپنے تین سالہ لڑکے شہزادہ محمود شاہ کو صوبیدار اور معین الملک کے دو سالہ بچے محمد امین خاں کو اس کا نائب مقرر کیا۔ لیکن اقتدار کی کنجی میر مومن خاں قصوری کے ہاتھ میں تھی جو معین الملک کا پرانا دوست تھا۔

کشمیر کی صوبیداری

کشمیر کی صوبیداری افرا سیاب کی موت کے بعد سے خالی تھی۔ اس پر احمد شاہ درانی کے نمائندے نے غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اب یہ جگہ سعید شاہ کو عطا کی گئی۔ اعتزاز الدولہ شہنشاہ کی پھوپھی کا پندرہ سولہ برس کا لڑکا تھا اسے نائب صوبیدار مقرر کیا گیا۔

تاریخ احمد شاہی کا مصنف بجا طور پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ زمانے کا کتنا عبرت انگیز انقلاب ہے کہ یہ اونچے منصب جو بڑے بڑے آزمودہ کار امراء کو عطا کئے جاتے تھے اب شیر خوار بچوں کو دیے جانے لگے۔ اب قدرت خدا کا تماشا دیکھنا چاہئے کہ مستقبل میں پردہ غیب سے کیا کیا ظہور میں آتا ہے۔(۲)

پتلیوں کا یہ تماشا صرف چار دن رہا۔ ۲۰ محرم مطابق ۱۷ نومبر کو وزیر الممالک میر نظاالدین انتظام الدولہ جو صفدر جنگ کی جگہ کام کر رہا تھا پنجاب کا غیر حاضر ناظم مقرر کیا گیا۔ انتظام الدولہ نے اپنی طرف سے ۲۴ محرم مطابق ۲۱ نومبر کو میر عوض خاں اور بھکاری خاں کو اپنا نائب ناظم اور آدینہ بیگ خاں کو دو آبہ بست جالندھر کا نائب فوجدار مقرر کیا۔

پسر میر منو کا احمد شاہ کی طرف سے تقرر

لیکن یہ تقررات آخری اور منظور شدہ نہیں تھے۔ اپریل ۱۷۵۲ء کے صلح نامہ کی رو سے پنجاب پر احمد شاہ درانی کا قبضہ تھا اور وہی ان احکام کی منظوری دے سکتا تھا۔ احمد شاہ کسی وقت بھی ملک پر حملہ کر کے تلوار کے زور سے اپنا حق منوا سکتا تھا۔ محرم کے اواخر میں معین الملک کی لاش کو مالک پور سے لے جا کر حضرت الیشاں کے مزار متصل مقبرہ خان بہادر زکریا خاں میں دفن کیا گیا۔

اس پر دو نائبوں عوض خاں اور بھکاری خاں نے ایسے خطوط جن پر امین خاں نابالغ صوبیدار پنجاب کی مہر لگی ہوئی تھی ملا امان کے کے پاس بمقام قندھار احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کئے۔ سردار جہاں خاں حسن ابدال کے پاس فروکش تھا۔ اس کے پاس حاجی بیگ کو سفیر بنا کر روانہ کیا گیا۔ شاہ نے از راہ کرم پنجاب کی صوبیداری کے لئے محمد امین خاں کی منظوری دیدی اور میر مومن خاں کو نائب رکھا درانی شہنشاہ کا فرمان، خلعت اور تلوار بطور نشان اعزاز

ارتضیٰ خاں مہربان اور اشرف خاں کے ساتھ روانہ کئے گئے جو لاہور میں ۹ ربیع الثانی ۱۱۶۷ھ مطابق ۳ فروری ۱۷۵۴ء کو بصد کروفر وارد ہوئے تھے۔ فرمان اور خلعت کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔

مغلانی بیگم کا بھکاری خاں کو قید کرنا

مغل شہنشاہ کے اقتدار اور احکام کی ثریا بیگم یا مغلانی بیگم نے پہلے سے خلاف ورزی شروع کر رکھی تھی۔ انتظام الدولہ وزیراعظم دہلی سے پروانہ تقرر پاکر بھکاری خاں نے ملکی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی۔ اس کی پوزیشن ناخوشگوار سی تھی۔ ان حالات میں بھکاری خاں نے مایوس ہو کر نابالغ وائسرائے سے علیحدگی اختیار کر لی' اور ناگہانی حالات کے لئے اپنی حویلی کو مضبوط کرنے لگا۔ لیکن مغلانی بیگم نے خطابات اور تنخواہ میں اضافہ کرکے مغل سردار قاسم خاں کو ساتھ ملا لیا۔ یہ کشیدگی کئی روز جاری رہی۔ آخر مغلانی بیگم نے بھکاری خاں کی پارٹی کے سرغنہ مرزا جان کو خان کا خطاب اور ایمن آباد کی فوجداری دے کر پھسلا لیا۔ مرزا جان اپنے آقا بھکاری خاں کو ساتھ لے کر بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس نے اسے قید کر لیا اور اس کی حویلی اور مال و متاع کو لوٹنے اور آگ لگانے کا حکم صادر کر دیا۔ اس واقعہ کی اطلاع آٹھ دن بعد ۱۴۔۱۷ ربیع الاول مطابق ۹۔۱۲ جنوری ۱۷۸۴ء کو دہلی بھیجی گئی۔

میر منو کے لڑکے کی نامزدگی کی دہلی سے توثیق

بزدل اور تن پسند وزیر الممالک انتظام الدولہ کوئی دلیرانہ قدم اٹھانے کے ناقابل تھا اور خاموشی سے ذلت اور رسوائی برداشت کر رہا تھا۔ اپنے سرکش داماد کے آگے اپنے آپ کو بے بس پاتا۔ اس نے نہایت ڈھٹائی سے بھکاری خاں کی تقرری کا حکم منسوخ کر دیا۔ جب خان خاناں (انتظام الدولہ) نے یہ دیکھا کہ وہ نہ لاہور پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ اپنا اقتدار منوا سکتا ہے اور اصل فرمانروائی معین الملک کی بیوہ کے ہاتھ میں ہے تو تاریخ احمد شاہی کے بیان کے مطابق اعزاز کی خلعتیں معین الملک کے بچے ' آدینہ بیگ خاں' اور مومن خاں کو پانچ ربیع الثانی بتاریخ ۳۰ جنوری ۱۷۵۴ء روانہ کر دیں۔ یہ واقعہ احمد شاہ درانی کے فرمان آنے کے پانچ دن پہلے کا ہے۔ مغلانی بیگم کی مخالفت اور شاہ درانی کی منظوری کے پیش نظر پہلے فرمان کے شرائط کی تکمیل میں اسے دشواری نظر آ رہی تھی لہٰذا اس نے احکام کی ترمیم عقلمندی سے کر دی۔

لاہور میں انتشار اور سراسیمگی

احمد شاہ کے فرمان سے شہ پاکر مغلانی بیگم نے بھکاری خاں اور انتظام الدولہ کی مخالفت کو کچل کر رکھ دیا اور اپنے نابالغ بچے کی سرپرست بن گئی۔ لیکن اس نے جلد ہی ضابطہ اخلاق کو

بالائے طاق رکھ کر بے راہ روی کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی اور ملک میں بدنام ہو گئی۔ زمام اقتدار خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں تھی جو اس کے راز داں بھی تھے۔ لیکن صوبہ پنجاب ایک بے راہ رو عورت سے کیسے سنبھالا جا سکتا تھا۔ اس کی بد اخلاقی کی وجہ سے اس کے بہترین دوست دشمن بن گئے۔

قاسم خاں نے جس کو خان کے خطاب اور ماجھا میں پٹی کی فوجداری سے سرفراز کیا جا چکا تھا' سکھوں سے ساز باز کر کے لاہور پر پیش قدمی کرنے اور پھر مزید فوج سے دہلی پر چڑھ دوڑنے کی ٹھانی۔ ان اغراض کے لئے اس نے سکھوں میں تیر تفنگ 'گولے اور بارود وغیرہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ سب کچھ بے کار تھا۔ اس کے فوجیوں کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بغاوت کر کے اسے بیگم کے سپرد کر دیا جس نے اسے قید میں ڈال دیا۔ خواجہ مرزا خاں کے ایمن آباد میں پاؤں جم گئے تو اس نے بھی لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ کسی موقعہ کے انتظار میں تھا اور یہ موقع اس کو دسمبر ۱۷۵۴ء میں ہاتھ آگیا۔ دو آبہ جالندھر کا آدینہ بیگ بھی لاہور کی صوبیداری کا آرزو مند تھا۔ پھر سکھ بھی موجود تھے جنہوں نے معین الملک کی وفات پر اطمینان کا سانس لیا۔ ان کو اپنے گھروں اور گاؤں سے نکلے ہوئے سالہا سال ہو گئے تھے۔ وہ بندا سنگھ کے عہد (۱۵-۱۷۱۰ء) میں آزادی کے مزے لے چکے تھے۔ اب اپنے کیرتن گا کر اس دن کا انتظار کر رہے تھے "جب راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کوئے۔"

انتشار اور پراگندگی کے ان حالات میں مغلانی بیگم نے سات ماہ حکومت کی۔ مئی ۱۷۵۴ء کے اواخر میں بیگم پر مصیبت عظمیٰ نازل ہوئی جب اس کا لڑکا محمد امین خاں چل بسا۔ لڑکے کے مرتے ہی بیگم نے رہی سہی شرم و حیا کو خیرباد کہہ دیا اور عیش و عشرت میں ڈوب گئی۔ اگرچہ میر مومن خاں نے ستمبر ۱۷۵۴ء میں شاہ عالمگیر ثانی سے مومن الدولہ کا خطاب پا کر پنجاب کی نظامت سنبھال لی تھی لیکن وہ صفر کے برابر تھا۔ اصلی اقتدار اب بھی بیگم کے ہاتھ میں تھا جو ملک کا انتظام غیر معتبر خواجہ سراؤں میاں خوش فہم' میاں ارجمند اور میاں مہابت خاں کے صلاح و مشورہ سے کرتی تھی۔ یہ خواجہ سرا کسی بات پر متفق نہ ہو سکتے تھے اور ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اس سے امور حکومت میں تاخیر ہو جایا کرتی اور انتشار سا پیدا رہتا۔

دسمبر ۱۷۵۴ء میں بخشی بیگ خاں سے بیگم کے تعلقات کا ذکر ہر کسی کی زبان پر تھا۔ اس وقت بھکاری قید میں تھا۔ اسے خواجہ محمد سعید خاں کی زبانی معلوم ہوا کہ مرحوم نواب کی عزت پر دھبہ لگ چکا ہے۔ اس نے خواجہ مرزا جان کو ایمن آباد لکھنے کے لئے کہا کہ وہ لاہور آ کر ان شرمناک حالات کا خاتمہ کر دے۔

کچھ دنوں کے بعد خواجہ مرزا جان لاہور آپہنچا اور زمام حکومت بغیر کسی مخالفت کے سنبھال لی۔ بھکاری خاں اور قاسم خاں رہا کر دیے گئے اور بیگم کو نظربند کر دیا گیا۔ لیکن بیگم اپنے اختیارات سے کس طرح آسانی سے دست بردار ہو سکتی تھی؟ اس نے عماد الملک غازی الدین اور احمد شاہ درانی کو خطوط بھیجے اور اسی اثنا میں اپنے پھوپھا خواجہ عبیداللہ خاں کو جو خان بہادر نواب زکریا خاں کا چھوٹا بھائی تھا اپنی بحالی کے لئے احمد شاہ درانی کے پاس روانہ کیا۔ خواجہ صاحب نے اتنے لمبے سفر کی زحمت اس امید پر برداشت کی کہ صوبیداری شاید خود انہی کو مل جائے۔

ملا خاں لاہور میں

شاہ کو مغلانی بیگم کے اس دور ابتلا سے ہمدردی تھی۔ اس نے سردار جہاں خاں کے چھوٹے بھائی ملااماں خاں کو جسے عوام ملاخاں کہتے تھے حکم دیا کہ وہ درانیوں اور قزلباشوں کی تھوڑی سی تعداد کے ساتھ کابل اور پشاور سے دس ہزار اسپ سوار لے جائے اور مغلانی بیگم کے اقتدار کو دوبارہ بحال کر کے مرزا جان کو زندہ یا مردہ اس کے پاس بھجوا دے۔

ملا اماں خاں خواجہ عبیداللہ خاں کے ہمراہ گیارہ دنوں میں لاہور کے نواح میں آپہنچا۔ یہ خبر سن کر مرزا جان گھبرا اٹھا۔ ڈر سے کانپتے ہوئے اور بھکاری خاں کے مشورے کو نظرانداز کر کے اس نے خواجہ عبیداللہ سے کہلا بھیجا کہ میں تو معین الملک کا خادم ہوں۔ میں نے تو باغیوں سے لاہور کو بچا رکھا ہے اب کہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو ملک آپ کا ہے میں آپ کا غلام بن کر رہوں گا۔ اگر آپ جاں بخشی کا اقرار کریں تو بندہ درگاہ عالی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہے۔

خواجہ نے خوش ہو کر ایفائے عہد کا اقرار کر لیا لیکن وہ اسے نبھا نہ سکا۔ دونوں کی ملاقات ہوئی تو عبیداللہ خاں نے مرزا جان کو بتلایا کہ وہ ملا اماں سے بھی مل لے کیونکہ دروبست کا مالک وہی ہے۔ بے چارہ مرزا ملا اماں سے ملنے گیا تو اس کو وہیں قید کر لیا گیا۔ ملا اماں شہر میں داخل ہو گیا۔ دو ماہ تک شہر میں اندھا دھند لوٹ مار ہوتی رہی۔ مغلانی بیگم کو صوبیداری پر بحال کر کے خواجہ عبیداللہ خاں کو اس کا نائب مقرر کیا اور بھکاری خاں کو بیگم کے حوالہ کر دیا جس نے اسے قید میں ڈال کر مار ڈالا کیونکہ اس کے قول کے مطابق معین الملک اور محمد امین خاں کے خون کی ذمہ داری اس پر تھی۔

خواجہ عبیداللہ خاں

خواجہ عبیداللہ خاں اپنے ملک میں واپس آگیا اور شاہ کے حکم کے مطابق خواجہ مرزا جان

اور دیگر سرکش مغل سرداروں کو قید کر کے ہمراہ لایا۔ لیکن اس سے پنجاب میں امن و امان نہ پیدا ہو سکا۔ اقتدار کے حصول کے لئے صوبیدار اور اس کے نائب یعنی چچا اور بھتیجے میں رسہ کشی شروع ہوئی۔ بیگم نے عبیداللہ خاں کے احکام منسوخ کر کے اسے صفر کے برابر کر دیا تھا۔ لیکن وہ نچلا بیٹھنے والا نہ تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں کھلونا بن جانا اسے ناپسند تھا۔ اس نے پندرہ بیس ہزار سپاہ جمع کر کے بیگم سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن بیگم بھی غافل نہ تھی۔ اس نے بہت سے سپاہی اپنے ساتھ ملا لئے۔ یہ نازک وقت جولائی ۱۷۵۵ء میں آپہنچا۔ خواجہ سرا اور دیگر ملازمین جو بیگم کی فوجوں کی کمان کر رہے تھے پہلے مقابلہ میں شکست کھا گئے۔ عوض خاں اور ہادی خاں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور افغانی سفیر مقیم لاہور عبیداللہ خاں کو حکومت کا سربراہ مقرر کیا گیا اور بیگم تمام اختیارات سے محروم کر کے اپنی والدہ کے گھر روانہ کر دی گئی۔ اب خواجہ عبیداللہ بلا شرکت غیرے لاہور کا حاکم تھا۔ لیکن وہ ظلم پر اتر آیا۔ روپیہ جمع کرنے کا لالچ حد سے بڑھا ہوا تھا۔ نت نئے بہانوں سے لاہور کے باشندوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اس کی حکومت چند ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ آخر کار غازی الدین کے نامزد سید جمال الدین نے اس کی جگہ سنبھال لی۔

مغلانی بیگم کی دہلی سے استمداد

جب سے مرزا جان نے بیگم کو معزول کیا تھا وہ غازی الدین سے خط و کتابت کر رہی تھی۔ لیکن وہ چونکہ عمدہ بیگم کی غازی الدین سے شادی کے وعدہ کو پورا نہ کر سکی تھی لہٰذا اس نے اپنا ہاتھ مدد سے روک رکھا تھا۔

مشکل یہ تھی کہ معین الملک نے اپنی لڑکی کا بیاہ شہزادہ تیمور پسر احمد شاہ درانی سے کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ بیگم مرزا جان کے خلاف شاہ سے امداد کی درخواست کر رہی تھی اس لئے اس کو ناراض کرنا بھی مناسب نہ تھا۔ لیکن اب حالات نے پلٹا کھایا تھا۔ شاہ نے عبیداللہ خاں کو لاہور کا نائب حاکم مقرر کیا تھا۔ درانی ریذیڈنٹ ہادی خاں نے اسے بیگم کی مرضی کے خلاف اقتدار دے رکھا تھا۔ اس لئے بیگم کی آخری امید دہلی دربار ہی سے ہو سکتی تھی۔ اب بیگم بڑی آسانی سے عمدہ بیگم کی شادی وزیر سے کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ غازی الدین کو بھی سیاسی معاملات سے فرصت تھی اور وہ پنجاب کی طرف توجہ مبذول کر سکتا تھا جس کی اسے بے حد آرزو تھی۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۷۵۶ء غازی الدین دہلی سے آیا اور وہاں سے سرہند کے نواح میں سات فروری کو پہنچا۔ دو آبہ بست جالندھر کے حاکم آدینہ بیگ خاں نے پیغام بھیجا

کہ وہ سرہند سے آگے بڑھنے نہ پائے بلکہ کسی خواجہ سرا کے زیر کمان دو تین ہزار سپاہی روانہ کر دے۔ اس فوج کی مدد کے لئے وہ دس ہزار سپاہی صادق بیگ خاں کی ماتحتی میں بھیجے گا۔ آدینہ بیگ نے وزیر کو یقین دلایا کہ وہ کسی ترکیب سے اسے لاہور پر قابض ہونے میں مدد دے گا۔

غازی الدین نے حکیم عباداللہ خاں عطار کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے بھی آدینہ بیگ کی ترجمانی کی اور کہا کہ جونہی آپ دریا عبور کریں گے بیگم اپنے خزانے سمیت قندھار بھاگ جائے گی اور اپنے مال کا لالچ دے کر احمد شاہ کو ہمنوا اور طرف دار کر لے گی۔

غازی الدین نے تجویز مان لی اور لاہور کی مہم آدینہ بیگ خاں کے پاس رہنے دی۔ صادق بیگ خاں اور خواجہ سرا نسیم خاں کو ساتھ لے کر آدینہ بیگ خاں فوراً" لاہور پہنچ گیا اور بغیر کسی خونریزی کے اپنا مقصد پورا کر لیا۔ فوج نے شہر میں فاتحانہ مارچ کیا اور بیگم کو سلام کیا۔ آدینہ بیگ کی نمک حرامی سے دل میں ڈرتے ہوئے جو اس کو قید بھی کر سکتا تھا خواجہ نے رات کو شہر چھوڑا اور جموں کے پہاڑوں کی طرف جان بچا کر بھاگ گیا۔

فروری ۱۷۵۶ء میں بیگم ایک ماہ کے لئے پنجاب کی حاکم بن گئی اور صادق خاں نائب۔

مغلانی بیگم اور اس کی لڑکی عمدہ بیگم دہلی میں

تاریخ عالمگیر ثانی میں ہے کہ مغلانی بیگم کی لڑکی اور وزیر کی منگیتر عمدہ بیگم آدینہ بیگم کے پاس جلال آباد مقیم تھی۔ اس کی والدہ لاہور کے مخدوش حالات سے اسے دور رکھنا چاہتی تھی۔ بیگم نے جلدی سے اس کے جہیز کی تیاریاں کیں اور اسے سرہند بھیج دیا۔ جہاں وہ ۴ مارچ ۱۷۵۶ء کو پہنچ گئی۔ غازی الدین بیگم کی کیفیت سے بہت جلد واقف ہو گیا۔ بیگم کو من مانی کاروائیوں کی اجازت دینا شرم ناک تھا۔ اس نے سید جمال الدین خاں' نثار محمد خاں شیر جنگ' حکیم عباداللہ خاں اور سعادت یار خاں کو آدینہ بیگ کے پاس بھیجا کہ وہ بیگم کو اس کے پاس کیمپ میں بھیج دے۔ آدینہ بیگ یہ تجویز فوراً" مان گیا۔ سید جمال الدین اور نثار محمد خاں جلدی جلدی پیش قدمی کرتے ہوئے لاہور پہنچے جس سے بیگم ہکا بکا رہ گئی۔ ہاتھی پر سوار کر کے بیگم ماچھی والہ کے نزدیک ۲۸ مارچ کو وزیر کے کیمپ میں لائی گئی۔

میر مومن خاں کو پھر لاہور کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ لیکن حقیقی اختیارات اس کے مستعد نائب سید جمال الدین کے ہاتھ میں تھے۔ جو وزیر غازی الدین حیدر کا منظور نظر تھا۔ دریں حالات راجہ ناگرمل نے تجویز پیش کی کہ لاہور پر قبضہ کر لیا جائے اور مختلف سرداروں اور راجاؤں سے مدد لے کر درانی حملہ کے خطرے کو دور کیا جائے۔

یہ تجویز وزیر کو پسند نہ آئی جس نے دہلی جانے سے قبل تیس لاکھ روپے سالانہ خراج کے عوض پنجاب کی عملداری آدینہ بیگ خاں کو مرحمت کر دی۔
بیگم کو ساتھ لے کر وزیر نے مئی ۱۷۵۶ء میں دہلی کا رخ کیا اور وہاں ۲۱ شوال ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۷۵۶ء کو داخل ہو گیا۔

حوالہ جات

۱۔ خزانہ عامرہ، ص ۹۸
پراچین پنتھ پرکاش (رتن سنگھ) ص ۲۳۵، ۲۳۶
۲۔ تاریخ احمد شاہی، ص ۸۵-۸۴

سولھواں باب

احمد شاہ کا ہندوستان پر چوتھا حملہ

پنجاب اور دہلی کے دگرگوں اور پیچیدہ حالات و معاملات

عبیداللہ اور مغلانی بیگم کی احمد شاہ سے فریاد

فروری ۱۷۵۶ء میں آدینہ بیگ خاں کی فوجیں لاہور میں داخل ہوئیں تو خواجہ عبیداللہ خاں جموں بھاگ گیا تھا۔ اب سوائے درانی فوج کی مدد کے ان بدلے ہوئے حالات میں اس کی واپسی کی کوئی امید نہ تھی۔ احمد شاہ درانی کو سیاسی خلفشار سے باخبر کرنے کے لئے وہ قندھار چلا آیا اور بتایا کہ شاہ کے احکام کی کس طرح مٹی پلید کی جا رہی ہے اور عمدہ بیگم جس کی شاہ کے لڑکے سے منگنی ہو چکی تھی دہلی لے جائی جا چکی ہے۔

اس اثنا میں مغلانی بیگم نے وزیر کی خود سری کی شکایت کرتے ہوئے مراسلات بھیجے۔ بیگم نے دل ہلا دینے والے خطوط سردار جہاں کو بھی لکھے اور اس کی عزت کا واسطہ دیتے ہوئے کہا یہ قابل رنج اور حیران کن بات ہے کہ آپ کی طرح کے رستم زماں اور اسفندیار زندہ ہوں اور مجھ سے ظلم و ستم اور بے عزتی کا برتاؤ کیا جائے۔ آپ کے محبت آمیز برتاؤ کو دیکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ آپ میری تحقیر آمیز بے چارگی کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکیں گے اور مجھ کو

رہا کرانے اور بد معاشوں کو سزا دینے کے لئے امکان بھر کوشش کریں گے۔

سفیروں کا تبادلہ

سرہند کے کیمپ سے غازی الدین نے ایک سفیر ایلچی خاں کو دوستانہ مشن پر شاہ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ لیکن سردار جہاں نے اسے کابل میں روک لیا۔ اس اثنا میں شاہ نے غزنی سے آکر مغل سفیر کو یاد کیا۔ ایلچی خاں کو باریابی سے مشرف کیا۔ عالمگیر ثانی اور اس کے وزیر کے خطوط لئے اور ادھر ادھر کے چند سوالات کے بعد سفیر کو رخصت کر دیا لیکن اس کو روانگی کی اجازت نہ دی۔ شاہ نے پھر اسے بلا کر کہا کہ وزیر نے تم کو دوستانہ مشن پر صلح نامہ کی تجدید کے لئے بھیجا ہے حالانکہ اس نے پرانے عہد نامہ کی خلاف ورزی کی ہے تو ہم حق بجانب ہیں۔ سفیر کو خلعت عنایت کیا گیا اور اس کو دہلی واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ قلندر خاں کو ہدایت کی گئی کہ وہ بھی ایلچی خاں کے ہمراہ مغل دربار میں جائے۔

دونوں سفیر اکتوبر ۱۷۵۶ء کے اواخر میں دہلی پہنچ گئے۔ قلندر خاں کو شالامار باغ میں اتارا گیا اور امان اللہ خاں اور باقی بیگ بخشی اس کے میزبان مقرر کئے گئے۔ افغان سفیر نے ۶ صفر ۱۱۷۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ملاقات کی۔ ۲۹ صفر مطابق ۲۳ نومبر کو افغانی سفیر سے دوبارہ ملاقات کی گئی اور بغیر کسی تسلی بخش جواب کے ۱۶ ربیع الاول مطابق ۹ دسمبر کو سفیر رخصت کر دیا گیا۔(۱)

جنگ باز خاں کی لاہور کو روانگی

خواجہ عبیداللہ خاں اور مغلانی بیگم کی دل دوز فریادوں سے متاثر ہو کر شاہ نے کابل پہنچ کر جنگ باز خاں کو لاہور بھیجا۔ خواجہ مرزا جان جس کو ملا امان اللہ خاں قیدی بنا کر قندھار ساتھ لے گیا تھا' اب شاہ کا منظور نظر تھا۔ وہ بھی اس تادیبی مہم کے ہمراہ تھا۔ ہشت نگر کے عبدالصمد خاں محمد زئی سے مدد پا کر جنگ باز خاں کی درانی فوج نے دریائے سندھ عبور کیا اور پنجاب میں داخل ہو گئی۔ بغیر کسی مزاحمت کے یہ سپاہ لاہور کے نواح میں داخل ہو گئی۔

سید جمیل الدین نے مدد کے لئے آدینہ بیگ سے درخواست کی۔ بھلا وہ کب شاہ کی ناراضگی مول لے سکتا تھا۔ اس نے سید کو مشورہ دیا کہ وہ لاہور سے جالندھر چلا آئے۔ اس پر جنگ باز خاں نے ۲۵ نومبر ۱۷۵۶ء کو شہر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ خواجہ عبیداللہ کو صوبیدار اور مرزا جان خاں کو نائب صوبیدار مقرر کیا گیا۔ شہر میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا اور دولت مند شہری پہاڑوں کا رخ کرنے لگے تھے۔ خود آدینہ بیگ نے خزانہ اور قیمتی چیزیں لکھی جنگل میں بھیج دی تھیں اور ایک لمحہ کے نوٹس پر بھاگ جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ پہاڑی راجہ آدینہ بیگ کی بزدلی سے بہت آزردہ دل ہوئے اور خاموشی سے پہاڑی علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔(۲)

شاہ کی ہندوستان کو روانگی

جنگ باز خاں کی کابل سے روانگی کے بعد شاہ نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ مغلانی بیگم کی عرضداشتوں کے علاوہ شاہ کو نجیب خاں (نجیب الدولہ) اور عالمگیر ثانی نے بھی بلاوا بھیجا تھا۔ ملکہ زمانی اور شاہی حرم کی دوسری خواتین کا وزیر غازی الدین نے بہت برا حال کر رکھا تھا۔ بعض اوقات فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی فریاد کو کوئی نہیں سنتا تو انہوں نے نجیب الدولہ سے استمداد کی۔ آپس کے صلاح و مشورہ کے بعد یہ تدبیر قرار پائی کہ احمد شاہ سے مدد کی درخواست کی جائے۔

نجیب الدولہ نے اپنے بھائی سلطان خاں کو شاہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ لشکر جرار لے کر ہندوستان آجائے۔ خط میں مذکور تھا کہ میں نے پچیس ہزار پٹھانوں کی فوج فراہم کر لی ہے۔ دریائے گنگا کے پار دوسرے علاقوں سے چالیس ہزار افغانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ آپ بغیر کسی توقف اور ڈر کے تشریف لا سکتے ہیں۔ عمادالملک (غازی الدین) کے پاس اتنی فوج نہیں کہ آپ کا مقابلہ کر سکے۔ میں بھی اس کا بڑا حامی تھا اور اب آپ کا مطیع ہو گیا ہوں۔ پھر اس کی مدد کون کرے گا؟

پشاور سے شاہ نے ہراول دستے جہاں خاں کی ماتحتی میں روانہ کئے۔ شہزادہ تیمور کمانڈر انچیف تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آدینہ بیگ خاں اور اس کے ساتھیوں کو بھگا دیا جائے۔ دریائے سندھ پار کر کے شہزادہ تیمور حسن ابدال کے پاس خیمہ زن ہو گیا۔ اور رسد اکٹھا کرنے کے لئے اپنے آدمی گجرات بھیجے۔ حسن ابدال سے شاہ نے ایمن آباد کے شہر کی طرف کوچ کیا۔ فوجدار کو باہر نکال کر شہر کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد بٹالہ کا رخ کیا اور شہر پر قبضہ کر کے چند دستے آدینہ نگر بھیجے۔(۳)

شاہ لاہور میں

پشاور چند دن کے قیام کے بعد شاہ نے ۱۵ نومبر کو کوچ کیا۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر شاہ کو خان خاناں انتظام الدولہ " مغلانی بیگم' عبدالاحد خاں اور شاہ فنا فقیر کے مراسلات ملے۔ موخرالذکر دہلی میں شاہ کا جاسوس تھا۔ آدینہ بیگ کا صدر مقام جلال آباد میں تھا۔ یہ قصبہ دریائے بیاس کے کنارے امرتسر کے جنوب مشرق میں ۲۲ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور دیرو دال کے گھاٹ سے تین میل دور ہے۔ بٹالہ اور آدینہ نگر کو آدینہ بیگ اور جمیل الدین کے آدمیوں سے خالی کرا کے شاہ نے جلال آباد کا رخ کیا۔ بھلا آدینہ بیگ میں تاب مقاومت کہاں تھی۔ وہ چپکے سے بیاس عبور کر کے نور محل چلا آیا۔ چونکہ یہ جگہ سرہند کو جاتے ہوئے راستہ

میں پڑتی تھی اس لئے آدینہ بیگ ہانسی اور حصار کی طرف جا نکلا۔(۴)

لاہور میں شاہ سے گزارش کی گئی کہ جموں کے راجہ رنجیت دیو نے افغانوں سے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اور لاہور سے اس وقت واپس پھرا تھا جب اس نے سید جمیل الدین سے لڑنے کی ہمت نہ پائی تھی۔ شاہ نے حکم دیا کہ دس ہزار سپاہ رنجیت دیو کی سرکوبی کے لئے بھیجی جائے۔ رنجیت دیو نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

اس اثنا میں جہان خاں نے جالندھر کے دو آب پر قبضہ کرکے نور محل لوٹ لیا تھا۔ اور باشندوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

شاہ نے لاہور کی حکومت خواجہ مرزا جان' جالندھر دو آب کی خواجہ عبیداللہ اور ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ کانگڑہ کے راجہ گھمنڈ چاند کو مرحمت کیا۔(۵)

شاہ کا دہلی کی طرف کوچ

دسمبر ۱۷۵۶ء کے اواخر میں سردار حسن خاں کو شاہ نے سرہند کی طرف بھیجا اور جہان خاں کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے جاکر بہ وقت ضرورت اس کی مدد کرے۔ ستلج عبور کرکے حسن خاں نے سیدھا سرہند کا رخ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس سے پہلے باشندے شہر کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد جہان خاں نے کرنال اور پانی پت ہو کر دہلی کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ خود شاہ نے اوائل جنوری میں لاہور سے نکل کر ستلج کو پار کیا اور دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

دہلی میں حالات کی رفتار

اکتوبر ۱۷۵۶ء میں دہلی میں احمد شاہ درانی کی ہندوستان پر چڑھائی کی خبر پہنچی تو شہر میں ہل چل مچ گئی۔ اس کے بعد افغان قاصد قلندر خاں بھی دہلی آپہنچا۔ وزیر غازی الدین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دہشت سے کانپنے لگا۔ اس کے پاس فوجوں کی کمی واقع ہو گئی تھی۔ صرف چند سو آدمی بہادر خاں بلوچ کے ساتھ تھے۔ انتظام الدولہ سے اسے کسی مدد کے ملنے کی توقع نہ تھی۔ صفدر جنگ کا لڑکا شجاع الدولہ وزیر کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ نجیب الدولہ خفیہ طور پر احمد شاہ سے ملا ہوا تھا اور فوج کو تین ماہ کی ادائیگی کے لئے اصرار کر رہا تھا۔ دونوں میں تو تو میں میں کی نوبت ۳ نومبر ۱۷۵۶ء کو آئی۔ ۱۲ صفر مطابق ۸ نومبر نجیب الدولہ فوج لے کر وزیر کے پاس گیا اور واپسی پر وزیر کے کیمپ سے ملحقہ پانچ چھ دکانیں لوٹ لیں اور کسی نے مزاحمت تک نہ کی۔

سورج مل جاٹ کی تجویز

وزیر نے تنگ آکر بھرت پور کے جاٹ سورج مل کی طرف توجہ کی۔ سورج مل کی تجویز تھی کہ سب سے پہلے مرہٹوں کو نربدا کے پار بھگا دینا چاہئے اور بعد ازاں جاٹوں' راجپوتوں' روہیلوں کو لے کر پنجاب جاکر افغانوں کو نکال باہر کرنا چاہئے۔ وزیر کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ مرہٹے تو اس کے دوست تھے۔ اس وقت جب احمد شاہ درانی شہر کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا مرہٹوں سے ناطہ توڑ لینا دانش مندی سے بعید تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ فوجوں کا خرچ بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ لہٰذا حملہ آور کے خلاف کسی جگہ سے بھی اس کو مدد نہ مل سکی۔

غازی الدین کی بات چیت

جب کوئی فوج فراہم نہ ہو سکی تو بے بس غازی الدین نے صلح کے لئے بات چیت شروع کی۔ بتاریخ [illegible] ربیع الاول آغا رضا خاں کو دو لاکھ کے تحائف دے کر شاہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ شاہ کو دہلی کے قصد سے روکے۔

اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ افغانوں نے پنجاب پر قبضہ کر کے آدینہ بیگ اور اس کے ساتھیوں کو مار بھگایا ہے اور جہان خاں دہلی کی طرف پیش قدمی کرتا چلا آرہا ہے۔ اس سے لوگوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے پہاڑوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ سورج مل کی عملداری میں متھرا کا شہر ہندوؤں کی پناہ گاہ تھی۔

[illegible] ربیع الثانی بتاریخ ۲۵ دسمبر وزیر نے خان خاناں انتظام الدولہ' ضیاء الدولہ خاں سمان جلال الدولہ' بابو پنڈت متھرا اور دیگر امراء کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ درانی سے لڑنے کے لئے شاہ کو لے کر نکلنا چاہئے۔ جلال الدین کو شاہ کے پاس پیش خیمہ کے انتظام کے لئے بھیجا گیا۔ ۲۶ دسمبر یک شنبہ کی رات کو گیارہ ہاتھی اور گیارہ اونٹ سامان خیمہ سے بار کر کے شہر سے تین کوس دور کٹڑہ محل خاں کی طرف روانہ کئے گئے۔ ۲۵ دسمبر کی شام کو غازی الدین بہ نفس نفیس نجیب الدولہ کے ڈیرے پر گیا۔ مدد کے لئے درخواست کی اور سہارن پور کی طرف بڑھنے سے روکا۔ لیکن فوج اور توپ خانہ کی فراہمی کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ دریں حالات شاہ کا مقابلہ کیسے ہو سکتا تھا؟ بتاریخ ۶ ربیع الثانی مطابق ۲۹ دسمبر غازی الدین نے درانی وزیر شاہ ولی خاں کے بھتیجے یعقوب علی خاں کو شاہ عالمگیر ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہ نے اسے چھ ہزاری منصب سے سرفراز کیا اور اسے احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ وہ مغل دارالخلافہ دہلی پر حملہ کا خیال ترک کر دے اور اخراجات کے لئے کچھ رقم لے لے۔ اگر وہ واپسی پر آمادہ نہ ہو تو محمد شاہ مغل شہنشاہ کی لڑکی اس کے لڑکے کو عقد میں دینے کی

پیش کش کی جائے۔

اسی دن خبر ملی کہ افغانی فوج نے حسن خاں کی سرکردگی میں سرہند پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے دہلی میں صورت حال اور نازک ہو گئی۔ ضیاء الدولہ جیسے سرکردہ سرداروں نے اپنے اہل و عیال کو باہر بھیجنے کی کوشش کی۔ وزیر نے ایک مرہٹہ افسر انتاجی مانکی کشور کو دہشت زدہ لوگوں کو بھگدڑ اور دہلی کے جنوب میں ان کا راستہ روکنے کے لئے مقرر کیا جس سے بد قسمت بھگوڑوں کی مصیبت میں اضافہ ہوا اور ان کے مال و متاع کو مرہٹہ سپاہیوں نے لوٹ لیا۔ علاوہ ازیں بندرپور سے متھرا تک جاٹوں نے چوکیاں محصول کے لئے بنا رکھی تھیں۔ یہاں پناہ گزینوں سے بھاری محصول لیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے متھرا میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ مکان کا ملنا ناممکنات سے تھا۔ لٹیروں کی بن آئی تھی۔

مغلانی بیگم بطور سفیر

۹ جنوری ۱۷۵۷ء (۱۷ ربیع الثانی) تک غازی الدین کو امید تھی کہ اس کا ایلچی یعقوب علی خاں احمد شاہ کو دہلی آنے سے روک سکے گا۔ لیکن جب اس نے لاہور سے شاہ کی روانگی، دریائے بیاس کے عبور کرنے اور ستلج کے نزدیک آمد اور سردار جہاں کی ماتحتی میں مقدمتہ الجیش کے سرہند میں ورود کا حال سنا تو ڈر گیا اور اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہوا۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ مغلانی بیگم کو شاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے شاید وہ خالی خولی وعدوں سے خوش ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دہلی پر حملہ سے باز رکھ سکے کیونکہ یہ ہنگامہ مغلانی بیگم کو لاہور کی صوبیداری سے علیحدہ کرنے کی بنا پر ہوا ہے۔

غازی الدین کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ بیگم کو وہ نفرت سے دیکھتا تھا اور اس کی لڑکی عمدہ بیگم کو کسمپرسی کے عالم میں رکھا ہوا تھا۔ ہر طرف سے ناچار ہو کر اس نے بیگم کی منت خوشامد کی کہ وہ حملہ آور کے کیمپ میں جاکر حملہ نہ کرنے کی ترغیب دے۔ ۱۹ ربیع الثانی بتاریخ ۱۱ جنوری معلوم ہوا کہ وہ شرائط صلح طے کرنے پنجاب گئی ہے۔ بیگم اسی دن رات کو سونی پت پہنچ گئی اور دوسرے دن اپنے دونوں قاصد "طہماس خاں (مصنف طہماس نامہ) اور غلام شاہ کو خطوط دے کر شاہ' اس کے وزیر شاہ ولی خاں اور سردار جہاں خاں کی خدمت میں روانہ کئے۔ بیگم قاصدوں سے پہلے پانی پت پہنچ گئی۔ جہاں خاں کی طرف سے خط وصول ہوا کہ وہ کرنال پہنچ چکا ہے۔ اس نے دونوں قاصد جہاں خاں کے ہرکارہ کے ہمراہ کر دیے اور وہ سورج غروب ہونے سے پہلے کرنال پہنچ گئے۔

جہاں خاں نے چار سرداروں کو چار سو سوار دے کر بیگم کی پیشوائی کے لئے بھیجا جو دس

بجے صبح کیمپ میں پہنچ گئی۔ یہ واقعہ ۱۲ جنوری ۱۷۵۷ء کا ہے۔

مغلانی بیگم کی جہان خان سے مختصر ملاقات ہوئی اور وہ کرنال میں شاہ کے ڈیرہ کے انتظار کے لئے چند آدمی چھوڑ کر پانی پت کی طرف بڑھ گیا۔ شاہ بعد دوپہر آن پہنچا۔ بیگم نے اپنا ڈیرہ شاہ ولی خاں کے خیمہ کے نزدیک لگایا اور اپنے آنے کا مقصد بتلایا۔ احمد شاہ نے اسے دوسرے دن پانی پت میں شرف باریابی بخشا۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد شاہ نے کہا تمہیں چاہئے تھا کہ لاہور آکر یہ سب کچھ کہتیں جہاں سے میں واپس چلا جاتا۔ اب میں شاہجہاں آباد سے چالیس کوس تک پہنچ گیا ہوں۔ شہر دہلی دیکھے اور مغل شہنشاہ سے ملے بغیر میرا واپس جانا ناممکن ہے۔ اس نے چند تسکین آمیز خطوط بھی لکھے جن میں ایک وزیر کے نام تھا جس میں وزیر کو ملنے کی دعوت دی گئی تھی۔(۴)

یہ خطوط دہلی پہنچنے کے لئے بیگم کے سپرد کیے گئے۔ اس نے یہ خطوط عماد الملک کو دیدیے۔ بیگم نے اپنی طرف سے ایک خفیہ خط نواب عماد الملک وزیر کے نام بھجوایا اور کہا کہ اگر تم میں لڑنے کی طاقت نہیں ہے تو دہلی چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چھپ جاؤ ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

شاہ کے شرائط

شاہ نے سرہند سے مغل سفیر آغا رضا خان کو مندرجہ ذیل شرائط صلح دے کر روانہ کر دیا

۔

۱۔ دو کروڑ نقد روپیہ [illegible]

۲۔ شہنشاہ دہلی کی لڑکی [illegible]

۳۔ سرہند سے شمال مغرب کی طرف کے تمام علاقے (پنجاب، کشمیر اور ملتان) احمد شاہ درانی کے حوالہ کئے جائیں۔

۲۲ ربیع الثانی مطابق ۱۴ جنوری کو آغا رضا یہ شرائط لے کر دہلی پہنچا۔ اس وقت شاہ عالمگیر ثانی اور اس کے وزیر غازی الدین کی حالت قابل رحم تھی۔ ان کے لئے لڑنا اور شرائط کا قبول کرنا مشکل تھا۔ تاوان کی رقم اتنی زیادہ تھی کہ اکٹھی کرنی مشکل تھی۔ سفیر شاہ کی خدمت میں واپس بھیجا گیا اور درخواست کی گئی کہ وہ دہلی پر چڑھائی کا ارادہ ترک کر دے۔

جہان خاں کی دہلی پر چڑھائی

اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ جہان خاں پانی پت سے ۱۲ جنوری کو روانہ ہوا۔ عقب میں اس کی امداد کو شاہ ولی خاں تھا۔ جہان خاں نے پانی پت کے قریب دریائے جمنا پار کیا اور دو

آب میں داخل ہو گیا۔ اس کو وہاں مرہٹہ فوج کی موجودگی کی خبر مل چکی تھی۔ اب اس کے لئے دریا کے مشرقی کنارے پر قبضہ کرنا ضروری ہو گیا تھا تاکہ مرہٹے عقب میں آکر شاہ کو تنگ نہ کر سکیں۔

۱۵ جنوری کے قریب جب رضا خاں کو دوبارہ بھیجا گیا تھا' شاہ نے کیرانہ' جنجھانہ' شاملی اور کاندھلہ پر فوجی چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ ان قصبات سے مرہٹوں کو باہر نکال کر شاملی کے گورنر کو جس نے مزاحمت کی تھی قتل کر دیا تھا۔

۱۵ جنوری کو جہاں خاں بمقام لونی پہنچا تو شاہ ولی خاں سرائے مہرپور کے پاس پہنچ چکا تھا۔

مرہٹوں سے جھڑپیں

۲۴ ربیع الثانی بتاریخ ۱۶ جنوری جہاں خاں کی فوج لونی سے چلی اور بعد دوپہر دریا کے دوسرے کنارے دارالخلافہ کے بالمقابل ظاہر ہوئی۔

بادشاہ نے اپنے محل سے اور لوگوں نے قلعہ میں دیوان خاص سے فوج کو دیکھا۔ بیشتر فوج شاہ اور شاہ ولی خاں کے زیر کمان تھی جس نے بیلہ پہنچ کر اپنا ڈیرہ ڈال دیا۔ یہاں مرہٹہ افسر منکیشور سے شاہ ولی خاں کی جھڑپ ہوئی جس میں مرہٹوں کے سو سوار کام آئے اور وہ پیچھے دھکیل دیئے گئے۔

نجیب الدولہ کا افغانوں سے مل جانا

[illegible] جنوری کو پہلی دفعہ غازی الدین نے شہر کے گرد پشتہ لگانے کا خیال کیا۔ نجیب الدولہ سے درخواست کی کہ وہ شاہ کی پیش قدمی روک کر اس سے لڑے۔ نجیب الدولہ نے دو کروڑ روپوں کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی جہاں خاں سے ساز باز کرنے لگا۔

جہاں خاں کی گزر گاہ کو روکنے کے لئے وزیر نے راج گھاٹ کے کنارے چند توپیں نصب کروا دیں۔ لیکن توپچی کوئی نہ تھا۔

اسی جگہ دیوان لکھپت رائے لاہوری کے بھتیجے بابو رام کھتری نے وزیر سے ملاقات کی اور شاہ کا پیغام پہنچایا جسے آغا رضا خاں بھی عرض خدمت کر چکا تھا۔

عباداللہ کشمیری کو چھوڑ کر اس کے تمام دوستوں اور رشتہ داروں نے اسے حوصلہ دے کر لڑنے کے لئے اکسایا تاکہ بزدلی کا واقع ان کے ماتھے سے مٹ جائے۔ لیکن یہ بزدل ٹس سے مس نہ ہوا اور چپکے سے باغ سہ ہزاری چلا گیا اور نجیب الدولہ کی غداری پر غور کرنے کے لئے علی الاعلان جہاں خاں کے پاس صلاح و مشورہ کے لئے اسی شام پہنچا تاکہ وطن کے خلاف اپنے عزائم کو پورا کر سکے۔

غازی الدین کی اطاعت

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ ۱۵ جنوری کے قریب شاہ ولی خاں کی ماتحتی میں فوج کو سرائے مہرپرور کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ احمد شاہ کا خیمہ اس کے پیچھے تھا۔ ۲۶ ربیع الثانی کی صبح کو (۱۸ جنوری کو شاہ نے آغا رضا خاں اور یعقوب خاں کو پیغام دے کر بھیجا کہ شاہ عالمگیر ثانی اور وزیر غازی الدین خود آکر صلح کے شرائط طے کریں۔ ۲۷ ربیع الثانی مطابق ۱۹ جنوری کی صبح وزیر عمادالملک غازی الدین آصف۔ جان خان خاناں ' بہادر خاں بلوچ اور عباداللہ کشمیری کو ہمراہ لے کر شاہ سے ملنے گیا۔ شاہ ولی خاں نے سرائے مہرپرور کے نزدیک ان کا استقبال کیا اور دونوں وزیروں کے مابین دوستانہ گفتگو ہوئی۔ دونوں شاہ کے کیمپ بمقام سونی پت روانہ ہوئے جہاں انہوں نے رات بسر کی۔ دوسری صبح بتاریخ ۲۰ جنوری شاہ نریلہ چلا آیا اور دہلی کے رخ پر کیمپ لگایا۔ یہاں شاہ نے غازی الدین سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تم نے وزیراعظم ہوتے ہوئے جنگ کیوں نہ کی؟ جواب ملا کہ نجیب خاں کمانڈر انچیف تھا اور وہ آپ سے مل چکا ہے۔ میں نے تو اس سے صرف ایک بار ہی لڑنے کو کہا تھا لیکن وہ نہ مانا۔ میرے علم کے بغیر وہ آپ کے کیمپ میں چلا آیا ہے۔ میں کہاں سے فوج لڑنے کے لئے لاتا؟ بات چیت کا رخ غازی الدین کی عمدہ بیگم سے بے رخی اور علی قلی خاں کی صاحبزادی گنا بیگم سے شادی وغیرہ وغیرہ امور کی طرف ہو گیا۔ غازی الدین نے جواب دیا ' کہ بیگم نے قرآن پاک کی جلد پر لکھ کر مجھ سے قسم لی تھی کہ میں اس کی لڑکی کے ہوتے دوسری شادی نہ کروں گا۔ علی قلی خاں کی لڑکی کی بھی مجھ سے منگنی ہو چکی تھی۔ لیکن علی قلی خاں کے رشتہ داروں نے اس کی منگنی شجاع الدولہ سے کر دی۔ لہٰذا حلف شکنی کا خیال کرتے ہوئے میں نے پہلے اس سے بیاہ رچا لیا۔

انتظام سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے شاہ نے فرمایا کہ خاں خاناں انتظام الدولہ نے اسے بیس دنوں میں دو کروڑ روپوں کی ادائیگی کا وعدہ کیا ہے بشرطیکہ وزارت اس کو دے دی جائے۔ اس غرض کے لئے شاہی پروانہ تیار ہے۔ لیکن اگر غازی الدین اس سے آدھی رقم دے دے تو اس کو منصب پر برقرار رکھا جائے گا۔ غازی الدین نے اتنی رقم کی فراہمی سے معذوری کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اتنے خزف ریزے بھی جمع نہیں کر سکتا۔ شاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے گھر میں کتنی رقم جمع ہو گی؟ وزیر نے جواب دیا کہ چودہ لاکھ روپے نقد اور چار لاکھ کے زرو جواہر اور اسباب خانہ داری ہوں گے۔ شاہ نے اس کو شاہ ولی خاں کے ہمراہ بھیج کر یہ سارا مال و متاع افغان فوج کے پاس جمع کرانے کا حکم دیا۔ موخرالذکر نے بہتیرا چاہا کہ وزارت پر فائز رہنے کے

لئے شاہ کا مطالبہ مان جائے لیکن غازی اپنی ضد پر قائم رہا۔ آخر شاہ نے وزارت کی سند انتظام الدولہ کو بھجوا دی۔ شاہ نے یہ فرمان بھی صادر کیا کہ علی قلی خاں کی صاحبزادی گنا بیگم کو بلخ بھیج دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس کو بادلی کے کیمپ میں لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد نجیب الدولہ بھی اپنے کیمپ وزیر آباد سے اظہار اطاعت کے لئے چلا آیا۔ شاہ اس سے مل کر بہت خوش ہوا۔ ایک بیش قیمت خلعت عطا کیا اور اپنی طرف سے دارالخلافہ کا انتظام و انصرام اس کے سپرد کیا۔

وزیر نے اطاعت قبول کر لی تھی۔ دارالخلافہ میں کسی مزاحمت کا اندیشہ نہ رہا۔ قلعہ میں برائے نام بادشاہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ساری مغل سلطنت احمد شاہ درانی کے قدموں تلے آ گئی ہے۔

ہراساں شہری حفاظت کی تلاش میں شہر سے بھاگ رہے تھے اور طالع آزما لوٹ مار کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ شاہ نے ۲۰ جنوری کو اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر چلے جائیں۔ فولاد خاں نے ان کو کوتوالی پر بٹھا دیا تاکہ کوئی کسی غریب کو گزند نہ پہنچا سکے۔ اس سے بہت اچھا اثر پڑا اور لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے آئے۔

جہان خاں نے خضر آباد گھاٹ پر دریائے جمنا کو دہلی کی جانب سے عبور کیا۔ یہ ۲۹ ربیع الثانی (۲۱ جنوری) کا واقعہ ہے۔ اس نے فرید آباد کے راستہ کی ناکہ بندی کرنی چاہی لیکن سورج مل کے جاٹوں اور منکیشور کے مرہٹوں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

دہلی کے گردونواح میں شاہ کی آمد کا پہلا جمعہ تھا۔ جمعہ کی نماز کے وقت بعض خوشامدی از قسم عبدالاحد خاں اور سیف الدین محمد خاں کشمیری روشن الدولہ کی مسجد میں گئے اور صدر الصدور قاضی اور مفتی کو بلا کر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ یہی چیز جامع مسجد میں دہرائی گئی۔ تاریخ عالمگیر ثانی کا مورخ لکھتا ہے کہ کسی عالم نے بھی شاہ کے نام کا خطبہ پڑھنے سے انکار نہیں کیا۔ حالانکہ بادشاہ وقت زندہ تھا اور نہ کسی نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ نہ مارا تھا اور نہ شہر سے نکالا تھا۔ عالمگیر نے تسبیح خانہ میں یہ خبر سنی تو اس سے اپنے زوال کا بدشگون لیا۔ عبدالاحد خاں سے خبر سن کر شاہ نے حرم سرا خالی کر دی اور بال بچوں کو لے کر اندرون خانہ چلا گیا۔

احمد شاہ کا عالمگیر ثانی کو دہلی کے تخت پر برقرار رکھنا

قلعہ میں شاہ کے اتارنے کی تیاریاں یکم جمادی الاول ۱۱۷۵ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۷۵۷ء کو زور شور سے شروع ہوئیں۔ شاہ ۲۳ جنوری کو وزیر آباد آ پہنچا۔ اور دوسرے دن جہان خاں تیاریوں کی نگرانی کرنے کے لئے خود قلعہ میں آیا۔ ۲۳ سے ۲۵ جنوری تک اعیان سلطنت

افغان بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو کر اظہار اطاعت کرتے رہے۔ احمد شاہ کو دہلی کے تخت پر بیٹھنے کی آرزو نہ تھی لہٰذا آئندہ کے لئے بادشاہ نامزد کرنے کے لئے بہت سے نام تجویز کئے گئے۔ خان خاناں اور عبدالاحد جیسے امراء مرحوم احمد شاہ کے لڑکے کو تخت پر بٹھلانا چاہتے تھے لیکن اس کی کم عمری کی وجہ سے دوسرے وزراء محمد شاہ کے لڑکے اچھے صاحب کو پسند کرتے تھے۔ لیکن شاہ بے قصور عالمگیر ثانی کو تخت سے علیحدہ نہ کرنا چاہتا تھا۔

جتنی تجویزیں پیش کی گئیں شاہ نے سب ناپسند فرمائیں اور کہا کہ عالمگیر ابھی تک دہلی کے تخت پر متمکن ہے۔ وہ کسی الزام میں بھی تخت سے اتارا نہیں جا سکتا۔ حکومت کے کاروبار کا مالک تو وزیر تھا۔ جس نے شاہ کا نام لے کر ہم سے صلح کی تھی۔ لہٰذا بادشاہ پر بد عہدی کا الزام دھرا نہیں جا سکتا۔ میں ہندوستان کی سلطنت پر اسی کو بحال رکھوں گا۔

یہ امر طے ہو چکا تو شاہ نے ۲۵، ۲۶ جنوری کی درمیانی شب کو سردار جہان خاں اور میر یحییٰ خاں درویش (پسر نواب زکریا خاں لاہوری) کے ہاتھ شاہ عالمگیر کو پیغام بھیجا "میں ہندوستان کی سلطنت آپ کو عطا کرتا ہوں شاہانہ شان و شوکت سے ملاقات کے لئے تشریف لائیے"۔ جہان خاں نے رات روز افزوں خاں کے ساتھ بسر کی اور یحییٰ خاں اپنے گھر واپس چلا آیا۔

دوسرے دن علی الصبح سردار جہان کے پہرے میں شاہ عالمگیر، یحییٰ خاں، صمصام الدولہ میر بخشی اور سید نیاز خاں کو ساتھ لے کر وزیر آباد شاہ کے کیمپ کی طرف روانہ ہوا۔ شاہ ولی خاں، آصف جاہ انتظام الملک اور خان خاناں نے کیمپ سے کچھ دور شہنشاہ کا استقبال کیا۔ احمد شاہ درانی نے شہنشاہ کو خوش آمدید کہا۔ اپنی مسند پر برابر جگہ دی اور رسمی مزاج پرسی کے بعد مبارک باد دی اور کہا "یہ لیجئے ہندوستان کا تاج و تخت آپ کو مبارک رہے۔ میں تو چند دنوں کے لئے آپ کا مہمان ہوں۔"

دونوں نے دوستانہ گفتگو کے بعد کھانا تناول کیا۔ دوران گفتگو میں عالمگیر نے عماد الملک غازی الدین کے ناشائستہ اطوار کی شکایت کی اور کہا کہ اس کو مار ڈالا جائے یا قید میں ڈالا جائے یا افغانستان ساتھ لے جایا جائے۔ شاہ نے جواب دیا اسے معافی دے کر جان کی امان دی جا چکی ہے۔ وعدہ سے پھر جانا ایک بادشاہ کے لئے سزاوار نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گا۔ بد قسمتی سے اگر وہ نافرمانی کرے گا تو اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

پائیدار دوستی کے نشان کے طور پر دونوں بادشاہوں نے پگڑیاں بدل لیں۔ شاہ نے عالمگیر کو بیش قیمت خلعت، سنہری ٹوپی، عقاب کے پروں کی کلغی، منقش جغہ اور سونے سے بھرا ہوا تھال دیا۔ نئے وزیر انتظام الدولہ کو بھی خلعت دیا گیا۔ اس کے بعد عالمگیر اور اس کے درباری اسی

شام واپس آگئے۔

شاہ کا لال قلعہ میں داخلہ

جہاں خاں شہنشاہ کے پاس ۲۷ جنوری کو گیا اور فولاد خاں کو توال کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ شاہ کل کو قلعہ میں داخل ہوں گے۔ ایسا انتظام کیا جائے کہ راستہ میں کوئی بھی کھڑا نہ ہو سکے اور نہ مکان کی سیڑھیوں پر چڑھے۔

کوتوال نے شہر میں منادی کرا دی۔ بروز جمعہ ۷ جمادی الاول (۲۸ جنوری) احمد شاہ اپنے کیمپ سے نکل کر شاہی قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ عالمگیر نے مسجد فتح پوری کے پاس شاہ کا استقبال کیا اور توپوں کی سلامی سے شاہ کی آمد کا اعلان ہوا۔ لوگوں نے دوڑ کر اپنے مکانات میں پناہ لی۔ کسی شخص نے بھی باہر آنے کی جرات نہ کی۔ نہ کسی مکان سے کوئی آواز سنائی دیتی تھی۔ ہندوستان کا مصروف ترین شہر اجڑا اجڑا معلوم ہوتا تھا۔

دن گزر گیا تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ شاہ اور اس کے حرم شاہی حرم سرا میں داخل ہوئے تو فوج نے گھوڑوں سے اتر کر اپنا ڈیرہ قلعہ کی خندق کے پاس لگالیا۔ شاہی محافظ دستہ بازاروں اور گلیوں میں پھیل گیا۔ کئی جگہ لوٹ مار بھی ہوئی اور منڈی بدل پور میں آگ لگا دی گئی۔

دوسرے دن بتاریخ ۸ جمادی الاول (۲۹ فروری) شاہ نے شہر کی حفاظت کا فرمان جاری کیا۔ محافظ دستے کے سردار ظفر خاں کو اعلان کرنے کا حکم دیا "میں شہر کے باشندوں کو امن و حفاظت دیتا ہوں۔ فوج کسی کو بھی تنگ یا ہراساں نہ کرے گی۔ کسی مکان کو آگ نہ لگائی جائے گی اور نہ کسی کو قید کیا جائے گا۔ کسی لڑکی یا عورت سے اس کی مرضی کے بغیر شادی نہ کی جائے گی۔ جو بھی زیادتی کرتا ہوا پایا جائے گا سزا پائے گا۔"

ظفر خاں نے نساچی شہر کے دروازوں پر بٹھا دیے اور دارالخلافہ کی حفاظت کے لئے ضروری انتظامات کر دیے۔ سہمے ہوئے باشندے اپنے گھروں کو واپس آگئے اور سپاہیوں کی چاول، گھی اور دنبہ کے گوشت سے تواضع کرنے لگے۔ اس احتیاط کے باوجود شہر سے باہر اکا دکا لوٹ مار کے واقعات شاہ کے گوش گزار کئے گئے اور شاہ نے اپنے وعدہ کا پاس کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو سزائیں دیں۔ دہلی کرانیکل میں ہے کہ شاہ نے دو تین مغل سپاہیوں کے کان کاٹ دیے۔ پیٹ چاک کر دیے اور ان کے نتھنوں میں تیر ٹھونس دیے اور سارے شہر میں ان کی تشہیر کی۔ اس سے شہر میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔

اسی دن شاہ عالمگیر احمد شاہ سے ملنے دیوان عام گیا۔ وہاں دربار منعقد کیا گیا۔ عبدالاحد پسر

عبدالمجید خاں کو خالصہ کا دیوان مقرر کیا گیا۔ صرف خاص کی پیش کاری بابو جعفر خاں کے سپرد کی گئی۔ آمدورفت کے لئے جمنا پر پل ڈال دیا گیا۔ ہندوؤں کو حکم ہوا کہ وہ ماتھوں پر نشانات لگائیں تاکہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز رہے۔ غفلت شعاروں کو بھاری جرمانے کئے گئے۔(۷)

دہلی کی لوٹ

اب شاہ کو تاوان جمع کرنے کی سوجھی۔ سابق وزیر غازی الدین عمادالملک کو حکم ہوا کہ اس نے جتنے جواہرات شاہی جواہر خانہ سے لے جاکر اپنی حویلی میں رکھے ہیں درانی خزانہ میں داخل کرے۔ اس نے شاہ ولی خاں کو ہموار کر لیا تھا۔ لیکن وہ مطلوبہ رقم ادا کرنے سے قاصر تھا۔ اس پر اس کی سخت توہین و تذلیل کی گئی۔ اس کے ساتھیوں کو مارا گیا جس پر ایک کروڑ روپے کے جواہرات اور تین لاکھ اشرفیاں (ایک اشرفی کی قیمت ۱۶ روپیہ تھی) اس کی حویلی سے برآمد ہوئیں۔ اس کے بعد خانخاناں انتظام الدولہ کی باری تھی جس نے وزارت حاصل کرنے کے لئے دو کروڑ کی رقم کی پیش کش کی تھی۔ جہاں خاں کو موعودہ رقم وصول کرنے کو بھیجا گیا۔ لیکن خاں خاناں پہلی قسط (ایک کروڑ روپیہ) کی ادائیگی سے پہلو تہی کر کے مختلف حیلے بہانے تراش رہا تھا۔ وہ انکاری تھا کہ اس کے پاس اس کے آباؤاجداد کا کوئی خفیہ دفینہ موجود ہے جس کی خبر مغلانی بیگم نے شاہ کو دی تھی ۔ جہاں خاں نے سنگی بیگ خاں' عبدالرحمان خاں اور شاہی حرم کے بسنت خاں کے متعلق حکم دیا کہ ان کو لاٹھیوں سے مارا جائے۔ لیکن اس سے کچھ بھی برآمد نہ ہو سکا۔ خان خاناں کو اٹھا کر شاہ کے حضور میں لے گئے اور اسے کہا گیا کہ اگر وہ ایک کروڑ روپے کا بندوبست نہ کرے گا تو لکڑی کے سہ شاخہ سے باندھ کر ڈنڈوں سے پیٹا جائے گا۔ مغلانی بیگم کو اپنے بھتیجے کی حالت زار دیکھ کر رحم آیا اور اس نے مدد کے لئے غازی الدین کو پیغام بھیجا۔ غازی الدین کو خیال آیا کہ ذاتی عناد کی وجہ سے یہ ساری رسوائی اس کے سر تھوپی جائے گی۔ وہ جلدی سے شاہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ خاں خاناں کو برسرعام کوڑے لگوانے کی سزا سے بچایا جائے اور اسے ذلیل نہ کیا جائے۔

شاہ نے جواب دیا کہ مجھے تو ابھی روپیہ چاہئے سختی سے ملے یا نرمی سے۔ مجھے تو پتہ چلا ہے کہ قمرالدین کے گھر بیس کروڑ روپیہ جمع ہے۔ اس خزانہ سے میں نے دو کروڑ کی پیش کش اس نوجوان کی منظور کر لی اور اس کو وزارت بخش دی۔ اب، اس کو روپیہ ادا کرنے میں کیوں تامل ہے؟ کوڑے کھانے کی سزا سے ڈرتے ہوئے خان خاناں نے کہا کہ اس خزانہ کا پتہ تو اس کی والدہ شولا پوری بیگم کو ہے۔ یہ بوڑھی عورت جو ایک وزیراعظم کی ساس' دوسرے کی بیوہ اور

تیسرے کی والدہ تھی شاہ کے روبرو لائی گئی۔

شاہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اگر تم دفینہ کا پتہ بتا دو تو ماں اور بہن جیسا سلوک تم سے ہو گا۔ ورنہ تمہاری انگلیوں کے ناخنوں پر میخیں گاڑ دی جائیں گی۔

بیگم نے جواب دیا مجھے اس کی جگہ معلوم نہیں لیکن وہ حویلی میں ہے۔ برخوردار خاں اور دوسرے سرنگ لگانے والوں کو حویلی کھودنے کے لئے بھیجا گیا۔ دوپہر کو انہوں نے سولہ لاکھ روپے برآمد کر لئے۔ تذکرہ عمادالملک میں ہے کہ تین روز تک فرشوں کی کھدائی اور چھتوں کی شکست ریخت ہوتی رہی۔ جس کے بعد انہوں نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں باہر نکالا۔ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ بعض آدمی جو کھدائی کے وقت موجود تھے بتاتے ہیں کہ ہیرے، موتی، جواہرات، قالینوں، سونے اور چاندی سے مرصع عصاؤں کے علاوہ قد آدم سونے کی دو سو موم بتیاں بھی برآمد ہوئی تھیں جنہیں شاہ نے لے لیا۔ سبحان اللہ محمد امین خاں اور قمرالدین خاں ۷۵ سال تک خلد مکانی اورنگ زیب کے عہد میں یہ مال و متاع جمع کرتے رہے جو ایک دن میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگ گیااور سوائے کف دست ملنے کے خان خاناں کے پاس کچھ نہ رہا۔ حویلی سے نکلتے ہوئے چند خوبصورت عورتیں بھی پٹھان ساتھ لے گئے۔(۸)

شاہ کی نقدی اور دولت کے لئے تلاش صرف یہیں تک محدود نہ رہی۔ جملہ امراء اور وزراء کے مکانات کی منظم تلاشی لی گئی۔ پوشیدہ دولت کی برآمدگی کے لئے صمصام الدولہ کی حویلی کھدوائی گئی۔ شہر کے کوتوال فولاد خاں کے گھر کو بھی لوٹ لیا گیا۔ جو لوگ شہر سے بھاگ گئے تھے مثل سعدالدین خاں ساماں، راجہ ناگر مل دیوان خالصہ، ہیرانند جوہری وغیرہ ان کے گھروں کا یہی حشر ہوا۔ افغان مکانات کھول کر جو چیز انہیں ملی اٹھا لے گئے۔(۹) ہر ایک گھر پر تاوان ڈالا گیا۔ جس پر یحییٰ خاں ولد ذکریا خاں لاہوری کو اس کی وصولی کا ناظم بنایا گیا۔ شہر کو وارڈوں میں تقسیم کر کے تاوان وصول کرنے کے لئے ہر ایک محلّہ میں دفاتر قائم کر دیے گئے۔

اب تاریخ عالمگیر ثانی کے مصنف کی زبانی شہر دہلی کی تباہی کا حال سنئے:

> "یحییٰ خاں نے ایک کلاہ پوش منشی کو ساتھ لے کر تاوان کی تحصیل کے لئے اپنا دفتر مدرسہ روشن الدولہ کے کٹڑہ میں کوتوالی کے پاس قائم کیا تھا۔ دولت مند لوگوں کو خطوط بھیجے جاتے تھے۔ ہر گلی میں کلاہ پوش سردار فوج لے کر بیٹھا ہوا تھا۔ خانہ شماری کے بعد ہر گھر والے سے اس کی استطاعت سے زیادہ کا مطالبہ کیا جاتا۔ مار پیٹ اور دست درازی کے واقعات روزانہ کا معمول تھے۔ سزا سے بچنے کے لئے لوگوں نے زیورات، برتن، کپڑے تک فروخت کر دیے لیکن کوئی بھی ان کو

خریدنے کا روادار نہ تھا۔ سونا فی تولہ ۸ سے دس روپے میں اور چاندی کا نرخ آٹھ آنے ہو گیا۔ برتن روپے کے تین سیر بکتے تھے۔ غریب لوگوں نے زہر کھا کر خود کشی کر لی۔ بہت سے لوگ سزا کے زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ جن لوگوں نے جرمانہ بھی ادا کر دیا تھا ان کے مکان جلا کر خاک سیاہ کر دیے گئے۔ اس دارو گیر سے کوئی نہ بچ سکا۔ مکانوں کی کھدائی جاری تھی۔ یہ ہنگامہ ۱۹ سے لے کر جمادی الثانی کے اواخر تک جاری رہا۔ جب احمد شاہ کی واپسی کی افواہ اڑنے لگی۔ اس کے بعد تحصیل کنندگان کو زر جرمانہ جمع کرانے کے لئے کہا گیا۔ انہوں نے لوگوں سے دوبارہ ادائیگی کے لئے اصرار کیا۔ اس پر مار پیٹ اور قتل و خونریزی کا ہنگامہ دوبارہ گرم ہو گیا۔ لوگوں سے دوہرا جرمانہ وصول کیا گیا اور سخت سزائیں دی گئیں۔ بہت سے مکانات جو پہلے لوٹ سے بچ گئے تھے اب لوٹ لئے گئے۔" (۱۰)

یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہو گا کہ اس ہنگامہ داروگیر میں مغلانی بیگم محفوظ رہی۔ اسے سلطان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور بعد میں دو آبہ بست جالندھر اور جموں و کشمیر کے صوبے جاگیر میں عنایت ہوئے۔

شاہ کے نام کا سکہ

۳۰ جنوری ۱۷۵۷ء (۹ جمادی الاول ۱۱۷۰ھ) کو افغان کیمپ میں شاہ کے نام کا سکہ ڈھالا گیا۔ یہ سکہ قندھار اور لاہور کے سکوں سے مشابہ تھا۔ علاوہ ازیں اس پر جلوس سلطنت کا گیارھواں سال اور سال ہجری ۱۱۷۰ کندہ تھا۔

شہزادہ تیمور کی شادی

شاہ نے شہزادہ تیمور کے لئے کسی شہزادی کا رشتہ چاہا تھا اور اس امر کا پیغام آغا رضا کی معرفت سرہند سے بھیجا جا چکا تھا۔ اب شاہ عالمگیر ثانی نے منظوری دے دی تو شاہ نے بیس ہزار روپیہ نقد۔ کپڑوں کے بیس تھال (Tray) مٹھائی کے بیس ٹوکرے ۲۳ جمادی الاول (۱۳ فروری) کو شاہی محل میں بھیج دیے۔ اور ۲۴ جمادی الاول کو شہزادہ کی شادی گوہر افروز بانو بیگم یا زہرا بیگم دختر عالم گیر ثانی سے ہو گئی۔ سرہند کا علاقہ جہیز میں شاہ کو عنایت ہوا۔

۱۸ فروری کو شاہ اور شہنشاہ عالمگیر کے مابین ایک عہد نامہ ہوا۔ اس کے بعد شاہ نے جاٹوں کے خلاف لڑائی شروع کر دی۔ اور بلب گڑھ کی طرف ایک توپ بھی روانہ کر دی۔

یکم جمادی الثانی (بتاریخ ۲۰-۲۱ فروری) مغلانی بیگم کی لڑکی عمدہ بیگم کی شادی شاہ کے روبرو عماد الملک غازی الدین سے ہوئی۔ غازی الدین کا بیان ہے کہ شاہ نے حنا بندی اور نکاح کی

رسوم خود ادا کیں۔ پانچ ہزار روپے اور اپنی شال عطا کی اور فرمایا آج سے میں تمہیں اپنا لڑکا سمجھتا ہوں۔ جاؤ خوش اور آباد رہو۔ شادی ہو چکی تو شاہ نے غازی الدین کو دو لاکھ روپے نقد' دو زنجیر ہاتھی' چار گھوڑے اور فرزند خاں کا خطاب عنایت فرمایا۔ غازی الدین نے اپنی پہلی بیویوں کو طلاق دے دی اور علی قلی خاں کی لڑکی گنا بیگم بطور کنیز مغلانی بیگم کو عطا ہوئی۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۸

تذکرہ عماد' ص ۱۵۶

۲۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۸۰ علاوہ ازیں

Sarkar .P. 82

۳۔ تذکرہ عالمگیر ثانی ص۔ ۸۴

تذکرہ عماد' ص ۱۷۲

Sarkar . p. 83

۴۔ خزانہ عامرہ' ص ۵۲' ۹۹

مآثر الامراء' ص ۸۵۲

تاریخ مظفری' ص ۵۴۱

۵۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۸۸

رپورٹ بندوبست جالندھر' ص ۲۹

۶۔ طہماس نامہ' ص ۶۴

۷۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۹۹' نیز Delhi Chronicle

۸۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۹۹' ۱۰۰

۹۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ص ۹۹' ۱۰۰

۱۰۔ تاریخ عالمگیر ثانی۔ ص ۱۰۱

سترہواں باب

احمد شاہ درانی کی جاٹوں کے خلاف مہم

دہلی میں تو شاہ کے خلاف کسی نے انگلی نہ اٹھائی اور نہ کسی کو اپنی عزت کی حفاظت کی خاطر لب کشائی کی جرات ہو سکی لیکن شاہ نے جاٹوں اور مرہٹوں میں بغاوت کی بو سونگھ لی کیونکہ اس کو انہی سے مزاحمت کا اندیشہ تھا۔

جب امیر الامراء نجیب الدولہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور عمادالملک غازی الدین نے سورج مل جاٹ کی طرف مدد کے لئے دیکھا۔ نومبر ۱۷۵۶ء میں احمد شاہ کے حملہ کی خبر گرم ہوئی تو غازی الدین کے معتمد علیہ عباداللہ کشمیری نے یہ دیکھ کر کہ نجیب الدولہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مرہٹوں سے استمداد کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن چونکہ مرہٹے دور تھے اور بھرت پور کا جاٹ رئیس قریب تھا۔ راجہ ناگرمل کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ سورج مل کو بھرت پور سے اور مانی کشور کو اٹاوہ سے بلا لیا جائے۔ شاہی فرمان اور وزیر کا دستخطی خط سورج مل کو بھیجے گئے۔ مانی کشور کو بلا لیا گیا۔ سورج مل بلاوا منظور کر کے تلپت چلا آیا جہاں ناگرمل نے اس سے گفت و شنید شروع کی۔ سورج مل کی تجویز تھی کہ پہلے جے پور اور جودھ پور کے راجپوت راجاؤں کی مدد سے مرہٹوں کو نربدا کے پار بھگا دیا جائے اور اس سے فراغت پا کر درانیوں سے نپٹ لیا جائے جیسا کہ قمرالدین کے عہد میں ہوا تھا۔ لیکن غازی الدین کو یہ تجویز منظور نہ تھی۔ اس طرح گفت و شنید کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور سورج مل شکستہ خاطر ہو کر نومبر ۱۷۵۶ء میں بھرت پور واپس چلا آیا۔

کہا جاتا ہے کہ نجیب الدولہ کی سورج مل جاٹ سے پرخاش تھی جس کے باعث وزیر اور

بھرت پور کے رئیس کی گفت و شنید ناکام رہ گئی۔ لیکن اس کے باوجود سورج مل نے اپنے لڑکے کو دہلی کی نواح میں روانہ کر دیا کہ وقت پڑنے پر مدد کے کام آئے۔

مرہٹوں کی شکست

انتاجی مانی کشور ۳۰ دسمبر ۱۷۵۷ء کو غازی کے زیر ہدایت دریائے جمنا کے مشرقی جانب شاہدرہ کے قریب پہنچ گیا اور ۱۶ جنوری کو شاہ ولی کی زیر کمان درانیوں کے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی جب کہ وہ مغل دارالخلافہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ لیکن کمک کے نہ ملنے کی وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ پیچھے ہٹتے وقت نجیب الدولہ نے جس کی ساز باز احمد شاہ سے ہو چکی تھی حملہ کر دیا۔ لیکن اس نے سرور خاں کو شکست دی جسے شاہ ولی خاں نے فرید آباد کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا تھا۔ سرور کے چار سو آدمی کھیت رہے اور اتنے ہی گھوڑے فاتح کے ہاتھ لگے۔ آخر کار سردار جہاں نے یکم فروری کو اسے شکست فاش دی۔ روہیلوں کی رہنمائی میں بیس ہزار درانی سپاہ نے مرہٹوں پر اچانک حملہ کر دیا جو بمشکل جان بچا کر سورج مل کی عملداری کی طرف بھاگ نکلے۔ فتح مند درانیوں نے فرید آباد کو آگ لگا دی۔ اپنے ساتھ سات سو بریدہ سر مرہٹوں اور جاٹوں کے لے گئے اور شاہ سے آٹھ روپے فی سر کے حساب سے انعام پایا۔

اس فیصلہ کن شکست سے مرہٹوں کو درانیوں سے مقابلہ کا حوصلہ نہ رہا۔

سورج مل جاٹ کا اطاعت سے انکار

لیکن مفرور جاٹ نے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا۔ "حالات احمد شاہ درانی" کے مصنف کی تصریح کے مطابق اس سے قبل سورج مل نے اطاعت کا خط شاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا اور غازی الدین کا طرف دار ہو کر شاہ سے لڑنے کے لئے انکار کر دیا تھا۔ اس کے دستخط اس عرضداشت پر ثبت تھے جو شاہ کی خدمت میں خان خاناں انتظام الدولہ اور ناگرمل کی طرف سے پیش ہوئی تھی۔ اور جس میں شاہ کو پچاس لاکھ روپے کی ادائیگی کی پیش کش کی گئی تھی اگر شاہ غازی الدین کو قیدی بنا کر دریائے سندھ سے پار لے جائے اور اس کو واپس نہ کرے تاکہ مرہٹے اس کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ شاہ نے اس کو خراج ادا کرنے اور اپنے ہمراہ جنگ کرنے کے لئے بلایا تھا۔ لیکن جاٹ نے آنے سے انکار کر دیا اور اپنے لڑکے جواہر سنگھ کو متھرا کی حفاظت پر مامور کر کے خود کمبیر کے قلعہ میں چلا گیا۔

اس کے علاوہ اس نے دہلی کے بہت سے سربر آوردہ لوگوں کو پناہ دی تھی اور ان کو شاہ کے کارندوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر اس نے چال بازی سے کام لے کر جواب دیا کہ جب دوسرے سردار شاہ کے حضور میں حاضر ہوں گے یہ خادم بھی قدم بوسی کے لئے

آ ئے گا۔ لیکن میں راجہ ناگرمل اور دوسرے لوگوں کو حوالہ نہیں کر سکتا جنہوں نے میری پناہ لی ہے۔

جواہر سنگھ سے جھڑپیں

مفرور جاٹ کے خلاف چڑھائی کرنے کے لئے شاہ نے کاہی یعنی ہراول دستے کو اناج اور چارہ کی فراہمی کے لئے فرید آباد بھیجا۔ اس وقت جواہر سنگھ بلب گڑھ کے نواح میں تھا۔ اس نے پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ شاہ کے ہراول دستے پر حملہ کر دیا۔ بہتوں کو قتل کیا اور ڈیڑھ سو کے قریب گھوڑے بطور غنیمت پکڑ لئے۔

شاہ کو یہ خبر ملی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ عبدالصمد خاں محمد زئی کو اسی رات جائے واردات پر پہنچنے کا حکم دیا۔ اسے ہدایت کی گئی کہ سو سواروں کو آگے بھیج کر کوس دو کوس کے فاصلہ پر گھات میں بیٹھا رہے اور پھر لڑتا ہوا پیچھے ہٹ آئے۔ اس طرح جواہر سنگھ جال میں پھنس گیا۔ اس کے بہت سے سپاہی کام آئے اور لوٹا ہوا مال واپس مل گیا۔ لیکن جاٹ شہزادہ ہوشیاری سے کام لیتا ہوا کمین گاہ سے بچ نکلا اور بلب گڑھ کی طرف بھاگ گیا۔ پٹھانوں نے کئی دیہات تباہ کر ڈالے بہت سے لوگوں کے سر قلم کر دیے اور پانچ سو بریدہ سر لے کر دہلی واپس چلے آئے۔(۱)

شاہ کا جاٹوں کے خلاف کوچ

خزانہ ' جواہرات اور دوسرے مال و متاع کو بار کرانے کے بعد شاہ نے جمادی الثانی کی دوسری تاریخ کو جاٹوں کے علاقہ کا قصد کیا۔ شاہ عالم گیر ثانی ' خان خاناں انتظام الدولہ ' نظام الملک میر یحییٰ خاں شاہ کو الوداع کرنے گئے۔ لیکن تکیہ سعادت درویش سے واپس کر دیے گئے۔

شاہ نے دو روز خضر آباد میں مقام کیا۔ جمادی الثانی کی تیسری تاریخ مطابق ۳ فروری شہنشاہ دوبارہ ملنے آیا اور ان پٹھانوں کی خود سری کی شکایت جو دہلی میں پیچھے رہ گئے تھے عالم گیر نے پیش خدمت ہو کر کی اور کہا کہ آپ تو یہاں آگئے ہیں لیکن آپ کے آدمی دہلی کے باشندوں کو قتل کر رہے ہیں۔ چنانچہ شاہ نے دو سو گھوڑ سوار شہنشاہ کے ہمراہ کر دیے کہ وہ کلاہ پوشوں(۲) کو جہاں کہیں شہر میں پائیں مار کر بھگا دیں۔ فولاد خاں کو توال کے لڑکے عتیق اللہ خاں اور بوستاں خاں نے اس کام میں مدد دی اور دہلی میں امن و امان قائم ہو گیا۔ دوسرے دن ۲۴ فروری کو غازی الدین درانی کیمپ میں چلا آیا کہ شاہ کے ہمراہ جاٹوں کی سرکوبی میں حصہ لے۔

شاہ خضر آباد سے ۲۵ فروری کو روانہ ہوا اور بدر پور میں فروکش ہوا۔ یہاں مغلانی بیگم بھی آکر شامل ہو گئی۔ دوسرے دن شاہ فرید آباد پہنچا۔ یہ جگہ بلب گڑھ سے چھ میل کے فاصلہ پر

ہے ۔ یہاں عبدالصمد خاں نے جو جاٹوں کے خلاف مہم سے واپس آیا تھا خبر دی کہ جواہر سنگھ جال سے نکل بھاگا ہے اور بلب گڑھ کے قلعہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سے شاہ کو اپنے پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑی اور اس نے قلعہ کو فوراً تسخیر کرنے کی ٹھانی۔ یہ جاٹوں کا کمزور ترین قلعہ تھا اور اس کا فتح ہونا آئندہ کامیابی کے لئے نیک شگون تھا۔

احمد خاں بنگش کی عرضداشت

شاہ فرید آباد میں فروکش تھا تو شیر انداز خاں عرف سید محمد صالح نے غلام حسین سیمیں کی ہمراہی میں فرخ آباد کے احمد خاں بنگش کی عرضی پیش کی۔ شاہ نے دہلی میں اس کو ملاقات کے لئے بلایا تھا پہلے تو احمد خاں بنگش ہچکچاتا تھا لیکن شاہ اور اس کے وزیر شاہ ولی خاں کے خطوط پہنچنے پر اس نے جرگہ بلایا اور معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ شیر انداز خاں کو سفیر بنا کر بھیجا جائے۔ اس تجویز پر شاہ کی خدمت میں شیرانداز بھیجا گیا۔ اتفاق سے فرید آباد میں اس کی ملاقات شاہ ولی خاں کے خیمہ میں ہوئی۔ اس کی نظر احمد خاں بنگش کی درخواست پر پڑی جو اس نے شاہ کو لکھی تھی۔ اس میں مذکور تھا کہ اگر ملک اودھ اس کو دے دیا جائے تو وہ دو کروڑ روپیہ شاہ کو بنگال کے چھ کروڑ روپوں کے علاوہ دینے کو تیار ہے۔ غازی نے صلاح دی کہ عرضی میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ اگر شاہ شجاع الدولہ اس کے ہاتھ پڑ جائے تو وہ دو کروڑ روپے ادا کر دے گا۔ لیکن اگر وہ مال و متاع لے کر کسی دوسری جگہ چلا جائے تو پھر ایک کروڑ حاضر ہے۔ رہا بنگال کا معاملہ تو اس کے لئے پانچ کروڑ روپے دو سال کے اندر ادا کر دوں گا۔

ترمیم شدہ عرضی دوسرے دن شاہ کی خدمت میں گزرانی گئی' تو شاہ نے خوش ہو کر حکم دیا "تم سید ہو خاطر جمع رکھو تمہاری آرزوؤں کو پورا کیا جائے گا۔" میں تو اس ملک میں اسلام کے استحکام اور مرہٹوں جیسے کافروں کے استیصال کے لئے آیا ہوں۔ میں نے جنگ باز خاں کو بلا بھیجا ہے چار دن کے بعد وہ تمہارے ہمراہ فرخ آباد جائے گا۔ احمد خاں کو لکھ بھیجو کہ وہ انتظامات کے لئے تیار رہے۔

جاٹوں کے علاقہ کی تباہی

شاہ تو بلب گڑھ کے محاصرے کی نگرانی کا خیال کر رہا تھا لیکن اس نے سردار جہاں خاں اور نجیب الدولہ کو بیس ہزار سپاہ دے کر حکم دیا "جاٹ کے علاقہ میں داخل ہو کر ہر قصبہ اور ہر شہر کو لوٹ کر تباہ کر دو۔ متھرا ہندوؤں کا متبرک شہر ہے اس کے باشندوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لو۔ اکبر آباد (آگرہ) تک کوئی کھڑی فصل نہ رہے۔ لوٹ سب کا حصہ ہو گی کافروں کے سروں کو وزیر اعظم کے دروازہ پر رکھ دیا جائے۔ مبلغ پانچ روپے ہر سر کے عوض شاہی خزانہ

سے ادا کئے جائیں گے"۔(۳)

بلب گڑھ پر قبضہ

شاہ نے بلب گڑھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو شہزادہ جواہر سنگھ متھرا سے دو مرہٹہ پناہ گزینوں انتاجی مانا کیشور اور شمشیر بہادر کو اپنے ساتھ لایا ہوا تھا۔ جاٹوں نے خوب ڈٹ کر قلعہ کا بچاؤ کیا۔ احمد شاہ بہ نفس نفیس محاصرہ کی کاروائیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کی گولہ باری نے بلب گڑھ پر قیامت ڈھا دی اور مقابلہ کا ٹوٹنا چند گھنٹوں کی بات تھی۔ تاب مقاومت نہ پاکر جاٹ شہزادے نے رات کو تاریکی کا فائدہ اٹھایا۔ قزلباشوں کا لباس پہن کر خندق اور افغان سپاہیوں کے بیچ میں سے گزرتا ہوا جمنا کی طرف بھاگ گیا۔ افغانوں نے حملہ کر کے قلعہ فتح کر لیا اور اندر رہنے والوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ بارہ ہزار نقد روپے' چاندی اور سونے کے برتن' چودہ گھوڑے' گیارہ اونٹ' پارچات اور غلہ کی بڑی مقدار ہاتھ آئی۔(۴)

متھرا کی تباہی

نجیب الدولہ نے جہاں خاں کی رہنمائی میں قتل و غارت کا بازار زور شور سے گرم کر رکھا تھا۔ اچانک وہ متھرا کی طرف بڑھا۔ شہزادہ جواہر سنگھ وہاں موجود تھا۔ جاٹوں نے عزم کر رکھا تھا کہ پٹھان ان کی لاشوں کو روند کر ہی اس متبرک شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جواہر سنگھ پانچ ہزار سپاہ لے کر متھرا کے شمال کی طرف موضع چوموہہ کے باہر حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لئے نکلا۔ بھلا افغانی فوج کا مقابلہ اس کے بس کی بات تھی۔ اس کے تین ہزار سپاہی کام آئے اور وہ ہٹا دیا گیا۔ جہاں سے وہ بلب گڑھ چلا آیا۔

درانیوں نے متھرا کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ یکم مارچ (۹ جمادی الثانی) کو جہاں خاں شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی کوئی فصیل یا خندق نہ تھی۔ یہ تو پروہتوں اور یاتریوں کا شہر تھا۔ بہت سے لوگ ہولی منانے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جہاں خاں کو لوٹ مار اور قتل و غارت کی کھلی چھٹی تھی اور اس نے اس اجازت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ رات کو جو مزاحمت ہو چکی تھی اس نے اس کے غصہ کے پارے کو اور چڑھائے رکھا تھا اور وہ نرمی کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے قتل عام کا حکم دیا جس سے دوبارہ ہندوؤں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ اس کے علاوہ شہر کو آگ لگا دی گئی اور وہ ہڈیوں کے الاؤ کی طرح جلتا رہا۔

ڈاکٹر قانونگو کے بقول "زوال پذیر وشنومت کے بھگتوں کو جو جمنا کے کنارے گائے کے گلوں اور بانسری کے سروں میں مست رہا کرتے تھے خوب جزا ملی۔" بڑے بڑے بھاری بت غازیوں کی ضربوں سے شکستہ ہو کر گلی کوچوں میں پولو کے گیند کی طرح ٹھوکریں کھاتے تھے۔(۵)

شہر کی آبادی کی اکثریت ہندو تھی لیکن مسلمان بھی تباہی سے بچ نہ سکے۔ غلام حسین نے ایک مسلم جوہری کا واقعہ لکھا ہے۔ اس کے چار ہزار روپے چھین لئے گئے۔ ایک دوسرے پٹھان نے آکر اس کے پیٹ پر زخم لگا دیا اس نے جان بچانے کے لئے ایک کونہ میں پناہ لی۔

جہاں خاں رات کو متھرا سے روانہ ہوا۔ پیچھے روہیلہ گیدڑ افغان شیروں کا جھوٹا کھانے کو رہ گئے تھے۔(۶) جہاں خاں نے شہر پر ایک لاکھ روپے کا تاوان ڈالا تھا۔ یہ رقم وصول کرنے کے لئے نجیب نے تین دن قیام کیا۔ دولت مند لوگوں کے مخفی خزانوں کو برآمد کر کے خوب لوٹا اور جاتی دفعہ کئی خوب صورت عورتیں ساتھ لے گیا۔ بیراگیوں اور سنیاسیوں کو ان کی جھونپڑیوں میں قتل کیا گیا۔

بندرابن میں قتل و غارت

متھرا سے سات میل دور بندرابن واقع ہے۔ جہاں خاں نے یہاں بھی قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کیا۔ شین کے تذکرہ میں ہے کہ جہاں بھی تم نظر دوڑاؤ گے لاشوں کے ڈھیر نظر آئیں گے جس سے راستہ چلنا دشوار نظر آئے گا۔ ایک جگہ دو سو مردہ بچوں کا انبار نظر آیا۔ ان میں سے کسی کا بھی سر نہ تھا۔ بدبو کی وجہ سے سانس لینا دشوار تھا۔(۷)

گوکل

بلب گڑھ کی فتح کے بعد احمد شاہ جہاں خاں کی فوج کے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ ۱۵ مارچ کو متھرا کے قریب آیا۔ دانشمندی سے جمنا کا دوسرا کنارہ عبور کیا اور شہر سے چھ سات میل دور مہابن میں فروکش ہوا۔ سادہ کی حفاظت کے لئے ناگا سادھوؤں کی پوشیدہ جماعتیں ظاہر ہوئیں اور چار ہزار ننگے اور راکھ آلود سادھو افغانوں کے مقابلہ کے لئے باہر نکل کھڑے ہوئے جن میں سے دو ہزار کام آئے۔ افغانوں کی بھی اتنی ہی تعداد کھیت رہی۔ جگل کشور وکیل بنگال نے شاہ کو بتایا کہ گوکل تو سنیاسیوں کا گھر ہے اور یہاں مال و متاع کے حصول کی کوئی امید نہیں ہے اس پر شاہ نے دستے واپس منگوا لئے اور شہر محفوظ رہا۔

جہاں خاں آگرہ میں

شاہ کی دوسری منزل آگرہ تھا۔ برباد شدہ علاقوں سے پناہ گیروں کی آمد نے اس کی آتش شوق کو تیز کر رکھا تھا۔ اس نے جہاں خاں اور نجیب الدولہ کو بلا بھیجا اور آگرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جہاں خاں پندرہ ہزار سوار لے کر ۲۱ مارچ کی صبح کو شہر کے دروازوں پر آپہنچا۔ متھرا اور بندرابن کے قتل و غارت کے مہیب واقعات کی خبر یہاں بھی پہنچی ہو گی۔ سربرآوردہ شہری

حملہ آور کے استقبال کو باہر نکل آئے اور پانچ لاکھ تاوان دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن موعودہ رقم وقت پر فراہم نہ ہو سکی تو پٹھانوں نے لوٹ مار مچا دی اور قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ جہاں خاں قلعہ فتح کرنے میں ناکام رہا۔ اس کی ساری کوششیں مرزا سیف اللہ نے ناکام کر دیں۔ وہ گولہ باری کی نگرانی اتنی خوبی سے سرانجام دے رہا تھا کہ پٹھانوں کا قلعہ کے نزدیک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

جہاں خاں موعودہ رقم کی وصولی کے لئے ہفتہ بھر ٹھیرا رہا لیکن اہل کار جگت سیٹھ کے گماشتہ سالداس سے بمشکل ایک لاکھ وصول کر سکے۔ ۲۳ مارچ کو اسے شاہ کی خدمت میں پہنچنے کا فوری حکم ملا۔ اس کی وجہ سے وہ باقی ماندہ رقم وصول نہ کر سکا اور ۲۴ کو روانہ ہو کر متھرا کے نزدیک شاہ سے جا ملا۔

افغان کیمپ میں ہیضہ کی بیماری

شاہ نے جلدی سے وطن جانے کا عزم کر لیا۔ لیکن اب ایک خدائی قہر اس پر نازل ہو رہا تھا۔ مہابن کے نزدیک افغان کیمپ میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور ڈیڑھ سو سپاہی روزانہ مرنے لگے اور یہ ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ مہابن' بندرابن سے تیرہ میل دور ندی کے اتار کی طرف تھا۔ سر جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے کہ خشک موسم کی وجہ سے دریا بالکل اتر گیا تھا اور لاشوں سے بھر چکا تھا۔ ان تین ہفتوں میں سورج کی کار فرمائی بھی جاری رہی۔ بندرابن اور متھرا جہاں سے ابدالی کے کیمپ میں پانی پہنچتا تھا سب اونچی جگہ واقع تھے جہاں قتل و غارت ہو چکا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ ہیضہ کا پھیلنا تھا۔

یہاں نہ کوئی دوا میسر تھی نہ علاج۔ املی سو روپیہ سیر بکتی تھی جس سے خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا تھا۔ گھوڑے بھی تیزی سے مرنے لگے۔ افغان سپاہی وطن واپس جانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ اب سوائے واپسی کے ابدالی کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہا۔(۸)

شاہ کا عالم گیر کے نام پیغام

۲۶ مارچ ۱۷۵۷ء (۵ رجب ۱۱۷۰ھ) کو شاہ نے قلندر خاں قاصد کو مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی کے پاس دہلی بھیجا کہ وہ جاٹوں کے خلاف لڑائی کا ارادہ ترک کر کے دہلی آ رہا ہے۔ اسی وقت وزیر اعظم شاہ ولی کے خط سے اسے دلدوز خبر ملی کہ احمد شاہ' محمد شاہ کی لڑکی شہزادی حضرت بیگم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

یہ خبر بیوہ ملکہ' ملکہ زمانی کے لئے روح فرسا تھی جس نے روتے ہوئے کہا کہ ہم اس کا رشتہ پٹھان کو دینے کے بجائے اس کا مار ڈالنا پسند کریں گے۔ لیکن یہ سب بے فائدہ تھا کیونکہ

شہنشاہ بے بس تھا۔

سورج مل کا جواب

شیر گڑھ میں آمد پر دیہ قصبہ متھرا سے انیس میل دور شمال کو واقع ہے شاہ نے سورج مل سے جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا وصول کرنے کی بے حد کوشش کی۔ اس نے دو قاصد جن میں ایک جگل کشور بنگالی اور دوسرا افغانی افسر تھا ایک تہدید آمیز خط دے کر بھیجے اور کہا کہ اگر وہ روپیہ کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لے گا تو اس کے تین قلعوں ڈگ' کھمیر اور بھرت پور کو بیخ دبن سے اکھاڑ ڈالا جائے گا اور اس تباہی کی ذمہ داری اس پر ہو گی۔ لیکن جاٹ نے شاہ کو مندرجہ ذیل خوشامدانہ اور طنزیہ خط لکھا:

"ہندوستان کی سلطنت میں میری حیثیت تو برائے نام ہے۔ میں تو صحرائی زمیندار ہوں۔ کسی شاہنشاہ کو آج تک دخل اندازی کا خیال نہ آیا۔ اگر آپ جیسے طاقت ور بادشاہ میری مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور ایک معمولی انسان کے خلاف لشکر کشی کا خیال رکھتے ہیں تو یہ آپ کے وقار کے خلاف اور میرے لئے باعث افتخار ہو گا۔ دنیا کہے گی کہ ایران اور توران کے بادشاہ نے ایک فقیر بے نوا پر فوج کشی کی ہے۔ یہ الفاظ آپ جیسے تاجوں کے بخشنے والے کے لئے باعث ندامت ہوں گے۔ پھر اس کا انجام بھی غیر یقینی ہے۔ اگر آپ جاہ و حشم سے مجھ کمزور کو نابود کر دیں گے تو آپ کو کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ لیکن اگر مشیت ایزدی سے معاملہ بگڑ جائے گا تو اس کا انجام کیا ہو گا۔ جہاں پناہ کی بہادر سپاہ نے جو شان و شوکت گیارہ سال کی مدت میں حاصل کی ہے سب اکارت جائے گی۔

یہ امر حیران کن ہے کہ آپ جیسے عالی حوصلہ شہنشاہ نے اس معمولی بات پر توجہ نہیں کی ہے اور لاؤ لشکر کے ساتھ اس معمولی مہم کے لئے زحمت گوارا فرمائی ہے۔ رہی قتل و غارت اور ملک کی تباہی کی دھمکی تو سورماؤں کو اس کا فکر نہیں ہوتا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ اس ناپائیدار زندگی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ میری عمر پچاس برس کی ہو چکی ہے اور باقی ماندہ کا پتہ نہیں۔ میرے لئے میدان جنگ میں جنگ جوؤں کے ساتھ جام شہادت پینا تاریخ کے صفحات پر اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو ثبت کرنا ہے کہ ایک بے کس دہقان نے کس طرح عظیم القدرت شہنشاہ کا مقابلہ کیا اور پھر جان سے مارا گیا باعث افتخار ہو گا۔ میرے ہمراہیوں اور ساتھیوں کے عزائم بھی ایسے ہی ہیں۔ اگر میں آپ کی آستان بوسی کا قصد بھی کروں

تو دوستوں کی عزت و حرمت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ دریں حالات شہنشاہ عالی جو عدل اور انصاف کا منبع ہیں مجھ جیسے ضعیف و ناتواں انسان کو معاف کرکے کسی اہم مہم کا قصد کریں تو بے شک آپ کی شان و شوکت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے گا۔

اب رہا آپ کا غیظ و غضب تین قلعوں پر جن کو آپ تار عنکبوت سمجھے ہوئے ہیں تو اس کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔ اللہ کو منظور ہو گا تو وہ سد سکندری کی طرح مستحکم ثابت ہوں گے۔" (۹)

ہیضہ کے پھوٹ پڑنے سے بے شمار جانوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ موسم گرما کی روز افزوں تپش افغانوں کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہو رہی تھی ۔ لہٰذا شاہ اپنے عزائم کو عمل میں نہ لا سکا۔ اس نے دہلی کی طرف کوچ شروع کر دیا۔ شاہ کے ارادوں کا پتہ نہ چلتا تھا لہٰذا سورج مل نے دس لاکھ روپوں کی ادائیگی کے دلفریب خیال میں شاہ کو الجھائے رکھا۔ دہلی میں مشہور ہو گیا کہ شاہ واپس جا رہا ہے۔ یہ خبر تیز رفتار سانڈنی سواروں نے سورج مل کو پہنچائی جس نے شاہ کے قاصدوں کو بغیر کچھ ادا کئے ذلت سے نکال باہر کیا۔

اودھ کی مہم کی ناکامی

جیسا کہ ہم جانتے ہیں شاہ نے احمد خاں بنگش کے سفیر سید شیر انداز خاں سے اودھ میں شجاع الدولہ کے خلاف مہم بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ شاہ نے قاصدوں کی ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ (۱۹ مارچ ۱۷۵۷ء) آوَ بھگت کی اور فرخ آباد کے راستے جہاں باز خاں کے ہمراہ تین ہزار سپاہ اودھ اور بنگال کو روانہ کی۔ شاہ عالم گیر ثانی کے لڑکے محمد حیات اور داماد مرزا بابا کو بنگال اور اودھ کا ناظم مقرر کیا گیا۔ شاہزادوں کی یہ مہم بالکل ناکام ثابت ہوئی۔(۱۰) چونکہ اس کا ذکر خارج از موضوع ہے لہٰذا ہم اس کو ترک کرکے احمد شاہ کی واپسی وطن کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۰ رجب ۱۱۷۰ھ (۳۱ مارچ ۱۷۵۷ء) شاہ سرائے دہلی کے مضافات نسبت خاں اور سرائے سیمیں میں مقیم تھا کہ اس نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کی زیارت کی۔ شاہ کے احکام کے باوجود بعض پٹھان شہر میں گھس گئے اور بعض جگہ لوٹ مار مچا دی۔ ۱۱ رجب (یکم اپریل) شاہ نے وزیر آباد اور باولی کا رخ کیا اور وہاں تین دن تک قیام کیا۔ یہاں شاہ عالم گیر ثانی اپنے بڑے لڑکے شاہ عالم' نجیب الدولہ اور مجید الدولہ کو ساتھ لے کر شاہ کو الوداع کہنے آیا۔ شہزادہ تیمور' شاہ ولی خاں اور سردار جہاں خاں نے استقبال کیا۔ دوران گفتگو میں شہنشاہ نے شاہ سے استدعا کی کہ دہلی' متھرا اور دوسری جگہوں سے جو قیدی پکڑے ہیں ▪ رہا کر دیے

جائیں۔ شاہ نے اس درخواست کو از راہ کرم قبول کر لیا۔ اس پر کئی ہزار مرد اور عورتیں رہا ہو کر شہنشاہ کے ساتھ دہلی واپس آگئے اور دوسری صبح اپنے اپنے رشتہ داروں کے حوالہ کئے گئے جن کا کوئی نہ تھا ان کو بھی آزاد کر دیا گیا۔

شاہ کی زیر ہدایت عماد الملک غازی الدین کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر رہنے دیا گیا اور نجیب الدولہ کو درانی کا ہندوستان میں چیف ایجنٹ مقرر کیا گیا۔

بیوہ ملکہ زمانی نے شاہ کی اس تجویز کی سخت مخالفت کی تھی کہ سابق شاہ محمد شاہ کی لڑکی حضرت بیگم کا عقد احمد شاہ سے کر دیا جائے۔ لیکن شاہ کے حکم کے آگے دم نہیں مارا جا سکتا تھا اور نہ لڑکی کی جدائی برداشت ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ بھی شاہ کے ساتھ افغانستان چلی۔ حضرت بیگم کی والدہ صاحب محل اپنی والدہ سے ملنے اور سامان باندھنے کے لئے ۱۰ اپریل کو دہلی گئی اور شاہ کے کیمپ میں سونی پت آگئی۔

ان شہزادیوں کے علاوہ جو اس کے اور اس کے لڑکے کے عقد میں آئی تھیں۔ مطلقہ ملکہ عفت النسا بیگم (دختر داور بخش اور اورنگ زیب کی پڑپوتی) نادر کے لڑکے نصراللہ سے بیاہی گئی۔ نادر کے مرنے کے بعد احمد شاہ نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔

محرم النساء (دختر محمد شاہ مرحوم اور ملکہ زمانی کی لے پالک) کے علاوہ دہلی حرم کی سولہ خواتین شاہ کے کیمپ میں تھیں۔ ان کو چھوڑ کر چار سو باندیاں اور بھی تھیں جو اپنی بیبیوں کے ہمراہ لے جائی گئیں۔ ان میں سے بعض راستہ سے بھاگ کر واپس آگئیں۔

احمد شاہ ہندوستان سے جو مال غنیمت لے گیا معاصر مورخ اس کی قیمت کا اندازہ بارہ کروڑ لگاتے ہیں۔ اٹھائیس ہزار ہاتھی، اونٹ، خچر، بیل اور چھکڑے مال و متاع سے لدے تھے۔ اسی ہزار پیادے اور سوار فوج نے لوٹ کا اپنا اپنا حصہ الگ اٹھا رکھا تھا۔ اس کے سواروں نے اپنا مال و متاع گھوڑوں پر رکھ دیا تھا۔ اور خود پیدل چل پڑے تھے۔ مطلقہ ملکہ کے سامان کے دو سو اونٹ اس کے علاوہ تھے۔

وطن کو واپسی

سونی پت سے روانہ ہو کر شاہ تراوڑی کے پاس ۱۳ اپریل ۱۷۵۷ء کو پہنچا۔ کنج پورہ کے عنایت خاں نے دو لاکھ کا خراج پیش کیا۔

جہاں خاں کو روہتک کے بلوچی زمینداروں سے کچھ نہ حاصل ہو سکا تو اس کو شاہ نے شہزادہ تیمور کے آگے آگے لاہور جانے کا حکم دیا۔

مغلانی بیگم کی مایوسی

مغلانی بیگم کی خدمات سراہتے ہوئے شاہ نے اس کو دو آبہ بست جالندھر اور کشمیر کا علاقہ دے دیا تھا۔ آدینہ بیگ کو دو آبہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ رنجیت دیو کو جموں میں بحال رکھا اور اپنے ایک رشتہ دار خواجہ ابراہیم کو کشمیر روانہ کیا۔ شاہ نے ہندوستانی علاقوں کے انتظام (بشمول سرہند' دو آبہ بست جالندھر' لاہور' کشمیر' ٹھٹھہ اور ملتان) کے لئے اپنے لڑکے تیمور کو شاہ کا خطاب دے کر منتظم مقرر کیا اور لاہور میں سردار جہاں خاں کو اس کا نائب مقرر کیا۔ عبدالصمد خاں محمد زئی کو سرہند کا علاقہ دیا۔ سرفراز خاں کو دو آبہ بست جالندھر اور ملتان کے بلند خاں سدوزئی کو کشمیر کا حاکم مقرر کیا۔

یہ انتظامات بیگم کو ناپسند تھے۔ اس نے شاہ کے ہمراہ جہلم تک جاکر ان علاقوں کو لینے کی درخواست کی۔ لیکن اپنے لڑکے کی سربراہی میں مضبوط حکومت دیکھنے کی خاطر شاہ دو آبہ بست جالندھر مغلانی بیگم جیسی عورت کو دینا نہ چاہتا تھا۔ اس سے سرہند اور لاہور کے درمیان رابطہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ بھی تھا۔ کشمیر اور جموں کے پہاڑی علاقوں کو صوبہ پنجاب سے علیحدہ رکھنا بھی انتظامی مصلحتوں کے خلاف تھا۔

شاہ نے مغلانی بیگم کو جواب دیا کہ اب تمہارا بھائی شہزادہ تیمور اس علاقہ کا حاکم ہے تو تم اس علاقہ کو لے کر کیا کرو گی۔ تم لاہور میں قیام کر سکتی ہو اور اس کی حکومت سے تیس ہزار سالانہ پنشن پا سکتی ہو لیکن بیگم نے اس پیش کش کو نامنظور کر دیا۔ شاہ نے شاہ ولی خاں اور جہاں خاں سے کہا کہ وہ بیگم کو سمجھا کر نقد جاگیر لینے پر رضامند کر لیں تاکہ وہ امن اور چین سے زندگی بسر کرے۔ لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی اور لاہور واپس آکر غربت اور مصیبت کے ایام گزارنے لگی۔

جب شہزادہ تیمور اور سردار جہاں خاں مال و متاع سے لدے پھندے لاہور کو جا رہے تھے تو سکھوں کو حملہ کرنے کا خوب موقع ملا۔ پٹیالہ کا آلہ سنگھ جاٹ اور دوسرے سکھ سرہند کے مقام پر جمع ہو گئے۔ راستے پر حملہ کیا اور اس کا خزانہ لوٹ لیا۔

دوسرا حملہ مادر کوٹ (مالیرکوٹلہ) پر ہوا اور افغانی فوج کو پریشان کیا اور لوٹا گیا۔

کرتار پور کی تباہی

دو آبہ بست جالندھر میں شہزادہ نے آنے کے بعد پہلا یہ کام کیا کہ کرتار پور کے شہر اور گوردوارہ کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ یہ تو کھلا شہر تھا۔ اس کے ارد گرد نہ کوئی فصیل تھی نہ خندق۔ اس کی اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہاں پانچویں اور چھٹے سکھ گورو ارجن اور ہرگوبند کی مقدس یاد میں گردوارے بنے ہوئے تھے۔

سوڈہی وڈبھاگ سنگھ جو شہر کا چوہدری تھا کافی اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ لیکن وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ افغانوں نے ناصر علی جالندھری کی رہنمائی میں باشندوں پر اچانک حملہ کر کے قتل و غارت اور لوٹ مار کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ گوردواروں کو آگ لگا دی گئی اور ان کی عمارتوں بشمول تھم صاحب ..... جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔(۱۱)

امرتسر کی تباہی

لاہور میں آمد پر شاہ نے مختصر سا قیام کیا اور سکھوں کے خلاف امرتسر میں دستے روانہ کئے ۔ شہر میں آگ لگا دی گئی۔ عمارتوں کو یکسر منہدم کر دیا گیا۔ تالاب کی بے حرمتی کی گئی اور بہت سے سکھوں کو قتل کیا گیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو پنجاب اور ہندوستان کے دیگر مقبوضات کا وائسرائے مقرر کیا۔ سردار جہاں خاں کو نائب اور سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ دس یا پندرہ ہزار پیادہ اور سوار فوج اور توپ خانہ ان کے حوالہ کیا گیا۔ بعد میں مقامی بھرتی سے اس فوج میں اضافہ ہوتا رہا۔

جموں کے رنجیت دیو کی حمایت حاصل کرنے اور شمال مشرقی پہاڑیوں کو بغاوت سے محفوظ رکھنے کے لئے شاہ نے اسے ظفروال' سنکھترا اور اورنگ آباد کے پرگنے عطا کئے جو موجودہ ضلع سیالکوٹ کا حصہ ہیں۔

چڑھٹ سنگھ کی شرارت

یہ انتظامات کر کے شاہ پشاور اور قندھار کے راستے سے کابل روانہ ہوا۔ سردار چڑہٹ سنگھ سکر چکیہ (مہاراجہ رنجیت سنگھ کا دادا) جس نے گوجرانوالہ پر حکومت قائم کر لی تھی' شرارت پر آمادہ ہوا اور شاہ کو تنگ کرنا شروع کیا۔ اس نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ شام کو جب افغان خیمے نصب کرتے ہوتے تو چیدہ سکھ سواروں کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑتا۔ کچھ دیر لڑتا اور اس کے بعد جو کچھ ہاتھ لگتا لے بھاگتا۔ جب شاہ کی فوج رات بھر چوکئی رہنے لگی تو یہ حملے صبح کو ہونے لگے۔

باقاعدہ لڑائی سے بچنے کے لئے چرھٹ سنگھ اور اس کے آدمی دن بھر شاہ کی فوج سے کچھ فاصلے پر چھپے رہتے۔ شاہ نے بہت چاہا کہ فیصلہ کن جنگ ہو جائے مگر چرھٹ سنگھ نے موقعہ نہ دیا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جب تک شاہ کی فوج نے دریائے سندھ پار نہ کر لیا وہ اسی طریقے سے آنکھ مچولی کرتا رہا۔

حوالہ جات

۱۔ قانونگو "جاٹ" ص ۹۲

۲۔ قزلباش

۳۔ Sarkar,P. 117

۴۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ص ۱۰۵

۵۔ قانونگو، ص ۱۰۳

۶۔ نورالدین ؛ احوال نجیب الدولہ، ص

۷۔ سرکار، ص ۱۱۸

۸۔ زوال سلطنت مغلیہ از سرجادو ناتھ سرکار، ج دوم، ص ۱۲۶

۹۔ تذکرہ عمادالملک، ص ۲۴۳

۱۰۔ قدرت اللہ: جام جہاں نما، ج اول، ص ۵۰۳، ج دوم، ص ۱۱۸

۱۱۔ نظام الدین: شاہ نامہ احمدیہ، ص ۲۱۰

بوٹے شاہ: تاریخ پنجاب، ص ۴۷۷

بندوبست رپورٹ ضلع جالندھر، ص ۲۹

اٹھارواں باب

تیمور شاہ پنجاب میں

از مئی ۱۷۵۷ء تا اپریل ۱۷۵۸ء

واقعات و حوادث کا مرقع

شہزادہ تیمور نے پہلا کام یہ کیا کہ پنجاب کے شورش زدہ صوبے میں امن و امان قائم کیا۔ خواجہ عبیداللہ خاں اور اس کے نائب مرزا جان خاں کو جنہیں نومبر ۱۷۵۶ء میں لاہور کی نظامت پر بحال کر دیا گیا تھا فوجی عہدے دیے گئے اور انتظامی امور پر مشاورت کے لئے شہزادے کے ذاتی عملے میں شامل کر لیا گیا۔(۱)

آدینہ بیگ کا تقرر

حقیقت یہ ہے کہ احمد شاہ نے آدینہ بیگ کو دو آبہ بست جالندھر کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن سازشی اور مفسدہ پرداز آدینہ بیگ ابھی تک شوالک کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی موقع ملے سکھوں کو ساتھ لے کر میدان میں اتر آئے۔ مغلانی بیگم نے جنہیں پہلے دو آبہ کا علاقہ عطا ہوا تھا آدینہ بیگ کا تقرر وہاں کی نظامت پر کر دیا تھا۔ اس لئے تیمور شاہ نے یہی مناسب سمجھا کہ اگر وہ حکومت کی اطاعت کے لئے تیار ہو تو اس تقرر کو منظور کر لیا جائے۔ اس نے آدینہ بیگ کو لکھا "احمد شاہ درانی کا ارادہ دکن پر حملہ آور ہونے کا تھا اور اس لئے یہ علاقہ بیگم کو دے دیا گیا تھا۔ اب چونکہ یہ ارادہ ترک کر دیا گیا ہے اس لئے سرہند کی جنوبی سرحد

تک تمام علاقے کی عملداری ہمیں سونپی گئی ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ ہمارے دربار میں پیش ہوں۔ عدم تعمیل کی صورت میں دوآبہ کو مسخر کر کے تمام علاقے کو تباہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر ضرورت پیش آئی تو پہاڑوں پر بھی فوج کشی کی جائے گی۔"

ادھر بیگم اس امید پر جہلم تک شاہ کے ساتھ گئی کہ شاید یہ علاقے اسے پھر واپس مل جائیں۔ بیگم کا معتمد طہماس خاں جس نے آدینہ بیگ کو خلعت دی تھی موخرالذکر کے ساتھ گھاٹی بلوان میں تھا۔ آدینہ بیگ سخت تذبذب کے عالم میں تھا۔ طہماس نے مشورہ دیا کہ ایک عریضہ فرمان کی نقل کے ساتھ بیگم کو روانہ کیا جائے اور جب تک وہاں سے کوئی جواب نہ آجائے تیمور شاہ اور جہاں خاں کے قاصد کو بلطائف الحیل ٹالا جائے۔ وہ خود عریضہ لے کر روانہ ہوا۔ لیکن راوی پہنچنے پر جو آدینہ نگر (موجودہ نام دینانگر) سے ۸ کوس ہے پتہ چلا کہ بیگم شاہ سے مایوس ہو کر سیالکوٹ ہوتی ہوئی لاہور پہنچ چکی ہے اور چوک کے نزدیک سرائے حکیم کی بوسیدہ عمارت میں مقیم ہے۔

دوسری جانب آدینہ بیگ کا نمائندہ دلارام تیمور شاہ سے گفت و شنید میں مصروف تھا۔ آخر کار دلارام کی کوشش سے شہزادے نے جالندھر دوآبہ کی فوجداری آدینہ بیگ کو بخش دی اور ۳۶ لاکھ روپیہ سالانہ کے عوض دربار میں اس کی حاضری بھی معاف کر دی۔ خراج کی باقاعدہ ادائیگی کی ضمانت کے طور پر دلارام لاہور ہی میں ٹھہرا رہا۔ آدینہ بیگ نے یہ شرائط منظور کر لیں اور باقاعدگی سے ماہانہ خراج ادا کرنے لگا۔(۲)

آدینہ بیگ کی اطاعت کے بعد ملک میں امن و امان ہو گیا۔ بقول سرکار "دارالحکومت اور اضلاع میں انصاف کیا جاتا تھا اور سڑکیں پھر سے محفوظ ہو گئی تھیں"۔(۳)

امرتسر پر حملہ

کچھ ہی عرصہ بعد جہاں خاں کو اطلاع ملی کہ سکھوں کی ایک بہت بڑی تعداد امرتسر کے چک گرو کے مقدس تالاب میں نہانے کے لئے جمع ہو رہی ہے۔ ان سکھوں نے آس پاس خاصی شورش مچا رکھی تھی اور تیمور شاہ کا لشکر جو سردار حاجی عطائی خاں اور دوسروں کی سرکردگی میں علاقے میں امن و امان بحال کر رہا تھا اس بدامنی کی خبر پا کر سکھوں پر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ جہاں خاں نے حاجی عطائی خاں کو لکھا کہ ایک مقررہ دن پر اپنے تمام لشکر کے ساتھ چک گرو پہنچ جائے جہاں وہ خود سکھوں کی سرکوبی کے لئے آئے گا۔

افغانستان کے دستور کے مطابق جہاں خاں نے نقارے کے ذریعے لاہور بھر میں سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرا دیا اور حکم دے دیا کہ ہر وہ شخص جس کے پاس گھوڑا ہے بلا لحاظ

اس کے کہ وہ حکومت کا ملازم ہے یا نہیں لام پر جائے گا۔ یہاں تک کہ بیگم کے پچیس سواروں کو بھی طہماس خاں کی سرکردگی میں لڑائی پر جانا پڑا۔ قاسم خاں بھی اس مہم میں شامل تھا۔ لشکر کی کل تعداد تقریباً" دو ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے سہ پہر میں لاہور چھوڑا اور چھ کوس کے فاصلے پر سرائے خان خاناں میں رات بسر کی۔ اگلے روز رواں دواں سفر کر کے امرتسر سے دو کوس پر جا پہنچے۔ یہاں پہنچنے پر جہاں خاں کو پتہ چلا کہ تاکیدی احکام کے باوجود عطائی خاں اور اس کا لشکر غائب ہیں۔

اس اثنا میں سکھوں کو لاہور کی فوج کی آمد کا پتہ چل چکا تھا۔ وہ ہر طرف سے مقابلے میں آن ڈٹے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ جہاں خاں کے سپاہی گھیرے میں آگئے اور سکھوں نے بیک وقت ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ سکھوں کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ لشکر کے بہت سے سوار خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ جہاں خاں نہایت غضب کے عالم میں صورت حالات کو سنبھالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس وقت اس کے ساتھ طہماس خاں کی سرکردگی میں دو سو سوار تھے۔

سکھوں نے بھاگنے والوں کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ چھوڑی تھی اس لئے وہ پھر پلٹ کر لشکر سے آن ملے۔ جہاں خاں نے تلوار نکالی اور طیش میں آکر چند بھگوڑوں کو مار گرایا۔ اس کی للکار پر لاہور کی فوج پھر مجتمع ہو گئی اور دل جمعی سے لڑنے لگی۔

اس اثنا میں عطائی خاں تازہ دم سواروں اور توپ خانے کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے آتے ہی لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ سکھ توپ کے گولوں کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ نکلے۔ فاتح لشکر نے چک گرو تک ان کا تعاقب کیا اور سکھ پہرے داروں کو کاٹ کر گوردوارے میں داخل ہو گیا۔ اس موقعہ پر لاہور کا ایک سردار میر نعمت خاں کام آیا۔

جہاں خاں اور اس کے ہمراہیوں نے امرتسر میں پڑاؤ ڈالا۔ چند دن کے قیام کے بعد جہاں خاں لاہور واپس چلا آیا۔

کوٹ بڈھا رام داس کا واقعہ

گوردوارے پر حملے نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا' اور سکھ افغانوں کے خلاف اور بھی مشتعل ہو گئے۔ اس کے فوراً" بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جس سے صورت حالات مزید خراب ہو گئی۔ دو افغان سوار جو سرہند سے آرہے تھے کوٹ بڈھا رام داس میں قتل ہو گئے۔ اطلاع ملنے پر جہاں خاں نے چند مسلح اہلکار روانہ کئے تاکہ گاؤں کے چوہدری پر دباؤ ڈال کر ملزموں کا پتہ چلائیں۔ اپنے ملک کے دستور کے مطابق ان اہلکاروں نے چوہدری کو اتنی اذیت دی کہ وہ تقریباً" ادھ موا ہو گیا اور موقع ملتے ہی جان بچا کر بھاگ نکلا۔

یہ شخص اپنے علاقے کے سکھوں کا نہایت اہم سردار تھا اور اس کی "بے عزتی کو تمام سکھ فرقے کی توہین پر محمول کیا گیا۔" بقول طہماس خاں اسی وقت سے پورے علاقے کا امن و امان درہم برہم ہو گیا اور سکھوں نے ہر طرف علم بغاوت بلند کر دیا۔(۴)

آدینہ بیگ سے بدسلوکی

آدینہ بیگ فوجدار جالندھر دو آب ..سے جہاں خاں کے غیرمدبرانہ رویہ نے معاملات کو اور خراب کر دیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ آدینہ بیگ نے اس شرط پر ۳۲ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا منظور کیا تھا کہ وہ دربار میں ذاتی حاضری سے معاف رکھا جائے گا۔ یہ بھی طے ہوا تھا کہ یہ رقم باقاعدگی سے ماہانہ اقساط کے ذریعے ادا ہوتی رہے گی اور آدینہ بیگ کا وکیل دلارام لاہور میں رہ کر دو آب کے سیاسی معاہدہ اور روپیہ کی ادائیگی کا خیال رکھے گا۔(۵)

اس کے باوجود چند مفسد لوگوں نے تیمور شاہ کو اس کے خلاف بھڑکا دیا۔ کچھ تو جھوٹے وقار کا خیال اور کچھ مالی مشکلات کا دباؤ۔ شہزادہ ان کی باتوں میں آگیا۔ حاسدوں نے مشورہ دیا کہ آدینہ بیگ کو بلایا جائے۔ اگر وہ نہ آئے تو اسے گرفتار کر کے قید کر دیا جائے اور اس کی بے حساب دولت ضبط کر کے انتظامی امور پر صرف کی جائے۔ ناتجربہ کار اور ضرورت مند شہزادے کو یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ اس نے جہاں خاں کو حکم دیا کہ آدینہ بیگ کو فوراً دربار میں پیش کیا جائے۔

اس اثنا میں آدینہ بیگ کو تیمور شاہ کے ارادوں کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے ایک طرف تو سفر کی تیاری کا بہانہ کر کے جہاں خاں کے قاصدوں کو ٹالے رکھا اور دوسری طرف کوہ شوالک کے کسی دشوار گزار مقام پر بھاگ جانے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔

جب کافی عرصے تک آدینہ بیگ کا جواب نہ آیا تو جہاں خاں نے اس کے وکیل دلارام کو قید کر دیا۔ مغلانی بیگم نے چھ لاکھ روپے کی ذاتی ضمانت دے کر اسے رہائی دلوائی اور لاہور سے فرار ہونے میں مدد دی تاکہ وہ آدینہ بیگ کے پاس پہنچ کر زر ضمانت کی ادائیگی کا انتظام کر سکے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے کچھ جواہرات پہلے ہی آدینہ بیگ کے پاس بھیج چکی تھی۔

جہاں خاں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے طیش میں آکر بیگم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ بیگم جہاں خاں کے حرم میں جا چھپی۔ مگر غضب ناک خان نے اسے وہاں بھی نہ بخشا اور خوب زدوکوب کیا۔ مغلانی بیگم نے بہت کہا کہ وہ زر ضمانت میں اپنے جواہرات دے دے گی مگر جہاں خاں کو یقین نہ آیا۔ اس کے حکم سے بیگم کا محل لوٹ لیا گیا اور اس کی تمام جائداد ضبط کر لی گئی۔(۶)

اس کے بعد جہاں خاں آدینہ بیگ کی طرف متوجہ ہوا اور فریب سے کام نکالنا چاہا۔ آدینہ بیگ میر زادہ غلام حسین کی بڑی عزت کرتا تھا۔ موخرالذکر کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ آدینہ بیگ کو لاہور آنے پر رضامند کرے' اور خود جہاں خاں جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ تجویز یہ تھی کہ آدینہ بیگ پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ موخرالذکر نے تحائف سے لدے ہوئے قاصد شہزادے کی خدمت میں بھیجے اور دربار میں حاضری سے معافی چاہی۔ اس کا عذر یہ تھا کہ سکھ موقعہ کی تلاش میں ہیں اور اس کے دوآبہ چھوڑتے ہی ایسی شورش اور بدامنی بپا کریں گے کہ اس کا فرو کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

مگر اس کی تمام کوششیں رایگاں گئیں۔ شہزادہ مصر تھا کہ وہ دربار میں حاضر ہو۔ آدینہ بیگ کو اپنے مستعد ہرکاروں سے جہاں خاں کی فوجی تیاریوں کا علم ہو ہی چکا تھا۔ چنانچہ اس نے خیریت اسی میں سمجھی کہ نالاگڑھ کی پہاڑیوں میں کھسک جائے۔(۷)

مرزا جان کی آمد

اسی دوران میں مرزا جان خاں جہاں خاں کو چھوڑ کر آدینہ بیگ سے آن ملا تھا۔ اس کی افغان وزیر سے نہیں بنتی تھی' اور جہاں خاں بارہا اس پر سکھوں سے سازش کرنے کا الزام لگا چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خان کو اس سے کوئی ذاتی عناد تھا چنانچہ اس نے مرزا کی علانیہ تذلیل کا ایک اور پہلو ڈھونڈا۔

مرزا جان کو اس زمانے کے حسابات پیش کرنے کا حکم دیا گیا جب احمد شاہ ہندوستان جاتے ہوئے یہ علاقہ اس کی تحویل میں دے گیا تھا۔ مرزا جان نے جواب میں کہلا بھیجا "اگر جہاں خاں اس بہانے میری جائداد اور املاک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ درحقیقت مجھے ان چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں۔ لیکن اگر اس کا مقصد ایک خیرخواہ سلطنت کی تذلیل ہے تو میں اس کے سامنے سر خم نہ کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی وہ خان کی لالچی طبیعت سے بھی بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ اس جواب کے ساتھ اس نے دو عمدہ گھوڑے جو سونے اور چاندی کی زینوں سے مزین تھے۔ کچھ ریشمی تھان' اور نقد روپیہ بھی جہاں خاں کو بھجوایا۔ لیکن موخرالذکر کی آتش انتقام اس سے فرو نہ ہوئی۔ اس نے تحائف تو اپنے قبضے میں کئے اور اہلکاروں کو حکم دیا کہ مرزا جان کو بہ رضا یا بہ جبر دیوان کے دفتر میں پیش کیا جائے۔

اب مرزا کو صحیح معنوں میں صورت حالات کی سنگینی کا احساس ہوا۔ اس نے دربار کے اہلکاروں کو رشوت دے کر اس وعدے پر گلو خلاصی کرائی کہ اگلے روز خود دیوان کے دفتر میں

حاضر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اب اس کے لئے سوا فرار ہونے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اسے دو ہی جگہ پناہ مل سکتی تھی۔ یا تو کشمیر میں سکھ جیون کے پاس یا پھر آدینہ بیگ کے پاس شوالک کی پہاڑیوں میں سکھ۔ جیون احمد شاہ کا وفادار تھا اور اس کے علاوہ غیر مسلم بھی' اس لئے مرزا کی نظر انتخاب آدینہ بیگ پر پڑی اور وہ اسی روز آدھی رات شوالک کی جانب روانہ ہو گیا۔ مرزا جان کا دربار سے بھاگ کر آدینہ بیگ سے آن ملنا موخرالذکر کے لئے بڑی خوش آئند بات تھی۔(۸)

آدینہ بیگ کے خلاف مہم

اس واقعہ سے جہاں خاں کو آدینہ بیگ کے خلاف لشکر کشی کرنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آیا ۔ پنجاب میں ہنگاموں کی خبر سن کر احمد شاہ نے ملتان کے حاکم مراد خاں کو حکم دیا تھا کہ وہ دس ہزار سوار لے کر سکھوں کی سرکوبی کے لئے جہاں خاں کی مدد کو لاہور پہنچ جائے۔

آدینہ بیگ کے خلاف فوجی مہم کی قیادت مراد خاں کے سپرد کی گئی اور دو آبے کے نامزد فوجدار سرفراز خاں اور بلند خاں اس کے نائب قرار پائے۔ آدینہ بیگ اس وقت ضلع ہوشیار پور میں جیجوں کے نزدیک دریائے ستلج کے کنارے چھپا ہوا تھا۔(۹) اس لئے افغان لشکر بیاس کو پار کر کے جنوب مشرق کی جانب بڑھ گیا۔

اس اثنا میں آدینہ بیگ سوڈھی وڈ بھاگ سنگھ اور سردار جسا سنگھ اہلو والیہ کو اپنے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سکھ امرتسر اور کرتار پور کے قتل عام اور گوردواروں کی توہین سے پہلے ہی جلے بیٹھے تھے۔ ان کے لئے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ آدینہ بیگ نے صدیق بیگ نائب حاکم سرہند اور راجہ بھوپ سنگھ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔(۱۰)

افغان لشکر کی شکست

آدینہ بیگ پچیس ہزار سواروں کے ساتھ اپنی پہاڑی کمین گاہ سے بر آمد ہوا اور افغان لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ ضلع ہوشیاپور کے مقام ماہل پور کے نزدیک دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔ سکھوں کے لئے آدینہ بیگ کے سپاہیوں اور افغان فوجیوں میں تمیز کرنا مشکل تھی اس لئے یہ طے پایا کہ آدینہ بیگ کے ہمراہی اپنی پگڑیوں میں گھاس کے گچھے باندھ لیں۔

افغان فوج کے پاس ہلکی توپیں بھی تھیں لیکن سکھوں نے اتنا شدید حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس موقعہ پر پائی گڑھ کے کرم سنگھ نے جو شام سنگھ کے دستے میں شامل تھا

نمایاں بہادری کا مظاہرہ کیا۔

بلند خاں میدان جنگ میں کام آیا۔ مراد خاں خوف زدہ ہو کر لاہور بھاگ گیا اور اس کی فوج کا تمام سازو سامان سکھوں کے ہاتھ آیا۔ فتح مند سکھ جوش انتقام میں جالندھر پر چڑھ دوڑے اور تمام شہر کو تاراج کر دیا۔ سعادت خاں آفریدی نے مقابلے کی کوشش کی مگر پہلی ہی جھڑپ میں شکست کھا گیا۔ اس کے بعد پورا شہر سکھوں کے رحم و کرم پر تھا۔ جالندھر کی تباہی میں سوڈھی وڈبھاگ سنگھ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ سکھ فوجیوں کو شہر لوٹنے اور دیگر مظالم کی ترغیب اسی نے دی تھی۔ کرتار پور میں سکھوں کے قتل عام اور تھم صاحب کے گوردوارے کو جلانے کے ذمہ دار ناصر علی کی لاش کو قبر سے کھود کر باہر نکالا گیا اور اس کی برسرعام تذلیل کی گئی۔ اس ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر موضع ڈھوگری اور دیگر نواحی علاقوں کے لوگ بھی شہر پر چڑھ دوڑے اور خوب ہاتھ رنگے۔ آخر کار آدینہ بیگ نے سکھوں کو سوا لاکھ روپیہ دے کر اہالیان شہر کی جاں بخشی کرائی۔(۱۱)

اس فتح سے سکھوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ انہوں نے پورے دو آبے کو تاراج کر دیا' لاہور کے نواح تک پہنچ گئے۔ آدینہ بیگ اپنے دارالخلافہ واپس آگیا۔ طہماس خاں جو سکھوں کی غارتگری کا عینی شاہد ہے لکھتا ہے:

> ہر رات ہزار ہا سکھ لاہور کے نواحی علاقوں پر حملہ کرکے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے تھے مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ باہر جاکر ان کا مقابلہ کرے۔ شہر کے دروازے رات کے دس بجے بند کر دیے جاتے تھے۔ صورت حالات روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی اور پورا نظام درہم برہم ہو چکا تھا"۔(۱۲)

ایک مراٹھی مکتوب مورخہ ۲۵ ربیع الاخر ۱۱۷۱ھ (۶ جنوری ۱۷۵۸ء) سے جو آدینہ بیگ اور دلارام کے خطوط پر مبنی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ جالندھر کی شکست کے بعد سعادت خاں آفریدی پہاڑوں میں بھاگ گیا تھا اور سکھوں نے کڑاہ پرشاد کے لئے دو آبے کی تمام آبادی سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس بدامنی کو فرو کرنے کے لئے لاہور سے پچیس ہزار سواروں پر مشتمل ایک اور فوج عبیداللہ کے زیر کمان بھیجی گئی۔ لیکن یہ فوج بھی شکست کھا گئی۔ عبیداللہ خاں کے بہت سے سردار مارے گئے اور اس کی فوج کا تمام سازو سامان لوٹ لیا گیا۔ احمد شاہ جو توپ خانہ چھوڑ گیا تھا وہ بھی سکھوں کے ہاتھ لگ گیا۔

اس کے بعد سکھوں نے باری دو آب کو پار کرکے بٹالہ اور کلاں پور کے نواح پر بھی حملے شروع کر دیے۔ لاہور کے نواح میں تو ان کی غارت گری پہلے سے ہی جاری تھی۔

مراد خاں کی شکست اور سکھوں کی طاقت میں اضافے کا حال سن کر جہاں خاں غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ وہ تیزی سے لاہور سے نکلا اور پسپا ہوتی ہوئی فوج کو بٹالہ میں جالیا۔

مراد خاں سے اس کی ملاقات شمشیر خاں کے تالاب پر ہوئی۔ جہاں خاں اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھا اور برسرعام کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ لیکن اب یہ سب کچھ بے سود تھا۔ اس سے جالندھر دوآبہ کی شکست کی تلافی نہیں ہو سکتی تھی۔(۱۳)

اس دوران میں ظفران خاں بھی جسے کشمیر کی نظامت سنبھالنے کے لئے بھیجا گیا تھا شکست کھا گیا۔(۱۴) بد نصیبی کا یہ دور یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی تو خود جہاں خاں اور تیمور شاہ کی قسمت میں ہزیمت اور پسپائی لکھی تھی۔ یہ سانحہ اس وقت پیش آیا جب سکھوں اور مرہٹوں کے مشترکہ ریلے نے افغان مزاحمت کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔

آدینہ بیگ کے خدشات

اس میں شک نہیں کہ آدینہ بیگ نے مراد خاں اور سرفراز خاں کے حملوں کو ناکام بنا دیا تھا' لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کے لئے جہاں خاں کی بہتر اور زیادہ منظم سپاہ کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ احمد شاہ درانی شہزادہ تیمور کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کسی بھی وقت پنجاب پر نازل ہو سکتا ہے۔ افغان بادشاہ کی کثیر اور بہتر اسلحہ سے آراستہ افواج کا مقابلہ اس کے بس کا روگ نہ تھا۔

جہاں تک سکھوں کا سوال ہے ان کے عزائم بالکل مختلف تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہر مرتبہ آدینہ بیگ کے لئے میدان جنگ میں نہیں اتر سکتے تھے۔ انہیں بندا سنگھ کی آزاد حکومت کا زمانہ نہیں بھولا تھا۔ اور وہ پھر سے پورے علاقے پر آزاد خالصہ راج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ "راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کوئی۔" انہوں نے ہر طرف فتوحات کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ اور یہ ظاہر تھا کہ مناسب موقع ہاتھ آتے ہی وہ آدینہ بیگ کے علاقے پر بھی قبضہ کرنے سے نہیں چوکیں گے۔(۱۵)

افغان تسلط ہر طرف زوال پذیر تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کھنڈرات پر جلد یا بدیر ایک آزاد سکھ حکومت کا قیام عمل میں آجائے گا۔ بل آخر چھ سال بعد یعنی ۱۷۶۴ء میں سکھوں کا یہ خواب کچھ عرصے کے لئے شرمندہ تعبیر ہو گیا۔

آدینہ بیگ بڑی فہم و فراست اور سیاسی سوجھ بوجھ کا آدمی تھا۔ اس نے اس مسئلہ کا ایک موثر حل یہ نکالا کہ مرہٹوں سے گفت و شنید شروع کر دی۔

مرہٹوں کی آمد

بالاجی راؤ پیشوا کا بھائی رگھوناتھ راؤ اس وقت ایک کثیر لشکر کے ساتھ دہلی کے نواح میں تھا۔ وہ ملہار راؤ ہولکر کے ساتھ اگست ۱۷۵۷ء میں یہاں پہنچا تھا اور اس دوران میں نجیب الدولہ کو دہلی اور سہارن پور سے نکال چکا تھا۔

اس صورت حالات سے خائف ہو کر سرہند کے افغان ناظم عبدالصمد خاں محمد زئی نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع فوج منظم کی۔ لیکن مرہٹوں کے سرہند کی جانب پیش قدمی نہ کرنے کی وجہ سے کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

اسی اثنا میں یعنی ۶ جنوری ۱۷۵۸ء سے پہلے آدینہ بیگ کے سفیروں ہرلال اور صدیق بیگ نے رگھوناتھ راؤ سے مل کر مرہٹوں کو پنجاب آنے کی دعوت دی۔ آدینہ بیگ کی پیش کش یہ تھی کہ مرہٹوں کو سفر کے دوران میں ایک لاکھ روپیہ روزانہ اور قیام کے دوران میں پچاس ہزار روپیہ روزانہ ادا کیا جائے گا۔(۱۶)

سرہند کی بربادی

رگھوناتھ راؤ نے اس پیش کش کو فوراً منظور کر لیا اور اپنی فوج لے کر سرہند کی طرف بڑھا۔ مرہٹہ فوج انبالہ، مغل دی سرائے، راجپورہ اور سرائے بنجارہ سے گزرتی ہوئی ۹ مارچ ۱۷۵۸ء کو سرہند کے نواح میں پہنچ گئی۔ طے شدہ تجویز کے مطابق آدینہ بیگ اور اس کے سکھ حلیف بھی اس جگہ مرہٹوں سے آن ملے۔

سکھ خاص طور سے اہالیان، سرہند کے خلاف مشتعل تھے۔ یہی وہ شہر تھا جہاں گورو گوبند سنگھ کے چھوٹے لڑکوں کو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے آدینہ بیگ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ سب سے پہلے شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کریں گے(۱۷)

عبدالصمد خاں نے پٹیالے کے سردار آلا سنگھ کے علاقے شام پورے سے واپسی کے فوراً بعد جنوری ۱۷۵۸ء کے دوسرے ہفتے سے شہر کے دفاعی انتظامات کو مستحکم کرنا شروع کرایا تھا۔ لیکن سرہند زیادہ عرصے تک محاصرے کی تاب نہ لا سکا اور ۲۱ مارچ ۱۷۵۸ء کو حملہ آوروں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

سکھ سب سے پہلے شہر میں داخل ہوئے اور ہر طرف قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ عبدالصمد خاں اور جنگ باز خاں نے فرار ہونے کی کوشش کی مگر ان کا تعاقب کر کے چند اور افغان سرداروں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ رگھوناتھ راؤ نے ان سب سے اچھا سلوک کیا۔

سکھوں کے بعد مرہٹوں نے شہر کو لوٹا اور تیسرے دن نواحی دیہات کے باشندے چڑھ

دوڑے اور جو کچھ ہاتھ لگا لے بھاگے۔ "شرفا کے محل مٹی میں ملا دیے گئے اور ان کے دروازے اور شہتیر تک لوٹ لئے گئے۔ خزانوں کی تلاش میں ان محلات کا فرش تک اکھاڑ دیا گیا جو کچھ دستیاب ہوا لوٹ لیا گیا۔(۱۸)

سکھوں کے حصے میں چونکہ زیادہ مال آیا تھا اس لئے قدرتی طور پر مرہٹوں کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ دونوں میں جھڑپ ہو گئی مگر آدینہ بیگ کی کوششوں سے امن بحال ہو گیا۔ چونکہ ہر دو جنگجو فریقین میں ٹکر کا خطرہ تھا اس لئے یہ طے پایا کہ سکھ جن کی تعداد پندرہ ہزار تھی مرہٹوں سے دو منزل آگے رہیں۔(۱۹)

آدینہ بیگ کا پیغام جہان خاں کے نام

یہ جاننا باعث دلچسپی ہو گا کہ مرہٹوں کو کھلم کھلا دعوت دے کر ان سے اتحاد قائم کرنے کے باوجود آدینہ بیگ نے دوہری چال چلنے کی کوشش کی۔ اس نے جہاں خاں کو لکھا کہ مرہٹے اچانک پنجاب میں آن گھسے ہیں اور وہ مصلحتاً ان کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور ہے۔ اسی خط میں یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ دکنی افواج بہت تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہیں اس لئے جہان خاں کو چاہئے کہ فوراً" ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔ آدینہ بیگ کا مقصد یہ تھا کہ جہان خاں کو اپنی فرمانبرداری کا فریب دے کر مصالحت کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔(۲۰)

جہان خاں کی پیش قدمی

سرہند کے محاصرے کی خبر پا کر جہان خاں نے اپنی افواج کو جنگ کے لئے تیار کیا اور عبدالصمد خاں کو کمک پہنچانے کی غرض سے آگے بڑھا۔ مغلانی بیگم کو تیمور شاہ کے محل واقع لال قلعہ لاہور میں قید کر دیا گیا اور اس کے معتمد طہماس خاں کو فوج کے ساتھ روانہ ہونے کا حکم ملا۔ لاہور سے نکل کر جہاں خاں کی فوج بٹالہ پہنچی۔ یہاں ایک ہراول دستہ شہزادے کے داروغہ دیوان خانہ یوسف خاں کی زیر سرکردگی اس مقصد کے لئے روانہ کیا گیا کہ دریائے ستلج کے گھاٹوں کی نگرانی کرے۔ کچھ سرداروں کا خیال تھا کہ یہ دستہ سکھوں اور مرہٹوں کے جنگ آزمودہ سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے پاس کافی سامان رسد ہے۔

لیکن جہاں خاں نے جواب دیا کہ "ہر طرف گیہوں' باجرہ' اور دیگر اناج کی پکی ہوئی فصلیں کھڑی ہیں پھر ان لوگوں کو اخراجات کی کیا ضرورت ہے؟ آخر دس پندرہ دن بعد تو یہ لوگ گھر واپس چلے ہی جائیں گے۔

یہ ہراول دستہ ہوشیار پور کے ضلع میں داخل ہوا۔ وہیں چند دن ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اس اثناء میں دشمن سرہند پر قبضہ کر چکا تھا۔ ہراول دستے کو جب یہ اطلاع ملی تو رحیلہ کے مقام پر

دریائے بیاس کو عبور کر کے واپس لوٹ آیا۔

اس کے بعد جہاں خاں تمام فوج لے کر حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لئے جلال آباد چلا آیا۔ یہاں آٹھ دن پڑاؤ کیا۔ اس اثنا میں دشمن نے دو آبہ پار کر لیا اور ایک مختلف راستے سے لاہور کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ جلال آباد میں مزید قیام کرنا مخدوش ہو چکا تھا اس لئے جہان خاں تیزی سے لاہور واپس چلا آیا۔(۲۱)

شہزادہ تیمور اور جہان خاں کی لاہور سے روانگی

سکھوں ' مرہٹوں اور آدینہ بیگ کی مشترکہ افواج کے لاہور کے نواح میں داخلے کے بعد جہان خاں کے لئے وہاں رہنا ناممکن تھا۔ قلعہ کافی عرصے سے مرمت طلب تھا اور فصلوں کی کٹائی نہ ہونے کے باعث سامان رسد بھی اتنا نہ تھا کہ طویل محاصرہ برداشت کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ محاصرہ کرنے والی سپاہ کو دور رکھنے کے لئے بھاری توپ خانہ بھی نہ تھا۔ شرفا اور امراء میں اس کے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔ لاہور کے سکھ باشندے تو پہلے ہی اس کے خلاف تھے اور اسے شہر سے نکالنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں تھے۔ افغان اور ایرانی سپاہیوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ تھی۔ اور شاہ سے کوئی کمک پہنچنے کا سوال اس لئے نہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ افغانستان کے معاملات درست کرنے میں مصروف تھا۔

صورت حالات شہزادہ تیمور اور اس کے لئے خطرے سے خالی نہ تھی۔ اب دونوں کے لئے سوا اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ حملہ آوروں کے آنے سے پہلے افغانستان چلے جائیں۔

جہاں خاں ۱۷ اپریل ۱۷۵۸ء کو یا اس کے لگ بھگ لاہور پہنچا اور اپنی آمد کے اگلے دن دریائے راوی کے اس پار ایک عارضی پڑاؤ قائم کیا۔ اس نے سب سے پہلے شہزادہ تیمور شاہ کی والدہ اور اپنے رشتے داروں کو افغانستان روانہ کیا۔ فوج کے دوسرے سردار بھی اپنے سامان اور متعلقین کو لے کر وہیں پہنچ گئے۔ بار برداری کے جانوروں کی قلت کی وجہ سے یہ سامان تین پھیروں میں دریا کے پار اتارا گیا۔ کچھ افغان سپاہی شہر میں چھپ گئے تھے۔ انہیں باہر نکال کر چوک میں پھانسی دے دی گئی۔(۲۲)

مغلانی بیگم کو قلعے سے رہا کر کے یہ حکم دیا گیا کہ اپنے سواروں اور پیادوں کو ہتھیاروں اور دیگر جنگی سامان سے لیس کر کے جہاں خاں کے کیمپ میں بھیجے۔ تھوڑی دیر بعد چار سزاول (ہرکارے) یہ حکم لے کر آئے کہ مغلانی بیگم اپنی چھوٹی لڑکی صاحبزادی کو لے کر فوراً" جہاں خاں کی قیام گاہ پر پہنچے۔ یہ سن کر بیگم کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے طہماس خاں سے درخواست

کی کہ لڑکی کو لے کر جہاں خاں کے پاس چلا جائے۔ مگر طہماس کو گوارا نہ تھا کہ بیگم کی لڑکی اس ذلت آمیز طریقے سے جہاں خاں کے سامنے پیش ہو۔ اس کے احتجاج پر بیگم نے کہا کہ "مجھے لڑکی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز نہیں۔" طہماس خاں نے بیگم کو سمجھایا کہ "جہاں خاں کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو بلوا کر اس وقت تک نگرانی میں رکھا جائے جب تک کہ وہ اور اس کے آدمی دریا پار نہیں کر لیتے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں آپ شہر کے دروازے بند کرا کے اس کے فرار ہوتے ہوئے سپاہیوں کو اپنا سامان لے جانے سے روک نہ دیں۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں اور کچھ نہیں۔ خدا پر بھروسہ کیجئے اور اُس کے پاس چلی جائیے۔"

مغلانی بیگم پہلے تو بہت کچھ روئی چلائی۔ لیکن بل آخر جہان خاں کے پاس جانے کے لئے رضامند ہو گئی۔ طہماس خاں، شیخ عظیم اور علی قلی اس کے ساتھ گئے۔ وہ رات مغلانی بیگم نے جہان خاں کے زنان خانے میں گزاری۔ اگلے روز یعنی ۱۸ اپریل کو اطلاع ملی کہ آدینہ بیگ کی سپاہ اور مانا جی پیگڈ کی سرکردگی میں مرہٹوں کا ہراول دستہ دو دوسرے سرداروں کے ساتھ دریائے بیاس کو عبور کر کے لاہور سے بارہ میل کے فاصلے پر پہنچ چکے ہیں۔

اسی دن دوپہر کو تیمور شاہ نے جہاں خاں کی معیت میں لاہور چھوڑ دیا اور دریائے راوی کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر تمام غیر ضروری اور بھاری سامان جلا ڈالا گیا اور حرم کی بیگمات کو خواجہ سراؤں کے ساتھ آگے روانہ کر دیا گیا۔ مغلانی بیگم اور اس کی لڑکی صاحبزادی لاہور واپس آ گئیں اور اپنی رہائی پر اطمینان کا سانس لیا۔ ۱۹ کی صبح کو تیمور شاہ اور جہاں خاں بھی روانہ ہو گئے۔ اور صرف میر حاضر خاں ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ شہزادے کے عقب کو محفوظ رکھنے کی خاطر پیچھے رہ گیا۔(۲۳)

افغانوں کا تعاقب

جہان خاں نے ایمن آباد کے نزدیک کچی سرائے میں قیام کیا۔ کچھ دیر بعد تعاقب کرنے والے مرہٹے اور سکھ بھی خواجہ مرزا جان کی معیت میں وہاں آن پہنچے۔ مگر توپ خانہ اور دیگر ضروری سازو سامان کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس گھیرے میں لے کر گرفتار کرنے میں ناکام رہے۔ ان کی گرفت سے بچ نکلنے کے بعد جہان خاں اپنے درانی قبائلیوں کے ہمراہ وزیر آباد کے نزدیک دریائے چناب پار کر گیا۔ دریا میں سیلاب آجانے کی وجہ سے تعاقب کرنے والے ان کا مزید پیچھا نہ کر سکے۔ دریائے راوی عبور کرنے کے بعد مرزا جان نے میر حاضر کو مار بھگایا اور اس کے بعد افغانوں کی پسپا ہوتی ہوئی فوج پر ٹوٹ پڑا۔

بہت سے افغان، قزلباش، اور ازبک سپاہی اور ان کا سازو سامان جو کشتیاں نہ ہونے کے

سب پیچھے رہ گئے تھے یہ سب مرہٹوں اور سکھوں کے ہاتھ پڑ گئے۔

سکھوں کے جن ممتاز سرداروں نے اس مہم میں حصہ لیا تھا ان کے نام یہ ہیں:

چڑہٹ سنگھ سکر چکیہ۔ تارا سنگھ گھیبہ۔ جسا سنگھ اہلو والیہ۔ جسا سنگھ رام گڑھیہ۔ ہری سنگھ۔ کہنا سنگھ۔ گوجر سنگھ اور جھنڈا سنگھ۔

سکھ تمام افغان قیدیوں کو امرتسر لے گئے جہاں ان سے وہ مقدس تالاب صاف کرائے گئے جنہیں احمد شاہ اور جہاں خاں نے کوڑے کرکٹ سے بھروا دیا تھا۔(۲۴)

حوالہ جات

۱۔ تذکرہ امداد الملک' ص ۷۔ ۳۶۶

۲۔ طہماس نامہ: ۶۷ ب تا ۶۹ ب

علی الدین ۔ ۲۵۳

خزانہ عامرہ ۱۰۰

Sakkar ص ۶۷

۳۔ Sarkar "مغل سلطنت کا زوال" ص ۶۷

۴۔ طہماس نامہ

۵۔ طہماس نامہ' ۷۸ الف

علی الدین ۔ عبرت نامہ' ۲۵۳ تا ۲۵۴

۶۔ طہماس نامہ۔ ۸۹ ب تا ۸۰ الف

۷۔ علی الدین ۔ عبرت نامہ' ص ۲۵۴

تاریخ پنجاب (ایلن اینڈ کمپنی) ص ۲۴

کنھیالال۔ تاریخ پنجاب' ص ۸۰

۸۔ تذکرہ عماد' ص ۳۷۲

۹۔ تذکرہ عماد' ص ۳۶۵۔ خزانہ عامرہ' ص ۱۰۰

غلام علی۔ شاہ عالم نامہ۔ ص ۵۵ تا ۵۶

۱۰۔ شاہ عالم نامہ۔ ص ۵۵‘ ۵۶
شاہ نامہ احمدیہ۔ ص ۲۳۷
۱۱۔ خزانہ عامرہ‘ ص ۱۰۰
طہماس نامہ‘ ۸۷ الف
احوال آدینہ بیگ‘ ص ۱۹
حسین شاہی‘ ص ۳۳
تاریخ مظفری‘ ص ۵۴۷
سیر المتاخرین‘ ص ۹۰۸‘ ۹۰۹
شاہ عالم نامہ‘ ص ۵۵‘ ۵۶
علی ابراہیم‘ ص ۱۸
چہار گلشن پنجاب‘ ص ۱۳۲
پراچین پنتھ پرکاش‘ ص ۳۱۲ تا ۳۲۴
پنتھ پرکاش (گیان سنگھ)‘ ص ۲۱۷ تا ۳۰
جالندھر سیٹلمنٹ رپورٹ‘ ص ۴۹
۱۲۔ ایس۔ پی۔ ڈی۔ ص ۸۳
احمد شاہ بٹالیہ۔ تاریخ ہند‘ ص ۸۷۲
۱۳۔ احمد شاہ بٹالیہ: تاریخ ہند‘ ص ۸۷۲ اس مورخ کا قول ہے کہ مراد خاں بے دلی سے لڑا۔ درحقیقت وہ جہاں خاں کے دشمن شاہ ولی سے مل گیا تھا‘ اور میدان جنگ سے لڑائی جیتنے کی کوشش کئے بغیر فرار ہو گیا۔ اسی مورخ کا بیان ہے کہ دوآبہ بست جالندھر میں آدینہ بیگ نے جو شورش کی تھی وہ بھی شاہ ولی خاں کے ایما پر تھی۔ شاہ نامہ احمدیہ میں نظام الدین عشرت بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ بقول عشرت مراد خاں کی بے دلی کا سبب سرفراز خاں سے اس کی ذاتی رنجش تھی۔
۱۴۔ طہماس نامہ‘ ۸۷ الف
۱۵۔ پراچین پنتھ پرکاش‘ ص ۴۱۵‘ ۴۱۶
طہماس نامہ‘ ۸۷ ب
۱۶۔ طہماس نامہ‘ ۸۷ ب تا ۹۷ الف
خزانہ عامرہ‘ ص ۱۰۰

سیر المتاخرین، ص ۹۹

تذکرہ عماد، ص ۳۷۳، ۳۷۴

تاریخ عالم گیر ثانی، ۱۲۴ب

احوال آدینہ بیگ، ص ۱۱

کرم سنگھ: مہاراج آلا سنگھ، ص ۱۸۴ تا ۱۷۶ لڈا مل کا خط آلا سنگھ کے نام مورخہ ۲۹ پھاگن ۱۸۱۴ بکرمی۔

جنوری ۱۷۵۸ء کے وسط میں عبدالصمد خاں کی فوجوں نے ملہار راؤ کے خاندان کی عورتوں کو جو تھانیسر اور کروکشیتر آئی ہوئی تھیں گھیرے میں لے لیا۔ لیکن ان کے مرہٹہ محافظوں نے نہ صرف افغانوں کے گھیرے کو توڑ دیا بلکہ انہیں بھگا کر ان کے کچھ گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

تاریخ عالم گیر ثانی، ۱۵ب تا ۱۵۱ الف

۱۷۔ پراچین پنتھ پرکاش، ص ۴۲۲، ۴۲۳

کرم سنگھ، مہاراج آلا سنگھ، ص ۱۷۶، ۱۷۷

۱۸۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ۱۶۴ب تا ۱۶۵ الف

تذکرہ عماد، ص ۳۷۶ تا ۳۷۹

طہماس نامہ، ۷۹ الف تا ۸۱ الف

تاریخ مظفری، ص ۵۴۷

کننگھم: ہسٹری آف دی سکھس، ص ۱۰۶

سنام پر عبدالصمد خاں کی فوج کشی کے تفصیلی مطالعہ کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ ہوں،

تذکرہ خاندان مہاراجہ کرم سنگھ، ص ۶۱، ۶۲۔ کرم سنگھ۔ مہاراج آلا سنگھ، ص ۱۷۲، ۱۷۳

اس موقعہ پر آلا سنگھ کا ایک وکیل مرہٹہ فوج کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنے خط مورخہ ۲۹ پھاگن ۱۸۱۴ بکرمی بنام آلا سنگھ میں سرہند پر مرہٹوں کی پیش قدمی کی تفصیل تحریر کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کاغذات بھگونت رائے جن کا حوالہ کرم سنگھ نے اپنی کتاب "مہاراجہ آلا سنگھ" کے صفحہ ۱۵۶ پر دیا ہے۔ آلا سنگھ اس زمانے میں آنند پور کیسو میں تھا۔ رگھوناتھ راؤ نے اسے بلوایا لیکن اس نے اپنے معتمد بیرم ڈھلن کو لڈا رام وکیل کے پاس مشاورت کے لئے بھیج دیا۔

۱۹۔ تذکرہ عماد، ص ۳۷۹، ۳۸۰

پراچین پنتھ پرکاش، ص ۴۲۳، ۴۲۴

۲۰۔ طہماس نامہ، ص ۱۱، ۱۲

علی الدین نے اپنے عبرت نامہ' میں لکھا ہے کہ آدینہ بیگ نے جہان خاں کو مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

"پورے ہندوستان کو فتح کرکے مرہٹوں نے اب پنجاب پر حملہ کر دیا۔ اگر آپ میں تاب ہے تو اپنی فوجوں کو منظم کرکے میدان میں آجایئے۔ اگر نہیں تو پھر میں یہ خدمت کر سکتا ہوں کہ انہیں پہاڑی علاقوں کے بندوبست میں الجھائے رکھوں تاکہ آپ شہزادہ اور اس کے حرم کی خواتین کو سہولت سے افغانستان پہنچا سکیں۔ مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں کہ میں نے اس بلائے ناگہانی کی اطلاع آپ کو بروقت نہیں دی۔" ملاحظہ کیجئے ص ۲۵۴' ۲۵۵

۲۱۔ حسین شاہی' ص ۴۴' ۲۵

تاریخ عالم گیر ثانی' ۱۶۵ الف

سیرالمتاخرین' ص ۵۰۹

تذکرہ عماد' ۲۸۱' ۲۸۲

سرکار۔ فال آف دی مغل ایمپائر ص ۷۳' ۷۴

سراج التواریخ' ص ۲

۲۲۔ تاریخ مظفری' ص ۵۴۷' طہماس نامہ' ۸۱ ب' تذکرہ عماد' ص ۳۸۱

تیمور اور جہان خاں کے لاہور چھوڑنے کی صحیح تاریخ کسی فارسی یا مراٹھی کتاب میں نہیں ملتی۔ تاریخ مظفری میں اس کی روانگی شعبان ۱۱۷۱ھ کے پہلے دس دن کے اندر بیان کی گئی ہے۔ (در عشرہ اول' شعبان الاعظم)۔ اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس نے شعبان کی دس تاریخ یعنی ۱۹ اپریل ۱۷۵۸ء کو قطعی طور سے لاہور چھوڑا ہو گا۔ تذکرہ عماد الملک (ص ۳۸۱) میں لکھا ہے کہ مرہٹے ستلج پار کرکے (دراوائل ماہ شعبان) یعنی شعبان کی پہلی یا دوسری اور اپریل کی گیارہ یا بارہ تاریخ کو لدھیانے کے راستے دوآبہ میں داخل ہوئے۔ جہاں خاں کو یہ خبر شعبان کی چوتھی تاریخ یعنی ۱۳ اپریل کو ملی ہو گی۔

طہماس نامے میں لکھا ہے کہ جہان خاں چار دن میں یعنی ۱۶ اپریل کو لاہور واپس پہنچا۔ اس لئے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷ اپریل کو راوی کے اس پار پڑاؤ ڈالا گیا اور ۱۹ اپریل کو تیمور شاہ اور جہاں خاں نے قطعی طور سے لاہور چھوڑ دیا۔

۲۳۔ طہماس نامہ' ۸۱ ب تا ۸۲ ب اور ۸۳ ب

ایس۔ پی۔ ڈی II x x v ' ص ۳۱۸۔ مورخہ چیتر سودی ۱۳۔ ۲۱ اپریل ۱۷۵۸ء ۔ متن میں جو تاریخیں دی گئی ہیں ان میں ایک دو دن کا فرق ممکن ہے۔

۱۹ اپریل کی صبح کو نو بجے عاشور علی ۵۰۰ مرہٹوں اور مرزا جان کے سو سواروں پر مشتمل ہراول دستے کے ساتھ لاہور کے دہلی دروازے پر پہنچا اور اپنے سرداروں کے احکامات دکھلائے۔ طہماس خاں نے جو رات بھر شہر کا گشت کرتا رہا تھا اور عاشور علی خاں کو پہچانتا تھا دروازہ کھلوا دیا اور شہر اس کے حوالے کر دیا۔ اگلے روز مرزا جان خاں نے راوی کو عبور کر کے میر حاضر خاں کو شکست دی اور جہان خاں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

کچھ ہی دیر بعد آدینہ بیگ بھی مرہٹہ اور سکھ افواج کے ساتھ پہنچ گیا اور شہر پر قبضہ کر لیا (طہماس نامہ)

علی الدین لکھتا ہے کہ امرتسر پہنچ کر مرہٹوں نے سکھوں کے مقدس مقامات پر حاضری دی۔ اس کے جواب میں سکھ سرداروں نے مرہٹوں کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔

(عبرت نامہ' ص ۲۲۵)

۲۴۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ۱۶۵ الف

طہماس نامہ' ۸۳ ب

تذکرہ عماد' ص ۳۸۲

حسین شاہی' ص ۳۵

تاریخ سلطانی' ۱۳۴

رسالہ نانک شاہ' ۱۲۸ ب

واقعات درانی' ص ۱۱

ایلفنسٹن "کابل" ص ۲۹۰

تاریخ گوجرانوالہ' ص ۱۹

حقیقت عروج فرقہ سکھاں' ص ۳۷

موخرالذکر کے مطابق افغان قیدیوں کی تعداد دو سو تھی!

انیسواں باب

نصیر خاں والئی قلات کی بغاوت (۱۷۵۹ء)

احمد شاہ درانی کی نصیر خاں کے خلاف فوج کشی

معاہدہ صلح

ہندوستان پر چوتھے حملے سے واپسی کے بعد احمد شاہ درانی افغانستان کے انتظامی امور کی درستی میں مصروف ہو گیا۔ پنجاب میں آدینہ بیگ کی چشم پوشی یا حمایت سے سکھوں نے جو شورش بپا کر رکھی تھی اس کی اطلاعات ۱۷۵۷ء کے اخیر میں آنا شروع ہوئیں۔ دو آبہ بست جالندھر کے نامزد ناظم سرفراز خاں کی شکست ' بلند خاں کا قتل اور جالندھر کی بربادی کی خبروں نے شاہ کی پرسکون زندگی کو درہم برہم کر دیا۔ اپنے بیٹے اور نائب السلطنت کی آدینہ بیگ اور سکھوں کے ہاتھوں یہ تذلیل اسے کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ ابھی ہندوستان کی جانب کوچ کرنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ بلوچستان سے نصیر خاں کی بغاوت کی اطلاع موصول ہوئی۔

نصیر خاں کے اوائل عمر کے حالات

تاریخ میں نصیر خاں کا شمار قلات (بلوچستان) کے ممتاز اور ہر دلعزیز ترین بروہی سرداروں میں ہوتا ہے۔ وہ میر عبداللہ خاں بروہی کا تیسرا اور سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کی ماں مریم بی بی التازئی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا دوسرا بھائی التاز خاں جسے حاجی بھی کہتے تھے اسی

ماں کے بطن سے تھا۔ تیسرے بھائی میر محبت خاں کی ماں کا نام جاٹ گل تھا۔

میر عبداللہ خاں کی وفات کے بعد میر محبت خاں گدی نشین ہوا اور اس نے قلات کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ مستونگ کا علاقہ حاجی محمد خاں کو ملا۔ مگر حاجی محمد خاں نے اپنے بھائی سے غداری کی اور دو سال بعد عید کی رات کو شہرپناہ کے پہرے داروں کو رشوت دے کر قلات میں داخل ہو گیا۔ اس نے میر محبت خاں کو قید کر دیا اور اس کی جگہ خود قلات کا حاکم بن بیٹھا۔

کچھ عرصہ بعد محبت خاں جیل سے بھاگ نکلا اور کافی دنوں تک بلوچ سرداروں سے امداد حاصل کرنے کی غرض سے ادھر ادھر گھومتا رہا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ اپنے بھائی کے پاس قلات لوٹ آیا جس نے اسے مستونگ کا علاقہ دے دیا۔ جب نادر شاہ کی فوجیں پیر محمد اور الماس خاں کی سرکردگی میں بندر عباس اور مکران کے ساحل سے بلوچستان میں داخل ہوئیں تو میر محبت خاں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن شکست کھا گیا۔ اسی دوران میں نادر شاہ نے قندھار فتح کر لیا۔ حملہ آوروں کی مزاحمت کا خیال چھوڑ کر میر محبت خاں اور حاجی محمد خاں (الناز خاں) نادر شاہ کے پاس قندھار چلے گئے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ چونکہ حاجی محمد خاں ظالم اور عیاش تھا اس لئے بروہی سردار اس سے متنفر ہو چکے تھے۔ انہوں نے بالاتفاق رائے نادر شاہ سے درخواست کی کہ میر محبت خاں کو قلات کا ناظم مقرر کیا جائے۔ نادر شاہ نے ظالم اور عیاش حاجی محمد کو قید کر کے اس کی جگہ میر محبت کو ناظم قلات مقرر کر دیا۔ صغیر سن نصیر خاں، اس کی ماں مریم بی بی اور حاجی محمد خاں کا لڑکا مراد علی یرغمال کے طور پر ایرانی دربار میں رہ گئے۔(۱)

نادر شاہ کی وفات کے بعد نصیر خاں رہا ہو گیا اور احمد شاہ کے ساتھ قندھار چلا آیا۔ جب افغانستان کی بادشاہت کے لئے احمد شاہ کا انتخاب ہوا تو اس موقعہ پر نصیر خاں نے بروہی سرداروں کی نمائندگی کی۔ اس نے احمد شاہ کے حق میں رائے دے کر اس کی بالادستی تسلیم کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد نصیر خاں کے بھائی محبت خاں نے لقمان خاں کی بغاوت میں حصہ لے کر افغان بادشاہ کا اعتماد کھو دیا، اور ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ کے حکم سے نصیر خاں اپنے بھائی کی جگہ قلات کا ناظم بن گیا۔ اس کا شمار احمد شاہ کے منظور نظر سپہ سالاروں میں ہونے لگا اور اس نے بادشاہ کے ساتھ کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ خراسان، اور ہندوستان کی مہمات میں اس نے بڑی نمک حلالی اور بہادری سے اپنا فرض انجام دیا۔ اس کے رویہ سے کبھی یہ مترشح نہ ہوا تھا کہ وہ احمد شاہ کی وفاداری سے منحرف ہو سکتا ہے۔ بقول میلسن یہ ممکن ہے کہ وہ اس تمام عرصے میں موقع کی تلاش میں لگا رہا ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نصیر خاں نہایت زیرک

آدمی تھا۔

ہنری پوٹنگر لکھتا ہے کہ "احمد شاہ کی بالادستی تسلیم کرنے میں نصیر خاں نے دو باتوں کو پیش نظر رکھا۔ ایک تو اپنے علاقے کا تحفظ' دوسرے جنگ سے احتراز کی کوشش"۔(۲) لیکن جب احمد شاہ کی فوجیں ہندوستان میں شکست کھا گئیں۔ اس کے نائب السلطنت شہزادہ تیمور شاہ اور قابل ترین سپہ سالار جہانؒ خاں کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ جنگ باز اور عبدالصمد خاں جیسے اعلیٰ افغان سردار مرہٹوں اور سکھوں کی قید میں آگئے اور موخرالذکر احمد شاہ کے تمام ہندوستانی مقبوضات کے مالک بن بیٹھے تو نصیر خاں نے بھی افغانوں کی بالا دستی کا جوا گردن سے اتار پھینکنے کی ٹھان لی۔

نصیر خاں کا اعلان آزادی اور احمد شاہ کی فوج کشی

یہ فیصلہ کر کے نصیر خاں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ احمد شاہ کو جب یہ خبر ملی تو اس نے ہندوستان کی مہم ملتوی کر دی۔ لیکن اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ نصیر خاں کے خلاف جسے اس نے ہمیشہ ایک عزیز دوست' فرمانبردار ساتھی اور بہادر سپاہی کی حیثیت سے دیکھا تھا' فوج کشی کی جائے۔ اس نے مصالحت کا ہر طریقہ آزمایا لیکن نصیر خاں نے ان تمام پیش کشوں کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس نے احمد شاہ کو بلوچ فوج کی ایک فہرست بھیجی جس میں اس کے خلاف لڑنے کے لئے دو لاکھ مسلح سپاہیوں کے نام درج تھے۔ اب احمد شاہ کے لئے سوائے فوج کشی کے کوئی اور چارہ نہ تھا چنانچہ اس نے اپنے وزیراعظم شاہ ولی خاں کی سرکردگی میں ایک لشکر نصیر خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

دولت رام کا بیان

لیکن دولت رام اپنی تاریخ مرات دولت عباسی (بہاولپور کے داؤد پوتروں کی تاریخ) میں نصیر خاں کے خلاف افغان لشکر کشی کی ایک اور ہی وجہ بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں سندھ کے انتظامی امور سے متعلق شاہی احکامات میں مداخلت کرتا تھا۔

نور محمد کلہوڑا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد مراد خاں گدی نشین ہوا اور پانچ سال تک مطلق العنانی سے حکومت کرتا رہا۔ لیکن وہ انتہائی تشدد پسند مزاج کا آدمی تھا اس لئے دربار کے امراء نے اسے قید کر کے اس کے بھائی میاں غلام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ اسی دوران میں اس کے تیسرے بھائی عطر خاں نے احمد شاہ درانی سے اپنے تقرر کا پروانہ حاصل کر لیا اور حاجی عطائی خاں کی سرکردگی میں ایک افغان دستہ سپاہ کیساتھ شکار پور پہنچ گیا۔ حاجی نے اسے شاہ کے نامزد بادشاہ کی حیثیت سے سندھ کے تخت پر بٹھا دیا اور خود قندھار چلا گیا۔ میاں غلام شاہ

جیسلمیر بھاگ گیا اور کچھ دنوں کے بعد اپنا تاج و تخت واپس لینے کے لئے بہاولپور کے امیر محمد مبارک خاں عباسی سے امداد مانگی۔

امیر بہاولپور نے اپنے بھائی محمد فتح خاں کی سرکردگی میں ایک فوج میر غلام شاہ کو سندھ کے تخت پر بحال کرنے کے لئے بھیجی۔ عطر خاں اور اس کا بھائی احمد یار خاں اس فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترے مگر شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ گنجابہ اور قلات سے ہوتے ہوئے احمد شاہ درانی کے دارالخلافہ پہنچیں۔ مگر جونہی وہ قلات پہنچے نصیر خاں نے کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر انہیں گرفتار کر کے قید کر لیا۔

دیوان گدومل نے جو میاں خدا یار خاں کے زمانے سے احمد شاہ کے دربار میں سندھ کا سفیر تھا نصیر خاں کی اس حرکت کو بادشاہ کی ذاتی توہین قرار دیا۔ اس سے مشتعل ہو کر احمد شاہ نے اپنے وزیراعظم شاہ ولی خاں کی سرکردگی میں ایک لشکر نصیر خاں کی تادیب کے لئے روانہ کیا۔

شاہ ولی خاں کی شکست

نصیر خاں افغان فوج کی آمد سے مطلق ہراساں نہ ہوا۔ اس نے اپنا بے قاعدہ لشکر مجتمع کیا اور دشمن کی آمد کی خبر پاتے ہی مستونگ(۳) سے نکل کر شاہ ولی خاں کے مقابلے میں صف آرا ہو گیا۔ موضع پرنگیز (پونگر نے اپنے سفرنامے میں پرنگو وادھ لکھا ہے) کے نزدیک گھسان کارن پڑا جس میں شاہ ولی خاں کو شکست ہوئی' اور افغان فوج میدان جنگ سے تیں میل پیچھے پسپا ہو گئی۔

احمد شاہ کے ہاتھوں نصیر خاں کی شکست

شاہ ولی خاں نے تیز رفتار ہرکاروں کے ذریعے اس شکست کی خبر بادشاہ کو بھیجی اور کمک کی درخواست کی۔ یہ شکست بجائے خود کچھ اتنی اہم نہ تھی لیکن احمد شاہ کو خدشہ تھا کہ اس کی مبالغہ آمیز تفاصیل سن کر دوسرے قبائل بھی بھڑک اٹھیں گے۔ چنانچہ اس نے باقی ماندہ فوج کی کمان سنبھالی اور ہزیمت خوردہ وزیراعظم کی امداد کو روانہ ہو گیا۔

شاہ کی موجودگی کی خبر اڑتے ہی صورت حال بدل گئی۔ اس مرتبہ لڑائی مستونگ کے نزدیک پہلے میدان جنگ سے تقریباً" ساڑھے تین میل کے فاصلے پر ہوئی۔ اس جنگ میں نصیر خاں کو شکست ہوئی اور وہ تیزی سے قلات کے مستحکم مورچے کی جانب پسپا ہو گیا جہاں اس نے افغان حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے جملہ دفاعی انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ احمد شاہ نے قلات تک اس کا پیچھا کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

قلات کا محاصرہ

کرنل میلسن لکھتا ہے۔

"قابل سرداروں کی رہنمائی میسر ہو تو افغان سپاہی میدان جنگ میں دھاک بٹھا دیتے ہیں لیکن محاصرے کے کام کے نہیں۔ عام طور سے شہ سوار اور پہاڑی علاقوں کے لوگ اس میدان میں اپنا سکہ نہیں جما سکتے۔ اس موقعہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ توپوں کی مسلسل گولہ باری سے شہرپناہ میں کئی شگاف پڑ گئے اور شاہ کی فوج نے پانچ مرتبہ ہلہ کیا لیکن شہر میں داخل نہ ہو سکی۔"

برخوردار خاں کے حملے میں دو اہم بروہی سردار اور امیر خاں جو محمد حسنی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مارے گئے۔ یہ پانچواں حملہ تھا جو نصیر خاں کے دفاعی استحکامات کو توڑنے میں ناکام رہا۔ اس کا عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ شاہ کے کچھ سردار قلات پر قبضے کے خلاف تھے۔ بلوچستان ہمیشہ سے باغی افغانوں کی آماج گاہ رہا تھا جہاں وہ مصیبت کے وقت پناہ ڈھونڈتے تھے۔ بقول اخوند محمد صدیق خود شاہ ولی خاں نصیر خاں پر مہربان تھا اور شاہ سے اس کی مصالحت کرانے کے لئے موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ برخوردار خاں کے علاوہ دیگر تمام افغان سردار اس معاملے میں وزیراعظم سے اتفاق رائے رکھتے تھے۔

ایلفنسٹن لکھتا ہے "بالخصوص شاہ ولی خاں کی نصیر خاں سے خط و کتابت تھی۔ اس نے درانی سرداروں کی غیر مستقل مزاجی اور موسم کی خرابی کی وجہ سے شاہ کی مشکلات کا تذکرہ کرکے مزاحمت جاری رکھنے میں نصیر خاں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔"

ہنری پونگر نے اپنے سفرنامے میں نصیر خاں کی فوجی مہارت کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو محاصرے کے ختم ہونے میں مد ثابت ہوا۔ وہ لکھتا ہے

"ایک روز نصیر خاں نے احمد شاہ کو اپنے خیمے کے باہر قالین پر نماز پڑھتے دیکھا۔ اس نے فوراً نشانہ باندھ کر توپ کا گولہ عین اس جگہ مارا جہاں بادشاہ نے چند منٹ پہلے سجدہ کیا تھا۔"

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے فوراً بعد احمد شاہ نے صلح کی گفتگو شروع کر دی اور بعد میں نصیر خاں کو اس کی نشانہ بازی کی داد دی۔

یہ محاصرہ چالیس دن تک چلا۔ اس کے بعد ایک طرف تو احمد شاہ نے قلات پر قبضہ کرنے کی امید چھوڑ دی اور دوسری جانب نصیر خاں ایسی آزادی سے تنگ آگیا جس نے اسے قلات میں مقید کر دیا تھا۔ اس موقعہ پر شاہ ولی خاں نے نصیر خاں کو مندرجہ ذیل خط بھیجا۔

"اگر تم اس وقت بادشاہ کے حضور میں چلے آؤ تو میں بحیثیت وزیراعظم تمہارا ضامن بن

جاؤں گا کیونکہ میں نے تمہیں بیٹا کہا ہے۔ لیکن اگر تم اس وقت نہ آئے تو پھر میرے لئے بادشاہ کو جو ظل اللہ ہے روکنا مشکل ہو جائے گا۔"

نصیر خاں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور اخوند محمد حیات خاں کو اپنا سفیر بنا کر صلح کی گفت و شنید کے لئے افغان وزیر اعظم کے پاس بھیجا۔ موخرالذکر نے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔

احمد شاہ نے پوچھا

"خاں سلام کے لئے خود کیوں نہیں آتا؟"

اخوند محمد حیات نے جواب دیا

"وہ آپ سے جان کی امان اور باعزت سلوک کا وعدہ چاہتا ہے۔"

احمد شاہ نے دریافت کیا

"اسے کس قسم کی یقین دہانی اور کیسا سلوک درکار ہے؟"

محمد حیات نے مودبانہ عرض کیا

"پچھلے گناہوں کی معافی۔"

بادشاہ نے کہا

"ہم نے اسے معاف کیا۔"

اخوند نے پھر عرض کیا

"اعلیٰ حضرت قرآن پر ہاتھ رکھ کر معافی کا وعدہ فرمائیں اور یہ عزت بخشیں کہ وزیر اعظم خود جا کر نصیر خاں کو لائیں اور آپ کے حضور میں پیش کریں۔"

بادشاہ نے اخوند محمد حیات کی دونوں شرائط منظور کر لیں اور قرآن کے ایک نسخے پر یقین دہانی کے الفاظ لکھ کر شاہی مہر ثبت کی اور شاہ ولی کو دے کر نصیر خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ بلوچ سردار وزیر اعظم کے ساتھ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا۔ موخرالذکر نے نصیر خاں کی پرانی دوستی اور مرتبے کا پاس رکھتے ہوئے اس کی مناسب عزت اور تکریم کی۔ گفتگو کے دوران میں خان کے بھتیجے سلطان قائم خاں اور اس کے نام بردار (مصاحب) آدم خاں وجوہانی کی شکایات کا ذکر آیا۔ شاہ نے دونوں کو خان کے حوالے کر دیا۔

خان نے مودبانہ عرض کی "میں نے کبھی کوئی ایسی نازیبا حرکت نہیں کی جس سے ان کی شکایات کا جواز ہو سکتا۔ آئندہ بھی جب کبھی میں انہیں سرزنش کروں گا تو یہ ایسی ہی شکایات آپ تک پہنچائیں گے۔ میں ظل اللہ کے عتاب کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اس

لئے یہ بہتر ہو گا کہ غلام آپ کی خدمت میں قندھار چلا جائے۔ قلات کی نظامت جسے آپ مناسب سمجھیں اسے عطا کر دیں۔"

احمد شاہ نہ تو خود قلات پر قبضہ کرنا چاہتا تھا نہ نصیر خاں کے بجائے کسی اور کو وہاں کا ناظم بنانا چاہتا تھا۔ وہ خان کی عاجزی اور انکسار سے بہت خوش ہوا اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی

"قلات خدا نے تمہیں عنایت کیا ہے اور تمہارے ہی پاس رہے گا۔(۴)"

نصیر خاں سے معاہدہ

مصالحت کے بعد احمد شاہ درانی اور نصیر خاں میں مندرجہ ذیل عہد نامہ ہو گیا

۱۔ نصیر خاں نے احمد شاہ درانی کی بالادستی قبول کر لی۔

۲۔ یہ طے پایا کہ جب کبھی احمد شاہ افغانستان سے باہر کسی فوجی مہم پر جائے گا تو نصیر خاں شاہی لشکر کے لئے سواروں کا ایک دستہ مہیا کرے گا۔ ان کے اخراجات اور اسلحہ کی فراہمی بادشاہ کے ذمے ہو گی۔

۳۔ احمد شاہ نے وعدہ کیا کہ خان قلات کو کسی سدوزئی سردار کی حمایت میں فوج بھیجنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے گا اور نہ اس سے یہ توقع رکھی جائے گی کہ وہ افغانوں کے اندرونی اختلافات میں کسی ایک فریق کی جانبداری کرے۔

۴۔ عہد نامے کی آخری شرط یہ تھی کہ خان قلات آئندہ احمد شاہ درانی کو کوئی خراج ادا نہیں کرے گا۔

اس عہد نامے کو مزید مستحکم کرنے کے لئے احمد شاہ نے نصیر خاں کی چچا زاد بہن سے شادی کر لی۔ قلات کا مسئلہ بخیر و خوبی طے ہو جانے کے بعد احمد شاہ اپنی نئی بیوی اور اس کے رشتے داروں کو لے کر قندھار چلا گیا۔ اس کے بعد نصیر خاں تا زندگی احمد شاہ کا وفادار رہا۔(۵)

امام الدین حسینی کا بیان

امام الدین حسینی نے اپنی کتاب تاریخ حسین شاہی' میں اسی زمانے میں ایک اور بغاوت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میر خوش درانی نے جو احمد شاہ کا رشتہ دار تھا کسی درویش کے ورغلانے پر افغانستان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن یہ بغاوت کچھ زور نہ پکڑ سکی اور احمد شاہ نے اسے جلد ہی فرو کر دیا۔ میر خوش درانی پکڑا گیا اور بادشاہ کے حکم سے اس کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ اسے ورغلانے والے درویش کا سر اڑا دیا گیا۔(٦)

حوالہ جات

۱۔ رائے بہادر ہتورام بحوالہ اخوند محمد صدیق۔ تاریخ بلوچستان، ص ۱۸۷ تا ۱۹۳

لاک ہارٹ۔ نادر شاہ، ص ۱۱۷

ایلفنسٹن۔ کابل، ص ۲۹

موخرالذکر لکھتا ہے کہ لقمان خاں کی بغاوت کے وقت حاجی محمد قلات کا گورنر تھا اور نصیر خاں اسے نکال کر ناظم بنا تھا۔

پوٹنگر کا بیان ہے کہ "نادر شاہ کی حوصلہ افزائی اور اہالیان قلات کی بے اطمینانی سے فائدہ اٹھاکر نصیر خاں حاجی محمد کے کمرے میں داخل ہو گیا اور اسے اکیلا پاکر خنجر سے ہلاک کر دیا۔"

(ملاحظہ کیجئے پوٹنگر کا سفرنامہ، ص ۲۸۰، ۲۸۱)

۲۔ میلسن۔ ہسٹری آف افغانستان، ص ۲۸۴۔۲۸۵

فریئر۔ ہسٹری آف دی افغانز، ص ۸۴

ایلفنسٹن۔ کابل، ص ۲۹۰

پوٹنگر۔ سفرنامہ، ص ۲۸۲

۳۔ مستونگ ریاست قلات کا دوسرا سب سے اہم شہر ہے اور قلات سے ستر میل شمال کی جانب کوئٹہ جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

۴۔ ہتورام بحوالہ اخوند محمد صدیق۔ تاریخ بلوچستان، ص ۱۹۳، ۱۹۴

فریئر۔ ہسٹری آف دی افغانز، ص ۸۴، ۸۵

میلسن۔ ہسٹری آف افغانستان، ص ۲۸۴ تا ۲۸۷

ایلفنسٹن۔ کابل، ۲۹۰، ۲۹۱

پوٹنگر۔ سفرنامہ، ص ۲۸۲، ۲۸۳ اور ۲۹۴

عطر خاں اور احمد یار خاں کو رہا کر دیا گیا۔ سندھ کا علاقہ کلہوڑا بھائیوں میں اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ پھر خانہ جنگی کی نوبت نہ آئے۔ لیکن یہ امن دیرپا ثابت نہ ہوا اور بالآخر تمام آبائی مقبوضات میر غلام شاہ کے تصرف میں آگئے۔ مرات دولت عباسی۔ ص ۵۱ تا ۵۳ (۱۱۰ تا ۱۱۲)

۵۔ فریئر۔ ہسٹری آف دی افغانز' ص ۸۵ پوٹنگر۔ سفرنامہ' ص ۲۸۲' ۲۸۳
ایلفنسٹن' ص ۲۹۱ میلسن۔ ہسٹری آف افغانستان' ص ۲۸۷

٦۔ تاریخ حسین شاہی' ص ۳۰

میر خوش درانی کی بغاوت کی مزید تفاصیل دستیاب نہیں ہو سکیں۔ یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ درحقیقت کون تھا اور احمد شاہ درانی سے اس کا کیا رشتہ تھا۔ بہرحال اس کا شاہ کے بڑے بھائی ذوالفقار خاں کے لڑکے لقمان خاں سے جس نے ۱۷۴۸ء میں بغاوت کی کوئی تعلق نہ تھا۔ نہ اس کا کوئی تعلق عبدالخالق خاں سے معلوم ہوتا ہے جس نے ۱۷۶۰ء میں شاہ کے ہندوستان پر پانچویں حملے کے دوران میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔

بیسواں باب

پنجاب کی چند مہمات کا تذکرہ

سکھوں کی طالع آزمائیاں ' مرہٹوں کی دراز دستیاں ' باہمی چپقلش

چند اہم واقعات

تیمور شاہ اور جہاں خاں کے رخصت ہونے کے بعد احمد شاہ نے پنجاب پر جو حملہ کیا اس کا تذکرہ کرنے سے پیشتر ان حالات کا بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو اس دوران میں وہاں وقوع پذیر ہوئے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپریل ۱۷۵۸ء میں مرہٹے اور سکھ لاہور میں داخل ہو گئے اور پنجاب پر اپنا تسلط جما لیا۔ چناب میں سیلاب آجانے کی وجہ سے وہ تیمور شاہ اور جہان خاں کا تعاقب نہ کر سکے تھے۔ لیکن یہ کوئی ایسی مستقل رکاوٹ نہ تھی جو مہاراشٹر کے ان جنگ جو سپاہیوں کو جو گھر سے پنجاب تک پندرہ سو میل کے سفر میں کوئی نصف درجن دریا عبور کر چکے تھے ہمیشہ کے لئے آگے بڑھنے سے روک دے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں داخل ہونے کے سات ہی مہینے بعد نومبر ۱۷۵۸ء میں ایک مرہٹہ سردار تکوجی ہولکر دریائے سندھ کو پار کرکے پشاور پہنچ گیا۔(۱)

آدینہ بیگ کا پنجاب کی نظامت پر تقرر

پیشوا کے بھائی اور مرہٹہ فوج کے سپہ سالار رگھوناتھ راؤ نے لاہور میں ایک مہینے سے بھی

م قیام کیا۔ اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلے میں مرہٹوں کا پنجاب پر تسلط برقرار رکھنا ناممکن ہے۔

سکھ اپنی پہاڑی کمین گاہوں سے نکل کر ہر طرف پھیلتے جا رہے تھے اور جاٹ دیہاتیوں کے جوق در جوق شامل ہونے کی وجہ سے ان کی قوت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ پونا میں اس وقت مرہٹوں کی مرکزی حکومت کی مالی حالت بھی اتنی اچھی نہ تھی کہ دور دراز علاقوں میں فوجیں رکھی جائیں۔ اس کے علاوہ معتدل آب و ہوا میں رہنے والے دکنی سپاہیوں کے لئے پنجاب کی جھلسا دینے والی گرمی اور شدید سردی بھی ناقابل برداشت تھی۔ اس لئے رگھوناتھ راؤ نے عقل مندی سے کام لے کر یہ مخدوش سرد علاقہ ۷۵ لاکھ روپیہ سالانہ خراج کے عوض آدینہ بیگ کے حوالے کر دیا۔ آدینہ بیگ نے خواجہ مرزا جان کو لاہور میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود حسب سابق دوآبہ بست جالندھر میں قیام رکھا۔ رگھوناتھ راؤ نے ۲ رمضان ۱۱۷۱ھ (۱۰ مئی ۱۷۵۸ء) کو لاہور چھوڑا اور دہلی کی جانب روانہ ہوا۔(۲)

سکھوں پر مظالم

آدینہ بیگ مرہٹوں کے جانے کے بعد صرف چار ماہ زندہ رہا۔ اس قلیل عرصے میں اس نے سکھوں کی بیخ کنی کی انتہائی کوشش کی تاکہ وہ طاقتور نہ ہو جائیں۔ لیکن چالیس سال کے مسلسل مظالم نے انہیں بے حد جفاکش بنا دیا تھا اور آدینہ بیگ انہیں کچلنے میں ناکام رہا۔ وہ دوبارہ اپنی کمین گاہوں اور جنگلوں میں جا چھپے اور جب آدینہ بیگ مر گیا (۱۵ ستمبر ۱۷۵۸ء) تو اپنے اوپر کئے گئے مظالم کا بدلہ لینے کے لئے پھر میدان میں آدھمکے۔

مرہٹے پنجاب میں

جب آدینہ بیگ کے مرنے کی خبر دہلی پہنچی تو وزیر غازی الدین کی تجویز ہوئی کہ سید جمیل الدین خاں اور عبیداللہ خاں کشمیری کو لاہور بھیجا جائے۔ اسی زمانے میں یعنی اوائل اکتوبر میں انتاجی مانا کیشور اور کچھ اور مرہٹہ سردار رگھوناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہولکر کی فوج کے ساتھ دارالحکومت کے نواح میں پہنچے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ چونکہ مرہٹوں ہی نے پنجاب کو افغانوں سے آزاد کرا کے آدینہ بیگ کو وہاں کا ناظم مقرر کیا تھا اس لئے اس کا جانشین بھی انہی کی مرضی سے مقرر ہو گا۔(۳) انتاجی دہلی ٹھہرا رہا اور اس کے ساتھی ٹکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت لاہور کی جانب روانہ ہو گئے۔

جب اپریل ۱۷۵۸ء میں خواجہ مرزا جان لاہور کا نائب قرار پایا تو اسی زمانے میں رگھوناتھ راؤ نے جنکوجی شنڈے کو دریائے سندھ اور رام جی اور شام جی کو ملتان کی جانب انتظامی امور

کی نگرانی کے لئے بھیجا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنکوجی شنڈے جلد ہی وہاں سے واپس آگیا۔ آدینہ بیگ کی وفات کے کچھ عرصے بعد ستمبر کے اخیر یا اوائل اکتوبر ۱۷۵۸ء میں کچھ افغانوں اور گکھڑوں نے جو جہلم کی اس پار سے آئے تھے گجرات کے پرگنے کو لوٹ لیا۔ خواجہ مرزا جان جس نے آدینہ بیگ کے مرنے کے بعد سکھوں سے صلح کر لی تھی ایک کثیر فوج کے ساتھ لاہور سے روانہ ہوا۔ وہ جہلم تک گیا اور افغانوں اور گکھڑوں کو شکست دے کر دریا کے پار دھکیل دیا۔ لیکن انہوں نے ایک اور بڑی فوج جمع کی اور مرزا کا مقابلہ کرنے کے لئے پھر واپس آگئے اور اسے شکست دی۔ لیکن چونکہ مرہٹوں کی پیش قدمی کی خبر گرم تھی اس لئے انہوں نے جہلم عبور کرنے سے احتراز کیا۔(۴)

لاہور پہنچ کر تکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت شمال مغرب کی جانب بڑھے۔ بظاہر ان کا مقصد وہاں کے لوگوں کو ہراساں کرنا تھا۔ وہ دریائے سندھ پار کر کے پشاور کے علاقے میں گھس گئے اور وہاں سے وسط نومبر ۱۷۵۸ء میں مرزا جان خاں اور میر حسن علی خاں کے بلاوے پر واپس آئے۔(۵)

ربیع الاخر ۱۱۷۲ء (دسمبر ۱۷۵۸ء) کے اواخر میں جب رگھوناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہولکر دہلی سے دکن آرہے تھے تو جنکوجی شنڈے اجمیر مارواڑ سے روانہ ہوا اور جے پور ہوتا ہوا پیشوا کے بھائی سے ملا۔ اس کے بعد وہ دہلی کے نواح میں آگیا۔

وزیر عماد الملک غازی الدین نے مرہٹوں کو خلعت دے کر خوش کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ لاہور جاکر پنجاب میں امن و امان بحال کر دیں تو انہیں سات یا آٹھ لاکھ روپیہ دیا جائے گا۔ جنکوجی ۵ جمادی الاول ۱۱۷۲ھ (۴ جنوری ۱۷۵۹ء) کو وزیر آباد کے نزدیک موضع براری پہنچا۔ وزیر اور جنکوجی کی گفت و شنید ایک ماہ تک چلتی رہی۔ بالآخر دو جمادی الثانی یعنی ۳۱ جنوری کو دونوں میں معاہدہ ہو گیا۔ اور پہلی فروری کو جنکوجی شمال کی جانب روانہ ہوا' اور مارچ میں ستلج کے جنوبی کنارے پر ماچھی واڑے کے مقام پر جا پہنچا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سباجی پٹیل کو پہلے ہی لاہور کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ لیکن موخرالذکر نے یہ دیکھ کر کہ سکھ پورے طریقے سے لاہور پر قابض ہیں اور ان کے لشکر کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کرنا آسان نہیں دریا پار نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ماچھی واڑہ کے مقام پر آدینہ بیگ کے خاندان کے افراد (شاید اس کی بیوہ اور بیٹا) اور دوآبہ بست جالندھر کے دوسرے لوگ جنکوجی سے ملے اور اسے کچھ روپیہ دیا۔

دہلی سے روانگی سے پیشتر مرہٹہ سردار نے سباجی پٹیل کو جو پشاور کے علاقے میں جا پہنچا تھا

واپس بلایا اور لاہور کے معاملات نارو شنکر کے سپرد کیے۔ سباجی اپریل ۱۷۵۹ء کے وسط میں پشاور سے لاہور پہنچا اور تکوجی ہولکر، کھانڈوجی کدم اور دوسرے سلح داروں (سرداروں) سے جو اس وقت لاہور میں مقیم تھے آملا۔ لیکن اس کے بعد یہ طے پایا کہ سباجی پنجاب ہی میں رہے جہاں تین پنڈت باپوراؤ، داود راؤ اور سنیا اس کی مدد کرتے رہیں۔(۶)

خواجہ مرزا جان خاں اور اس کا بھائی خواجہ سعید خاں اس زمانے میں بہت غیر مقبول ہو چکے تھے۔ مرزا جان فوجی مہمات یا بیرونی اضلاع کے انتظام کے سلسلے میں زیادہ تر باہر رہتا تھا اور اس کی غیر حاضری میں اس کا بھائی اور نائب خواجہ سعید خاں دارالحکومت کے امور کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ سعید نہایت ظالم شخص تھا وہ اہالیان شہر کو خوف زدہ کرنے کے لئے روزانہ ایک دو آدمیوں کو پھانسی دے دیا کرتا نیز لوگوں سے جبراً روپیہ بٹورتا رہتا۔ عام لوگوں سے اس کا سلوک انتہائی توہین آمیز تھا۔

خواجہ برادران کے سب سے بڑے دشمن تیمور کی فوج کے وہ قزلباش اور افغان سردار تھے جو چناب کے کنارے گرفتار ہو کر مرزا جان خاں کی فوج میں جبری خدمت پر مجبور تھے۔ انہوں نے مرہٹہ پنڈتوں سے ساز باز کرکے اور انہیں رشوت دے کر حکومت کے اعلیٰ عہدے اپنے قبضے میں کر لئے یعنی مرزا احمد خاں لاہور کا اور صالح خاں ملتان کا صوبیدار بن بیٹھا۔ مرزا جان خاں کو قید کر لیا گیا اور خواجہ سعید کو گدھے پر بٹھاکر لاہور کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا۔ اس کا جلوس جدھر سے گزرتا تھا لوگ اس کے سر پر خاک اور غلاظت پھینکتے تھے۔ اس کے بعد سعید کو سباجی پٹیل کے سامنے تعزیر کے لئے پیش کیا گیا۔ سباجی نے اس سے کہا

"تمہارے جرائم کے پیش نظر تمہیں سخت سزا ملنی چاہئے لیکن میں تمہیں صرف یہ سزا دیتا ہوں کہ تم اس ملک سے نکل جاؤ۔ اس کے علاوہ میں تم سے اور کچھ نہیں کہتا۔(۷)

سکھوں کی قوت میں اضافہ

اس بدنظمی میں سکھوں کو اپنی قوت بڑھانے اور فتوحات حاصل کرنے کا اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ دوآبہ بست جالندھر پر سردار جسا سنگھ اہلو والیہ نے قبضہ کرلیا اور باری اور رچنا دوآب کے بیشتر علاقے سردار سنگھ سکر چکیہ نے ہتھیا لئے۔(۸)

نورالدین کی مہم

اس موقعہ پر ضروری ہے کہ پنجاب میں افغانوں کی مہمات کا بھی کچھ تذکرہ کر دیا جائے۔ جب احمد شاہ قلات کے محاصرے میں مصروف تھا تو اس نے نورالدین خاں برمے زئی کی کمان میں ایک فوج پنجاب روانہ کی۔ اس فوج نے بلا کسی مزاحمت کے دریائے سندھ عبور کیا اور ستمبر

۱۷۵۸ء کے اواخر میں سندھ ساگر دو آب میں داخل ہو گئی۔ اگرچہ اس علاقے کو مرہٹوں نے فتح کر لیا تھا لیکن انہوں نے کسی جگہ بھی کوئی ایسا مضبوط فوجی دستہ نہ چھوڑا تھا جو درانیوں کی پیش قدمی کو روک سکے۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ خٹک، گکھڑ اور مسلمان جاٹوں کے قبضے میں تھا جو افغانوں کے حامی تھے۔ یہ سب لوٹ مار کے لالچ میں برے زئی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ نورالدین نے خوشاب کے مقام پر دریائے جہلم پار کیا اور مشرقی کنارے پر پیش قدمی کرتا ہوا بھیرہ کے متمول شہر میں جا پہنچا۔ مقامی آبادی کے تاوان دینے سے انکار پر اس نے لوٹ مار اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد وہ میانی اور چک سانو آیا اور یہاں کی آبادی سے بھی وہی سلوک کیا۔ ان تباہ شدہ شہروں کے دھکتے ہوئے کھنڈرات کو پیچھے چھوڑ کر نورالدین گجرات آیا اور اس پر گنے کو بھی لوٹا۔ بعد ازاں وہ چناب کو عبور کر کے رچنا دو آب کے علاقے میں جا پہنچا۔(۹)

یہاں خواجہ مرزا جان نے سکھوں کی مدد سے اس کی پیش قدمی کو روکا۔ آدینہ بیگ کی وفات کے بعد مرزا جان نے سکھوں سے صلح کر لی تھی اور افغانوں کے خلاف ان کی امداد حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ خواجہ اور اس کے سکھ حلیفوں نے چناب کے کنارے نورالدین کو شکست دی اور اسے دریا کے پار دھکیل دیا۔(۱۰)

اس کے بعد خواجہ نے دریا عبور کر کے اپنے دفاعی انتظامات کو مستحکم کیا۔ لیکن ہزیمت خوردہ نورالدین افغانوں اور گکھڑوں کا ایک اور بڑا لشکر لے کر پھر چڑھ آیا اور لاہور کے ناظم کو شکست دے دی۔

لیکن اس نے فرار ہوتے ہوئے خواجہ کا تعاقب نہ کیا۔ اس کی دو وجوہ معلوم ہوتی ہیں

ایک تو یہ کہ اسے شاہ کے احکامات نہ ملے تھے اور عقب میں کسی اور افغان لشکر کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ خود کو غیر محفوظ خیال کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ اسے تکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت کی سرکردگی میں ایک تازہ دم مرہٹہ فوج کی پیش قدمی کی اطلاع مل چکی تھی اور اس کے پاس اتنی فوجی قوت نہ تھی کہ خواجہ مرزا جان اور مرہٹوں اور سکھوں کی مشترکہ فوج کا مقابلہ کر سکے۔(۱۱)

اسی زمانے میں احمد شاہ کے حکم کے بموجب ٹیری کا خوش حال خاں خٹک مقامی سپاہیوں کی ایک فوج لے کر مرہٹوں کے مقابلے پر آیا۔ دونوں فریقوں میں حسن ابدال کے نزدیک جنگ ہوئی جس میں خوش حال خاں مارا گیا اور اس کا لشکر شکست کھا کر منتشر ہو گیا۔(۱۲)

جہان خاں کی فوج کی ناکامی

اگست ۱۷۵۹ء کے اواخر میں احمد شاہ نے جہان خاں کو ایک فوج دے کر پنجاب روانہ کیا۔ سباجی پٹیل اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی جس میں افغان ہار گئے اور ان میں سے بہت سے جن میں جہان خاں کا بیٹا بھی شامل تھا کام آئے۔ جہان خاں خود بھی زخمی ہوا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے پشاور کے علاقے میں پسپا ہو گیا۔(۱۳)

حوالہ جات

۱۔ پی ۔ آئی۔ ایس منڈل کوار ٹرلی (۹۳) xxiv-i جولائی ۱۹۴۳ء ' ص ٦' خزانہ عامرہ ' ص ۱۰۱' اور جام جہاں نما (ص ۱۲۰) میں لکھا ہے کہ دشمن کے ہراول دستے نے دریائے جہلم کے کنارے تک افغانوں کا تعاقب کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ اشارہ دشمن کی منتشر ٹولیوں کی جانب ہے۔

ایس۔ پی ۔ ڈی۔ 213-xxxii ۲۱ اپریل ۱۷۵۸ء میں لکھا ہے کہ مرہٹہ اور سکھ فوج سیلاب کی وجہ سے چناب عبور نہ کر سکی۔ بعد میں مرہٹہ دستے دریائے سندھ کے کنارے تک پہنچ گئے۔ ان میں سے کچھ تکوجی ہولکر' نرسوجی پنڈت اور سباجی پٹیل کی سرکردگی میں پشاور تک جا پہنچے۔ ملاحظہ کیجئے۔

حسین شاہی ' ص ۲۵

تاریخ سلطانی' ص ۱۳۴

تاریخ احمد' ص ۲۵

چہار گلشن ' ۱۳۳

علی الدین' ص ۲۵۵

احوال آدینہ بیگ خاں' ص ۱۲

بخت مل۔ خالصہ نامہ ' ص ۴۱

عماد السعادت ' ص ۷۴

سراج التاریخ' ص ۲۰

پی۔ آئی۔ ایس منڈل کوارٹرلی (۹۳) xxiv-i جولائی ۱۹۴۳ء' ص ٦' ۷

منازل الفتوح' ص ۱۷

۲۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ۱۶۵ الف تا ب
خزانہ عامرہ، ص ۱۰۱
تذکرہ عماد الملک، ص ۴۵۵ تا ۴۶۶
طہماس نامہ، ۸۴ الف
تاریخ مظفری، ص ۵۴۷
علی ابراہیم خاں۔ تاریخ بھاؤ جنکور، ص ۱۹
صولت افغانی، ص ۲۴۷
Delhi Chronicle، سرکار، ص ۷۶
کاشی راج، ص ۱، ۲
احمد شاہ بٹالیہ۔ تاریخ ہند، ص ۹۸۱، ۹۸۲، ۴۱۵، ۴۱۶
عماد التواریخ، ص ۱۴۷ اور ۱۴۹
علی الدین ۔ عبرت نامہ، ص ۲۵۶، ۲۵۷

ایس۔ پی۔ ڈی (ص ۹۶) میں آدینہ بیگ کی تاریخ وفات ۱۲ محرم ۱۱۷۲ھ (۵ دسمبر ۱۷۵۸ء) لکھی ہے۔

محمد اسلم کی فرصت الناظرین (ایلیٹ ۔ ہسٹری آف انڈیا، ص ۱۶۹) میں ایک دن پہلے کی تاریخ درج ہے۔

احوال آدینہ بیگ میں اس کی تاریخ وفات ۱۵ بھادوں ۱۸۱۵ بکرمی بیان کی گئی ہے جو شمسی حساب سے ۲۵ ستمبر کے لگ بھگ پڑتی ہے۔ لیکن اگر ہم چاند کے مہینوں سے حساب لگائیں تو اس کی تاریخ وفات ۱۶ یا ۱۷ ستمبر بنتی ہے۔ میں نے اس معاملے میں ہم عصر مراٹھی خطوط اور فرصت الناظرین پر تکیہ کیا ہے۔ تاریخ عالمگیر ثانی (ص ۱۹۰ ب تا ۱۹۱ الف) میں اس کی تاریخ وفات ۱۰ صفر بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ مصنف غلطی سے محرم کے بجائے صفر لکھ گیا ہے اس حساب سے آدینہ بیگ کا انتقال فرصت الناظرین میں دی گئی تاریخ وفات سے ایک روز پیشتر ہوا۔

۳۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ۱۹۰ ب تا ۱۹۱ الف
بی۔ آئی۔ ایس ۔ منڈل کوارٹرلی، جولائی ۱۹۴۳ء، ص ۶

۴۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ۱۹۱ ب
علی الدین۔ عبرت ۲۲۵

۵۔ اخبار اردوئے معلّٰی۔ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۷۵۸ء جس میں ۲۲ر ۱۷۵۸ء کے ایک خط کا خلاصہ درج ہے (پی۔ آئی۔ ایس۔ منڈل کوارٹرلی (۹۳)xxiv-i جولائی ۱۹۴۳ء' ص ۶' ۷)۔ پیشوا کے نام راجہ کیشوراؤ کے خط سے جو پہلی محرم ۱۱۷۲ھ (۵ ستمبر ۱۷۵۸ء) کو جھانسی سے لکھا گیا کہ اگست ۱۷۵۸ء میں مرہٹے اٹک تک پہنچ گئے تھے۔ خط میں مہم کے سرداروں کے نام درج نہیں ہیں۔

۶۔ ایس۔ پی۔ ڈی۔ ii' ص xxi-۱۰۰' ص ۱۷۱

اخبار دربار معلّٰی ۱۵ اپریل ۱۷۵۹ء (پی۔ آئی۔ ایس منڈل کوارٹرلی (۹۳) xxiv-i جولائی ۱۹۴۳ء' ص ۷

تاریخ عالمگیر ثانی' ۱۹۲ الف تا ۱۹۸ ب اور ۲۵۰ ب

عبرت نامہ' ص ۲۵۵' ۲۵۶

عماد التواریخ' ص ۱۴۶' ۱۴۷

پنڈتوں کا پورا نام اور خاندانی نام تحریر نہیں ہے اس لئے ان کی صحیح نشان دہی مشکل ہے۔ کھانڈو جی اور نرسو پنڈت کے ساتھ بھی یہی دشواری ہے۔ تاریخ عالمگیر ثانی (ص ۱۹۳ الف) میں ان کے نام نارو جی شنکر' گوپال پنڈت اور پرشوتم پنڈت تحریر ہیں۔ اگر نرسو جی جنوری ۱۷۵۹ء میں دہلی میں موجود تھا تو پھر وہ نارو شنکر یا پرشوتم میں سے کوئی ایک ہو گا۔ گیان سنگھ کی پنتھ پرکاش میں تحریر ہے کہ صاحب راؤ کو اٹک بھیجا گیا تھا۔ بابو راؤ کو روہتاس اور جہلم اور رام جی اور شام جی کو ملتان۔ مادھو راؤ اور نرائن راؤ بالترتیب لاہور اور سرہند میں رہے (ص ۷۳۳) اور شمشیر خالصہ ص ۱۲۸ (۴۹۱)۔ ہو سکتا ہے کہ پنتھ پرکاش کا بابو راؤ درحقیقت باپو راؤ ہو اور عبرت نامہ اور عماد التواریخ کا دادو راؤ پنتھ پرکاش کا مادھو راؤ ہو۔

۷۔ طہماس نامہ' ۹۰ ب تا ۹۱ الف

علی الدین۔ عبرت نامہ' ۲۵۶

سوہن سنگھ۔ عماد التواریخ' ص ۱۴۶' ۱۴۷

عماد التواریخ' ص ۱۴۶ میں تحریر ہے کہ خواجہ مرزا جان اور اس کے بھائی کی برطرفی کے بعد طاہر بیگ کو لاہور کا ناظم مقرر کیا گیا۔

۸۔ سوہن لال۔ عماد التواریخ' ۱۴۷

۹۔ تاریخ عالمگیر ثانی' ۱۹۱ ب

ایلفنسٹن۔ کابل' ص ۲۹۱

ادسلے اور ڈیویز۔ شاہ پور ڈسٹرکٹ سیٹلمنٹ رپورٹ (۱۸۶۶) ص ۳۶
ولسن۔ شاہ پور گزٹیر' ص ۳۲' ۳۳

صاحب تاریخ عالمگیر ثانی چناب کے بجائے سہواً جہلم تحریر کر گیا ہے اور لکھتا ہے کہ گجرات کے پرگنے کو لوٹ کر افغان اور گکھڑ مغرب سے جہلم کی طرف آئے۔ لیکن گجرات چناب کے کنارے واقع ہے اور جہلم سے مغرب نہیں بلکہ مشرق کی جانب پڑتا ہے۔

شاہ پور سیٹلمنٹ رپورٹ (ص ۳۶) میں تحریر ہے

"اس شخص (نورالدین خاں) کی کاروائیاں در حقیقت ان زیادتیوں کا ایک نمونہ ہیں جو حملہ آور فوجیں عام طور سے روا رکھتی ہیں۔ اس کے مظالم کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اگرچہ بھیرہ اور میانی اپنے پرانے کھنڈرات پر از سر نو آباد ہو گئے لیکن اس سانحے کے تباہ کن اثرات سے کبھی بھی مکمل طریقے سے بحال نہ ہو سکے۔ چک سانو کے تو صرف کھنڈرات اور بنیادیں ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔"

اسی رپورٹ کا صفحہ ۳۳ بھی ملاحظہ کیجئے۔ افغانوں کے تسلط کے زمانے میں پنجاب کی زبوں حالی کا اندازہ اس کہاوت سے ہوتا ہے "کھادا پیتالاہے دا' رہندا احمد شاہے دا۔" (جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں وہ ہمارا ہے اور باقی سب کچھ احمد شاہ کا ہے)۔ گجرات ڈسٹرکٹ گزیٹر (۱۸۸۳-۸۴) ص ۱۵' ۱۶

۱۰۔ تاریخ عالم گیر ثانی' ۱۹۱ب

۱۱۔ تاریخ عالم گیر ثانی' ۱۹۱ب

اخبار دربار معلّی ۔ مورخہ دسمبر ۱۷۵۸ء جس میں ۲۰ نومبر ۱۷۵۸ء کے ایک خط کا خلاصہ شائع ہوا ہے (بی۔ آئی۔ ایس۔ منڈل کوارٹرلی (۹۳) xxiv-i جولائی ۱۹۴۳ء)

ایلفنسٹن۔ کابل' ص ۲۹۱

میلسن اپنی تاریخ افغانستان کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھتا ہے

"نورالدین نے اپنی چھوٹی سی فوج کے ساتھ آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور وزیر آباد میں رک کر شاہ کے احکامات کا انتظار کرنے لگا۔"

۱۲۔ محمد حیات خاں۔ حیات افغانی' ۳۲۴

۱۳۔ Delhi Chronicle مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۷۵۹ء

نسباجی پٹیل نے اس زمانے میں اٹک کا قلعہ جہاں وہ کچھ عرصے سے مقیم تھا خالی کر دیا ہو گا۔

علی الدین۔ عبرت نامہ' (۱۱۸ الف)

خزانہ عامرہ، ص ۱۰۱

تاریخ عالم گیر ثانی میں اس لڑائی کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ہری رام گپتا کی "ہسٹری آف دی سکھس" کے صفحہ ۱۲۸ پر حاشئے میں تاریخ عالم گیر ثانی کے صفحہ ۳۶ کا حوالہ صریحا" غلط ہے۔

سرجادوناتھ سرکار نے اپنی کتاب Fall of the Mughal Empire کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔

"راجواڑے اپنی کتاب کی جلد ششم میں اس فتح کا سہرا سکھوں کے سرباندھتا ہے"

راجواڑے کی جلد ششم کے صفحہ ۴۴۵ پر خط نمبر ۳۷۸ کی تاریخ تحریر ماگھ ۱۶۷۹ شاکا ہے جو جمادی الاخر ۱۱۷۱ھ (فروری ۹ تا مارچ ۹۔۱۷۵۸ء) سے مطابقت رکھتی ہے۔ جہان خاں کی شکست کا واقعہ اگست ۱۷۵۹ء میں پیش آیا اس لئے اس بیان کی صحت صرف اس مفروضے پر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اصل خط پر کوئی تاریخ نہ تھی بلکہ کتاب کے مرتب نے غلط تاریخ لکھ دی۔ لیکن خط کے متن میں جہان خاں کی زیر کمان کسی باقاعدہ فوج کی جانب اشارہ نہیں بلکہ افغانوں کے کچھ باغی گروہوں کا ذکر ہے جنہوں نے تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے جہان خاں کی فوج چھوڑ دی تھی اور شاہ ولی خاں کو جو انہیں واپس لانے کے لئے گیا تھا شکست دی تھی۔

اکیسواں باب

ہندوستان پر پانچواں حملہ اور مرہٹوں سے لڑائی

(۱۷۵۹ء تا ۱۷۶۱ء)

احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت

اکتوبر ۱۷۵۹ء میں احمد شاہ نے اپنے مقبوضات واپس لینے اور کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے ہندوستان پر ایک اور حملے کی ٹھانی۔

نجیب الدولہ روہیلہ جو ہندوستان میں شاہ کا نمائندہ تھا عرصے سے اسے عریضے بھیج رہا تھا۔ مرہٹوں نے اسے دہلی سے نکال کر سکرتال کے مقام پر سخت تنگ کر رکھا تھا۔ نجیب الدولہ نے شاہ سے اسلام کے نام پر برہمن بت پرستوں کے خلاف امداد مانگی۔ اسی زمانے میں جے پور اور مارواڑ کے ہندو راجاؤں مادھو سنگھ اور بجے سنگھ نے احمد شاہ سے درخواست کی کہ ہندوستان آکر ان کے علاقے کو مرہٹوں سے محفوظ رکھنے میں مدد دے۔ شہنشاہ عالمگیر نے بھی اسے چند خفیہ خطوط لکھے۔ وہ اپنے ظالم وزیر عماد الملک غازی الدین سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔(۱)

شاہ کا پنجاب میں داخلہ

شاہ نے سردار جہان خاں کو پہلے روانہ کیا اور خود صفر ۱۱۷۳ھ کے اواخر میں درہ بولان کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوا۔ بنوں میں اس علاقے کے دو ممتاز سردار بھی آملے۔ ان میں سے ایک بیگو تھا جو مروت قبیلے کی آچوخیل شاخ کے بیگوخیل گروہ کا بانی تھا۔ اس کے ساتھ

ایک سو بیس مروت سوار تھے۔ دوسرا سردار زمان ذکا خیل تھا جسے شاہ نے اس کے طاقت ور اور ظالم مخالفوں بدن زئی اور ماموخیل قبیلوں کے مقابلے میں سرداری حاصل کرنے میں مدد دی تھی۔ شاہ نے ۳ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ (۲۵ اکتوبر ۱۷۵۹ء) کو دریائے سندھ عبور کیا اور پنجاب میں داخل ہو گیا۔(۲)

مرہٹوں نے مزاحمت نہیں کی

اس اثنا میں جہان خاں نے سباجی کو اٹک سے نکال دیا۔ موخرالذکر نے بلا کسی مزاحمت کے شہر خالی کر دیا۔ جہان خاں کی فوج مرہٹوں کے چھوٹے سے دستے سے کئی گنا طاقت ور تھی۔ جہان خاں نے بھاگتے ہوئے مرہٹوں کو روہتاس میں آلیا۔ کچھ دیر لڑنے کے بعد وہ پھر بھاگ نکلے اور لاہور، بٹالہ سرہند اور جالندھر گئے بغیر دہلی آ گئے۔

مرہٹے جہان خاں کی آمد سے بالکل بے خبر تھے۔ ان میں سے کچھ دریا عبور کر کے جنوبی کنارے پر پہنچ چکے تھے اور کچھ ابھی شمالی کنارے پر ہی تھے۔ چار ہزار اونٹ، ایک ہزار گھوڑے اور بہت سے سونے اور چاندی کے سکے افغانوں کے ہاتھ لگے۔ مرہٹوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی۔ اس کے علاوہ ایک مرہٹہ سپہ سالار اور بہت سے سپاہی جو پیچھے رہ گئے تھے افغان ہراول دستے کے ہاتھوں لاہور کے نزدیک کٹ گئے۔ لیکن چھ ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ جو ملتان میں متعین تھا بلا کسی نقصان کے لاہور کے مشرق کی جانب پسپا ہو گیا۔

سکھوں سے جنگ

لیکن سکھوں نے زیادہ ہمت کا ثبوت دیا۔ احمد شاہ جب چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ لاہور میں پہنچا تو سکھوں سے خونریز جنگ ہوئی۔ شاہ کے دو ہزار آدمی مارے گئے اور جہان خاں زخمی ہوا۔(۳)

پنجاب کے انتظامی معاملات

چونکہ پنجاب میں کوئی حاکم نہ رہا تھا اس لئے جہان خاں نے ہر جانب اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔ اس نے لاہور میں دیوان صورت سنگھ کے پاس بھی قاصد بھیجے کہ تیمور شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور سکے جاری ہوں اور بہانگ دہل منادی کرائی جائے کہ کوئی شخص اہالیان شہر کو نہ ستائے گا۔ شاہ کے لاہور پہنچنے کے بعد حاجی کریم داد خاں کو جو وزیر شاہ دل خاں کا بھتیجا اور تیمور شاہ کا عرض بیگی تھا لاہور کا گورنر مقرر کیا گیا۔ زین خاں گجرات، اورنگ آباد، پسرور

اور ایمن آباد کے ضلعوں کا فوجدار قرار پایا اور امیر خاں کو کریم داد خاں کے نائب کا عہدہ ملا۔(۴) ۔

۱۰ دسمبر ۱۷۵۹ء کو نجیب الدولہ نے مہاراجہ سوائے مادھو سنگھ کو لکھا

"اس دفعہ اعلیٰ حضرت نے اس غرض سے ہندوستان کا رخ کیا ہے کہ یہاں کے انتظامی مسائل کو مستقل طریقے سے سلجھا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت کا ارادہ ہے کہ مقامی سرداروں اور امرا کے تعاون سے دکن کے علاقے پر قبضہ کرکے وہاں کے کافروں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ تمام سرداروں اور دیگر ملازمین کو جو بادشاہ کے ساتھ ہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے خاندانوں کو لاکر لاہور میں آباد ہوں"۔(۵) لاہور میں افغانوں کی آباد کاری اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ شہر سکھوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ ہو جائے۔ احمد شاہ کو خدشہ تھا کہ اس کے دکن کی جانب پیش قدمی کرنے کی صورت میں سکھ اس کے سلسلہ رسل و رسائل کو منقطع کرکے اسے بے بس نہ کر دیں۔

شاہنشاہ عالمگیر کا قتل

جہان خاں پندرہ ہزار سوار لے کر پہلے ہی سرہند جا چکا تھا۔ شاہ چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوا' اور ۲۹ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ (۲۰ نومبر ۱۷۵۹ء) گوندل کے نزدیک دریائے بیاس پار کیا۔ ۱۹ ربیع الثانی (۱۰ دسمبر) کو اس نے روپڑ کے پرگنے میں خضر آباد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور یہاں سے سرہند پہنچا۔ شاہ کی پیش قدمی کی خبر سن کر دہلی کا وزیر اعظم عماد الملک غازی الدین اتنا دہشت زدہ اور برافروختہ ہوا کہ اس نے شاہ عالمگیر ثانی کو جس نے احمد شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی قتل کرا دیا۔ یہ سانحہ ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ (۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء) کو پیش آیا۔ اگلے دن یعنی ۳۰ نومبر کو اس نے اپنے پرانے حریف خان خاناں انتظام الدولہ کو بھی گلا گھونٹ کر مروا ڈالا۔ ان واقعات کی خبر پاکر احمد شاہ بہت مشتعل ہوا۔

مرہٹوں کی شکست

داتا جی جس نے نجیب الدولہ کو تنگ کر رکھا تھا سکرتال کا محاصرہ اٹھا کر شاہ سے لڑنے کے لئے تیار ہوا۔ داتا جی روہیلہ سردار کی گلو خلاصی کے لئے تیار نہ تھا لیکن اس کے پاس سوا اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ شاہ جنوب کی طرف بڑھ رہا تھا اور یہ یقینی امر تھا کہ دہلی جانے سے پیشتر وہ سکرتال آکر نجیب الدولہ کی امداد کرے گا۔ اس کے علاوہ شجاع الدولہ بھی نجیب سے مل گیا تھا۔ اس لئے داتا جی نے یہی فیصلہ کیا کہ آگے بڑھ کر درانی بادشاہ کا راستہ روک دے۔ اس نے ۲۰؍ دسمبر کو پانی پت کے نزدیک رام را گھاٹ پر دریائے جمنا کو عبور کیا اور تمام غیر

ضروری سامان اور عورتیں اور بچے گوبند بلال اور جنکو جی کے ساتھ بھیج کر کنج پورے سے شاہ کے ہراول دستے کی جانب بڑھا۔ مرہٹوں کا ہراول دستہ جو' بھوئیٹے کی کمان میں تھا ۲۴ دسمبر ۱۷۵۹ء (۵ پاش سدی ۱۶۸۱ شاکا۔ ۱۸۱۶ بکرمی) کو تھانیسر کے نزدیک تراوری کے تاریخی مقام پر افغانوں سے ٹکرایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ داتا جی نے اس لڑائی کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کے ایک مراٹھی خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجائے فوجوں کی کمان کرنے کے وہ ایک بلندی سے افغانوں کی جنگی چالیں ملاخطہ کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ تباہ کن نکلا۔(٦)

لڑائی کے آغاز میں مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا۔ افغان فوج کے اگلے دستے پانچ ہزار سواروں کے مقابل میں وزیر غازی الدین کے ترکی سپاہیوں کے ساتھ پہلی ہی جھڑپ میں پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن جلد ہی لڑائی کا رخ بدل گیا۔ شاہ نے جنگ کی خبر ملتے ہی جنرل شاہ پسند خاں کو چار ہزار سواروں کے ساتھ جہان خاں کی مدد کو روانہ کیا۔ غازی الدین کے مغل سپاہی افغانوں کے طریق جنگ سے واقف تھے۔ وہ شاہ پسند کو آتے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئے۔ لیکن افغان سپاہیوں نے ان کی صفوں میں بندوق کی گولیوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ فوراً ہی شاہ نے ایک اور دستہ میدان جنگ میں بھیج دیا۔ اب مرہٹہ فوج تین جانب سے گھر چکی تھی اور افغان جو تعداد میں مرہٹوں سے کہیں زیادہ تھے سامنے اور دونوں پہلوؤں سے دبائے چلے آتے تھے۔ بھوئیٹے کے چار سو آدمی کھیت رہے اور اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ داتا جی فوراً میدان جنگ کی طرف بڑھا لیکن اب اس کا آنا بے سود تھا۔ اس وقت دن چھپ چکا تھا اور بڑھتی ہوئی تاریکی کی وجہ سے لڑائی جاری رکھنا ناممکن تھا۔(۷)

شاہ کی گنگا جمنا دو آب میں آمد

احمد شاہ کو مرہٹوں سے پہلی لڑائی میں فتح حاصل ہو گئی۔(۸) وہ اب غیر ضروری خطرات مول لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ داتاجی اپنے کیمپ میں لوٹ کر صبح کی لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا کہ شاہ نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بوریا کے نزدیک کشتیوں کے پل سے دریائے جمنا عبور کیا اور گنگا جمنا دو آب میں داخل ہو گیا۔ نجیب الدولہ سہارنپور کے نزدیک شاہ کے حضور پیش ہوا اور دونوں دریائے جمنا کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ دہلی کی جانب بڑھے۔ چند ہی دنوں میں ہندوستان کے دوسرے روہیلہ افغان سردار مثلاً حافظ رحمت خاں۔ دوندے خاں۔ سعداللہ خاںؒ۔ فیض اللہ خاں۔ فتح خاں (خان ساماں) اور ملا سردار خاں بخشی بھی شاہ سے آملے۔ احمد شاہ نے دہلی سے چھ میل شمال مشرق کی جانب لونی کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حالات کا رخ دیکھنے لگا۔(۹)

براری گھاٹ کی لڑائی

تراوری میں شکست کھا کر داتا جی بھی دہلی کی جانب بڑھا۔ اس نے ۲۷ دسمبر کو کنج پورہ چھوڑا۔ اور کرنال اور پانی پت ہوتا ہوا ۲۹ دسمبر کو سونی پت پہنچا۔ وہ ۴ جنوری ۱۷۶۰ء کو براری گھاٹ پہنچا۔ اس کے تیسرے دن وہ دہلی آیا اور اپنے اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کے بال بچے ریواڑی بھیج کر پھر واپس برآری آگیا اور شاہ سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جمنا کا مشرقی کنارہ پورے طریقے سے شاہ اور اس کے حلیفوں کے قبضے میں تھا۔ اس لئے اس کی سرگرمیوں کی کوئی اطلاع مغربی کنارے پر مرہٹوں تک نہ پہنچ پائی تھی۔ ۶ جنوری ۱۷۶۰ء (۲۰ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ) کو علی الصبح نجیب خاں کے روہیلوں نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا اور پانی کے مختلف دھاروں سے بننے والے ایک چھوٹے سے جزیرے پر نمودار ہوئے۔ ان کے عقب میں افغان دستے تھے۔

سباجی جو براری گھاٹ پر قابض تھا ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر افغانوں اور روہیلوں نے کثرت تعداد اور بہتر اسلحہ کی مدد سے اس کی فوج پر قابو پالیا۔ سباجی کے پاس توپخانہ نہ تھا اور اس کے سپاہی جو صرف برچھوں اور تلواروں سے مسلح تھے افغانوں کی گولیوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئے۔

اس اثنا میں داتا جی کو لڑائی کی اطلاع ملی اور وہ سباجی کو کمک پہنچانے کی غرض سے میدان جنگ کی طرف جھپٹا۔ اس کی فوج آگے بڑھتے ہوئے روہیلوں پر ٹوٹ پڑی اور انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن فتح شاہ کے مقدر میں لکھی گئی تھی۔ اس نے اپنے توپ خانے اور سواروں کو روہیلہ پیادہ فوج کی مدد کے لئے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ افغان توپ خانے نے مرہٹہ برچھا برداروں کی صفوں میں تباہی مچا دی۔ داتا ہوا میں برچھا لہراتا ہوا افغانوں کی جانب بڑھا لیکن شاہ کے ایک سپاہی نے آنکھ میں گولی مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔

نجیب الدولہ نے یہ دیکھ کر کہ مرہٹہ سوار افغان اور روہیلہ پیادہ فوج کی صفوں میں آگھسے ہیں تازہ دم فوج لے کر حملہ کر دیا۔ مرہٹوں کے دل ٹوٹ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔

جنکوجی ریزرو دستوں کو لے کر میدان میں اترا۔ لیکن کچھ نہ کر سکا۔ اس کے بازو میں زخم آیا' اور بھاگتے ہوئے مرہٹے اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ جنکوجی کے میدان چھوڑ دینے کے بعد لڑائی بالکل ختم ہو گئی اور مرہٹے منتشر ہو کر ہر سمت فرار ہونے لگے۔

فاتح افغانوں نے چالیس میل تک ان کا تعاقب کیا۔ یہاں قطب شاہ نے داتا جی کا سر کاٹ کر نجیب الدولہ کو بھیجا جس نے اسے شاہ کے سامنے پیش کیا۔

داتاجی کے علاوہ بہت سے اور مرہٹہ سردار بھی اس لڑائی میں زخمی ہوئے یا کام آئے۔(۱۰)

دہلی کے حالات

شاہ نے چند دن لونی میں قیام کیا۔ اس دوران میں چند افغانوں نے شہر میں داخل ہو کر کچھ محلوں کو لوٹ لیا۔ مغل دارالخلافہ اس وقت بالکل لاوارث تھا۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد غازی الدین نے محی الملت کو جو محی السنت کا بیٹا اور اورنگ زیب کے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کا پوتا تھا ۳۰ نومبر کو تخت پر بٹھا دیا مگر بقول جادو ناتھ سرکار

"بادشاہوں کا یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ بے بس تھا۔"

غازی الدین برآری گھاٹ کی لڑائی سے پہلے ہی بھاگ گیا تھا اور کمہیر میں سورج مل جاٹ کے قلعہ میں پناہ گزیں تھا۔ جاٹ سردار نے احمد شاہ کے دہلی کی طرف کوچ کرنے کی خبر سن کر شہر کی حفاظت کے لئے پانچ ہزار سپاہی بھیجے تھے لیکن مرہٹوں کی شکست کے فوراً بعد یہ دستہ واپس کمہیر آگیا تھا۔ اس وقت یہ افواہ اڑی کہ احمد شاہ نے اپنے بیٹے کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ لیکن بادشاہ کا کبھی بھی یہ ارادہ نہیں رہا تھا کہ اپنے یا اپنے بیٹے کے لئے ہندوستان پر قبضہ کرے۔ احمد شاہ نے نئے شہنشاہ کو حسب سابق دہلی کے لال قلعہ میں رہنے دیا اور وزیر شاہ ولی خاں کے ایک رشتے دار یعقوب علی خاں جو عرصے سے ہندوستان میں تھا دہلی کا گورنر مقرر کر دیا۔(۱۱)

شاہ عالم ثانی کا خط احمد شاہ کے نام

اسی زمانے میں احمد شاہ کو بہار سے شاہ عالم ثانی کا ایک خط موصول ہوا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ ہندوستان کا تخت و تاج اس کے حوالے کیا جائے۔ شاہ عالم نے لکھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو "عمادالملک اور جاٹ کسی کو برائے نام بادشاہ بنا دیں گے اور ملک پہلے سے بھی زیادہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ دکنیوں کی طاقت کئی گنا بڑھ جائے گی اور وہ عوام کی زندگی تلخ کر دیں گے۔"

شاہ عالم نے احمد شاہ سے درخواست کی کہ وہ آگرہ آئے اور خان خاناں (شہنشاہ کو ابھی تک اس کے قتل کی خبر نہ ملی تھی) اور نجیب الدولہ کو اس کے پاس بھیجے۔ شاہ عالم کا خیال تھا کہ اس کے بعد بیشتر امراء اور سردار اس کی اطاعت قبول کرلیں گے' اور مالوہ اور گجرات مغل سلطنت میں واپس آجائیں گے۔ مرہٹوں کے بارے میں اس نے لکھا کہ وہ یا تو اطاعت قبول کر لیں گے یا ختم ہو جائیں گے۔ شہنشاہ نے سورج مل کا تذکرہ بڑے تحقیر آمیز الفاظ میں کیا

"لوگوں نے اعلیٰ حضرت سے کہا کہ یہ جاٹ ہندوستان کی کنجی ہے۔ اس حقیر آدمی کو کب سے یہ اہمیت حاصل ہوئی کہ وہ ہندوستان کی کنجی بن گیا؟ یہ سب ناگرمل کے تراشے ہوئے افسانے ہیں۔ مغل سلطنت کی گردش سے فائدہ اٹھاکر ان لوگوں نے شاہی علاقوں کا مالیانہ غبن کر لیا اور خزانے کو خالی کر دیا اور اس طرح سرداروں اور امرا کی صف میں داخل ہو گئے۔ بلی چوہا پکڑنے میں شیر ہوتی ہے لیکن شیر کے سامنے چوہا بن جاتی ہے۔ ہم جونہی منظر عام پر آئیں گے اور ملکی انتظام کی جانب توجہ دینا شروع کریں گے' یہ شخص خود ہی ہمیں روپیہ دے کر اور لاکھوں روپے کی آمدنی کے جس علاقے پر اس نے قبضہ کر لیا ہے اسے چھوڑ کر ہماری خدمت میں آجائے گا"۔(۱۲)

ڈگ کا محاصرہ

دہلی کے معاملات طے کر کے احمد شاہ نے بھرت پور کے سورج مل کی سرکوبی کا ارادہ کیا۔ شہر میں داخل ہوئے بغیر شاہ نے جنوب کی طرف کوچ کیا اور دہلی سے پانچ میل کے فاصلے پر خضر آباد میں پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے اس نے سورج مل اور جے پور اور مارواڑ کے راجاؤں مادھو سنگھ اور بجے سنگھ کو جنھوں نے اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی پیغام بھیجا کہ اس کے دربار میں پیش ہو کر خراج ادا کریں۔

۱۶ جنوری کو نجیب خاں' عبدالاحد خاں اور ۱۷ کو سعداللہ خاں' حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ سرداروں نے نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضری دی۔ ۲۱ جنوری کی سہ پہر کو بادشاہ بھی مزار پر حاضر ہوا۔(۱۳)

مغرور سورج مل سے کوئی تسلی بخش جواب نہ پاکر شاہ نے ۲۷ جنوری ۱۷۶۰ء کو خضر آباد چھوڑا اور شیر گڑھ کے راستے سے جاٹوں کے علاقے میں داخل ہو کر ۶ فروری کو ڈگ کے سامنے جا پہنچا۔ اگلے روز قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ احمد شاہ کو شہر سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ غالباً" اس کا مقصد یہ تھا کہ سورج مل کو ڈگ میں محصور رکھ کر مرہٹوں کے ساتھ مل جانے سے روکا جائے۔ اس دوران میں جہان خاں کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔(۱۴)

مرہٹوں کی آنکھ مچولی

مرہٹوں نے شاہ سے آنکھ مچولی شروع کر دی۔ جب شاہ ڈگ کے سامنے خیمہ زن تھا تو مرہٹوں کے ایک دستے نے ریواڑی کی جانب سے پیش قدمی شروع کی۔ شاہ نے افغانوں کا ایک مضبوط لشکر ان کے خلاف بھیجا جس نے ۱۱ فروری کو شب خون مار کر مرہٹوں کو شکست دی۔

اسی دوران میں اطلاع آئی کہ ملہار راؤ ہولکر جو جنکوجی شنڈے کے براری گھاٹ سے

فرار ہونے کے بعد کوٹ پتلی کے مقام پر اس سے آملا تھا نارنول کے نزدیک ریواڑی سے ۳۵ میل جنوب مشرق میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ شاہ نے ڈگ کا محاصرہ اٹھالیا اور دکن سے کمک پہنچنے سے پیشتر ہولکر کو شکست دینے کے لئے روانہ ہوا۔ مرہٹہ سردار شاہ کی آمد کی خبر سن کر چپکے سے شمالی ریگستان میں غائب ہو گیا اور ۲۲ فروری کو بہادر گڑھ میں نمودار ہوا۔ شاہ ۱۸ فروری کو ریواڑی پہنچ گیا اور یہاں سے دہلی کی جانب کوچ کیا تاکہ ہولکر کو دارالخلافہ پر قبضہ کرنے سے روکا جاسکے۔ ۲۲ فروری کو خبر ملی کہ ہولکر قطب مینار کے نزدیک کالکا دیوی میں مقیم ہے۔ اسے شاہ کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی اس لئے ۲۶ یا ۲۷ فروری کو اس نے دریائے جمنا پار کیا اور گنگا کے دو آبے میں داخل ہو گیا۔ شاہ نے دہلی کا سفر جاری رکھا اور دھن کوٹ ہوتے ہوئے ۲۹ فروری کو خضر آباد پہنچ گیا۔(۱۵)

سکندر آباد میں مرہٹوں کی شکست

اس دوران میں دس لاکھ روپے کی رقم نجیب الدولہ کے علاقے سے شاہ کے کیمپ کو روانہ کی گئی۔ ملہار راؤ ہولکر ۲۸ فروری کو سکندر آباد پہنچ گیا تھا۔ اس نے شہر کو لوٹا اور کچھ گویندے روانہ کئے کہ انوپ شہر کے نزدیک کوئی گھاٹ دریافت کریں جہاں سے دریائے گنگا کو پار کیا جا سکے۔ اس علاقے میں مرہٹوں کی تک و تاز سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ کہیں شاہی خزانہ نہ لوٹ لیں۔

احمد شاہ نے شاہ پسند خاں قلندر خاں اور جہان خاں کو حکم دیا کہ پندرہ ہزار سپاہ کے ساتھ مرہٹوں پر ناگہانی حملہ کر کے انہیں دریائے گنگا عبور کرنے اور شاہ کے روہیلہ حلیفوں کا علاقہ تاراج کرنے سے روکیں۔

شاہ کی ہدایات پر افغان سرداروں نے دریائے جمنا کو عبور کیا اور ہولکر کے ہراول دستہ پر جو گنگا دھر یشونت تانتیا کی کمان میں تھا ٹوٹ پڑے۔ مرہٹے افغانوں اور روہیلوں کی یلغار کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور تین چار گھنٹے کی کمزور سی مزاحمت کے بعد بھاگ نکلے۔ فاتح افغانوں اور روہیلوں نے بھاگتے ہوئے مرہٹوں کی کثیر تعداد کو کاٹ ڈالا۔ کئی اعلیٰ مرہٹہ سردار مثلاً" آنند رام۔ شیتاجی کھاراڈے اور اس کا بیٹا فقیر جی کھاراڈے بھی اس لڑائی میں کھیت رہے۔ اس شکست نے مرہٹہ سردار ملہار راؤ ہولکر کے اوسان خطا کر دیے۔ بجائے اپنے ماتحتوں کی کمک کو پہنچنے کے وہ جان بچا کر سرپٹ آگرے کی طرف روانہ ہوا۔ گنگا دھر تانتیا متھرا کی طرف پسپا ہو گیا۔(۱۶)

یہ سانحہ ۴ مارچ ۱۷۶۰ء کو پیش آیا اور اس سے مرہٹوں کے حوصلے بے انتہا پست ہو گئے۔

راجہ کیشو راؤ نے ۲۵ رجب ۱۱۷۳ھ (۱۳ تا ۱۴ مارچ ۱۷۶۰ء) کو پیشوا بالاجی راؤ کے نام ایک یاس انگیز خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔

"قصہ مختصر یہ کہ ابدالی اور روہیلے مل گئے ہیں۔ ان کے پاس ایک لشکر جرار کے علاوہ بے انتہا گولہ بارود ہے۔ ان کی مؤثر مزاحمت ناممکن ہے۔ ہم انہیں شکست نہیں دے سکتے بلکہ تاخیری حربے استعمال کرکے دکن سے کمک پہنچنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر کمک آگئی تو ہم متحد ہو کر دشمن کو ہرا دیں گے۔ نجیب خاں روہیلہ اور مراد آباد اور بریلی کے تمام روہیلہ قبائل ابدالی سے جا ملے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ کابل سے ایک اور لشکر ہندوستان کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ اگر آپ کے خاندان کا کوئی فرد اس جانب آرہا ہے تو براہ کرم اس کے ساتھ کچھ یورپین توپیں اور گولہ بارود بھیج دیں۔ سورج مل جاٹ، مادھو سنگھ اور شجاع الدولہ سب خوف زدہ ہیں۔ ابدالی اور روہیلے داتا جی سنڈے جیسے جنگ آزمودہ سردار کو مار کر بہت مغرور ہو گئے ہیں۔ ملہار راؤ کی فوج انہیں ہراساں کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن ابدالی مغلوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ نہایت خونخوار اور جنگ جو ہیں اور حملہ کرنے اور لڑنے دونوں میں تیز ہیں۔ انہوں نے دہلی کی مغل حکومت کو بالکل بے بس کر دیا ہے بلکہ اب تو مغل حکومت کا خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔(۱۷)

جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے

"مرہٹوں کا محبوب طریقہ جنگ یعنی ہلکے پھلکے رسالوں کے ذریعے دشمن پر حملہ کرنا ابدالیوں کے خلاف بالکل ناکام ہو گیا۔ ملہار راؤ ہولکر بھی جو مرہٹوں کی سوار فوج کا قابل ترین کماندار تھا شاہ کی فوج کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ بھرت پور آکر ہولکر نے حافظ رحمت خاں کے سفیر کو بلایا اور اس کی پیش کی ہوئی شرائط صلح پر پھر سے بات چیت شروع کر دی۔"

علی گڑھ کے قلعے پر قبضہ

جب جہان خاں گنگا دھر کے تعاقب میں مصروف تھا شاہ نے کول (علی گڑھ) کی طرف کوچ کیا اور ۵ مارچ ۱۷۶۰ء کو وہاں پہنچا۔ علی گڑھ اس وقت سورج مل جاٹ کے قبضے میں تھا۔ یہاں کا قلعہ ثابت خاں نے بنوایا تھا اسی لئے اسے ثابت گڑھ کہتے تھے۔ جاٹوں کے عروج کے وقت شہر اور قلعہ دونوں سورج مل کے قبضے میں آگئے اور اس نے قلعے کا نام تبدیل کرکے رام گڑھ رکھا۔ شاہ کے حملے کے وقت یہاں درجن سال کی کمان میں ایک جاٹ فوج مقیم تھی۔ علی گڑھ کے دفاعی انتظامات بہت مستحکم تھے اور سامان رسد بھی وافر تھا۔ لیکن شاہ نے اسے بھرت پور اور ڈگ سے منقطع کرکے کمک پہنچنے کی تمام امیدیں ختم کر دیں۔ ڈگ اور بھرت پور یہاں سے

بالترتیب پچاس اور ساٹھ میل کے فاصلے پر ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ اور ڈگ کے درمیان دریائے جمنا بھی بہتا ہے اور درمیانی علاقے میں افغانوں کی تیز رفتار ٹولیاں گھوم رہی تھیں۔ اس ناکہ بندی سے گھبرا کر درجن سال نے ہتھیار ڈال دیے اور رام گڑھ کا قلعہ شاہ کے حوالے کر دیا۔(۱۸)

نجیب الدولہ کا مشورہ

اس موقعہ پر نجیب الدولہ نے مشورہ دیا کہ چونکہ جنکوجی شنڈے اور ملہار راؤ ہولکر کی قوت بالکل ٹوٹ گئی ہے اور وہ دکن سے کمک پہنچنے تک اتحادیوں کے مقابلے میں نہ آئیں گے اس لئے احمد شاہ گرمی اور برسات کا موسم علی گڑھ ہی میں گزارے۔

اس نے کہا کہ "جب تک مرہٹوں کا قطعی طریقے سے خاتمہ نہیں ہو جاتا میں اس ملک میں نہیں رہ سکتا۔"

اس کے علاوہ اس نے فوج کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری بھی لی۔ اسی دوران میں خبر آئی کہ مرہٹوں کا ایک لشکر سداشیو بھاؤ کی سرکردگی میں دکن سے شمال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ اطلاع پاکر شاہ کے اتحادیوں نے اس سے درخواست کی کہ انہیں دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہ جائے۔ احمد شاہ نے ان کی گزارش قبول کر لی اور یہ طے پایا کہ علی گڑھ ہی میں قیام کیا جائے۔ شاہ نے خوش ہو کر مغرور غازی الدین کے تمام علاقے فوجی اخراجات کے عوض نجیب الدولہ کو عطا کر دیے۔(۱۹)

احمد خاں بنگش کی دربار میں حاضری

شاہ ولی خاں کے مشورے پر احمد شاہ نے اوائل شعبان ۱۱۷۳ھ میں نواب احمد خاں بنگش کو مندرجہ ذیل مضمون کا خط لکھ کر دربار میں حاضری کی دعوت دی۔

"ہمیں اپنے وزیراعظم سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک مخلص دوست قابل عزت انسان اور ہمہ صفت موصوف ہستی ہیں۔ اسی لئے ہم نے اس خط پر اپنے دستخط ثبت کئے ہیں۔ سردار عالی مقام کو واضح رہے کہ اس کا اخلاص ہم پر روشن ہے۔ ہماری سلطنت خدا داد ہر افغان کے لئے باعث فخر ہے اور بنگش افغان ہماری قوم کے سرداروں میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ اس اظہار اعتماد کے بعد ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہوں۔ سردار عالی مقام کے مفادات ہماری نظر میں دوسروں سے مقدم ہیں۔"

شاہ ولی خاں نے بھی دستخط اور مہر سے بنگش سردار کو یقین دہانی کا ایک خط لکھا۔ اس میں

تحریر تھا۔

"شاہی دربار کا یہ غلام قرآن کو حاضر ناظر جان کر نواب احمد خاں بہادر غالب جنگ کو یقین دلاتا ہے کہ جونہی وہ شاہی کیمپ میں تشریف لائیں گے انہیں دوسرے سب سرداروں سے زیادہ عزت ملے گی اور ان کے ساتھ وہ لطف و کرم روا رکھا جائے گا جو آج تک ہندوستان میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ سردار عالی مقام کے عہدے ' جاگیر اور علاقوں میں اضافہ ہو گا۔ ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کے معاملات ان کی رضا اور مشاورت سے طے ہوں گے اور ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن تصور کیا جائے گا۔ خدا اور اس کا رسول اس یقین دہانی کے گواہ ہیں۔"

احمد خاں بنگش یہ خط پا کر بہت خوش ہوا اور ۱۴ شعبان ۱۱۷۳ھ (۳۱ مارچ ۱۷۶۰ء) کو شاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس موقعہ کا آنکھوں دیکھا حال جے پور کے وکیل ہرپرشاد نے مہاراجہ سوائے مادھو سنگھ کی اطلاع کے لئے قلمبند کیا تھا۔

"نواب احمد خاں کول کے مشرق میں ایک باغ میں خیمہ زن ہیں۔ شاہ کا قیام اس جگہ سے ڈیڑھ کروہ (تقریباً" تین میل) مغرب کی جانب ایک اور باغ میں ہے۔ صبح سورج نکلنے سے چار گھڑی پہلے نواب ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے پڑاؤ سے نکلا اور آتشبازی ' بینڈ باجے اور مشعل بردار ہاتھیوں کے ایک جلوس کے ہمراہ شاہ کی قیام گاہ کے دروازے پر پہنچا۔ یہاں شاہ کے وزیراعظم اور دوسرے سرداروں نے اس کا استقبال کیا۔ شاہی محل سے لے کر لشکر کے خیموں تک پورے علاقے کو صاف کر کے چھڑکاؤ کیا گیا۔ راستے کے دونوں طرف فوجی دستے ا-ستادہ تھے۔ تمام اہلکاروں کو ہدایت تھی کہ نواب کے کسی سوار یا پیادے کا راستہ نہ روکا جائے۔

دری خانے سے نواب اپنے سرداروں اور معتمدوں کے ساتھ جن کی تعداد سو سے اوپر تھی بادشاہ کے حضور میں گیا' اور مندرجہ ذیل تحائف پیش کئے

ہاتھی	۲ عدد
اشرفیاں	۱۰۰۱
روپے	۵۰۰۰

زر بفت۔ کمخواب۔ مشروع مخمل بنات۔ سفید باف اور چھینٹ کے تھان ۴۰ عدد

اپنے ہمراہیوں کی طرف سے بھی خان نے بادشاہ کو ۵۰۰ اشرفیاں پیش کیں۔ اس کے علاوہ

شہزادہ تیمور کو اپنی جانب سے ایک ہاتھی اور اپنے ہمراہیوں کی جانب سے ۱۰۱ اشرفیاں پیش کیں۔

جواب میں شاہ نے اسے ایک بیش بہا چارپارچوں کا خلعت۔ کلغی اور جواہرات سے مرصع دستار۔ ایک گھوڑا اور جواہر نگار خنجر اور تلوار عطا کئے۔ اس کے علاوہ شاہ نے اعلان کیا کہ آئندہ ہندوستان کی معاملات اس کی رائے اور مشورے سے طے ہوا کریں گے۔

شاہ سے رخصت ہو کر نواب دری خانے میں آیا' اور دو گھڑی وزیراعظم سے گفتگو کی۔ نواب کے سوال کے جواب میں وزیراعظم نے بتلایا۔

"ہندوستان میں ہمارے دو دشمن تھے۔ اولا" مرہٹے جن کی ہم نے بیخ کنی کر دی ہے۔ دوئم گرمی جو اب ختم ہونے والی ہے۔ اب اعلیٰ حضرت آپ کے مشورے سے انتظامی امور طے کرنا چاہتے ہیں"۔

اس کے بعد نواب وزیراعظم سے اجازت لے کر دری خانے کے دروازے پر آیا اور اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور خیرات تقسیم کرتا ہوا بینڈ باجے کے ساتھ شاہی لشکر کے درمیان سے گزرا اور غروب آفتاب کے تین گھنٹے بعد اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔

> "شاہ کے لشکر میں نظم و ضبط کا یہ عالم ہے کہ کوئی وزیر یا اعلیٰ منصب دار ہاتھی پر سوار نہیں ہوتا نہ کسی کو بینڈ بجانے یا نقارہ بجانے کی ہمت ہے۔ نواب کا جلوس شاہ کی قیام گاہ تک بینڈ باجے کے ساتھ گیا اور اسی طرح واپس آیا۔ شاہ کے تمام فوجی جو تماشہ دیکھنے کے لیے جمع تھے احمد خاں کی عزت افزائی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ احمد شاہ نے آج تک ہندوستان یا ولایت کے کسی امیر یا سردار کی ایسی عزت افزائی نہ کی تھی"۔(۲۰)

نواب کی واپسی کے بعد شاہ نے اپنے لشکر میں بہانگ دہل منادی کرائی کہ افغانستان کا کوئی آدمی مقامی لوگوں کی جانب مذہبی تعصب یا ناروا داری کا مظاہرہ نہ کرے گا۔ نہ کوئی قوی کسی کمزور پر ظلم کرے گا اور نہ یہاں کے رسم و رواج میں مداخلت کی جائے گی۔"

شجاع الدولہ سے سمجھوتہ

شاہ نے علی گڑھ میں دو ماہ قیام کیا

جولائی میں برسات کی موسلادھار بارش کے سبب شاہی لشکر گنگا کے مغربی کنارے پر انوپ شہر کے نزدیک ایک اونچی جگہ منتقل ہو گیا۔ اس عرصے میں شاہ بے کار نہیں بیٹھا رہا۔ اس کے سفیر ہر طرف مرہٹوں کے خلاف اتحادی ڈھونڈنے میں سرگرمی سے مصروف تھے۔ ان نئے

حلیفوں میں سب سے اہم اودھ کا شجاع الدولہ تھا جس کا دارالخلافہ لکھنؤ تھا۔ اس کی فوج اور توپ خانہ شمالی ہندوستان کے تمام امراء اور والیان ریاست سے زیادہ طاقت ور تھا۔ اس کی گوسائیں سپاہ جس میں دس ہزار پیادے اور سوار تھے نہایت نڈر اور شجاع ہندو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس قابل اور وفادار شیعہ افسروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ ہر دو فریق نے شجاع الدولہ کو لالچ دیا کہ شاہ عالم کو تخت پر بٹھاکر اسے دہلی کا وزیر بنا دیا جائے گا۔ شاہ نے یکے بعد دیگرے محمد شاہ کی بیوہ ملکہ زمانی' سردار جہاں خاں اور نجیب الدولہ کو اس کے پاس بھیجا۔ مرہٹے بھی اس سے گفت و شنید کر رہے تھے۔ لیکن آخر کار نجیب الدولہ نے اسے شاہ کی حمایت پر رضامند کر لیا۔

مرہٹے پورے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اس لئے شجاع الدولہ کو ان پر اعتماد نہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ جونہی ابدالی حملہ آور واپس گیا وہ اس کے علاقے پر چڑھ دوڑیں گے اور اودھ کو مرہٹہ عملداری میں شامل کر لیں گے۔ اس کے برخلاف احمد شاہ درانی کو سوا پنجاب کے مغل سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہندوستان پر اس کے حملے زیادہ تر جلب زر کے لئے ہوتے تھے یا اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے۔

شجاع الدولہ کو احمد شاہ سے دو ہی خدشات ہو سکتے تھے۔ ایک تو مذہبی اختلافات کی بنا پر اس لئے کہ شجاع الدولہ شیعہ تھا اور ابدالی سنی۔ دوسرے اس بنا پر کہ ۱۷۴۸ء میں مانوپور کی لڑائی میں اس کے باپ صفدر جنگ نے شاہ کو شکست دی تھی۔

مگر نجیب الدولہ نے ذاتی یقین دہانی سے ہر دو امور پر اس کے خدشات کا ازالہ کر دیا۔

شجاع کے مطالبہ پر شاہ نے اس کو بحفاظت واپسی اور دہلی کی وزارت دیئے جانے کا تحریری وعدہ بھی دے دیا۔ اس یقین دہانی کے بعد شجاع الدولہ ۴ ذی الحج ۱۱۷۳ھ (۱۸ جولائی ۱۷۶۰ء) کو انوپ شہر آکر شاہ سے ملا۔ افغان وزیراعظم شاہ ولی خاں نے شہر سے چند میل باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ احمد شاہ شجاع الدولہ سے مل کر بہت خوش ہوا اور اسے بیش بہا خلعت اور فرزند خاں کا خطاب عطا کیا۔(۲۱)

راجپوتوں سے تعلقات

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اور راجپوتوں کے تعلقات کا بھی کچھ تذکرہ کر دیا جائے۔ شاہ کے ہندوستان سے تعلق کے آغاز سے ہی جے پور اور جودھ پور کے راجاؤں نے اپنے آپ کو اس کے دشمنوں سے الگ تھلگ کر رکھا تھا۔

جے پور کے راجہ شری سنگھ نے مانو پور کی لڑائی میں عملاً" کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ صحیح

ہے کہ وہ مغلوں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا تھا مگر لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ گیا تھا اور مغل فوج میں شاہ کی جاسوسی کے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔ ۱۷۵۷ء میں جب بندرابن اور متھرا کے مقدس شہر اور ان کے مندر لوٹے اور جلائے گئے راجپوت اس وقت بھی خاموش رہے۔ اس مرتبہ تو جے پور اور جودھ پور کے راجاؤں نے روہیلہ افغانوں سے مل کر خود شاہ کو ہندوستان آنے اور یہاں قیام کرنے کی دعوت دی تھی۔ وہ مرہٹوں کے جارحانہ حملوں سے تنگ آچکے تھے اور ان کے خلاف شاہ کی فوجی کاروائیوں ہی میں انہیں اپنی عافیت نظر آتی تھی۔

دوسری طرف شاہ ان کی غیر جانبداری کی قدر کرتا تھا۔ درحقیقت ان کی غیر جانبداری میدان جنگ میں سرگرم تعاون سے بہتر تھی۔ اگر وہ اپنی فوجیں لیکر شاہ کے ساتھ میدان میں اتر جاتے تو ان کے علاقوں کا دفاع کمزور پڑ جاتا' اور مرہٹوں کے لئے حملے کا راستہ کھل جاتا۔ ایسی صورت میں ان کا بادشاہ کو چھوڑ کر واپس جانا دوسرے اتحادیوں کے حوصلے پست کر دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نے صورت حال کو پورے طریقہ سے بھانپ لیا تھا۔ اور اسی لئے اس نے ان راجپوت رجاؤں کو مرہٹوں اور جاٹوں کے خلاف لڑنے کے لئے کبھی نہیں بلایا۔ لیکن وہ ان سے باقاعدہ خط و کتابت رکھتا تھا اور انہیں حالات سے مطلع کرتا رہتا تھا۔ اس کے جواب میں شاہ کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ اسے اپنے علاقوں کے حالات سے باخبر رکھیں۔

احمد شاہ ان راجپوت راجاؤں کا بڑا لحاظ کرتا تھا۔ سوائے مادھو سنگھ کے نام ایک خط میں اس نے لکھا:

"مجھے آپ سے وہی قلبی لگاؤ ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے ہوتا ہے۔"

خط کی عبارت ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی:

"میں اپنے دل میں پورے راجپوت فرقے کے لئے محبت اور احترام کے گہرے جذبات پاتا ہوں جن کے محرک وہ قدیم اور خوشگوار تعلقات ہیں جو آپ کے اور ہماری سلطنت خداداد کے درمیان سالہا سال سے چلے آتے ہیں۔"

افغانوں نے ۲۳ دسمبر ۱۷۵۹ء کو جنکو جی شنڈے اور غازی الدین کی مشترکہ فوج کو جو شکست دی تھی اس کی تفاصیل احمد شاہ۔ شاہ ولی خاں اور نجیب الدولہ نے ایک خط (مورخہ ۲۹ دسمبر) میں والئی جے پور کو لکھیں اور اسے مطلع کیا کہ شاہی افواج مرہٹوں کی بیخ کنی کے لئے عنقریب ہی دکن کا رخ کرنے والی ہیں۔ اس خط میں راجہ سے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ وہ فرار ہونے والے مرہٹوں کو اپنے علاقے سے نہ گزرنے دے نیز یہ کہ دربار میں اپنا وکیل بھیج کر شاہ کو اپنی خواہشات سے آگاہ کرے۔

احمد شاہ اور شاہ ولی خاں نے ۱۸ فروری ۱۷۶۰ء کو راجہ کو دو اور خط لکھے' جن میں اسے یقین دلایا گیا تھا کہ برسات کے خاتمے پر شاہی فوج دکن پر حملہ آور ہو کر وہاں کے شرپسند لوگوں کو ویسی ہی قرار واقعی سزا دے گی جیسی ملہار راؤ کو مل چکی تھی۔

اس کے جواب میں راجپوت راجہ مہم کے اختتام تک احمد شاہ کے وفادار رہے' اور پانی پت کی لڑائی سے ذرا پہلے جو نازک دور گزرا اس میں بھی انہیں اپنے وعدوں کا پاس رہا۔

سورج مل کی ضد

سورج مل سے شاہ کی بات چیت بے نتیجہ رہی۔ مغرور جاٹ نے بیرونی حملہ آور سے اتحاد کی تمام پیش کشوں کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ دکنیوں سے شدید اختلافات کے باوجود وہ اپنے ہم مذہب لوگوں کا ساتھ دینے پر مائل تھا۔ اس نے ملہار راؤ ہولکر' جنکوجی شنڈے اور ان کے دوست غازی الدین کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کو پناہ دی تھی۔ وہ آٹھ ہزار جاٹوں کی جمعیت لے کر سدا شیو بھاؤ کی فوج کے ساتھ دلی پہنچا اور شہر فتح کرنے میں مرہٹوں کی مدد کی۔ لیکن متکبر اور غیر اندیش سدا شیو بھاؤ نے ان وعدوں کا جو سورج مل نے غازی الدین سے کئے تھے کوئی پاس نہ کیا اور اس طرح اس کی ہمدردیاں کھو دیں۔ سورج مل دل برداشتہ ہو کر اپنے علاقے میں چلا آیا۔(۲۲)

مرہٹوں سے گفت و شنید

شاہ مرہٹوں سے بھی اس مقصد سے گفت و شنید کر رہا تھا کہ فریقین کی کش مکش کا کوئی پرامن تصفیہ ہو جائے۔ جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ ملہار راؤ ہولکر نے مارچ ۱۷۶۰ء میں بھرت پور پہنچ کر حافظ رحمت خاں کے سفیر کو بلایا تھا۔ پرشوتم مہادیو ہنگنے نے ۱۳ مارچ ۱۷۶۰ء کو سرد تا کے مقام سے سدا شیو بھاؤ کو ایک خط میں حافظ رحمت خاں کے سفیر اور گنگا دھر یشونت ٹاٹیا کی ملاقات کی تفاصیل لکھیں۔ اس ملاقات میں یہ طے ہوا تھا کہ حافظ رحمت خاں ملہار راؤ سے مل کر احمد شاہ کے افغانستان واپس جانے کی صورت نکالے اور شاہ کی واپسی کے بعد نجیب الدولہ کو شکست دینے میں مرہٹوں کی امداد کرے۔ اس کے صلے میں مرہٹے اس کے علاقے سے کبھی کوئی تعرض نہ کریں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حافظ رحمت خاں اپنے روہیلہ رشتے داروں کے خلاف مرہٹوں سے اتحاد نہ کر سکتا تھا اور نہ شاہ کو یہ ترغیب دے سکتا تھا کہ اپنے حلیف کو چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ سدا شیو بھاؤ کے زیر کمان تازہ دم فوج آجانے سے مرہٹوں کے رویئے میں بھی تبدیلی آگئی اور مصالحت کی بات چیت اسی مقام پر ٹوٹ گئی۔(۲۳)

دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ

سدا شیو بھاؤ کی دکن سے پیش قدمی کی تفاصیل بیان کرنا ہمارے موضوع سے باہر ہے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ۳۰ مئی کو گوالیار پہنچا اور ۸ جون کو دریائے چمبل عبور کر کے دھولپور کے نواح میں آ گیا۔ سدا شیو بھاؤ باجی راؤ اول کے چھوٹے بھائی چمنا جی آپا کا بیٹا تھا اور رگھوناتھ راؤ کو نظر انداز کر کے اس کا انتخاب اس بنا پر ہوا تھا کہ وہ تمام فوجی اور سول عہدیداروں میں بے انتہا ہر دلعزیز اور مقبول تھا۔ اس کے علاوہ سداشیو بھاؤ مالی اور انتظامی امور میں اعلیٰ درجے کی صلاحیت رکھتا تھا اور حیرت انگیز تنظیمی قابلیت کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ پیشوا بالاجی راؤ کا سترہ سالہ بیٹا وشواس راؤ بھی تھا جو مرہٹہ فوج کا برائے نام سپہ سالار اعلیٰ تھا۔

دریائے چمبل کے شمالی کنارے پر ملہار راؤ ہولکر اور سورج مل جاٹ بھی اس سے آ ملے۔ اس نے یہاں پانچ ہفتے قیام کر کے آگرے کی جانب کوچ کیا' اور ۱۴ جولائی کو وہاں جا پہنچا۔ اگلے دو روز میں اس نے فوراً" دہلی پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا' اور اس مقصد کے لئے ملہار راؤ ہولکر' جنکو شنڈے اور بلونت گنیش منڈیل کی سرکردگی میں ایک طاقت ور فوج روانہ کی۔ غازی الدین اور سورج مل جاٹ مرہٹوں کی رہنمائی کے لئے ساتھ گئے۔ اپنی تمام کوششوں کے باوجود یعقوب علی خاں مرہٹوں کی زیادہ طاقت ور اور بہتر اسلحہ سے آراستہ فوج کا مقابلہ نہ کر سکا ' اور ۲۲ جولائی کو دہلی کا شہر حملہ آوروں کے قبضے میں آ گیا۔ قلعے دار نے مزید دس دن مزاحمت کی لیکن چونکہ برسات کی وجہ سے شاہ سے کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی اس لئے یعقوب علی خاں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی کہ اسے بحفاظت تمام نکلنے دیا جائے گا۔ مرہٹوں کے یہ شرط مان لینے پر ۲ اگست ۱۷۶۰ء کو یعقوب علی خاں نے قلعہ خالی کر دیا اور سدا شیو بھاؤ نے اس پر قبضہ کر لیا۔(۲۴)

مغل دارالخلافہ میں مرہٹوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ اس کی تمام دولت نادر شاہ۔ احمد شاہ' اور وزیر غازی الدین پہلے نچوڑ چکے تھے۔ سدا شیو کو روپے کی فوری ضرورت تھی۔ اس کے سپاہیوں کو عرصے سے تنخواہ نہ ملی تھی۔ دہلی میں ان کی نوبت فاقہ کشی تک آ گئی۔ کہیں سے کوئی مالیانہ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس پر آشوب زمانے میں قرض ملنا بھی ناممکن تھا۔ دولت مند لوگ یا تو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یا لوٹ لئے گئے تھے ۔ جو کسی صورت بچ رہے تھے وہ قرض مانگنے والوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

ان حالات میں سدا شیو بھاؤ نے حکم دیا کہ شاہ جہان کے دیوان خاص کی چاندی کی چھت اتار کر سکے ڈھال لئے جائیں۔ چھت کا کچھ حصہ غازی الدین پہلے ہی اتار چکا تھا۔ لیکن اس ترکیب سے بھی ایک مہینے سے زیادہ کام نہ چلا۔ بھاؤ نے دہلی کی حکومت وہاں کے گورنر نارو

شنکر پنڈت کے حوالے کی اور خود بارہ اگست کو شہر سے نکل کر باؤلی کے نزدیک قیام کیا تاکہ روہیلوں کو براری کے گھاٹ سے جمنا پار کرنے سے روکا جائے۔ اسے ڈر تھا کہ روہیلے دریا عبور کرکے مرہٹوں کو تنگ کرنا شروع کر دیں گے۔ یہاں دو مہینے ٹھہرا اور اس کے بعد کنج پورے کے راہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے شمال کی جانب روانہ ہوا کنج پورے میں خوراک اور جانوروں کے چارے کے بہت بڑے ذخائر تھے۔ درحقیقت یہ شہر احمد شاہ کی افواج کے لئے سامان رسد کا مرکز بن چکا تھا۔(۲۵)

کنج پورے پر مرہٹوں کا قبضہ

بھاؤ کے آدمی اور گھوڑے فاقہ کشی پر مجبور ہو چکے تھے۔ اس کے لئے کنج پورے کے سامان رسد کے ذخائر پر قبضہ کرنا از حد ضروری تھا۔ وہ دس اکتوبر کو باؤلی سے چلا اور ۱۶ کو کنج پورہ جا پہنچا۔ اگلے دن علی الصبح مرہٹوں کا حملہ شروع ہوا۔ کنج پورے کی دفاعی فوج میں دس ہزار آدمی تھے۔ جن میں سے دو ہزار ہشت نگر کے سردار عبدالصمد خاں محمد زئی کی کمان میں شہر کے باہر خیمہ زن تھے ۔ مرہٹوں نے دفاعی فوج پر قابو پالیا ۔ عبدالصمد خاں لڑائی میں کام آیا اور قطب شاہ زخمی ہو گیا۔ مرہٹے بھاگتے ہوئے روہیلوں اور افغانوں میں سے راستہ بناتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے۔ بھاؤ کے ہاتھ بے انتہا سامان غنیمت آیا۔ اس میں دو لاکھ من غلہ' دس لاکھ روپیہ کی مالیت کا دیگر سامان اور ساڑھے چھ لاکھ روپے نقد تھے۔ اس کے علاوہ تین ہزار گھوڑے' بہت سے اونٹ اور توپیں بھی مرہٹوں کے ہاتھ لگیں۔ مرہٹہ سپاہیوں اور فوج کے دیگر ملازمین نے مکانات کو لوٹ لیا اور شہر کو تاراج کر دیا۔ سامان رسد کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ مرہٹہ سپاہیوں کی ہفتہ وار تنخواہ جنس کی شکل میں دی جانے لگی۔ شہر کا حاکم نجابت خاں اور قطب شاہ گرفتار کر لئے گئے۔ اول الذکر زخموں کی تاب نہ لاکر مر گیا اور قطب شاہ جس نے داتاجی شنڈے کا سر کاٹ کر شاہ کو بھجوایا تھا۔ قتل کر دیا گیا۔ عبدالصمد خاں اور قطب شاہ کے سر نیزے پر چڑھا کر بازاروں میں گشت کرائے گئے۔(۲۶)

شاہ عالم کی تخت نشینی

دہلی اور اس کے نواح میں سداشیو بھاؤ کی سرگرمیوں کا ذکر ختم کرنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ باؤلی سے روانہ ہونے سے قبل اس نے اپنے دو افسروں ناناپور نڈارے اور اباجی جادو راؤ کو یہ ہدایات دیکر دہلی بھیجا تھا کہ کٹھ پتلی شہنشاہ شاہ جہاں احمد ثانی کو تخت سے اتار کر شاہ عالم ثانی کی بادشاہت کا اعلان کر دیں۔ یہ اعلان ۱۰ اکتوبر کو ہوا۔ اور شہنشاہ کی غیر حاضری میں حکومت کا کاروبار چلانے کے لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو ولی عہد قرار دیا گیا۔

شجاع الدولہ کو اپنے ساتھ ملانے کی امید میں مرہٹوں نے دہلی کی وزارت اسے عطا کی شاہ عالم ثانی عالمگیر ثانی کا بیٹا تھا۔ ۲۱ دسمبر ۱۷۵۹ء کو جب اس کا باپ قتل ہوا تو وہ بہار کے دریائے سون کے مشرقی کنارے سے پانچ میل شمال کی جانب گھوٹالی میں تھا۔ باپ کے قتل کی خبر سنتے ہی اس نے شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس دوران میں غازی الدین نے شاہ جہاں ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ اگرچہ سداشیو بھاؤ نے ۱۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو اس کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا تھا اور اس کا بیٹا کاروبار سلطنت چلا رہا تھا لیکن شاہ عالم ثانی ۱۰ سال اور تین ماہ بعد ۶ جنوری ۱۷۷۱ء کو دہلی میں داخل ہو سکا۔ (۲۷)

حوالہ جات

۱۔ احوال نجیب الدولہ، ۱۹ ب

خزانہ عامرہ، ص ۱۰۱

راجواڑے۔ جلد اول، ص ۱۳۸

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم، ص ۸۴ اور ۱۰۶۔ جلد یازدہم، ص ۱۷۶

حسین شاہی، ص ۳۸

تاریخ مظفری، ص ۵۸۹

ڈو: ہسٹری آف ہندوستان، ص ۳۹۲

بہاری لال احوال نجیب الدولہ میں لکھتا ہے کہ مرہٹوں نے اس سے ہردوار اور جوالا پور کے شہر مانگے تھے جو ہندوؤں کے مقدس مقامات ہیں۔ نجیب الدولہ نے یہ شہر مرہٹوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کی دشمنی کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ ملاحظہ کیجئے صفحہ ۶۔

۲۔ میلسن: ہسٹری آف افغانستان، ص ۲۸۷

بنوں ڈسٹرکٹ گزٹیر، ص ۱۲۴ تا ۱۲۶

وقائع شاہ عالم، ص ۱۳۵ (قانونگو: ہسٹری آف دی جاٹس، حاشیہ بر صفحہ ۱۱۱)

۳۔ راجواڑے، جلد اول، ص ۱۴۶

۴۔ تاریخ عالمگیر ثانی، ۲۱۱ الف تا ب

عبرت نامہ' ص ۲۵۹

عماد التواریخ' جلد اول' ص ۱۴۷

کنھیا لال: تاریخ پنجاب' ص ۸۲

میر غلام علی آزاد (خزانہ عامرہ ص ۱۰۱) قدرت اللہ (جام جہاں نما' ص ۱۲۰' ۱۲۱) اور محمد علی انصاری (تاریخ مظفری' ص ۵۸۹) بیان کرتے ہیں کہ شاہ لاہور سے جموں پہنچا جہاں راجہ رنجیت دیو نے اسے خراج ادا کیا اور وہاں سے دہلی کی جانب کوچ کیا۔

۵۔ مراسلات احمد شاہ درانی' نمبر ۱۹۔ ■ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ

۶۔ تاریخ عالم گیر ثانی' ۲۱۴ الف تا ب

مراسلات احمد شاہ درانی' پہلا خط

ایس۔ پی۔ ڈی II xxv کے مطابق شاہ نومبر ۱۷ (۶ ربیع الآخر) کو سرہند میں داخل ہوا۔ درحقیقت اس تاریخ کو شاہ سرہند کے علاقے میں داخل ہوا جہاں خضر آباد کا محل واقع ہے۔ یہ شاہ کے سرہند شہر میں داخلے کی جانب اشارہ نہیں۔

۷۔ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم' ص ۱۰۹ اور ۱۱۷

راجواڑے۔ جلد اول۔ ص ۱۵۷

حسین شاہی' ص ۳۸

احوال نجیب الدولہ' ص ۲۶ الف تا ۲۷ ب

۸۔ مناز الفتوح' ص ۱۴، ۱۵

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم' ص ۱۰۹' ۱۱۲' ۱۱۳' ۱۱۴' جلد یازدہم' ص ۱۷۸

احوال نجیب الدولہ' ۲۸ الف تا ۲۹ الف

۹۔ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد ہفت دہم' ص ۲۴۷

احوال نجیب الدولہ' ۲۹ الف

تاریخ مظفری' ص ۵۹

سرکار' جلد دوم' ص ۲۱۹' ۲۲۰

عماد السعادت' ص ۷۵

بہاری لال' ص ۸

۱۰۔ راجواڑے۔ جلد اول' ص ۱۵۳۔ ۱۵۶۔ ۱۶۵۔ جلد دوم۔ ص ۵۱۶

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم' ص ۱۱۴۔ جلد اکیس' ص ۱۸۱' ۱۸۲' ۱۸۵۔ جلد ستائیس' ص ۲۴۷

حسین شاہی ۳۹٬ ۴۰

احوال نجیب الدولہ٬ ۳۰ الف تا ۳۱ ب

طہماس نامہ٬ ۹۵ (ا) الف

تاریخ مظفری٬ ص ۵۹

عماد التواریخ٬ جلد اول٬ ص ۱۴۸

تذکرہ شاکر خاں٬ ص ۸۰ تا ۸۱

برآری گھاٹ کی جنگ میں کام آنے والے مرہٹوں کی فہرست کے لئے ملا خط کیجئے راجواڑے جلد دوم٬ ص ۱۵۴

۱۱۔ تاریخ عالمگیر ثانی٬ ۲۱۴ الف تا ۲۱۵ الف

طہماس نامہ٬ ۹۵ (ا) ب تا ۹۶ الف

ایس۔ پی۔ ڈی ۔ ۱۱۴ الف

راجواڑے۔ جلد دوم٬ ص ۱۶۵

۱۲۔ مراسلات احمد شاہ درانی ۔ نمبر ۲۱۔ شاہ عالم ثانی کا خط احمد شاہ کے نام۔

۱۳۔ Delhi Chronicle بالترتیب اندراجات

حسین شاہی ا ص۔ ۴۰٬ ۴۱

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶٬ ۱۸۷

حسین شاہی (ص ۴۰) میں لکھا ہے کہ شاہ ۹ یا ۱۰ جنوری ۱۷۶۰ء کو دہلی میں داخل ہوا اور افغان تین دن تک شہر کو لوٹتے رہے۔ صاحب احوال نجیب اللہ اس بیان کی تصدیق کرتا ہے (ص ۳۱ ب)

طہماس نامے میں تحریر ہے کہ شاہ نے کچھ عرصے کے لئے ہرن منارہ میں قیام کیا۔ یہیں مغلانی بیگم جو اس سے پہلے شاہ کے کیمپ میں آچکی تھی دوبارہ دہلی جا کر شاہ کی فوج سے آملی۔

۱۴۔ Delhi Chronicle سرکار٬ جلد دوم٬ ص ۲۲۵

قانو نگو "جاٹس" ا جلد اول٬ ص ۱۱۷

۱۵۔ دہلی کرانیکل٬ سرکار جلد دوم٬ ص ۲۲۷٬ ۲۲۸

قانونگو٬ "جاٹس"٬ جلد اول٬ ص ۱۱۷٬ ۱۱۸

۱۶۔ ایس ۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم٬ ص ۱۲۰٬ ۱۲۱۔ جلد اکیس٬ ص ۱۸۷٬ ۱۸۸

طہماس نامہ٬ ۹۷ الف

دہلی کرانیکل

تاریخ مظفری، ص ۵۹۱، ۵۹۲

جام جہاں نما، ص ۱۳۳

سیر المتاخرین، ص ۹۱۰

سراج التواریخ، ص ۲۲

سرکار جلد دوم، ص ۲۲۸، ۲۲۹

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم (ص ۱۲۱) میں افغان فوج کی تعداد انیس سے پینتیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ لیکن صاحب طہماس نامہ نے اپنی کتاب کے ص ۷ ۲ الف پر صرف پندرہ ہزار لکھی ہے۔

۱۷۔ ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد اکیس، ص ۱۸۸

۱۸۔ طہماس نامہ، ۹۷ الف۔ ب

احوال نجیب الدولہ، ۳۲ الف۔ ب

دہلی کرانیکل .... عمادا لسعادت، ص ۷۶

حسین شاہی، ص ۴۱

۱۹۔ احوال نجیب الدولہ، ۳۱ ب تا ۳۲

دہلی کرانیکل

ایس۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم، ص ۱۲۱

طہماس نامہ، ۹۷ الف

منازل الفتوح، ص ۱۵

۲۰۔ مراسلات احمد شاہ درانی، نمبر ۲۲، ۲۳، ۲۴

۲۱۔ راجواڑے، جلد اول، ص ۱۹۱۔ ۲۰۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۷ الف۔ ۲۱۹۔ ۲۲۲۔ ۲۲۶۔ ۲۳۳۔ ۲۳۶

تاریخ حسین شاہی، ص ۴۶

تاریخ مظفری، ص ۵۹۵، ۵۹۶

سیر المتاخرین، ص۔ ۹۱۰، ۹۱۱

جب احمد شاہ نے شجاع الدولہ کو دہلی کی وزارت کی خلعت عطا کی تو اس نے پوچھا وہ بادشاہ کون ہے جس کی وزارت کی خلعت آپ مجھے عطا کر رہے ہیں؟ کیا آپ تخت پر بیٹھیں گے اور میں آپ کا وزیر ہوں گا؟ یہ بے حقیقت لباس دے کر آپ کیوں مجھے بے وقوف بناتے

ہیں؟۔ رجواڑے۔ جلد اول۔ ص ۲۳۶

۲۲۔ تاریخ مظفری، ص ۵۹۳ تا ۵۹۶
سیر المتاخرین، ص ۹۱۱، ۹۱۲
راجواڑے۔ ص ۱۸۶ تا ۱۹۱
قانو نگوئے جاٹس، جلد اول، ص ۱۲۴ تا ۱۳۸

شاہ نے غازی الدین کو مرہٹوں سے توڑنے کے لئے اس سے بھی مصالحت کی گفت و شنید شروع کر دی ۔ قانو نگو لکھتا ہے کہ "۱۹ فروری ۶۰ ۱۷ء کو دہلی میں یہ خبر اڑی کہ شاہ اور غازی الدین میں اس شرط پر مصالحت ہو گئی ہے کہ موخر الذکر بدستور دہلی کا وزیر رہے گا۔ لیکن دکن سے سدا شیو بھاؤ کے زیر کمان تازہ دم فوج آجانے کی وجہ سے غیر مستقل مزاج غازی الدین کا ارادہ پھر بدل گیا اور وہ مرہٹوں کے ساتھ دہلی چلا آیا۔ لیکن جب سدا شیو بھاؤ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ سورج مل جاٹ کے مرہٹوں سے بد دل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی حالانکہ سابقہ تلخ تجربے کے باوجود وہ ان سے اتحاد کر چکا تھا۔

۲۳۔ راجواڑے۔ جلد دوم، ص ۱۲۱، ۱۲۴۔ جلد چہارم۔ ص ۵۰۹

۲۴۔ راجواڑے ۔ جلد اول۔ ص ۲۲۳، ۲۲۴
احوال نجیب الدولہ، ص ۳۳
حسین شاہی، ص ۴۴
تاریخ مظفری، ص ۵۹۳ تا ۵۹۵
خزانہ عامرہ، ص ۱۰۳ تا ۱۰۵
سیر المتاخرین، ص ۹۱۱، ۹۱۲

۲۵۔ خزانہ عامرہ، ص ۱۰۵، ۱۰۶،
سیر المتاخرین، ص ۹۱۲،
احوال نجیب الدولہ ، ۲۳ باب تا ۱۳۴ الف۔
تاریخ مظفری ص ۱۵۸، ۱۵۹،
ایس ۔ پی۔ ڈی۔ جلد دوم، ص ۱۳۰، ۱۳۱، جلد اکیس، ص ۱۹۳، جلد ۲۷، ص ۲۲۵، ۲۵۷، ۲۵۸،
راجواڑے، ص ۲۸۱
تذکرہ شاکر خاں، ص ۱۸۲،
سرکار، جلد دوم، ص ۶۱ تا ۲۶۷،

۲۶۔ خزانہ عامرہ، ص ۱۰۶،

کاشی راج۔ احوال جنگ بھاؤ اور احمد شاہ، ص ۱۱۔

عمادالسعادت، ص ۱۸۶،

سیرالمتاخرین، ص ۹۱۲،

تاریخ حسینی ص ۴۲، ۴۵۔

تاریخ مظفری، ص ۱۷ھ،

احوال نجیب الدولہ، ص ۳۳، ۳۵۔

راجواڑے، جلد اول ص ۲۵۰، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۵، جلد سوم، ص ۵۰۷، جلد چہارم، ص ۴۰۵۔

ایس۔ پی۔ ڈی، جلد ۲۱، ص ۱۹۱، ۲۲۰۔

منازل الفتوح، ص ۱۶، ۱۹۳، ۱۹۰، ۱۹۸۔

سرکار، جلد دوم، ص ۲۶۰، ۲۷۱

۲۷۔ DELHI CHRONICLE،

منالال: شاہ عالم نامہ، ص ۴۷، ۷۵

سیرالمتاخریں، ص ۹۱۲

راجواڑے جلد اول، ص ۲۵۸، ۲۵۹

SAFRIR۔ جلد دوم، ص ۲۶۹، ۹۵۵۔

بائیسواں باب

پانی پت کی فیصلہ کن جنگ

جنوری ۱۴ر ۱۷۶۱ء

مرہٹوں کی طاقت کچل دی گئی

جب سدا شیو بھاؤ نے دہلی کو فتح کیا تو احمد شاہ انوپ شہر میں خیمہ زن تھا۔ شجاع الدولہ کی معرفت سدا شیو بھاؤ سے گفتگو ہوئی لیکن فتوحات کے نشے میں بدمست مرہٹی سردار معقول شرائط پر مصالحت کے لئے تیار نہ تھا۔ ماہ اکتوبر کے آغاز میں دہلی سے شاہدرہ پہنچا۔ لیکن سیلاب کی وجہ سے جمنا پار نہ کر سکا۔ کنج پورے کی بربادی اور سامان رسد کے لٹ جانے کی وجہ سے شاہ کا غلہ ختم ہو چکا تھا۔ کنج پورے پر مرہٹوں کے قبضے کی خبر عبدالصمد خاں اور قطب شاہ کے سروں کی تذلیل کا حال سن کر شاہ نے اپنے افغان سرداروں کو بلا کر کہا کہ میں اپنی زندگی میں پٹھانوں کی یہ رسوائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے پایاب گھاٹوں کی تلاش میں آدمی بھیجے اور ۲ اکتوبر کو شمال کی جانب کوچ کیا۔

شاہ دعاؤں اور عبادت کی تاثیر کا بڑا قائل تھا۔ اس نے دو دن روزہ رکھا اور خدا سے دعا کی۔ جب باغپت کے نزدیک ایک گھاٹ پر پہنچا تو ایک تیر پر قرآن کی آیات پڑھ کر دریا میں پھینکا۔ ۲۵ اکتوبر کو افغان فوج نے شاہ کے حکم سے جمنا میں گھوڑے ڈال دیے۔ خود احمد شاہ ۲۵ اکتوبر کو دریا کے پار اترا۔ اگلے دن شام سے پہلے پوری افغان فوج دریا کے مغربی کنارے پہنچ

چکی تھی۔(۱)

مرہٹوں کے گشتی دستوں کی شکست

اس اثناء میں سدا شیو بھاؤ کنج پورے سے کرو کشیتر کے مقدس مقام پر غسل کرنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ اس نے سونی پت کے نزدیک ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ تعینات کر رکھا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کچھ بہت زیادہ مستعد نہ تھے چنانچہ شاہ پسند خاں نے جو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کے خلاف بھیجا گیا تھا۔ ۲۷ اکتوبر کو حملہ کر کے پورے دستے کو تہ تیغ کر دیا۔ اگلے دن سرائے سمبھلکا کے نزدیک افغانوں اور مرہٹوں کے ہراول دستوں میں جھڑپ ہو گئی جس میں اول الذکر پیچھے دھکیل دیے گئے۔ احمد شاہ نے تین دن (۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر) گنور میں قیام کیا اور ۳۱ کو سمبھلکا پہنچ گیا۔

جب سدا شیو بھاؤ کو تراوری میں شاہ کے دریا عبور کرنے کی خبر ملی تو وہ فوراً اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پلٹا اور ۲۹ اکتوبر کو پانی پت آگیا۔ شاہ پہلی نومبر کو یہاں پہنچا اور مرہٹہ فوج سے پانچ میل کے فاصلے پر مورچہ قائم کیا۔(۲)

فریقین مورچے سنبھالتے ہیں

آخر کار پانی پت کے تاریخی میدان جنگ میں احمد شاہ درانی اور سدا شیو بھاؤ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔

کرو کشیتر جہاں کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان مہا بھارت کی جنگ عظیم ہوئی تھی یہاں سے کوئی زیادہ دور نہیں۔ پانی پت کے اسی تاریخی میدان میں اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا جب ۱۵۲۶ء میں بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر اس ملک میں مغل شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تھی۔ اب پھر اسی میدان میں احمد شاہ درانی اور سدا شیو بھاؤ اپنے عہد کی سب سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔

مرہٹے اس شکست کے بیس سال بعد تک اپنی قوت بحال نہ کر سکے۔(۳)
میکسن لکھتا ہے

اٹھارہویں صدی کے آخر میں اسوجی سندھیا کی کوششوں سے مرہٹہ قوت نے کچھ سنبھالا لیا لیکن اس وقت تک انگریز اتنے مستحکم ہو چکے تھے کہ مرہٹوں کی یلغار کا مقابلہ کر کے انہیں قرار واقعی سزا دے سکیں۔

مرہٹوں کی قوت اور ان کے طریقہ جنگ کا اندازہ لگانے کے لئے شاہ نے یہ ترکیب نکالی

کہ اپنا مورچہ نہ چھوڑا جائے اور نہ افغان سپاہیوں کو اتنا آگے جانے دیا جائے کہ انہیں کمک پہنچانا مشکل ہو جائے ۔ مرہٹوں نے اسے شاہ کی بزدلی پر محمول کیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاہ کو آسانی سے ہرا دیں گے۔ اس کے علاوہ انہیں یہ غلط فہمی بھی تھی کہ دہلی اور کنج پورہ کی شکست کے بعد شاہ کے ہندوستانی حلیفوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں۔ درحقیقت یہ توقع کرنے لگے تھے کہ شاہ ان سے لڑے بغیر چپکے سے افغانستان کھسک جائے گا۔ ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب شاہ نے ایک مضبوط مورچہ سنبھال کر لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جھڑپیں

دو مہینے تو افغانوں اور مرہٹوں کے ہراول اور گشتی دستوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپوں میں ہی گزر گئے۔ نومبر کو ابراہیم خاں گاردی کے بھائی فتح علی خاں نے جو مرہٹوں کی ملازمت میں تھا شاہ کی فوج پر شب خون مارا اور کچھ توپیں اٹھا لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ تین دن بعد سندھیا کے سپاہیوں نے شاہ ولی خاں پر ناگہانی حملہ کیا اور اگر بروقت مدد نہ پہنچی ہوتی تو افغانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا۔ اس کے بعد دو ہفتے بلا کسی جھڑپ کے گزر گئے۔(۴)

۷ دسمبر کو مرہٹوں نے اپنی توپیں روہیلوں کے مقابلے میں لاکر ان پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ شام تک ہر دو جانب سے گولہ باری ہوتی رہی لیکن کسی فریق کو برتری حاصل نہ ہوئی لیکن روہیلے رات کی تاریکی میں موقعہ کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی مرہٹے اپنے مورچے کی طرف پلٹے نجیب کا بھائی سلطان خاں ایک ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ فوج کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑا۔ روہیلوں نے بندوق کی گولیوں کا ایسا مینہ برسایا کہ توپوں کی حفاظت کرنے والے مرہٹہ سوار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس اثناء میں مرہٹوں کی فوج کا بڑا حصہ ہتھیار سنبھال کر لڑائی کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اس کے بعد روہیلہ سوار اپنے مورچے میں واپس آگئے اور ان کی پیادہ فوج نے گولیاں برسا کر تعاقب کرنے والوں کو پیچھے دھکیل دیا اور مرہٹہ توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر ابراہیم خاں گاردی اپنے توپچیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ بلونت راؤ مینڈیل بھی تھا۔ اس نئے حملے سے روہیلوں کو سخت نقصان پہنچا اور ان کے تین ہزار آدمی کام آئے۔ مرہٹہ سردار بلونت راؤ مینڈیل بھی مارا گیا۔ وہ سداشیو بھاؤ کا سب سے معتمد نائب تھا اور اس کی موت مرہٹہ سپہ سالار کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اس کی موت نے مرہٹوں کو سراسیمہ کر دیا۔(۵)

مرہٹوں کی ناکہ بندی

اس کے بعد شاہ نے مرہٹوں کی ناکہ بندی کا فیصلہ کیا۔

ہر رات پانچ ہزار درانی سوار دشمن کے مورچے کے نزدیک پہنچتے اور شاہی لشکر کو شب خون سے محفوظ رکھنے کے لئے رات بھر وہاں پہرہ دیتے۔ اسی طرح دو رسالے طاقتور ترکی گھوڑوں پر سوار رات بھر مرہٹہ کیمپ کے یمین ویسار کے گرد نیم دائرے کی شکل میں گھومتے رہتے۔ ان میں سے ہر ایک دستہ پانچ ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کی کمان جہان خاں اور شاہ پسند جیسے قابل اور جنگ آزمودہ سرداروں کے سپرد تھی۔ ان کا کام یہ تھا کہ سامان رسد کے کسی قافلے کو مرہٹہ فوج تک نہ پہنچنے دیں اور نہ مرہٹہ بھیر بنگاہ کو رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاکر پانی پت کے جنگلوں سے جانوروں کا چارہ یا جلانے کی لکڑی جمع کرنے دیں۔ دہلی جانے والی سڑک پہلے ہی بند ہو چکی تھی اس لئے کہ اس جانب افغان فوج پڑی ہوئی تھی۔

اب مرہٹوں کا دارومدار پٹیالے کے سردار آلا سنگھ پر رہ گیا تھا جس نے اس نازک موقع پر ان کی بڑی مدد کی اور شمال مغرب کی جانب سے ان کے لشکر کو رسد پہنچائی۔ مرہٹوں کی آمد کے وقت پانی پت میں غلے کے کوئی ذخائر نہیں تھے اور زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ شہر کے لوگ بھوکوں مرنے لگے۔(٦)

گووند بلال پر حملہ

دسمبر کے دوسرے ہفتے میں خبر آئی کہ ایک مرہٹہ ریونیو کولیکٹر گووند بلال اٹاوہ پہنچ کر نجیب الدولہ کی ریاست میں لوٹ مار کر رہا ہے۔ اس خبر سے شاہ کے روہیلہ اتحادیوں میں ہراس پھیلنے کا ڈر تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ ان میں سے کچھ فوج چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس لئے شاہ نے حاجی عطائی خاں اور کریم داد خاں کی سرکردگی میں تازہ دم افغان سواروں کا ایک دستہ گووند بلال کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ نجیب الدولہ کا ملازم کریم روہیلہ ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ ہوا۔

افغان ■ دسمبر کو باغپت کے نزدیک جمنا عبور کرکے شاہدرہ کی مرہٹہ چوکی پر ٹوٹ پڑے اور ان کے تمام سپاہیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اگلے دن انہوں نے غازی آباد میں ایک مرہٹہ دستے کو کاٹ ڈالا اور اس کے بعد بلائے ناگہانی کی طرح جلال آباد میں گووند بلال کے سر پر آپہنچے۔ موخرالذکر نے ایک یا دو دن پہلے بھی اس شہر کو تاراج کیا تھا۔ مرہٹے کوئی خاص مقابلہ کئے بغیر بھاگ نکلے۔ گووند بلال کو گولی مار دی گئی اور اس کا سر کاٹ کر شاہ کو روانہ کیا گیا۔ بہت کافی غلہ اور دیگر سامان رسد افغانوں کے ہاتھ آیا اور نجیب الدولہ کے علاقے سے سامان رسد کی فراہمی منقطع ہو جانے کا خطرہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ کی فوج میں کبھی بھی رسد کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔(٧)

اہم دستے کا خاتمہ

گوپال گنیش بروے اور کرشنا رائے کوٹی نے اصول چند اور دوسرے باغی زمینداروں کی مدد سے زیریں دو آب پر حملے کی کوشش کی مگر شجاع الدولہ کی فوج نے نواب گنج کے نزدیک ان کے اجتماع کو منتشر کر دیا۔(۸) کچھ ہی دنوں بعد مرہٹوں کو ایک اور بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ بھاؤ نے اپنے کچھ آدمی اس غرض سے دہلی روانہ کئے کہ نارو شنکر سے گووند بلال کا بھیجا ہوا روپیہ لے آئیں' اس روپیہ کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ پہلی قسط تو حفاظت سے مرہٹہ کیمپ میں پہنچ گئی لیکن دوسری افغانوں کے ہاتھ آئی۔ ہوا یوں کہ نارو شنکر نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ سدا شیو بھاؤ کے آدمیوں کے حوالے کیا۔ ان تمام سپاہیوں نے تین سو روپیہ فی کس اپنی کمر میں باندھا اور روانہ ہو گئے ان میں سے چھ تو افغانوں کے ڈر سے پہلے ہی دن واپس آگئے اور روپیہ نارو شنکر کو دے دیا۔ لیکن دوسرے سپاہی راتوں رات سفر کر کے ۱۶ جنوری کو صبح کاذب کے وقت پانی پت پہنچ گئے۔ جہاں وہ تاریکی کے سبب راستہ بھول کر افغان لشکر میں جا نکلے۔ یہاں مراٹھی زبان نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ جونہی انہوں نے پوچھا کہ یہ کس سردار کا کیمپ ہے تو افغان ان پر ٹوٹ پڑے اور ۲۹۴ میں سے ۲۹۳ کو وہیں ڈھیر کر دیا اور روپیہ پر قبضہ کر لیا۔(۹) صرف ایک آدمی جان بچا کر افسانہ درد سنانے دہلی پہنچا۔

سدا شیو کی صلح کی درخواست

ان حادثوں اور سامان رسد کی فراہمی کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے سدا شیو بھاؤ کے حوصلے پست ہو گئے۔ ہراس اور ناامیدی کے عالم میں اس نے شجاع الدولہ سے التجا کی کہ "کسی قیمت پر بھی شاہ سے صلح کرا دے اور ایک سادے کاغذ پر زعفرانی رنگ میں اپنی ہتھیلی کا نشان لگا کر بھیجا اور ہندوؤں کی مقدس چیزوں کی قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ مرہٹوں کے سفیر کی حیثیت سے جو تصفیہ وہ قبول کرے گا مرہٹے اس کے پابند رہیں گے۔(۱۰)

شاہ ولی خاں مصالحت کے حق میں تھا اور خود شاہ بھی اس پیش کش سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن منتقم مزاج نجیب الدولہ اور خونخوار افغان اور روہیلے جنہیں قاضی ادریس کے جہاد کے فتوے نے اور بھی مشتعل کر دیا تھا جنگ پر مصر تھے۔ شاہ کو مجبوراً" ان کی بات ماننی پڑی۔

سدا شیو نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب سوا لڑائی کے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ خوراک اور چارے کی قلت کی وجہ سے مرہٹوں کی زندگی ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ ۱۳ جنوری کو کچھ سرکردہ سردار اور بہت سے سپاہی سدا

شیو کے پاس گئے اور اسے اپنی حالت زار سے آگاہ کیا۔ پانی پت میں اناج بالکل نایاب ہو چکا تھا اور مرہٹہ فوج دو دن سے بھوکی تھی۔ ان لوگوں نے عرض کیا۔

"فاقہ کشی کی موت سے تو لڑ کر مرجانا بہتر ہے۔ بہرحال ہونا تو وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہے۔"

اس صورت حال سے مجبور ہو کر سدا شیو نے اگلے دن لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جنگ کی تیاریاں کریں۔(۱۱)

اسی رات سدا شیو بھاؤ نے شجاع الدولہ کو اپنے آخری خط میں لکھا۔

"اب فیصلہ کن لحہ آپہنچا ہے۔ اگر کچھ کر سکتے ہو تو فوراً" کرو یا کھل کر انکار کر دو۔ اس کے بعد الفاظ اور خطوط کے تبادلے کا موقع گزر جائے گا۔"(۱۲)

شجاع الدولہ یہ خط لے کر شاہ کے پاس گیا اور اسے نیند سے جگا کر مرہٹوں کے عزم جنگ سے آگاہ کیا۔ احمد شاہ شب خوابی کے لباس میں ہی اپنے محبوب گھوڑے چوکی پر سوار ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیکر ایک میل آگے بڑھ گیا تاکہ لشکر کی صف آرائی کی نگرانی کر سکے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سدا شیو بھاؤ کے ذہن میں جنگ کا کوئی خاص نقشہ نہ تھا۔ پانی پت میں وہ اپنی قوم کے روائتی حربے بھی استعمال نہ کر سکتا تھا۔ شہر میں بھاری توپ خانے اور پچھلے سات ماہ میں جمع کئے ہوئے سازو سامان کے علاوہ مرہٹہ سپاہیوں کے بال بچوں اور فوج کے خدمت گاروں کی بھی ایک کثیر تعداد تھی جنہیں شکست کی صورت میں پیچھے نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ سرکار لکھتا ہے۔

"بھاؤ نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ایک ہی داؤ پر سب کچھ لگا دیا۔"(۱۳)

اس نے مرکز کی کمان خود سنبھالی اور یمین ویسار بالترتیب ابراہیم خاں گاردی و ملہار راؤ ہولکر اور جاموجی شنڈے کے سپرد کئے۔

مخالف لشکروں کی صف آرائی

اس کے برخلاف احمد شاہ کے ذہن میں ایک مکمل نقشۂ جنگ تھا۔ جس کی جزوی تفاصیل بھی اس کی نظر سے اوجھل نہ تھیں۔ جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے۔

"شاہ نے لشکر کی ترتیب میں ایک پیدائشی جرنیل کی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ۱۸ ہزار ولایتی شاہ ولی خاں کی کمان میں مرکز میں متعین کئے اور پانچ پانچ ہزار افغانوں کے دو دستے جو اعلیٰ درجے کے ایرانی گھوڑوں پر سوار تھے یمین ویسار لشکر کی آخری حدود پر صف آرا کئے۔ اس طرح اس کے مقامی مسلمان حلیف ہر دو جانب سے درانیوں میں گھر گئے اور ان کے

لئے فرار یا غداری کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ اس کے علاوہ یمین ویسار میں افغانوں کے مضبوط دستے متعین ہونے کی وجہ سے مرہٹوں کے لئے لشکر کے پہلوؤں پر حملہ کرنا ممکن نہ رہا جس سے اس کے ہندوستانی اتحادیوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو یسار میں رکھا گیا جس کی کمان شاہ پسند خاں کے ہاتھ میں تھی اور گنگا کے پار کے روہیلے جو حافظ رحمت خاں اور دولت خاں کی سرکردگی میں تھے یمین میں رہے۔

شاہ کی فوج سات میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے یمین ویسار ہلال کے کونوں کی طرح اندر کو مڑے ہوئے تھے جس کی وجہ سے مرہٹہ فوج کے دونوں پہلو گھر چکے تھے۔

مخالف فوجوں کی ترتیب اور تعداد مندرجہ ذیل ہے۔(۱۴)

درانی

یسار:	شاہ پسند خاں	۵۰۰۰ سوار
	نجیب الدولہ	۱۵۰۰۰ پیادہ فوج
	شجاع الدولہ	۳۰۰۰ (جس کا ایک تہائی پیادہ بندوقچیوں پر مشتمل تھا
قلب:	شاہ ولی خان	۹۰۰۰ ہزار سپاہی اور ایک ہزار منجنیقیں
یمین:	محمد خاں بنگش	۱۰۰۰ پیادہ فوج
	حافظ رحمت خاں اور	
	دوندے خاں	۱۴۰۰۰ (اس کا ایک تہائی یا اس سے کچھ کم سواروں پر مشتمل تھا)
	امیر بیگ اور	
	برخوردار خاں	۳۰۰۰ ولائتی سوار
	کل تعداد	۶۰,۰۰۰

مرہٹے

یسار:	ابراہیم خاں گاردی	۸۰۰۰ پیادہ توپچی
	داما جی گائیکواڑ	۲۵۰۰ سوار
	وٹھل شودیو	۱۵۰۰ سوار
قلب:	چند غیر معروف سردار	۲۰۰۰ سوار
	سدا شیو بھاؤ اور وشواس راؤ	۱۲۵۰۰ خاصے کی سپاہ
یمین:	انتاجی مانکیشور	۱۰۰۰ سوار
	ستوجی جادو	۱۵۰۰ سوار
	چند چھوٹے سردار	۲۰۰۰ سوار
	جسونت راؤ پوار	۱۵۰۰
	شمشیر بہادر	۱۵۰۰
	بنکر جی شندے	۷۰۰۰
	ملہار راؤ ہولکر	۳۰۰۰
		۴۲۰۰۰

گاردی کا حملہ

لڑائی کا آغاز مرہٹوں کی طرف سے ہوا اور پہلا حملہ ابراہیم خاں گاردی نے کیا۔ وہ ایک ہاتھ میں جھنڈا اور دوسرے میں بندوق لئے اپنے سپاہیوں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی دو ۲ پلٹن تو برخوردار خاں کے افغانوں کو روکنے کے لئے بھیجیں اور خود شاہی فوج کے یمین میں افغانوں پر حملہ آور ہوا۔ اس موقعہ پر گھمسان کا رن پڑا اور شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرہٹے روہیلوں کو مار بھگائیں گے۔ لیکن دست بدست لڑائی میں ان کی برتری جاتی رہی۔ شاہ سے کمک آنے پر روہیلے اور بھی شیر ہو گئے اور انہوں نے گاردی کی پلٹنوں کا صفایا کر دیا۔ داما جی گائیکواڑ ابراہیم خاں کی مدد کو بڑھا۔ مگر اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ گاردی کے باقی ماندہ سپاہی اور گائیکواڑ کے مرہٹے روہیلوں اور افغانوں کی مارا مار کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح مرہٹوں کا حملہ ناکام ہو گیا۔(۱۵)

وشواس راؤ اور سدا شیو بھاؤ مارے گئے

ابراہیم خاں گاردی کے حملے کے ساتھ ہی سدا شیو بھاؤ نے افغان فوج کے مرکز پر حملہ کر دیا۔ سب سے پہلے ہر دو جانب سے گولہ باری ہوئی جس میں افغانوں کی ہلکی توپیں جو آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا سکتی تھیں' مرہٹوں کے بھاری توپ خانے کے مقابلے میں زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔ کچھ دیر بعد مرہٹوں کی توپیں اچانک خاموش ہو گئیں اور ایک ثانیہ نہ گزرا تھا کہ سدا شیو بھاؤ کے مرہٹے ہر ہر مہادیو کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ شاہ ولی خاں کے درانیوں پر چڑھ آئے۔ افغان صفوں میں ابتری پھیل گئی اور حاجی عطائی کے کچھ آدمی بھاگ نکلے۔ شجاع الدولہ شاہ ولی خاں کی مدد کو نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں شاہی لشکر کا یسار جنکوجی شنڈے اور ملہار راؤ ہولکر کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتا۔

اس اثناء میں شاہ کے سرداروں نے بھاگتے ہوئے افغانوں کو مجتمع کرکے میدان جنگ میں واپس بھیجا۔ ولی خاں کی کمک کے لئے شاہ کے محافظ دستے بھی روانہ کئے گئے۔ ان تازہ دم سپاہیوں کے آتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور تھکے ہارے مرہٹوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن سدا شیو بھاؤ ایک بہادر سپاہی کی طرح آخر تک لڑتا رہا۔ اس دوران میں وشواس راؤ جو پیشوا کا بیٹا اور مرہٹہ فوج کا برائے نام سپہ سالار تھا خاصے کے کچھ سپاہی لے کر اس جگہ جا پہنچا جہاں گھسان کا رن پڑ رہا تھا۔ لیکن اس سے بھی افغانوں پر کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ ان کی برتری بدستور قائم رہی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دور اندیش شاہ نے کچھ ہی دیر پہلے غلاموں کی تین پلٹنیں بھیج کر انہیں مزید کمک پہنچا دی تھی۔ بادشاہ کی ہدایات پر انہوں ایک نیا طریقہ جنگ اختیار کیا۔ انہوں نے مرہٹوں کو تین اطراف سے گھیر لیا۔ ان کا ایک دستہ داہنے ہاتھ سے آتا اور مرہٹوں پر بندوقوں کی گولیوں کی بوچھاڑ کرتا ہوا بائیں جانب چلا جاتا۔ اسی طرح بائیں ہاتھ والا دستہ گولیاں چلاتا ہوا داہنی طرف پہنچ جاتا' تیسرا دستہ سامنے سے آتش بازی کرتا ہوا آتا اور پھر پلٹ کر مرہٹوں کے عقب میں چلا جاتا۔ اس طریقہ جنگ نے مرہٹوں کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی صفیں دوبارہ منظم کر سکیں۔ ابھی وہ سانس بھی نہ لینے پاتے کہ افغان دستے اپنی بندوقیں بھر کر پھر گولیاں برسانے کے لئے پہنچ جاتے۔

اس کے باوجود مرہٹوں نے شاہ ولی خاں پر تین حملے کئے۔ لیکن افغان سپاہی چٹان کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔ تقریباً" سوا دو بجے وشواس راؤ بندوق کی گولی سے مارا گیا۔ اس کی موت نے سدا شیو بھاؤ کو سراسیمہ کر دیا۔ اس نے اپنے ذاتی ملازم اور جس قدر دوسرے سپاہی مل سکے۔ جمع کئے اور نہایت بے جگری سے افغانوں پر آخری حملہ کیا لیکن پہلے ہی ہلے میں برچھے کے وار سے زخمی ہوا اور تھوڑی دیر بعد ران میں گولی کھا کر گھوڑے سے گر پڑا۔ ابھی اس نے

زمین سے اٹھ کر برچھے کی مدد سے چلنا ہی شروع کیا تھا کہ پانچ افغان سواروں نے جو اس کا قیمتی لباس اور جواہرات لوٹنا چاہتے تھے اسے للکارا۔ سدا شیو بھاؤ بھی شیر کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا مگر کاٹ ڈالا گیا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے شاہ کو بھیج دیا گیا۔

اور اس طرح سدا شیو بھاؤ اپنی شہرت اور ہندوستان پر مرہٹہ قوم کی بادشاہت کے خواب اپنے ساتھ لے کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔(۱۶)

مرہٹوں کی شکست فاش

شاہی لشکر کے یسار اور مرہٹوں کے یمین میں عملاً" کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی شنڈے ولائتی تلوار کی کاٹ دیکھ چکے تھے اس لئے وہ اخیر تک اپنے مورچے سے باہر نہ نکلے۔ مرہٹہ سرداروں کی بزدلی سے فائدہ اٹھا کر نجیب الدولہ دن میں چپکے سے ایک ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں سے ان کے مورچے پر موثر گولہ باری کی جا سکے۔ دن کے اختتام پر جب شاہی لشکر کے یسار اور مرکز میں لڑائی ختم ہو چکی تھی شاہ پسند فوج اور نجیب الدولہ نے مرہٹوں کے یمین پر ہلہ بول دیا۔ ملہار راؤ تو حملہ ہوتے ہی اپنی فوج کے بیشتر سپاہیوں کو لے کر فرار ہو گیا لیکن جنکوجی نے کچھ مزاحمت کی ۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی زخمی ہو گیا اور بھاری نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح پانی پت کی فیصلہ کن جنگ کا اختتام ہوا۔

دشمن کا نقصان

اس لڑائی میں مرہٹوں کو بہت جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ صرف میدان جنگ میں ۲۸ ہزار مرہٹے کام آئے۔ ہزار ہا میدان جنگ کے باہر فرار ہوتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے سپاہی سردی سے اکڑ کر مر گئے۔ افغانوں کے ہاتھ بے انتہا مال غنیمت آیا۔ تقریباً" ۵ ہزار مرد' عورتیں اور بچے جن میں سرداروں اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کے بیٹے اور دیگر رشتہ دار بھی شامل تھے قیدی بنا لئے گئے۔ افغانوں نے خوب صورت برہمن عورتیں ایک ایک تومان (تقریباً" دس روپیہ) کے عوض روہیلوں اور دیگر ہندوستانی سپاہیوں کے ہاتھ فروخت کیں۔ اس کے علاوہ بے شمار جواہرات ' نقد روپیہ' اسلحہ اور گھوڑے فاتح لشکر کے ہاتھ آئے۔ لیکن شاہ نے اس عظیم اور فیصلہ کن فتح سے کوئی سیاسی فائدہ نہیں اٹھایا۔

احمد شاہ پانی پت میں

جب احمد شاہ پانی پت میں آیا تو اس نے شیخ بو علی قلندرؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اس نے ایک بیش بہا چغہ زیب تن کر رکھا تھا جو کوہ نور اور دیگر جواہرات سے مزین تھا۔ پانی پت میں

چند دن قیام کر کے وہ پھر دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ دارالخلافہ سے ۱۶ میل کے فاصلے پر سابق ملکہ زینت محل اور اس کے پوتے جواں بخت نے اس کا خیر مقدم کیا۔ شاہ ۲۹ جنوری کو دہلی پہنچا۔ مرہٹہ گورنر نارو شنکر پہلے ہی زینت محل کی مدد سے فرار ہو چکا تھا۔(۱۷)

شاہ اور ہندوستان کی سلطنت

پانی پت کی لڑائی نے شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی روز افزوں قوت کو کچل دیا اور اس وقت تمام مغل سلطنت بھی شاہ کے رحم و کرم پر تھی۔ لیکن احمد شاہ نے اس موقعہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو ہندوستانی لشکر شاہ کے تابع نہیں تھا اور دوسرے شاہ خود اپنے ملک اور اہل وطن سے شدید لگاؤ رکھتا تھا۔ اسے یہ منظور نہیں تھا کہ وہ مستقل طریقے سے ہندوستان میں آباد ہو جائے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اتنے بڑے ملک پر قندھار سے حکومت نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ اس ملک کو پورے طریقے سے مسخر کرنے کے لئے اسے کئی سال مسلسل جنگ کرنا پڑتی۔ جس کے لئے قندھار سے اس کو کوئی کمک نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ بیچ میں پنجاب کا صوبہ پڑتا تھا جہاں سکھوں کی طاقت ہر وقت اس کے اقتدار کی راہ میں موثر طریقے سے حائل ہو سکتی تھی(۱۸) ہندوستان میں اس کی دلچسپی صرف پنجاب تک محدود تھی جہاں وہ اپنے اقتدار کو اور بھی زیادہ مستحکم کرنا چاہتا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ شمالی ہندوستان تک آسانی سے پہنچ سکے اور اس کو کوئی رکاوٹ پنجاب میں نہ ہو۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ صرف پنجاب میں اپنے منتظمین مقرر کر دے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

اس وقت دہلی کی مغل سلطنت زبوں حالی کا شکار تھی اور اس کا اقتدار بالکل جاتا رہا تھا۔ اس کا وارث شاہ عالم ثانی بہار میں مقیم تھا۔ جب اس نے شاہ کی فتوحات کی خبر سنی تو اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور اپنے معتمد منیر الدولہ کو شاہ کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا۔ منیر الدولہ دسمبر (۱۷۶۰ء) میں دہلی کے نواح میں شاہ سے ملا۔ منیر الدولہ ایک ماہ مسلسل شاہ کے ساتھ رہا۔ ۲۹ جنوری ۱۷۶۱ء کو دہلی پہنچ کر احمد شاہ نے شاہ عالم کی تخت نشینی کی تصدیق کر دی اور منیر الدولہ اور زینت محل کی درخواست پر جملہ والیان ریاست اور بنگال میں کرنل کلائیو کو شاہی فرامین کے ذریعے شاہ عالم ثانی کو دہلی کا بادشاہ تسلیم کرنیکی ہدایت کی۔ اس سلسلہ میں احمد شاہ نے نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ سے بھی بات چیت کی۔ بادشاہ نے شاہ عالم ثانی کی غیر حاضری میں اس کے بیٹے جواں بخت کو مغل سلطنت کا حاکم مقرر کیا۔ اور نئے حکمران کے نام کا خطبہ اور سکے رائج کرنے کا حکم دیا" اس کے بعد احمد شاہ نے منیر الدولہ کی معرفت شاہ عالم ثانی کو پیغام بھیجا کہ دہلی آکر اپنے آباد اجداد کا تاج و تخت سنبھال لے۔(۱۹)

مرہٹوں سے پھر گفت و شنید

پانی پت کی شکست کے باوجود مرہٹے ابھی تک کافی طاقتور تھے اور احمد شاہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ شاہ عالم ثانی سے تعرض نہ کریں گے لیکن جب اسے یہ خبر ملی کہ پیشوا ایک بڑے لشکر کے ساتھ گوالیار کے نواح میں پہنچ گیا ہے تو اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ مزید خطرہ مول لینے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ چنانچہ ایک عقل مند فاتح کی طرح اس نے مرہٹہ وکیل مہادیو سنگھنے کی مرہٹوں سے مصالحت کرانے کی پیشکش کو منظور کر لیا اور اس سے مشورہ کرنے کے بعد یعقوب علی خاں کو صلح نامہ کی تکمیل کے لئے گوالیار روانہ کیا لیکن پیشوا کی خرابی صحت اور اس کے سرداروں کی ٹال مٹول کے باعث یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

احمد شاہ کی شرافت اور نیک نیتی

شاہ کو پیشوا بالاجی راؤ کے غم کا احساس تھا۔ پانی پت کی جنگ میں اس کا جوان بیٹا وشواس راؤ چچازاد بھائی سداشیو بھاؤ متعدد سردار اور ہزار ہا سپاہی مارے گئے۔ تھے شاہ نے اپنے ایک خط میں اس کی اس محرومی پر اظہار ہمدردی کیا اور مصالحت کی پر خلوص خواہش کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا۔

> "کوئی ایسی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہمارے آپ کے درمیان شکر رنجی قائم رہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کا بیٹا اور بھائی جنگ میں کام آئے۔ لیکن یہ سب کچھ بھاؤ صاحب کی وجہ سے ہوا۔ انہوں نے ہمارے لئے سوائے جنگ کے کوئی راہ نہ چھوڑی۔ بہرحال ہمیں آپ کے نقصانات پر تاسف ہے۔ ہم دہلی کی حکومت کے معاملات آپ کے ہاتھوں میں چھوڑنے کو تیار ہیں بشرطیکہ آپ شاہ عالم ثانی کی حمایت کریں اور دریائے ستلج تک پنجاب کا پورا علاقہ ہمارے پاس رہنے دیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ماضی کے افسوسناک واقعات کو بھول کر ہمارے ساتھ پائیدار دوستی کی بنیاد رکھیں۔"

وزیر شاہ ولی خاں نے بھی پیشوا کو ایک دوستانہ خط لکھا اور دونوں خطوط مع ایک بیش بہا خلعت کے گلراج وکیل کے ہاتھ پیشوا کی جانب روانہ کئے گئے۔

گلراج ۸ فروری کو پیشوا سے ملا اور اسے شاہ کا پیغام دیا۔ پیشوا پہلے ہی مصالحت کا متمنی تھا۔ اس نے گنگا دھرچد راجد کو حکم دیا کہ دہلی جاکر شرائط صلح طے کرے۔ مارچ کے وسط تک تمام تصفیہ طلب امور طے ہو گئے اور صرف صلح نامہ تحریر ہونے کی کسر رہ گئی۔ لیکن خرابی

صحت کی بنا پر پیشوا معاہدے کی تکمیل کا انتظار کئے بغیر ۲۰ مارچ کو دکن روانہ ہو گیا۔ تین دن بعد ۲۳ مارچ کو اس نے اپنے وکیل ہنگنے کو لکھا۔

"میں آپ کو شاہ اور وزیر شاہ ولی خاں کے ان خطوط کا جواب بھیج رہا ہوں جو ان کے وکیل گلراج کی معرفت موصول ہوئے تھے۔ میں نے انواراللہ خاں اور حسین محمد خاں کو شاہ سے شرائط طے کرنے کے لئے مقرر کیا ہے اور ملہار راؤ کو اس معاملے میں مختار کیا ہے۔ اب آپ براہ راست ہولکر سے بات چیت کریں اور ان کے فیصلوں کے پابند رہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ جملہ معاملات میں ملہار راؤ ہولکر سے مشاورت کرتے رہیں اور مجھے واقعات کی رفتار سے باخبر رکھیں۔"

۲۰ مارچ کو شاہ وطن کی جانب روانہ ہو گیا۔ ۲۲ مارچ ۱۷۶۱ء کو گنگا دھر چد راجد نے ملہار راؤ ہولکر کی طرف سے پیشوا کو لکھا۔

دہلی چھوڑنے سے پہلے شاہ نے ہنگنے کی موجودگی میں نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ سے کہا کہ ہم نے پیشوا سے پائیدار امن کی بناء ڈال دی ہے۔ اب آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ اس کی بالا دستی کا احترام کریں اور یعقوب علی خاں کو حکم دیا کہ ہنگنے کی معیت میں پونا جاکر پیشوا کے ساتھ صلح نامہ کی تکمیل کرے۔(۲۰)

افغانوں کا واپس جانے پر اصرار

فروری میں شاہ نے سورج مل سے پھر گفت و شنید شروع کر دی تھی۔ اس سلسلہ میں نجیب الدولہ نے سورج مل کے نمائندوں اور سفیروں کو شاہ کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بہت جلد ان لوگوں کے ذریعہ سورج مل سے مصالحت ہو جائے گی۔ لیکن زینت محل سورج مل سے مصالحت کے حق میں نہ تھی۔ اسے یہ پرخاش تھی کہ سورج مل نے اس کے شوہر کے قاتل غازی الدین کو پناہ دی تھی۔ اس نے شاہ کو سمجھایا کہ سورج مل بغیر لڑے ہم کو روپیہ دینے والا آدمی نہیں ہے چنانچہ شاہ نے اس پر فوج کشی کا قصد کیا اور وزیر شاہ ولی خاں کو حکم دیا کہ زینت محل، شہزادہ جواں بخت اور مرزا بابر کی معیت میں اس پر چڑھائی کرے۔ ۷ مارچ کو یہ مہم آنولے کے لئے روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچ کر درانی سپاہیوں نے متھرا کی جانب کوچ کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں گھر چھوڑے ہوئے دس مہینے گزر چکے تھے۔ وہ سب وطن جانے کے لئے بے قرار تھے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی نہیں آئی تھیں۔ اتنے عرصہ تک وہ اس امید میں خاموش رہے کہ کہیں نہ کہیں تو مال غنیمت ہاتھ لگے گا لیکن اب یہ امید بھی ختم ہو چکی تھی۔ پانی پت میں انہیں کچھ نہ ملا تھا اور دہلی کو دوسرے لوٹ

چکے تھے۔ جالون کی سنگلاخ اور بنجر زمین میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ وہ جانتے تھی کہ وہاں انہیں سوائے سورج مل کی توپوں کے گولوں کے اور کچھ نہ ملے گا۔ اس کے علاوہ وہ شمالی ہندوستان اور خاص طور سے متھرا کی جھلسا دینے والی گرمی کے خیال سے بھی ہراساں تھے۔ مارچ ۱۷۵۷ء میں ان کے سینکڑوں ساتھی متھرا میں ہیضے کی نذر ہو گئے تھے۔ ان کے انکار سے مجبور ہو کر احمد شاہ نے شاہ ولی خاں کو واپس بلا لیا اور اس طرح آگرہ میں موخر الذکر اور مہاراجہ سوائے مادھو سنگھ ن ملاقات کی تجویز بھی تشنہ تکمیل رہ گئی۔(۲۱)

شاہ کی واپسی

۱۳ مارچ کو شاہ نے اپنا پیش خیمہ اور دیگر سازو سامان آگے روانہ کر دیا اور ۲۰ کو دہلی چھوڑ کر احمد گنج میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے ۲۷ کو انبالہ پہنچا۔(۲۲)

جونہی شاہ نے پنجاب میں قدم رکھا سکھوں نے حسب عادت اسے تنگ کرنا شروع کیا۔ سردار جسا سنگھ اہلو والیہ نے گوند والی میں افغانوں پر اچانک حملہ کرکے بہت سی ہندو عورتوں کو ان کی گرفت سے رہا کرا لیا۔ لاہور پہنچ کر شاہ نے کچھ فوجی دستے ان کی سرکوبی کے لئے بھیجے مگر کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ شاہ کو افغانستان پہنچنے کی جلدی تھی اور اس کے علاوہ اس کے ساتھ بھاری ساز و سامان بھی بہت تھا اس لئے وہ سکھوں کے خلاف کوئی موثر اقدامات نہ کر سکا۔(۲۳)

دہلی سرہند اور پٹیالہ کے معاملات

ہم لکھ چکے ہیں کہ دہلی چھوڑنے سے قبل احمد شاہ نے شاہ عالم ثانی کی تخت نشینی کی تصدیق کر دی تھی اور جواں بخت کو اس کا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ قلمدان وزارت حسب سابق عمادالملک غازی الدین کے پاس رہا اور نجیب الدولہ کو سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ لیکن ملکہ زینت محل کی ایما سے ۸ اپریل ۱۷۶۱ء کو نجیب الدولہ کو دہلی کا نائب سلطنت مقرر کیا گیا۔ زین خان کا تقرر سرہند میں ہوا۔ ۱۹ مارچ ۱۷۶۱ء کے ایک فرمان کے بموجب سردار آکا سنگھ کو پٹیالے کے علاقے کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ آکا سنگھ نے پانچ لاکھ روپیہ بطور خراج دینے کا وعدہ کیا اور مرزا تقی یہ رقم وصول کرنے کے لئے پٹیالے میں رہ گیا۔(۲۴)

پنجاب ۱۷۵۹ - ۶۱ء میں

دہلی سے جاتے ہوئے شاہ نے کریم داد خاں کو پنجاب کا گورنر مقرر کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اسے واپس بلا کر اس کی جگہ سربلند خاں کو بھیجا گیا۔ موخرالذکر سکھوں کے خوف سے جالندھر

میں رہا اور سعادت یار خاں کو لاہور میں اپنا نائب مقرر کیا۔ چند روز بعد لاہور کا انتظام دیوان صورت سنگھ کے سپرد ہوا مگر اس نے جلد ہی استعفیٰ دے دیا۔ اس کی جگہ قصور کے میر مومن خاں کے لڑکے میر محمد خاں کا تقرر عمل میں آیا لیکن وہ بھی سکھوں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔ نومبر ۱۷۶۱ء میں دیوالی کے موقع پر سردار جسا سنگھ' سردار وجے سنگھ' کنہیا سردار ہری سنگھ جنگی' گوئندر سنگھ اور منا سنگھ پھر لاہور پر چڑھ دوڑے اور سات روز قیام کیا۔ میر محمود خاں نے انہیں خوش کرنے کے لئے کڑاہ پرشاد کے نام پر تیس ہزار روپے کی رقم پیش کی۔ یہ سن کر سربلند خاں نے اسے قید کر دیا۔ اور کریم داد خاں کے بھتیجے یعقوب خاں کو لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ عظمت خاں درانی اور گل محمد خاں اس کے نائب بنائے گئے چونکہ سکھوں کو شاہی علاقے کے مالیانے میں سے تیس ہزار روپیہ دیا گیا تھا اس لئے یعقوب خاں اور عظمت خاں نے اپنا پہلو بچانے کے لئے اس معاملے کی اطلاع شاہ کو دیدی۔ شاہ نے حکم دیا کہ یہ روپیہ لاہور کے چند سرکردہ شہریوں مثلاً شاہ غلام حسین پیرزادہ سرہندی۔ میاں نقی محمد میر نتھو شاہ۔ میر شہریار اور حافظ قادر بخش سے وصول کیا جائے۔

درحقیقت سکھوں کو رشوت دینے کی تحریک انہیں لوگوں کی جانب سے ہوئی تھی۔ تاوان کا حکم سن کر یہ لوگ سخت سراسیمہ ہوئے اور یعقوب خاں سے درخواست کی کہ بادشاہ کی جنوب سے واپسی تک ان سے اس رقم کی وصول یابی نہ کی جائے تاکہ وہ شاہ کے لاہور آنے پر اس سے رحم کی درخواست کرکے تاوان کی معافی کا حکم حاصل کرلیں۔ انہوں نے یعقوب خاں کو یقین دلایا کہ اگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر اہالیان شہر سے روپیہ وصول کرکے مطلوبہ رقم شاہی خزانے میں داخل کردیں گے۔

احمد شاہ کی رحمدلی

دوآبہ بست جالندھر پہنچنے کے بعد شاہ نے نواب سربلند خاں سے روپیہ کا تقاضا کیا۔ نواب نے اپنے وکیل خواجہ عبیداللہ خاں کو بھیج کر وزیر شاہ ولی خاں کی معرفت احمد شاہ کے سامنے یہ عذر پیش کیا کہ سکھوں کی شورش کی وجہ سے تاوان کا بیشتر حصہ فوج پر خرچ ہو گیا اور جو کچھ بچا تھا وہ پہلے ہی شاہی خزانے میں داخل کرا دیا گیا۔ لاہور کے سرکردہ شہریوں نے جب یہ سنا کہ شاہ ایک دو روز میں امرتسر پہنچنے والا ہے تو وہ وہاں آئے اور وزیر شاہ ولی خاں کے ذریعہ پنج سورہ کا ایک نسخہ پیش کرکے شرف باریابی چاہا۔ شاہ کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ سکھوں نے لاہور پر حملے کے وقت قرآن پاک کے ہزارہا نسخے جلا ڈالے تھے اور ایک بہت بڑی تعداد اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اب اگر اس افتاد کے بعد اہالیان

لاہور کو وہ روپیہ بھی واپس کرنا پڑے جو انہوں نے دینداروں کو سکھ کفار کے مظالم سے بچانے کے لئے ادا کیا تھا تو یہ بڑی زیادتی ہو گی۔ یہ بات سن کر شاہ نے تاوان کی معافی کا حکم دے دیا۔(۲۵)

۲۶ اپریل ۱۷۶۱ء کو شاہ کی لاہور میں آمد کے بعد سربلند خاں کو ملتان تبدیل کر دیا گیا اور اس کی جگہ خواجہ عبیداللہ لاہور کا ناظم قرار پایا۔ راجہ کھمن چند کھٹوچ کو دو آبہ بست جالندھر کی نظامت عطا ہوئی اور سعادت خاں اور صادق خاں آفریدی اسکے نائب قرار پائے۔ اس کے بعد شاہ افغانستان لوٹ گیا۔(۲۶)

حوالہ جات

۱۔ احوال نجیب الدولہ، ۳۵ باب تا ۳۷ باب۔
حسین شاہی، ص ۴۵، ۴۶،
کاشی راج۔ ص ۱۴،
سرکار جلد دوم، ص ۲۸۲ تا ۲۸۴،
خزانہ عامرہ، ۱۸۶
منازل الفتوح، ص ۲۷

۲۔ ایس۔ پی۔ ڈی، جلد ۲۱، ص ۱۹۴،
احوال نجیب الدولہ، ۳۷ باب تا ۳۸ الف
کاشی راج، ص ۱۴

۳۔ سرکار۔ جلد دوم، ص ۲۹۸ تا ۳۰۰

۴۔ دہلی کرانیکل۔ حسین شاہی، ص ۵۲

۵۔ سرکار، جلد دوم، ص ۲۰۵ تا ۲۰۶۔ احوال نجیب الدولہ، ۳۱ ب تا ۴۱ الف
دہلی کرانیکل حسین شاہی، ص ۵۲
سیر المتاخرین، ص ۹۳
تاریخ مظفری، ص ۵۹۸ تا ۵۹۹

راجواڑے جلد اول' ص ۲۷۲

۶۔ منازل الفتوح ۔ ص ۲۵
سیرالمتاخرین' ص ۹۲
تاریخ مظفری' ص ۶۹۱
خزانہ عامرہ' ص ۱۰۶' ۱۰۷
تاریخ جنگو دھاؤ (علی ابراہیم خاں) ص ۴۱ب
جام جہاں نما' جلد دوم' ص ۱۲۷
سرکار' جلد دوم' ص ۲۰۷ تا ۲۱۰

۷۔ دہلی کرانیکل' کاشی راج' ص ۱۵' ۱۶
احوال نجیب الدولہ ۴۵ب تا ۴۶ب
بہاری لال' ص ۹۰۸۔ حسین شاہی' ص ۵۰' ۵۱'
سیرالمتاخرین' ص ۹۱۳۔ خزانہ عامرہ' ص ۱۰۷' ۱۰۸۔
تاریخ مظفری' ص ۵۹۹' ۶۰۰'
راجواڑے' جلد اول' ص ۲۶۴' ۲۷۲' جلد سوئم' ص ۵۱۱'
منازل الفتوح' ص ۱۷' ۱۸' سرکار' ص ۳۱۰' ۳۱۲'
احمد شاہ بابا' ص ۲۷۶

۸۔ ایس ۔ پی۔ ڈی جلد دوم' ص ۱۲۴ جلد سوم' ص ۵۱۱
سرکار' جلد دوم' ص ۳۱۳' ۳۱۴۔
اودھ گزیٹر' جلد دوم' ص ۴۷۹' ۴۸۰'

۹۔ حسین شاہی' ص ۵۱' ۵۲'
راجواڑے' جلد اول' ص ۲۸۱'
منازل الفتوح' ص ۱۸' ۱۹'
احوال نجیب الدولہ' ۴۱' باب
کاشی راج' ص ۱۶'
سرکار' جلد دوم' ص ۳۱۴' ۳۱۵'

۱۰۔ کاشی راج' ۲۰' ۲۱۔
احوال نجیب الدولہ' ۴۳ب تا ۴۵۔

سرکار جلد دوم، ص ۲۱۶، ۲۱۷،

۱۱۔ کاشی راج، ص ۲۲، ۲۳،

احوال نجیب الدولہ، ص ۴۶،

خزانہ عامرہ، ص ۱۰۸،

بہاری لال، ص ۹۔

سیرالمتاخرین، ص ۹۱۲،

۱۲۔ کاشی راج، ص ۲۲ حسین شاہی، ص ۵۵،

۱۳۔ سرکار جلد دوم، ص ۳۲۴، ۳۲۶،

۱۴۔ احوال نجیب الدولہ، ۴۶ ب تا ۴۷ الف

خزانہ عامرہ، ص ۱۰۷،

منازل الفتوح، ص ۲۰، ۲۱

کاشی راج ص ۲۷،۲۶۔

سرکار جلد دوم، ص ۳۲۱، ۳۲۲۔

۱۵۔ احوال نجیب الدولہ، ۴۷ الف۔

کاشی راج، ص ۲۶، ۲۷،

۱۶۔ احوال نجیب الدولہ، ص ۴۷ الف تا ۵۰ ب۔

منازل الفتوح، ص ۲۱، ۲۲۔

کاشی راج، ص ۲۸ تا ۳۱،

حسین شاہی، ص ۵۴ تا ۵۷۔

سیرالمتاخرین، ص ۹۱۴،

ایضاً۔

۱۷۔ احوال نجیب الدولہ، ص ۵۰ باب تا ۵۱ الف۔

خزانہ عامرہ، ص ۱۰۸، ۱۰۹،

بہاری لال، ص ۱۰،

کاشی راج، ص ۳۷،

سیرالمتاخرین، ص ۹۱۴،

۱۸۔ احوال نجیب الدولہ ۱۲، ۵ باب

کاشی راج ص ۳۷، ۴۱،
دہلی کرانیکل۔
پانی پت کے قیام کے دوران میں شاہ نے کئی یونٹوں کو جن میں ابراہیم کا گارڈ بھی شامل تھا دفع کرنے کا حکم دیا۔ ملاحظہ کیجئے۔ چہار گلزار، ص ۲۵۸، کاشی راج " ۲۶، ۳۰، راجواڑے جلد اول ص، ۱۵۸، ۱۸۶، تاریخ مظفری، ص ۱۔۶۔ خزانہ عامرہ ص ۱۰۸، حسین شاہی، ص ۵۸

۱۹۔ سرکار، جلد دوم، ص ۴۳،
سرڈیسائی: نیو ہسٹری آف دی مراٹھاز، جلد دوم، ص ۲۴۵، ۲۴۶،
مرتضیٰ علی خاں، منیر الدولہ، ص ۱۴ تا ۱۶،

۲۰۔ سرڈیسائی: نیو ہسٹری آف دی مراٹھاز۔ جلد دوم ص ۴۴ تا ۴۸۔
سرکار جلد دوم ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔

۲۱۔ مراسلات احمد شاہ درانی۔

۲۲۔ دہلی کرانیکل
احوال نجیب الدولہ، ۵۲، ب تا ۵۳ باب۔
سرکار، ص ۳۷۵ تا ۳۷۶۔
قانون گو، ص ۱۴۲
کہا جاتا ہے کہ سورج مل نے شاہ کو ایک لاکھ روپیہ نقد اور مزید پانچ لاکھ کی ادائیگی کا وعدہ کیا۔

۲۳۔ تاریخ کنہیا لال، ص ۱۰۲، ۱۰۳،
شمشیر خالصہ، ص ۱۴۵ (۵۰۷)

۲۴۔ بہاری لال لکھتا ہے کہ احمد شاہ نے نجیب الدولہ کو امیر الامراء کا خطاب دیا ص، ۱۰، اس کے علاوہ ملاحظہ کیجئے تاریخ مظفری ۔ ص ۳۰۲، طہماس نامہ، ص ۱۰۵ الف، ۱۰۰، حسین شاہی، ص ۶۔

۲۵۔ دہلی کرانیکل۔ سراج التواریخ، جلد اول، ۱۴۹، ۱۵۰۔

۲۶۔ رضی الدین، عبرت نامہ، ص ۲۹۰۔ ۲۰۴،
کنہیا لال، تاریخ پنجاب۔

تیسواں باب

افغانستان کے معاملات

(۱۷۶۰ء تا ۱۷۶۱ء)

حاجی جمال خاں کی سرکشی

جب شاہ ہندوستان میں مرہٹوں کے خلاف لڑ رہا تھا تو افغانستان میں چند سرداروں نے یکے بعد دیگرے سرکشی کا اظہار کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ان میں سے پہلا زرگرانی قبیلے کا حاجی جمال خاں تھا۔ موخرالذکر نے اس وقت سر اٹھایا جب مرہٹوں نے دہلی پر قبضہ کر کے کنج پورے کا افغان شہر جیت لیا تھا۔ حاجی جمال خاں نے بھی قندھار میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکے رائج کئے لیکن جب اسے ہندوستان؛ میں شاہ کی فتوحات کی خبر ملی تو اس کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ وہ فوراً ہی اپنی بادشاہت کا اعلان واپس لے کر حکومت سے دستبردار ہو گیا۔

عبدالخالق خاں کی بغاوت

اس کے بعد شاہ کے بھتیجے عبدالخالق نے علم بغاوت بلند کیا اور وہ حاجی جمال خاں سے زیادہ احمق اور بزدل ثابت ہوا۔ اس نے گرشک میں سرکشی کی جہاں دو اور افغان سردار دلاور خاں کمان زئی اور زال بیگ پوپل زئی اس سے آملے۔ ان دونوں نے ۲۶ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو پانی پت میں شاہ کا اعتماد کھو دیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ جب شاہ نے اپنی فوج کو جمنا میں گھوڑے ڈالنے کا حکم

دیا تو ان دونوں سرداروں نے اس کا حکم ماننے میں تامل کیا۔ اس پر احمد شاہ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ بادشاہ کو اپنی جان خطرے میں ڈالتے ہوئے دیکھ کر انہیں بھی مجبوراً پانی میں اترنا پڑا تاکہ افغان سپاہی ان کی بزدلی پر انگشت نمائی نہ کریں۔ اس کے بعد شاہ کے عتاب سے ڈر کر چپکے سے شاہی لشکر سے نکلے اور واپس افغانستان پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے یہ افواہ اڑانی شروع کر دی کہ احمد شاہ کو پانی پت میں شکست فاش ہوئی اور بھاری جسمانی نقصان اٹھانا پڑا۔

شاہ کو اس بغاوت کی خبر دہلی میں ملی اور اس نے فوراً ہی اپنے نامور جرنیل عبداللہ خاں کو جو تاریخ میں شاہ پسند خاں کے نام سے مشہور ہے عبدالخالق اور اس کے حواریوں کی سرکوبی کے لئے افغانستان روانہ کیا۔ اسے یہ تاکید کی گئی کہ جس طرح بھی ہو عبدالخالق کو قندھار پر قبضہ کرنے سے روکا جائے لیکن اس اثنا میں عبدالخالق شاہ کے بڑے بیٹے مرزا سلیمان کو نکال کر دارالخلافہ پر قبضہ کر چکا تھا۔ دلاور خاں اور زال بیگ کی افواہوں سے گمراہ ہو کر اور بھی کئی سردار عبدالخالق سے آملے تھے۔ لیکن جب انہیں حقیقت کا علم ہوا اور فتح مند افغان سوار شاہ پسند خاں کی کمان میں قندھار کے سامنے آپہنچے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً ہی عبدالخالق اور اس کے حواریوں سے الگ ہو گئے اور شاہ پسند خاں کے سامنے پیش ہو کر احمد شاہ کی وفاداری کا اظہار کیا۔

معدودے چند سرکشوں کو چھوڑ کر باقی تمام افغان سرداروں نے پانی پت کے دلاوروں کا شایان شان خیر مقدم کیا اور قندھار کا شہر مع باغی عبدالخالق کے شاہ پسند خاں کی تحویل میں دے دیا۔

شاہ کو اس فتح کی خبر پشاور میں ملی۔ چونکہ وہ یہاں کچھ عرصہ قیام کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنے بیٹے مرزا سلیمان کو لکھا کہ جس طرح بھی ہو سکے باغیوں کو گرفتار کر کے تہ تیغ کیا جائے۔ سلیمان نے زال بیگ کو ایک دوستانہ خط لکھا اور یہ ظاہر کر کے کہ پچھلی باتیں فراموش کی جا چکی ہیں اسے قندھار بلایا۔ زال بیگ اس چال میں آگیا اور قندھار میں قدم رکھتے ہی گرفتار کر لیا گیا اور شہزادے کے حکم سے اس کی گردن مار دی گئی۔ دلاور خاں نے زیادہ عقلمندی کا ثبوت دیا وہ بھاگ کر ہرات پہنچا اور وہاں کے گورنر شہزادہ تیمور شاہ سے پناہ کا طالب ہوا۔ دونوں بھائیوں میں باہمی چشمک کے باعث تیمور شاہ نے اس کا خاصی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ عزت و تکریم سے پیش آیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی۔(۱) درحقیقت زال بیگ کی جانب اس کا رویہ پٹھانوں کی اس نہائت اہم خصوصیت کا مظہر ہے کہ ہر

پناہ مانگنے والے کو امان دی جائے۔

احمد شاہی قندھار کی تعمیر

احمد شاہ کا عرصے سے یہ ارادہ تھا کہ قندھار کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ شاہ جیسے محب وطن کی نظر میں نادر آباد کا شہر جسکی بنا ۱۷۶۸ء میں ایرانی فاتح نادر شاہ نے ڈالی تھی۔ افغانوں کے لئے مستقل تذلیل کی علامت تھا۔ وہ ایرانیوں کے ہاتھوں ان کی شکست اور غلامی کی یادگار تھا۔ نیا شہر بسانے کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے شاہ نے قندھار کی مشرقی جانب موضع گندھب کے نزدیک ایک نہر کھدوانے کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ نیا قندھار اس نہر کے مغربی کنارے پر تعمیر ہو گا۔ لیکن یہ علاقہ علی کوزئی قبیلے کے غنی خاں کی ملکیت تھا اور چونکہ اس کے آدمی اپنی زمینیں چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے شاہ کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس اثناء میں شاہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا وہ علی کوزئی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ اسے انہیں کے علاقے میں مدفون کیا گیا۔ شاہ نے اس کی قبر پر ایک روضہ تعمیر کرایا اور اس کا نواحی گاؤں ابھی تک روضے کے نام سے موسوم ہے۔

اس کے بعد شاہ نے اپنی توجہ مغربی جانب منعطف کی اور موضع مارو کے نزدیک ایک قلعہ تعمیر کرانا چاہا۔ لیکن اس پر بارک زئی رضامند نہ ہوئے۔ شاہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے قوت استعمال کرے اس لئے اس نے کسی اور مناسب قطعہ زمین کی تلاش شروع کر دی۔ اسی دوران میں پوپلزئی اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجوزہ شہر کی تعمیر کے لئے اپنا علاقہ پیش کیا۔ بادشاہ ان کی پیش کش سے بہت خوش ہوا اور ان کی جاگیر میں ایک مناسب قطعہ زمین منتخب کر کے نئے دارالخلافے کی بنیاد رکھی جس کا نام احمد شاہی قندھار یا اشرف البلاد قرار پایا۔

اس نے تمام افغان قبیلوں کو دعوت دی کہ یہاں اپنے مکانات تعمیر کریں اور حکم دیا کہ بعد کی توسیعات کے لئے زمین چھوڑ کر شہر کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ تعمیر کی جائے۔ یہ کام خاص طور سے برجوں کی تعمیر کے ماہر ہندوستانی راجوں کے سپرد کیا گیا۔ جب ستونوں کی بنیاد رکھنے کا کام ختم ہو گیا تو معماروں کے سربراہ نے برجوں کے بنانے کا کام روک دیا۔ شاہ کی خواہش تھی کہ برجوں کی تعمیر میں تعجیل کی جائے لیکن اس دوران معماروں کا سربراہ قندھار چھوڑ کر نیشاپور کی جانب فرار ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کام دوسرے ماہرین تعمیر کے سپرد کیا گیا۔ لیکن چھ ماہ بعد مفرور معمار پھر لوٹ آیا اور اپنی غیر حاضری کا یہ جواز پیش کیا کہ بنیادوں کو ٹھیک سے پختہ ہونے کے لئے کچھ وقت ضروری ہوتا ہے اور اب چونکہ وہ وقت گزر چکا ہے اس لئے اب مزید تعمیر

میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لہٰذا برجوں کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع ہوا۔ شاہ کو یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ اس کے شہر کی تعمیر بسرعت تکمیل پذیر ہو رہی ہے۔ جب شہر پناہ مع تمام برجوں۔ فصیلوں اور میناروں کے تیار ہو گئی تو پھر شاہ نے ملک بھر میں اپنے ہرکاروں کو بھیج کر لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے مکانات اسی شہر میں آکر بنائیں۔(۲)

مکانات کے بنانے کے لئے مفت زمین

مکانات کے بنانے کے لئے شاہ نے لوگوں کو مفت زمین فراہم کی اور شہر کی سرکاری عمارتوں کو بھی بنوانا شروع کر دیا' شہر میں ایک خوب صورت نہر بھی بنائی گئی اور تمام تعمیرات پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا۔ چونکہ اندورن ملک اور بیرون ملک کے ماہر کاریگر تعمیرات کا کام کر رہے تھے۔ اس لئے تمام عمارتیں نہایت خوب صورت' مضبوط اور پائدار بنیں اور قلعہ کی تعمیر پر خاص توجہ دی گئی۔ قلعہ کو بہت مستحکم اور مضبوط بنایا گیا تاکہ وہ حملہ آوروں کی توپوں کے گولوں کا موثر طور پر دفاع کر سکے اور دیواروں میں شگاف پیدا نہ ہوں۔ قلعہ کا دروازہ بھی نہایت مضبوط لکڑی اور فولاد کی چادروں سے بنایا گیا اس طرح احمد شاہی قندھار حقیقت میں "اشرف البلاد" بن گیا اور اس کو افغانستان کے تمام شہروں پر برتری حاصل ہو گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ احمد شاہ کو فن تعمیرات سے بھی کتنی دلچسپی تھی۔(۳)

حوالہ جات

۱۔ فریئر: ہسٹری آف دی افغانز' ص ۸۹ تا ۹۱'

۲۔ تاریخ سلطان' ص ' ۱۴۲' ۱۴۳'

سراج التواریخ' جلد اول' ص ۲۵' ۲۶'

تاریخ حسین شاہی (صفحہ ۲۹' اور تاریخ احمد (صفحہ ۱۹) میں لکھا ہے کہ شہر پناہ کی تعمیر شاہ کے ہندوستان پر تیسرے حملے کے بعد تکمیل پذیر ہوئی۔ لیکن میں نے افغان مورخوں کا تتبع کیا ہے کیونکہ واقعات کے تسلسل کے بارے میں ان کا بیان زیادہ صحیح ہونا چاہئے۔ سراج التواریخ کے مطابق نئے شہر کا سنگ بنیاد ۱۷۶۱ء میں رکھا گیا جو ۲ اگست ۱۷۶۱ء کو اختتام پذیر ہوا۔ شاہ نے لاہور مئی ۱۷۶۱ء میں چھوڑا اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ اشرف البلاد کا سنگ بنیاد جون یا جولائی ۱۷۶۱ء میں رکھا گیا ہو گا۔

۳۔ ہملٹن' افغانستان

چوبیسواں باب

ابدالی کا ہندوستان پر چھٹا حملہ

(۱۷۶۲ء)

خواجہ مرزا جان کی شکست اور قتل

احمد شاہ نے پنجاب کی حکومت کا جو نظام قائم کیا تھا وہ سکھوں نے اس کے افغانستان لوٹتے ہی درہم برہم کر دیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے دریائے سندھ تک اس کا تعاقب کیا۔ جب وہ واپس آرہے تھے تو خواجہ مرزا جان جو چہار محل کے اضلاع کا حاکم تھا ان کی راہ میں حائل ہوا لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔(۱)

نورالدین بر ے زئی کی مہم

قندھار پہنچ کر شاہ نے نورالدین برے زئی کی کمان میں ایک فوجی مہم پنجاب بھیجی۔ یہ وہی جرنیل ہے جس نے ۱۷۵۹ء میں بھیرہ' میانی' اور چوک ساتو کو تاراج کیا تھا۔ چناب پار کرتے ہی اس کا مقابلہ سردار چڑہت سنگھ سکر چکیہ سے ہوا جو گوجرانوالہ پر قابض تھا۔ نورالدین کو شکست ہوئی اور اس نے بھاگ کر سیالکوٹ کے قلعے میں پناہ لی۔ سکر چکیہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا' نورالدین کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی تھے اور چونکہ نواحی علاقہ تمام سکھوں کے قبضے میں تھا اس لئے خوراک اور جانوروں کے چارے کی قلت کے باعث اس کی حالت جلد ہی قابل رحم ہو گئی' فوج کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر نورالدین ایک روز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعے

سے نکلا اور جموں پہنچ کر سانس لیا۔ اس کے بھاگ نکلنے کے بعد افغان فوج نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن سکھ سردار نے اسے بلا کسی تعرض کے واپس جانے دیا۔ اس فتح کے بعد سردار چڑھت سنگھ گوجرانوالہ واپس آگیا۔(۲)

خواجہ عبید کی شکست

درانی جرنیل کی شکست کا حال سن کر لاہور کا حاکم خواجہ عبید بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ سکھوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ ایمن آباد میں چند دن قیام کرکے فوراً گوجرانوالہ پر حملہ آور ہوا۔ بہت سے سکھ سردار مثلاً" جسا سنگھ اہلو والیہ' ہری سنگھ بھنگی' جے سنگھ کنہیا' لہنا سنگھ' صوبا سنگھ اور گوجر سنگھ وغیرہ یہ خبر سنتے ہی سکر چکیہ کی امداد کے لئے گوجرانوالہ پہنچے اور محاصرہ کرنے والی فوج پر شب خون مارا۔ خواجہ کی فوج کا ایک سکھ دستہ بھی ان سے مل گیا۔ یہ حالات دیکھ کر عبید خاں اپنا توپ خانہ اور دیگر سامان وہیں چھوڑ کر لاہور واپس آگیا۔ لاہور کی فوج کا توپ خانہ ہاتھ لگ جانے سے سردار چڑھت سنگھ اور اس کے حلیفوں کی طاقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور انہوں نے پنجاب بھر میں اپنی فتوحات کو وسعت دینا شروع کر دی۔(۳)

جسا سنگھ اہلو والیہ کی بادشاہت کا اعلان

ان فتوحات سے سکھوں کے حوصلے ایسے بلند ہوئے کہ وہ سردار جسا سنگھ اہلو والیہ کی کمان میں لاہور جا پہنچے اور وہاں کے سرکردہ لوگوں کی مدد سے شہر میں داخل ہو گئے۔ لاہور کے قلعہ پر ابھی تک خواجہ عبیداللہ کا قبضہ تھا۔ شہر پر بھی سکھوں کا تسلط پورے طریقے سے نہ جم سکا لیکن انہوں نے اہلو والیہ کو سلطان القوم کا خطاب دیکر اس کے شاہ لاہور ہونے کا اعلان کر دیا۔(۴) اس کے بعد ایک فوجی دستہ خواجہ عبید کو محصور رکھنے کی غرض سے لاہور چھوڑ کر انہوں نے جالندھر دوآب پر ہلہ بولا اور درانی فوجداروں سعادت خاں اور صادق خاں آفریدی کو شکست فاش دی۔ جالندھر کا حاکم گھمن چند کٹوچ ان کی آمد کی خبر پا کر پہاڑوں میں جا چھپا اور اس طرح دریائے سندھ سے لے کر ستلج تک پورا پنجاب سکھوں کے تصرف میں آگیا۔ صرف کہیں کہیں احمد شاہ کا کوئی حلیف باقی رہ گیا۔(۵)

جنڈیالے کا محاصرہ

۲۷ اکتوبر ۱۷۶۱ء کو سکھوں نے امرتسر میں دیوالی کا تہوار منایا۔ اس موقعہ پر ان کے ایک عام اجتماع (سربت خالصہ) میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ملک کو بیرونی حملہ آوروں سے نجات دلانے کے لئے احمد شاہ کے جملہ پنجابی حلیفوں کے علاقے پر قبضہ کر لیا جائے ان میں نزدیک

ترین عاقل داس تھا جو سکھوں کے ایک اختلافی فرقے نرنجیانی کا گرو تھا۔ اس کا علاقہ جنڈیالہ امرتسر سے بارہ میل مشرق کی جانب تھا۔ سردار جسا سنگھ اہلو والیہ اور جسا سنگھ رام گڑھیہ نے عاقل داس کو قرار داد کے مضمون سے مطلع کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ خالصہ یعنی سکھوں کے سواد اعظم کے فیصلے کا احترام کرے۔ عاقل داس نے یہ سنتے ہی ایک شتر سوار شاہ کی جانب دوڑایا اور امداد کا خواستگار ہوا۔(٦)

محاصرہ کا خاتمہ

اس اثناء میں شاہ کو سکھوں کی سرگرمیوں کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اپنے افسروں کی امداد کے لئے پنجاب کی جانب کوچ کر رہا تھا۔ روہتاس پہنچ کر اسے عاقل داس کا دوسرا خط ملا جس میں فوری امداد کی درخواست کی گئی تھی۔ شاہ نے کچھ چیدہ سوار اپنے ساتھ لئے اور روہتاس سے مارا مار سفر کرتا ہوا جنڈیالے کے نواح میں پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی فوج بھی پہنچ گئی مگر اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ سکھ محاصرہ اٹھا کر غائب ہو چکے تھے۔ درحقیقت اہلووالیہ اور اس کے ساتھیوں کو شاہ کی آمد کی خبر مل چکی تھی اور انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ محاصرہ اٹھا کر بھاگ جائیں۔ لیکن عاقل داس کا خیال تھا کہ یہ محض ایک چال ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہالیان شہر خطرے کی موجودگی سے غافل ہو کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیں اور اس طرح سکھوں کو آسانی سے اندر آنے کا موقعہ مل جائے۔ اس نے دشمن کا پتہ چلانے کے لئے ہر طرف جاسوس روانہ کئے لیکن سکھ اس وقت تک دریائے بیاس عبور کر کے جنڈیالے کے نواح سے کافی دور جا چکے تھے۔ اسی دوران میں کسی نے عاقل داس کو بتایا کہ شہر سے چار میل کے فاصلے پر ایک شخص جواہرات سے مزین پگڑی پہنے ایک شامیانے کے نیچے بیٹھا ہے اور بارہ بندوق بردار مئودبانہ اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ عاقل داس سمجھ گیا کہ یہ شخص سوائے احمد شاہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ فوراً بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور نذر پیش کر کے سکھوں کی شورش اور جنڈیالے کے محاصرے کا حال اسے سنایا۔ شام ہونے تک شاہ ولی خاں بھی تین ہزار افغان سپاہیوں کے ساتھ آپہنچا۔ شاہ نے سکھوں کا پتہ چلانے کے لئے جاسوس روانہ کئے اور خود لاہور واپس چلا آیا۔(۷)

سکھوں کے جنڈیالے کا محاصرہ اٹھا لینے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ شاہ کی آمد کی خبر سن کر وہ اپنے بال بچوں کو لاکھی جنگل' رائے پور اور گوجروال کے محفوظ مقامات پر بھیجنا چاہتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ افغانوں نے ۱۷۵۷ء میں متھرا اور بندرابن کو اور اس کے بعد ۱۷۶۱ء میں پانی پت کو نہ صرف لوٹا اور تاراج کیا تھا بلکہ مرہٹوں کی عورتوں اور بچوں کو قیدی

بنا کر لے گئے تھے۔ شکست کی صورت میں ان کے بال بچوں کا بھی یہی حشر ہوتا۔ دوسرے یہ کہ غیر ضروری اور بھاری سامان سے نجات حاصل کرکے وہ افغانوں کو زیادہ تنگ کر سکتے تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ سرہند کے گورنر زین خاں سے سردار دیال سنگھ برار کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مالیر کوٹلہ میں رائے پور اور گوجروال کے نزدیک سکھوں کے اجتماع کی خبر سن کر وہاں کے افغان سردار بھیکن خاں نے زین خاں کو مدد کے لئے بلایا' اور ساتھ ہی احمد شاہ کو کہلوا بھیجا کہ سکھوں کی بیخ کنی کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئے گا۔(۸)

شاہ کا حملہ

یہ خوش خبری سن کر شاہ نے ۳ فروری کو لاہور چھوڑا اور جنڈیالہ اور تلوان ہوتا ہوا مالیر کوٹلہ پہنچا۔ ۴ فروری کو اس نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے زین خاں کو مطلع کیا کہ وہ اگلے دن سکھوں کے پہلو پر حملہ آور ہو گا اور اسے ہدایت کی کہ علی الصبح اپنے تمام آدمی لے کر دشمن کا راستہ روک دے۔ یہ حکم ملتے ہی زین خاں' بھیکن خاں' مرتضٰی خاں برائچ' دیوان لچھی نرائن' قاسم خاں مرحل اور دوسرے افسروں نے اگلے دن کی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں(۹)

قتل عام کا دن

۱۱ رجب ۱۱۷۵ھ (۵ فروری ۱۷۶۲ء) کی صبح کو زین خاں اپنی فوج لے کر آگے بڑھا۔ حملے کی رہنمائی قاسم خاں کر رہا تھا۔ سکھ اس غیر متوقع حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ ان کی تعداد تقریباً" تیس ہزار تھی جس میں عورتیں' بچے اور بھیرو بنگاہ بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بھاری باربرداری بھی تھی۔ لڑائی کا آغاز قاسم خاں کے حملے سے ہوا۔ وہ مالیر کوٹلہ سے چھ میل شمال کی جانب موضع کپ کے نزدیک سکھوں کے بیرو بنگاہ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ بھی مجتمع ہو کر لڑنے لگے۔ طلوع آفتاب کے وقت شاہ بھی میدان جنگ میں آن پہنچا۔ اس کے قاصدوں نے زین خاں کو اطلاع دی کہ شاہ کے حملے کی رہنمائی ازبک دستے کر رہے ہیں اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ جسے بھی ہندوستانی لباس میں پائیں تہ تیغ کر دیں۔ اس لئے آپ اپنے سپاہیوں کو ہدایت کریں کہ اپنی پگڑیوں میں سبز پتے اور گھاس لگالیں۔

حملے کی خبر سن کر سردار اپنے بھیرو بنگاہ کی مدد کے لئے دوڑ پڑے۔ قاسم خاں ان کی یورش کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے تمام آدمیوں سمیت مالیر کوٹلہ کی جانب غائب ہو گیا۔ طہماس خاں اس کے بعد مرتضٰی خاں برائچ سے جا ملا جو اپنے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ایک اونچی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ شاہ کے سپاہیوں نے انہیں سکھوں کا حلیف سمجھ کر گھیرے میں لے لیا۔

اس موقع پر طہماس خاں جس کے سر پر ٹوپی تھی۔ افغانوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ وہ زین خاں کے آدمی ہیں ۔ شاہ نے مرتضیٰ خاں کو ایک شال عنایت کی اور شاہ ولی خاں اور زین خان کے ساتھ مل کر سکھوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں جرنیل آٹھ ہزار سوار لے کر سکھوں پر یورش کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔(۱۰)

سکھوں نے حالات کا رخ دیکھ کر اپنے بھیرو بنگاہ کو مالوے کے سرداروں کے وکیلوں کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ کیتھل کے سنگو سنگھ ۔ پٹیالے کے وکیل سیکھو سنگھ ہبل والا اور بھائی بدھا سنگھ کے معتمد کو اس خدمت پر مامور کیا گیا کہ وہ سکھ فوج کے ملازمین اور خاندانوں کو میدان جنگ سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچا دیں۔ لیکن وہ تین ہی میل گئے ہوں گے کہ شاہ ولی خاں' زین خاں اور بھیکن خاں ان پر ٹوٹ پڑے۔ سکھوں نے عورتوں' بچوں اور بھیرو بنگاہ کے قافلے کو گھیرے میں لے لیا اور لڑتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ افغان اس گھیرے کو توڑنے میں ناکام رہے' یہ دیکھ کر احمد شاہ نے سردار جہان خاں کی کمان میں مزید فوج بھیجی لیکن وہ بھی کچھ نہ کر سکا البتہ اس کے آنے سے سکھوں کی صفوں میں کچھ ابتری ضرور پھیل گئی۔ اس کے بعد شاہ نے تازہ دم سواروں کا ایک اور دستہ روانہ کیا لیکن سکھ نہایت مستقل مزاجی سے اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ جسا سنگھ' اہلو والیہ چڑھت سنگھ سکر چکیہ اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر ہر طرف دوڑ رہے تھے اور سکھ سپاہیوں اور قافلے والوں کی ہمتیں بڑھا رہے تھے۔ شاہ نے محسوس کیا کہ جب تک جم کر لڑائی نہ ہو گی سکھوں پر کاری وار نہ کیا جا سکے گا چنانچہ اس نے زین خاں اور بھیکھی چند کی طرف قاصد دوڑائے اور ان کی نااہلیت پر سرزنش کرتے ہوئے حکم دیا کہ سامنے سے حملہ کر کے سکھوں کو آگے بڑھنے سے روکیں۔ شاہ کا خیال تھا کہ اس کے بعد وہ پہلو سے ہلہ بول کر دشمن کا صفایا کر دے گا۔ لیکن زین خاں نے کہلا بھیجا کہ سکھوں کو روکنا ناممکن ہے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں فریق اسی طرح لڑتے ہوئے موضع گوہل آ پہنچے۔ سکھوں کو یہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔ گاؤں کے لوگوں نے شاہ کے انتقام کے ڈر سے مکانوں کے دروازے بند کر لئے اور انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر سکھوں کا قافلہ سہ پہر کے قریب سبی کے دیہات میں پہنچا۔ یہ گاؤں مالیر کوٹلہ کے افغانوں کی ملکیت تھے۔ یہاں کے رانگھڑ دیہاتیوں نے اپنے آقاؤں کی ہدایت پر سکھوں کو گھیر لیا اور لوٹ مار اور قتل عام شروع کر دیا وہ ڈھول پیٹتے ہوئے باہر نکلے اور سکھوں کے بھیرو بنگاہ پر جو گاؤں کے باہر جمع تھے ٹوٹ پڑے۔ چڑھت سنگھ ان کی مدد کو دوڑا اور رانگھڑوں کو مار بھگایا۔ اس وقت تک سکھوں کی صف میں کئی شگاف پڑ چکے تھے۔ اور افغان اور ان کے ہندوستانی حلیفوں نے قافلے میں گھس کر انہیں

کافی جانی نقصان پہنچایا تھا۔ مرنے والوں میں زیادہ تر عورتیں' بچے اور سکھ فوج کے غیر جنگ جو ملازم تھے۔ اس کے باوجود سکھوں نے نہایت بہادری سے افغان حملہ آوروں اور مشتعل دیہاتیوں کا مقابلہ کیا۔

۳۶ گھنٹے میں ۱۵۰ میل کا سفر

قطبہ اور بھمنی کے نزدیک پانی کا ایک تالاب تھا۔ افغان اور سکھ دن بھر کی پیاس بجھانے کے لئے پانی پر ٹوٹ پڑے اور جنگ کچھ دیر کے لئے ملتوی ہو گئی۔ اس کے بعد لڑائی پھر شروع ہو گئی مگر اب اس میں کوئی شدت پیدا نہ ہو سکی۔ برنالہ تک پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی اور یہاں شاہ نے اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا اس کی فوج بری طرح تھک گئی تھی۔ اور دشمن کا مزید تعاقب ناممکن تھا۔ شاہ کے سپاہیوں نے ۳۶ گھنٹے میں ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کیا تھا اور سکھوں جیسے سخت جان دشمن سے مسلسل ۱۰ گھنٹے جنگ کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے تقریباً" دس ہزار سکھوں کو تہ تیغ کیا تھا۔ احمد شاہ کی فوج اس وقت ایک خشک ریتیلے ریگستان میں پہنچ چکی تھی اور اسے ڈر تھا کہ کہیں سکھ تازہ دم کمک لے کر پھر سے افغان سپاہیوں پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ وہ اب کوئی غیر ضروری خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

ایک دن میں دس ہزار جانوں کا نقصان سکھوں کے لئے ایک عظیم سانحے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے سکھ اس لڑائی کو وڈا گھالو گھارا یعنی عظیم قتل عام کہتے ہیں۔ ۲ جون ۱۷۴۶ء کو جب لاہور کے گورنر زکریا خاں کے دیوان لکھپت رائے نے سکھوں کو شکست دی تھی تو اس وقت بھی ایک ایسا ہی قتل عام ہوا تھا۔(۱۱)

برنالہ کی بربادی

برنالہ پٹیالہ کے سردار آلا سنگھ کی جاگیر میں تھا۔ شاہ کے ہندوستانی اتحادی زین خاں کچھی چند اور بھیکن خاں آلا سنگھ کے جانی دشمن تھے۔ ان کے اکسانے پر شاہ نے حکم دیا کہ برنالہ کے شہر اور علاقے پر قبضہ کر کے تمام علاقے کو تاراج کر دیا جائے۔ آلا سنگھ اس وقت ہوائی گڑھ کے قلعے میں تھا۔ کچھی چند نے شاہ کو پٹی پڑھائی کہ اسے گرفتار کر کے پچاس لاکھ روپیہ زر فدیہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ آلا سنگھ شاہ کی آمد کی خبر سنتے ہی چپکے سے کھسک گیا۔ اس نے کسی صورت نجیب الدولہ کی حمایت حاصل کر لی اور اس کی وساطت سے سرہند کے مقام پر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر چھ لاکھ پچیس ہزار روپیہ کی رقم پیش کی۔ اس میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ محض اس مقصد کے لئے تھا کہ شاہ اسے سر اور داڑھی کے بالوں سمیت اپنے حضور میں آنے کی اجازت دے۔ آلا سنگھ نے یہ وعدہ بھی کیا کہ آئندہ مالیانے کا ایک حصہ احمد شاہ

کو بھیجتا رہے گا۔ اس کی اطاعت سے خوش ہو کر شاہ نے اس کے علاقے پر قبضہ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ اس کے باوجود آلا سنگھ کچھ عرصہ تک اپنے خیمے میں نظر بند رہا لیکن بعد میں شاہ ولی خاں کی سفارش پر رہا کر دیا گیا۔ سرہند میں چند دن قیام کرنے کے بعد شاہ ۱۸ فروری ۱۷۶۲ء کو وہاں سے روانہ ہو کر ۳ مارچ کو لاہور پہنچا۔ زین خاں بدستور سرہند کا گورنر رہا اور سعادت خاں کو جالندھر دوآب میں مقرر کیا گیا۔(۱۲)

سرہند کے دوران قیام میں شاہ نے تمام سرکردہ افغان' روہیلہ اور ہندوستانی امراء کو ملاقات کے لئے بلایا لیکن سوائے نجیب الدولہ کے جو اپریل کے پہلے ہفتے تک شاہ کے ساتھ رہا اور کوئی نہ پہنچا۔ شاہ اس کی وفاداری سے بہت متاثر ہوا اور دربار عام میں اعلان کیا' "ہندوستانی افغانوں میں صرف یہی آدمی افغان کہلانے کا اہل ہے۔ میں نے اس قوم پر بہت کچھ احسانات کئے لیکن انہوں نے میرے دعوت نامے کی کوئی پروا نہیں کی۔ یہاں تک کہ شجاع الدولہ بھی غائب ہے"۔(۱۳)

امرتسر کی تباہی

اس کے بعد شاہ نے اپنی توجہ سکھوں کی جانب منعطف کی۔ وہ اپنے ساتھ سکھوں کے کٹے ہوئے سروں سے بھری ہوئی پچاس گاڑیاں اور ایک کثیر تعداد قیدیوں کی لے کر لاہور گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سکھ خوف زدہ ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لیں گے' ۱۰ اپریل ۱۷۶۲ء کو بیساکھی کے تہوار سے ایک دن پہلے وہ ایک کثیر فوج لے کر امرتسر پہنچا اور حکم دیا کہ ہرمندر نام کے سکھ گوردوارے اور اس کی ملحقہ عمارات کو بارود سے اڑا دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے سکھوں کے مقدس تالاب کو پٹوا دیا۔

مرہٹوں سے تعلقات

مارچ ۱۷۶۱ء میں افغانستان جانے سے پیشتر اس نے اپنے وکیل یعقوب علی خاں کو پیشوا سے صلح نامے کی تکمیل کے لئے پونا بھیجا تھا۔ لیکن شاہ کے جاتے ہی وزیر غازی الدین نے یعقوب علی خاں کی ایک نہ چلنے دی۔ وہ خود سورج مل جاٹ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ غازی الدین' سورج مل' نجیب الدولہ' شجاع الدولہ اور مرہٹوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے ہندوستانی سیاست میں جو ابتری پھیلی ہوئی تھی وہ ۲۳ جون ۱۷۶۱ء میں پیشوا کی موت سے اور بھی شدید ہو گئی۔

نیا پیشوا مادھو راؤ جو بالا جی راؤ کا دوسرا بیٹا تھا تخت نشینی (۲۰ جولائی ۱۷۶۱ء) کے وقت سترہ سال کا ناتجربہ کار لڑکا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جنوبی ہندوستان کے معاملات میں ایسا الجھا ہوا تھا کہ

اسے شمال ہند کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے برخلاف شاہ مرہٹوں سے مصالحت کا بے انتہا خواہش مند تھا کیونکہ اس کے بغیر پنجاب پر چین سے حکومت کرنا ناممکن تھا۔ سکھوں کی سرکوبی کر کے اس نے مرہٹہ وکیلوں باپوجی مہادیو ہنگنے اور پرشوتم ہنگنے کو بلوایا۔

باپوجی مارچ کے وسط میں لاہور آگیا لیکن پرشوتم کو پیشوا کی اجازت ملنے میں دو ماہ لگ گئے۔ مرہٹوں کی خواہش تھی کہ گفتگو کا آغاز از سرنو سدا شیو بھاؤ کی پیش کردہ شرائط سے ہو لیکن یہ مشکل تھا۔ ۱۴ جون ۱۷۶۲ء کو باپوجی ہنگنے نے ایک خط میں دادا صاحب کو مطلع کیا کہ یہاں کسی کو یہ علم نہیں کہ پانی پت کی جنگ سے پہلے سدا شیو بھاؤ اور شاہ ولی خاں میں کن امور پر گفتگو ہوئی تھی اس لئے سلسلہ کلام وہاں سے شروع نہیں ہو سکتا۔ لیکن شاہ ولی خاں مرہٹوں کو خالی ہاتھ بھیجنے کے حق میں نہ تھا۔ کرارجی شنڈے کے نام ایک خط سے جس کا راقم غالباً پرشوتم ہنگنے تھا پتہ چلتا ہے کہ شاہ ولی خاں پیشوا مادھو راؤ کے بارے میں دوستانہ خیالات رکھتا تھا۔ مرہٹوں کو خوش کرنے کے لئے اس نے شاہ کو ترغیب دی کہ مادھو راؤ کو مرہٹہ سلطنت کا سربراہ تسلیم کر لیا جائے۔

شاہ نے دکنی سفیروں کی معرفت پیشوا کو مرہٹوں کی سربراہی کا پروانہ اور ایک سادہ کاغذ پر زعفرانی رنگ میں اپنی ہتھیلی کا نشان لگا کر بھیجا۔ اس کے علاوہ بیش بہا خلعت، قیمتی جواہرات اور بہت سے ہاتھی گھوڑے بھی روانہ کئے گئے۔ وزیر شاہ ولی خاں نے مرہٹہ وکیلوں کے ساتھ اپنا ایک ذاتی سفیر بھی دکن بھیجا اور اس طرح شاہ نے مرہٹوں کو پنجاب کی سیاست سے بے دخل کر دیا۔(۱۴)

کشمیر کے معاملات

کشمیر مئی ۱۷۵۲ء میں افغان عملداری میں آچکا تھا لیکن عبداللہ خاں اسحاق آغا جس نے کشمیر پر قبضہ کیا تھا صرف چھ ماہ بعد افغانستان لوٹ آیا۔ واپس آنے سے پہلے اس نے اپنے ایک نزدیکی عزیز خواجہ کچک کو صوبے کا نائب اور سکھ جیون کو اس کا مددگار مقرر کیا۔

سکھ جیون نے پہلے تو خواجہ کچک کو قید کر دیا اس کے بعد اسے کشمیر سے نکال کر غازی الدین سے جوڑ توڑ شروع کر دیئے۔ موخرالذکر کی سفارش پر شاہ عالم ثانی نے اسے کشمیر کا حاکم مقرر کر دیا۔ سکھ جیون ایک بڑا انسانیت پسند اور روشن خیال حکمران ثابت ہوا۔ بڑا سخی اور مذہبی معاملات میں بے حد وسیع النظر تھا۔ اس کے حکم سے کشمیر میں مسلمانوں کے تمام مقابر اور باغات کی درستی کی گئی اور ان کی مناسب دیکھ بھال کا انتظام ہوا۔ وہ روزانہ بہت سے مسلمانوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ اور ہر ماہ کی بارہ اور پندرہ تاریخ کو بلا تخصیص مذہب غرباء کی ایک

بڑی تعداد کو اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم کیا کرتا تھا۔ درویشوں اور فقیروں سے اسے خاص طور سے لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ وہ علم و ادب کا بھی بڑا مربی تھا۔ اس کے دور میں ہر ہفتے ایک عام مشاعرہ ہوتا جس میں کشمیر کے تمام شاعر شرکت کرتے اور اپنا کلام سناتے۔ اس نے کشمیر کی ایک مستند تاریخ لکھوانے کا بھی اہتمام کیا اور اس مقصد کے لئے چار چوٹی کے علماء کا انتخاب کیا۔ ان میں سے ہر ایک کی مدد کے لئے دس دس ممتاز علماء مامور ہوئے۔ محمد توفیق علماء کی اس جماعت کا سربراہ قرار پایا۔ اس کے باقی ساتھیوں کے نام یہ ہیں۔ محمود علی خاں متین مرزا قلندر اور امین خاں۔

نورالدین برے زئی

لیکن چونکہ اس نے افغان گورنر کو نکال کر احمد شاہ سے سرتابی کی تھی اور مغل بادشاہ کے نام کا خطبہ اور سکے جاری کئے تھے اس لئے احمد شاہ نے اس کی برطرفی کا حکم صادر کر کے نورالدین برے زئی کو اس کی جگہ کشمیر کا حاکم مقرر کیا۔ برے زئی کی خواہش کے مطابق شاہ دل خاں نے اپنے بیٹے حاجی نواب خاں کو جموں کے راجہ رنجیت دیو کی حمایت حاصل کرنے اور اسے جنگی انتظامات کے سلسلے میں لاہور بلانے کے لئے بھیجا۔ راجہ کے تامل کرنے پر اس نے اپنے دوسرے بیٹے شیر محمد خاں کو روانہ کیا کہ رنجیت دیو کو شاہ کے دوستانہ جذبات کا یقین دلا کر لاہور آنے پر رضامند کرے۔

آخر کار رنجیت دیو وزیر کے بیٹوں کے ساتھ لاہور پہنچا۔ شاہ نے اسے شرف باریابی بخشا اور بیش بہا خلعت دے کر نورالدین برے زئی کے ساتھ کشمیر کی مہم پر جانے کی درخواست کی' راجہ نے شاہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے بیٹے برج راج دیو کو افغانستان فوج کی رہنمائی کے لئے نورالدین کے ساتھ کر دیا۔(۱۵)

سکھ جیون حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ اس نے تمام پہاڑی دروں پر دفاعی استحکامات کر رکھے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تین یا چار ہزار افغان اور ڈوگرہ فوج توسہ میدان کے راستے سے وادی کشمیر میں داخل ہو گئی۔ پرگنہ دیسوس چیرہ اوڈار کے مقام پر لڑائی ہوئی لیکن سکھ جیون کے آدمیوں نے کوئی مزاحمت پیش نہیں کی۔ اس کا ایک رشتے دار جو فوج کی کمان کر رہا تھا میدان سے بھاگ نکلا۔ یہ حال دیکھ کر سکھ جیون بھی فرار ہو گیا لیکن راستے میں ایک سنارے کے ہاتھ پڑ گیا جس نے اسے نورالدین کے حوالے کر دیا۔ مؤخرالذکر نے سکھ جیون کی آنکھیں نکلوا کر اسے شاہ کے پاس بھیج دیا جہاں اس کی گردن مار دی گئی۔

راجہ رنجیت دیو کی خدمات کے صلے میں اسے کشمیر سے سالانہ ۶۰ ہزار بوری چاول ملنے کا

حکم ہوا۔

نورالدین سکھ جیون کی شکست کے بعد کشمیر کا حاکم قرار پایا۔(۱۶)

زین خاں کی شکست

● فروری کے قتل عام سے سکھوں کے حوصلے پست نہ ہوئے تھے۔ تین ماہ نہ گزرے تھے اور شاہ ابھی لاہور ہی میں تھا کہ انہوں نے زین خاں کے خلاف پھر سرکشی کی۔ (بیساکھ۔ شاکا ۱۶۸۴۔ مئی ۱۷۶۲ء)

سکھوں کی سرگرمیوں میں اضافہ

موسم گرما کی جھلسا دینے والی تمازت سے بچنے کے لئے شاہ لاہور سے چل کر ضلع گورداسپور کے قصبے کلانور میں خیمہ زن ہوا جس کی آب وہوا مقابلتاً" معتدل ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں اکبر اعظم کی تخت نشینی ہوئی تھی۔

زین خاں کی شکست اور شاہ کی عارضی بے عملی سے شیر ہو کر سکھوں نے ہر طرف سرکشی شروع کر دی۔ سردار جسا سنگھ سکر چکیہ نے بھنگی سرداروں کے ساتھ مل کر لاہور کے شمال اور شمال مغرب میں تباہی مچانی شروع کر دی۔ ستمبر کے وسط میں ان کا ایک لشکر جرار پانی پت اور کرنال کے نواح میں خیمہ زن تھا لیکن بیساکھی کا تہوار نزدیک آجانے کی وجہ سے وہ گھروں کی جانب لوٹے اور اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں امرتسر آپہنچے۔ اس وقت ان کی سوار اور پیادہ فوج کی تعداد تقریباً" ۶۰ ہزار تھی اور شاہ سے گھالوگھارا کا انتقام لینے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔(۱۷)

امرتسر کی غیر فیصلہ کن جنگ

اس وقت تک شاہ لاہور آچکا تھا۔ جیمز براؤن لکھتا ہے۔

"یہ خبر پاتے ہی احمد شاہ نے سفیر کے مرتبے کا ایک نمائندہ صلح کی گفت و شنید کے لئے سکھ سرداروں کے پاس بھیجا تاکہ خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ لیکن سکھوں نے شاہ کے سفیر کی بات سنے بغیر اسے اور اس کے ہمراہیوں کو لوٹ کر اپنے لشکر سے بھگا دیا۔"(۱۸)

صلح کی تمام کوششوں کو رائیگاں جاتے دیکھ کر احمد شاہ ۱۶ اکتوبر ۱۷۶۲ء کی شام کو یعنی دیوالی سے ایک دن پہلے امرتسر پہنچا۔ اگلے دن علی الصبح سکھ لشکر صف آرا ہو کر درانیوں پر حملہ آور ہوا۔ صبح سے شام تک خونریز جنگ ہوئی اور رات کی تاریکی پڑنے پر بلا کسی فیصلے کے ختم ہو گئی۔ شاہ سکھوں کی شجاعت اور ان کے عزم سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنی فوج لے کر راتوں رات لاہور چلا آیا۔(۱۹)

شاہ کے دوبارہ حملہ کرنے سے پہلے ہی سکھ امرتسر چھوڑ گئے اور دریائے ستلج پار کرکے لاکھی کے جنگل میں روپوش ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب وہ ماجھا کے علاقے میں شکار کھیل رہا تھا تو اس کی سکھوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

ایک روز سکھ سواروں کا ایک چھوٹا سا دستہ شکار گاہ میں نمودار ہوا۔ شاہ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ انہیں پکڑ لیں۔ جب افغان سپاہی انہیں گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے تو اچانک کچھ اور سکھ سوار برآمد ہوئے اور شاہ کے سپاہیوں سے الجھ گئے۔ ایک سکھ بادشاہ کی جانب جھپٹا۔ لیکن اس کے وار کرنے سے پہلے ہی ایک افغان سپاہی نے تیر مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ شاہ کے ہمراہیوں نے کافی سکھوں کو ہلاک کر ڈالا۔ باقی ماندہ جنگل کی طرف بھاگ گئے۔(۲۰)

دہلی کے معاملات

افغانستان واپس ہونے سے پیشتر شاہ دہلی کی سلطنت کے معاملات بھی طے کر دینا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے نجیب الدولہ اور شاہ عالم ثانی کے نمائندوں کو لاہور بلوایا۔ نجیب الدولہ اوائل اکتوبر میں لاہور آیا اور اس کے فوراً ہی بعد یعقوب علی خاں بھی دہلی سے آپہنچا' شاہ کی جانب سے منیرالدولہ ۔ آغا رضا اور عبدالاحد خاں کو بھیجا گیا۔ احمد شاہ دہلی کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے شاہ عالم کی تخت نشینی کی تصدیق کر دی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی منظور کر لیا کہ وہ ہندوستانی والیان ریاست میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے انہیں شاہ عالم ثانی کی اطاعت کی ترغیب دے گا لیکن وہ اس مقصد کے لئے کوئی فوجی امداد دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ مغل بادشاہ کی طرف سے نجیب الدولہ اور منیرالدولہ نے شاہ کو چالیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا۔

پنجاب کی حکومت

پنجاب' کشمیر اور سرہند میں مندرجہ ذیل انتظامات کئے گئے۔

لاہور: کابلی مل کو حاکم مقرر کیا گیا

سرہند: زین خاں بدستور حاکم رہا

ستلج اور بیاس کا درمیانی پہاڑی علاقہ: راجہ گھمن چند کھٹوچ والئی کانگڑہ کی تحویل میں دیا گیا۔

جالندھر دوآب: سادات خاں بدستور حاکم رہا۔

کلانور: خواجہ عبیداللہ خاں

باری دوآب: مراد خاں

رچنا اور سندھ ساگر: جہان خاں کو، پشاور کا صوبہ بھی اس کے پاس تھا
کشمیر: نورالدین برے زئی (۲۱)

شاہ ۱۴ دسمبر ۱۷۶۱ء کو افغانستان کی جانب روانہ ہوا(۲۲) وہ ستلج کے کنارے کنارے بہاولپور پہنچا اور وہاں سے ملتان اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں ہوتے ہوئے درہ گومل سے گزر کر غزنی کا رخ کیا۔ پنجاب کی جھلستی ہوئی گرمی نے اس کی صحت پر بہت خراب اثر ڈالا تھا اس لئے غزنی پہنچ کر وہ کچھ عرصہ صاحب فراش رہا۔ اس کے چہرے پر بڑی تعداد میں دانے نکل آئے یہی حال اس کے سپاہیوں کا ہوا۔ غزنی میں مختصر قیام کے بعد وہ اپنے دارالحکومت قندھار کی جانب روانہ ہو گیا۔(۲۳)

حوالہ جات

۱۔ طہماس نامہ، ۱۰۸ ب،

۲۔ عماد التواریخ، جلد دوم، ص ۶، ۷
پنتھ پرکاش، ص ۸۶۲
کنھیالال: تاریخ پنجاب ص ۸۴
مخزن پنجاب، ص ۴۱۷

۳۔ طہماس نامہ، ۱۰۸ ب تا ۱۰۹ الف۔ عمادالتواریخ، جلد اول، ص ۱۵۴۔ جلد دوم، ص ۷، ۸
غیرت نامہ، ص ۲۶۴ تا ۲۶۶۔ خوش وقت رائے، ص ۷۷ تا ۸۰۔ ۱۸۸ تا ۱۹۸
احمد شاہ۔ تاریخ ہند، ص ۳۴۰، ۳۴۱ (۸۹۰، ۸۹۱)۔ بوٹے شاہ۔ تاریخ پنجاب، ص ۵۰
رتن سنگھ، پراچین پنتھ پرکاش، ص ۴۹۴ تا ۴۹۶
گیان سنگھ۔ پنتھ پرکاش، ص ۷۶۲
کنھیا لال۔ تاریخ پنجاب، ص ۸۴

۴۔ گیان سنگھ، پنتھ پرکاش، ص ۸۰۹، ۸۱۱۔
طہماس نامہ، ۱۰۹ الف۔ ب۔
خزانہ عامرہ، ۱۱۴

۵۔ خوش وقت رائے، ص ۸۷

علی الدین "عبرت نامہ" ۲۶۶، ۲۶۷

۶۔ عبرت نامہ، ص ۲۶۷

امرتسر ڈسٹرکٹ گزٹیر، ص ۱۶۵،

کنہیا لال تاریخ پنجاب، ص ۸۵،

۷۔ علی الدین ۔ عبرت نامہ، ص ۲۶۷، ۲۶۸

حسین شاہی، ص ۶۱، ۶۲

عمادالتواریخ، جلد اول، ص ۱۵۱ تا ۱۵۷

خوش وقت رائے، ص ۸۷

تاریخ سلطانی ۱۴۵

گیان سنگھ ۔ پنتھ پرکاش، ص ۸۱۲

کنہیا لال (تاریخ پنجاب، صفحہ ۸۴، ۸۵) بیان کرتا ہے کہ عاقل داس مسلمانوں کا بڑا دوست تھا، اور دہلی کی مہم کے لئے اس نے شاہ کو کافی روپیہ دیا تھا۔

۸۔ گیان سنگھ ۔ پنتھ پرکاش، ص ۸۱۵، ۸۱۶

رتن سنگھ ۔ پراچین پنتھ پرکاش، ص ۴۴۴

۹۔ طہماس نامہ ۔ ۱۱۰ الف اور ب

رتن سنگھ ۔ پراچین پنتھ پرکاش، ص ۴۴۴

گیان سنگھ ۔ پنتھ پرکاش، ص ۸۱۵

۱۰ رجب ۱۱۷۵ھ (۴ فروری ۱۷۶۲ء) کو شاہ ولی خاں نے راجہ سوائے مادھو سنگھ والئی جے پور کے وکیل راجہ ہرسہائے کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا "اس ملک سے سکھوں کی بیخ کنی کے بعد اعلیٰ حضرت شکار کے لئے سرہند کے اطراف میں جائیں گے۔ آپ ہر لحاظ سے خاطر جمع رکھیں اور اپنے علاقے کے حالات سے مطلع کرتے رہیں۔" اس خط کے جواب میں ہرسہائے نے لکھا کہ شاہ سے اپنی فرمانبرداری اور وابستگی کے اظہار کے طور پر مہاراجہ نے بھیم سنگھ راٹھور کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے احکامات بجا لانے کے لئے مقرر کیا ہے۔

(مراصلات احمد شاہ درانی نمبر ۳۶ اور ۳۹)

۱۰۔ خزانہ عامرہ" ص ۱۱۴۔

گیان سنگھ ۔ پنتھ پرکاش ' ص ۸۱۵ ' ۸۱۶۔
حسین شاہی ' ص ۶۵۔

۱۱۔ طہماس نامہ ' ۱۱۰ ' ۱۱۱ الف
خزانہ عامرہ ' ص ۱۱۴
حسین شاہی ' ص ۶۴ ' ۶۵
رتن سنگھ ۔ پراچین پنتھ پرکاش ' ص ۴۴۵ ' ' ۴۵۸
گیان سنگھ ۔ پنتھ پرکاش ' ص ۸۱۶ ' ۸۲۷
عمادالتواریخ ' ص ۱۵۷
علی الدین ۔ ۲۶۸
بخت علی ۔ تاریخ سکھاں ' ص ۴۶
تاریخ سلطانی ' ص ۱۴۵ ' ۱۴۶
تذکرہ خاندان پھلکیاں ' ص ۱۷
کرم سنگھ ' آلا سنگھ ' ص ۲۱۸
پھلواری ' جلد چہارم ' ص ۹۲۳ ' ۹۲۷
راجواڑے ' جلد ششم ' ص ۴۶۵

اس لڑائی میں سکھوں کے جانی نقصان کے مختلف اندازے لگائے گئے ہیں جو پانچ ہزار سے لیکر تیس ہزار تک جا پہنچتے ہیں۔ میں رتن سنگھ کے اندازے کو درست سمجھتا ہوں کیونکہ اس کا باپ اور چچا دونوں اس لڑائی میں موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ تیس ہزار افراد میں سے بیس ہزار واپس آئے تھے۔

۱۲۔ علی الدین ۔ عبرت نامہ ' ص ۲۶۸۔
کرم سنگھ آلا سنگھ ' ص ۲۲۲۔
طہماس نامہ ۱۱۱ ب
تذکرہ خاندان پھلکیاں ' ص ۱۷
بوٹے شاہ ۔ تاریخ پنجاب ' جلد اول ' ص ۲۲۷

متوخر الذکر دو کا بیان ہے کہ سردار آلا سنگھ نے چار لاکھ روپیہ دیا تھا۔ کنہیا لال تاریخ پنجاب صفحہ ۸۵ پر لکھتا ہے کہ سات لاکھ روپیہ دیا گیا تھا۔

۱۳۔ شعبان کے پہلے ہفتے میں غالباً ۷ مارچ ۱۷۶۲ء کو احمد شاہ اور شاہ ولی خاں نے سعداللہ

خاں روھیلے کو خط لکھا تھا۔ (مراسلات احمد شاہ درانی نمبر ۳۷ اور ۳۸)

۱۴۔ راجوڑے، جلد چہارم۔ ص ۳۸۲، ۳۸۳، ۴۲۳، ۴۲۵،

سرکار جلد دوم ص ۴۸۸،

سرڈیسائی نیولی ہسٹری آف دی مراٹھاز، ص ۴۴۸،

۱۵۔ خزانہ عامرہ، ص ۱۴، ۱۵۔

ملخص التواریخ، ص ۴۱۳، ۴۱۴۔

گلاب نامہ۔ ص ۷۸، ۷۹۔

گلزار کشمیر۔ ص ۲۳۲، ۲۳۳۔

صولت افغانی۔ ص ۲۵۳۔

مجمع الاخبار۔ ص ۲۳۰۔

تاریخ مظفری۔ ص ۴۵۰۔ ۴۵۱،

علی الدین، عبرت نامہ۔ ص ۲۶۸، ۲۶۹۔ سیرالمتاخرین۔ ص ۹۲۰،

راجواڑے، جلد چہارم، ۳۸۴،

۱۶۔ خزانہ عامرہ، ص ۱۱۵، ۱۱۶

علی الدین۔ عبرت نامہ ص ۲۶۹، ۲۷۰

سیرالمتاخرین، ص ۹۲۰

راجواڑے، جلد چہارم، ص ۳۸۴

گلاب نامہ، ص ۷۸، ۷۹

گلزار کشمیر، ص ۲۳۲، ۲۳۳

ملخص التواریخ، ص ۴۱۵

صولت افغانی، ص ۲۵۳

۱۷۔ عمادالتواریخ، جلد اول، ص ۱۶۰

دہلی کرانیکل جیمز براؤن،

۱۸۔ جیمز براؤن۔ ہسٹری آف دی رائز اینڈ پراگریس آف دی سکھس (ص ۲۵)

۱۹۔ جیمز براؤن، ہسٹری آف دی رائز اینڈ پراگریس آف دی سکھس۔ ص، ۲۵

فورسٹر۔ جرنی فرام بیگال ٹوانگلینڈ، ص ۲۷۹، ۲۸۰

ملکم اسکیچ آف دی سکھس، ص ۲۸۱،

کچھ مورخوں کو اس واقعہ کی صحت پر شبہ ہے۔ گپتا کا خیال ہے کہ سکھوں سے ایسا کارنامہ غیر متوقع نہیں۔" ۱۷ اکتوبر ۱۷۶۲ء کو مکمل سورج گرہن ہوا اور دن کے وقت ایسا اندھیرا ہو گیا کہ ستارے نظر آنے لگے (عمادالتواریخ جلد اول ' ص ۱۷۶' ۱۷۴۔

۲۰۔ احمد یادگار۔ سلاطین افغانان ' ص ۱۷۲' ۱۷۳۔

۲۱۔ علی الدین ' عبرت نامہ ' ۲۵۱

عمادالتواریخ جلد اول ' ۲۵۹

خوش وقت رائے ' ص ' ۷۹۔

گلاب نامہ ' ص ۷۹ '

گلزار کشمیر ' ص ۲۳۳ '

صولت افغانی ' ص ۲۵۳ '

۲۲۔ دہلی کرانیکل۔

۲۳۔ غبار۔ احمد شاہ بابا ' ص ۲۸۹ ' ۲۱۷ ' ۲۹۸ '

پچیسواں باب

ابدالی کا ہندوستان پر ساتواں حملہ

پنجاب میں اقتدار کی کشمکش

سکھوں کی سرگرمیاں (۶۴۔۱۷۶۳ء)

دسمبر ۱۷۶۲ء سے جب احمد شاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ اکتوبر ۱۷۶۴ء تک جب وہ ساتویں دفعہ اس ملک پر حملہ آور ہوا اس کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

شاہ نے جونہی پنجاب چھوڑا سکھ پھر اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے اور ہر طرف پھیل گئے۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے آپ کو دو گرہوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک گروہ بڈھاول یعنی بوڑھوں کی فوج اور دوسرا ترناول یعنی جوانوں کی فوج کہلاتا تھا۔ یہ دو بڑے گروہ بارہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم تھے جنہیں بارہ سلاں کہتے تھے۔ بڈھاول نے صوبے میں مختلف جگہوں پر اپنے تھانے قائم کئے جہاں سکھوں کے دشمنوں کو سزا دی جاتی تھی۔ ترناول کے ذمے یہ کام تھا کہ امرتسر میں رہ کر سرودار یعنی سکھوں کے مقدس تالاب کو جسے احمد شاہ نے پٹوا دیا تھا آلائشوں سے پاک کرے۔(۱)

اسی دوران میں بڈھاول نے سردار جسا سنگھ اہلو والیہ کی کمان میں سعادت خاں کو شکست دے کر جالندھر دو آب پر تسلط جما لیا۔ اہلو والیہ نے لساڑا کے دیوان شمبر داس کو ارمر ٹانڈہ کے نزدیک شکست دے کر اس کے بہت سے دیہات پر قبضہ کر لیا اور اس طرح اپنے لئے ایک

چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈال دی۔ سعادت خاں دہشت زدہ ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔(۲)

جہان خاں کی ناکام مہم

سکھوں کی شورش کا حال سن کر احمد شاہ نے جہان خاں کو ان کے خلاف روانہ کیا۔ جہان خاں سندھ ، جہلم اور چناب کو عبور کر کے رچنا دو آب میں داخل ہوا اور راجہ رنجیت دیو سے کمک حاصل کرنے کی غرض سے سیالکوٹ کی جانب بڑھا۔ سردار چڑہت سنگھ وہاں سے تیس میل کے فاصلے پر گوجرانوالہ میں تھا۔ اس نے جنگی سرداروں جھنڈا سنگھ اور گوجر سنگھ کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ جہان خاں پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ لڑائی میں جہان خاں کا گھوڑا مارا گیا اور خان گھوڑے کے ساتھ ہی زمین پر آرہا۔ سکھوں نے بلند آواز سے "واہگورو جی کی فتح" کا نعرہ لگایا اور اعلان کر دیا کہ "ہم نے جہانا کو مار ڈالا ہے۔" اس کے بعد وہ تیغ بدست افغانوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بھاری جانی نقصان پہنچا کر منتشر کر دیا۔ جہان خاں بھاگ نکلا اور اس کا تمام مال و اسباب اور لواحقین سکھوں کے ہاتھ آگئے۔ علی الدین لکھتا ہے "چونکہ اس زمانے کے سکھ عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے جہان خاں کے لواحقین بحفاظت جموں بھیج دیے گئے"۔(۳)

سرہند پر سکھوں کا تسلط

اس فتح کے چند ہفتے بعد سردار جسا سنگھ اہلووالیہ نے بڑھاول کے ساتھ ستلج عبور کیا اور بھیکن خاں سے گھالو گھارا کا انتقام لینے کے لئے دسمبر ۱۷۶۳ء میں مالیر کوٹلہ کا محاصرہ کر لیا۔ خان مقابلے کے لئے نکلا لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔(۴)

اس کے بعد سکھوں کا دل شمال مشرق کی جانب بڑھا اور سرہند سے ۱۴ میل کے فاصلے پر مورندا کے قصبے کو تاراج کیا۔ یہاں انہوں نے دو مقامی رانگھڑوں جانی خاں اور مانی خاں جنہوں نے دسمبر ۱۷۰۴ء میں گورو گوبند سنگھ کے لڑکوں کو پکڑوا کر قتل کرایا تھا اور انکی تمام نسل کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔(۵)

اس دوران میں اپنی ظالمانہ کاروائیوں کی وجہ سے زین خاں اپنی رعایا میں بہت غیر مقبول ہو چکا تھا۔ طہماس خاں لکھتا ہے "مجھے پتہ چلا کہ زین خاں نے تمام پرانے اصول وضوابط بالائے طاق رکھ دیئے ہیں۔ اس نے سپاہیوں کو تنخواہیں دینا بند کر دیں اور اپنی عملداری کے دیہات کو لوٹنا شروع کر دیا ۔ اس طرح جو اناج حاصل ہوتا وہ سپاہیوں میں ان کی تنخواہ کے بقدر ایک چوتھائی تقسیم کر دیا جاتا۔ اس نے پہاڑی سرداروں سے یارانہ گانٹھ لیا اور ہر وقت دولت جمع کرنے کی فکر میں رہتا۔ ایسے غیر منصفانہ اور بے عقلی کے کاموں سے سوائے ادبار اور

بربادی کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے دوستوں سے کہہ دیا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو فوج ختم ہو جائے گی اور سرہند کا شہر تباہ ہو جائے گا"۔ تھماس خاں کی یہ پیشین گوئی جلد ہی پوری ہو گئی۔(۶)

مورندہ کو لوٹنے کے بعد سکھ سرہند کی جانب بڑھے۔ وہ زین خاں سے ۵ فروری ۱۷۶۲ء کے قتل عام کا بدلہ لینے کے لئے عرصہ سے موقعہ کی تلاش میں تھے۔

سرہند پہنچ کر بڈھادل اور ترونادل متحد ہو گئے' چڑہت سنگھ سکر چکیہ' جھنڈا سنگھ 'گنڈا سنگھ بھنگی' اور راہوں کا تارا سنگھ گھیبا بھی آپہنچے۔ ان کے علاوہ پٹیالے کا آلا سنگھ بھی ہمت سنگھ اور چین سنگھ کی کمان میں ایک لشکر جرار لے کر آگیا۔ ان حالات میں زین خاں بالکل بے بس ہو گیا۔ اسے کہیں سے مدد کی توقع نہ تھی۔ احمد شاہ سینکڑوں میل کے فاصلے پر افغانستان میں تھا۔ جالندھر کا سعادت خاں پہلے ہی دہشت زدہ ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھا تھا۔ جہاں خاں شکست کھا کر فرار ہو چکا تھا۔ اور اس کے اپنے مرتضیٰ خاں اور قاسم خاں اس سے متنفر ہو کر جا چکے تھے۔(۷)

جب سکھ سرہند کے نواح میں پہنچے تو زین خاں دیہات لوٹنے اور مالیانہ وصول کرنے کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ ان کے آنے کی خبر پاکر سرہند کی جانب چلا۔ لیکن ۱۳ جنوری ۱۷۶۴ء کو سکھوں نے بڑلاڈا کے نزدیک اس کا راستہ روک لیا۔ اگلے دن یعنی ۱۴ جنوری کی صبح کو اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن سرہند سے سات میل کے فاصلے پر موضع ماتھیرہ کے نزدیک گھیر لیا گیا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔

زین خاں کے قتل ہوتے ہی اس کے سپاہی بھاگ نکلے اس کے بعد مشتعل سکھ سرہند میں داخل ہو گئے اور بلا تخصیص لوٹ مار شروع کر دی۔ افغانوں کے مکانات منہدم کر کے زمین سے ملا دیئے گئے اور گورو گوبند سنگھ کی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے سکھ سرداروں نے گدھے منگوا کر اس زمین پر اپنے ہاتھ سے ہل چلایا۔ سکھوں کے ہاتھ بے حساب مال غنیمت آیا لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ سرہند کے وسیع و عریض علاقے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔(۸)

اس کے بعد فاتح سکھوں نے آپس میں ملک کے حصے بخرے کر لئے۔ جوزف کننگھم نے ۱۸۴۸ء میں لکھا ہے "ایک روایت ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی سکھ منتشر ہو گئے اور ہر سوار رات دن مارا مارا سفر کر کے راستے میں جتنے گاؤں یا قصبے پڑتے سب میں ہتھیار یا لباس میں سے کوئی چیز پھینکتا جاتا یہاں تک کہ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد تقریباً" بالکل ننگا ہو جاتا۔ یہ سب گاؤں اور قصبے ان کی ملکیت قرار پاتے۔" لیکن سرہند کے منحوس شہر کو قبول کرنے کے لئے کوئی

تیار نہ ہوا۔ اس الجھن کا حل یہ نکالا گیا کہ شہر کے سرکردہ شہری خود اپنے حاکم کا انتخاب کر لیں۔ انہوں نے بھائی بڈھا سنگھ کا انتخاب کیا اور اس کے بعد خیرو برکت کی دعاؤں کے ساتھ شہر بڈھا سنگھ کی تحویل میں دے دیا گیا بعد میں سردار آلا سنگھ نے پچیس ہزار روپیہ دے کر سرہند خرید لیا۔(۹)

جمنا گنگا دو آب میں سکھوں کی آمد

سکھوں کو پنجاب پر قبضہ کرنے میں ایک ماہ سے زائد نہ لگا۔ ان کا کام اس وجہ سے اور بھی ہلکا ہو گیا کہ زین خاں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہت سے قصبوں اور مواضعات نے اپنی مرضی سے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد ترناول ستلج کی شمالی جانب لوٹ آیا لیکن فتح کے نشہ میں بدمست بڈھاول بوریا کے مقام پر جمنا عبور کر کے جمنا گنگا کے دو آب میں گھس آیا۔ انہوں نے ۲۰ جنوری ۱۷۶۴ء کو سہارنپور لوٹا اور اس کے بعد شاملی اور کاندھلہ کی جانب بڑھ گئے۔

جالندھر دو آب پر قبضہ

ترناول کی جالندھر دو آب میں آمد پر یہاں کا افغان حاکم سعادت خاں ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس طرح دو آب کا پورا علاقہ سکھوں کے قبضے میں آ گیا اور انہوں نے اس کے حصے بخرے کر لئے(۱۰)

لاہور میں آمد

اس کے بعد سکھ لاہور پر چڑھ دوڑے اور فروری ۱۷۶۴ء میں شہر کا محاصرہ کر لیا۔ خواجہ عبید جو کلانور سے آیا تھا ایک لڑائی میں مارا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے لاہور میں چند گائیں بر سر عام ذبح کی گئی تھیں۔ سکھوں نے شہر کے حاکم کابلی مل سے مطالبہ کیا کہ گائے ذبح کرنے والے تمام قصابوں کی گردن ماری جائے اور آئندہ کے لئے ان کا کاٹنا ممنوع قرار دیا جائے۔

کابلی مل نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ ایک مسلمان بادشاہ کا ملازم ہے اور اگر اس نے ایسا کوئی حکم دیا تو شاہ اسے نہ بخشے گا۔ بہرحال سکھوں کو خوش کرنے کے لئے اس نے چند سرکردہ شہریوں کے مشورے سے دو یا تین قصابوں کے ہاتھ اور ناک کاٹ کر ان کے سامنے پیش کیا اس کے علاوہ اس نے سکھوں کو بھاری خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ سردار ہری سنگھ کا ایک وکیل ٹیک چند لاہور میں رہے گا اور کابلی مل اسے دس روپیہ روزانہ دیا کرے گا۔ یہ لاہور پر سکھوں کے قبضہ کا آغاز تھا۔(۱۱)

اس طرح چناب کے مشرق میں افغانوں کی حکومت برائے نام رہ گئی' ان کا اقتدار صرف لاہور کے شہر اور قلعے تک محدود تھا۔ آس پاس کا تمام علاقہ سکھوں کے ہاتھ آچکا تھا۔ ۱۷۶۴ء کے موسم گرما میں سردار چڑہت سنگھ اور دیگر سکھ سرداروں نے چناب اور جہلم کے درمیانی علاقے اور ملتان کی جانب بھی شاہ کے نمائندوں کا تسلط ختم کر دیا۔

سربلند خاں کی شکست

اوائل موسم گرما میں سردار چڑہت سنگھ' سردار گوجر سنگھ بھنگی کے ساتھ روہتاس کے افغان فوجدار سربلند خاں پر حملہ کرنے کے لئے شمال مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ ان سرداروں کی غیر حاضری میں سربلند خاں نے دریائے جہلم کو پار کر کے گجرات پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے چودھری رحمت خاں اور دیوان شیوناتھ کو سکھوں سے دوستی رکھنے کی بناء پر قتل کرا دیا تھا۔ دونوں سکھ سردار دریائے چناب عبور کر کے چج دوآب میں اور یہاں افغان مزاحمت کا خاتمہ کر کے جہلم سے آگے بڑھے۔ سربلند خاں ان کے مقابلے کے لئے نکلا لیکن جلد ہی قلعے میں پناہ لینے کے لئے مجبور ہو گیا۔ سکھوں نے روہتاس کا محاصرہ کر لیا لیکن چار ماہ تک قلعہ فتح ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ چڑہت سنگھ نے ظاہر کیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر جا رہا ہے۔ سربلند خاں اس فریب میں آگیا اور سکھوں کو جاتے دیکھ کر ان کا تعاقب کرنے کے لئے باہر نکلا۔ چڑہت سنگھ اچانک پلٹا اور ناگہانی طریقے سے قلعے میں داخل ہو گیا۔ سربلند خاں قید کر لیا گیا۔ لیکن سکھوں نے اس لئے کہ وہ بادشاہ کا چچا تھا بڑا لحاظ کیا اور بہت حسن سلوک سے پیش آئے۔

اس فتح سے جہلم اور دریائے سندھ کا تمام درمیانی علاقہ سکھوں کے ہاتھ آگیا۔

ملتان اور ڈیرہ جات پر تسلط

جب چڑہت سنگھ اور گوجر سنگھ شمال مغرب کی فوجی مہمات میں مصروف تھے تو سردار ہری سنگھ بھنگی اور اس کے بیٹے ہیرا سنگھ اور گنڈا سنگھ نکائی سردار ہیرا سنگھ کے ساتھ جنوب مغرب کی جانب تقریباً" ڈھائی سو میل سفر کر کے اور دریائے سندھ پار کر کے ڈیرہ جات میں آپہنچے۔

قاضی نور محمد اپنے جنگ نامے میں لکھتا ہے۔ یہ ملعون کافر لاہور سے ڈیرہ جات تک پھیل گئے تھے اور انہوں نے مساجد کو شہید کر کے زمین سے ملا دیا تھا...... انہوں نے ملتان کے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا"۔(۱۲)

سکھوں کے خلاف جہاد

لاہور اور ملتان میں سکھوں کی سرکشی اور سرہند اور جالندھر دوآب کے ہاتھ سے نکل

جانے کی خبر سن کر احمد شاہ نے پنجاب کی جانب کوچ کرنے کا قصد کیا۔ اس نے اپنے بلوچ حلیف میر نصیر خاں کو بھی سکھوں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ شاہ نے نصیر خاں کو لکھا۔ "مجھے ملتان اور ڈیرہ جات سے اطلاع آئی ہے کہ یہ ملعون کتے اور لالچی کافر مسلمانوں کو شکست دے کر ملتان کے علاقے پر قابض ہو گئے ہیں۔ انہوں نے لاتعداد مساجد شہید کر دی ہیں اور مسلمانوں کو قیدی بنا کر لے گئے ہیں۔ اس صورت میں جب کہ یہ لعنتی فرقہ ایسے مظالم ڈھا رہا ہے آپ کیسے حج پر جانے کا ارادہ کر سکتے ہیں؟ آپ کو چاہئے کہ آپ قلات سے پنجاب کا رخ کریں۔ میں ادھر سے روانہ ہو رہا ہوں اور ہم دونوں مل کر ان سرکش لوگوں کی مکمل بیخ کنی کر دیں گے۔ یقین جانو کہ ان بت پرستوں کے خلاف جہاد حج سے افضل ہے۔ تم میرے لئے بیٹے کا درجہ رکھتے ہو اور مسلمان بھائی بھی ہو۔ اس لئے فوراً" آؤ تاکہ ہم ان کفار کا جلد سے جلد خاتمہ کر دیں۔" نصیر خاں پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ اس نے ملتان اور ڈیرہ جات کے ہاتھ سے نکلنے کی خبر سنتے ہی علماء سے جہاد کا فتویٰ حاصل کر لیا تھا اور اعلےٰ حضرت کے احکام کا منتظر تھا۔ (۱۴)

شاہ کی ہندوستان میں آمد

شاہ اکتوبر ۱۷۶۴ء میں اٹھارہ ہزار آدمی لے کر افغانستان سے چلا اور راستے سے نصیر خاں کی جانب ہرکارے دوڑائے کہ جلد آئے۔ بلوچ سردار بارہ ہزار سپاہی لے کر ایمن آباد میں شاہ سے آملا۔ یہاں سے وہ دریائے راوی پار کر کے لاہور آپہنچے۔ جہان خاں نے شاہ سے کابلی مل کی شکایت کی اور اس پر سکھوں سے سازش کا الزام لگایا۔ لیکن تحقیقات پر یہ بات غلط ثابت ہوئی۔ قاضی اور لیں کی سفارش پر قصابوں والا قصہ بھی رفع دفع ہو گیا۔ کابلی مل بدستور لاہور کا حاکم رہا اور اس کا بھانجا امیر سنگھ فوج کا بخشی مقرر ہوا۔ امیر سنگھ اور اپنے داماد جگن ناتھ کو لاہور میں چھوڑ کر کابلی مل شاہ کے لشکر سے آملا اور مہم کے اختتام تک اس کے ساتھ رہا۔

مجلس جنگ

شاہ کے شمال مغرب کی جانب سے کوچ کرتے وقت سکھ سردار گرانڈ ٹرنک روڈ پر اپنے علاقے چھوڑ کر روپوش ہو چکے تھے۔ شاہ نے لاہور پہنچ کر ایک مجلس جنگ بلائی اور سکھوں کی بیخ کنی کے بارے میں اپنے سرداروں سے رائے طلب کی۔ جب دوسرے تمام سردار اپنی بات کہہ چکے تو انہوں نے امیر نصیر خاں سے درخواست کی کہ ▪ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ خان نے مودبانہ عرض کیا کہ "ہم سب یہاں شاہ کے احکامات کی تعمیل کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں

جہاں جانے کا حکم ملے گا ' ہم وہیں جاکر دشمن کو تباہ کریں گے۔ اگر فولاد کا پہاڑ بھی ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ سکھوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ انہیں تو کھلم کھلا مقابلے کی بھی ہمت نہیں۔ وہ تو چوروں کی طرح آتے ہیں اور بھیڑیوں کی طرح گھات سے حملہ کرتے ہیں۔ اگر وہ باقاعدہ صف آرا ہو کر سامنے آئیں تو ہم انہیں فوراً جہنم واصل کر دیں ۔ وہ شاہی فوج سے ہراساں ہو کر بھاگتے ہیں اور لڑائی میں ذلیل حربے استعمال کرتے ہیں۔ غازیوں کے لشکر کو ان پر ناگہانی حملہ کرنا چاہیئے۔ اس طرح ان کی صفوں میں انتشار پھیل جائے گا۔ اور ہم ان کی بیخ کنی کرکے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیں گے۔"

شاہ نے اس بات پر نصیر خاں کو بہت شاباش دی اور کہا کہ "بت پرست لاکھی کے جنگلوں میں روپوش ہیں جو یہاں سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں نہ پانی ہے اور نہ جانوروں کا چارہ ۔ وہاں فوج کشی میں پورے لشکر کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم جنگل کے نزدیک پہنچتے ہی ایک ساتھ ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان کا قلع قمع کر دیں"۔(۱۴) جملہ سرداران لشکر نے شاہ کی رائے سے اتفاق کیا اور ضروری تیاریاں کرنے کے لئے اپنی اپنی جگہ واپس آگئے۔

لاہور کی جنگ

اگلی صبح جب سب ممتاز افغان سردار حسب دستور شاہ کے سامنے صف آرا تھے۔ ایک سوار نے آکر یہ اطلاع دی کہ سکھوں نے ہراول دستے کو شکست دے دی ہے۔ اور اگر شاہ جلد ہی ان کی امداد کو نہ پہنچا تو بے انتہا جانی نقصان ہو گا۔ یہ سنتے ہی شاہ کے حکم سے ہر جانب سے امدادی افواج دوڑ پڑیں۔ نصیر خاں بھی جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدان جنگ کی طرف جھپٹا۔

سکھوں کی راہنمائی سردار چڑہت سنگھ کر رہا تھا۔ اس نے افغانوں کے ہراول دستے کو جو سردار گہرام خاں مگسی اور احمد خاں بالیدی کی سرکردگی میں تھا۔ بے خبری میں آلیا تھا۔ حملہ اتنا سخت تھا کہ احمد خاں بالیدی اور اس کا بیٹا پہلے ہی ہلے میں مارے گئے۔ میر عبدالنبی رئیسانی اور میر نصیر خاں اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے دوڑے۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں میر نصیر خاں کا گھوڑا ایک سکھ بندوقچی کی گولی سے مر گیا اور خان بھی گھوڑے کے ساتھ زمین پر آرہا۔ اس کے دو بہادر ملازم محمد حسین اور میرشکار اس موقع پر اس کی مدد کو آئے اور سکھ سپاہی کو ہلاک کر کے نصیر خاں کی جان بچائی۔

اس لڑائی میں مظہر محمد' غلام حسین بنگل زئی ' بہادر ساسوی' میر برنی' فتوحی داروغہ اور ملا ڈار نے نمایاں بہادری کا اظہار کیا۔ اس روز دن ڈھلے تک گھمسان کا رن پڑا۔ سکھوں نے

حسب معمول اپنا پرانا حربہ استعمال کیا۔ وہ دور سے بندوقیں چلاتے اور پھر خالی بندوقیں بھرنے کے لئے پیچھے ہٹ جاتے۔ اس دوران میں ان کا دوسرا دستہ پہلو سے حملہ کرکے کشت و خون کرتا اور غائب ہو جاتا۔ قاضی نور محمد جو خود اس لڑائی میں موجود تھا لکھتا ہے "کتنے افسوس کی بات ہے کہ غازی کافروں کے ہاتھوں دور ہی سے شہید ہوتے رہے۔ اگر دست بدست لڑائی ہوتی تو مزہ آتا۔"

جب میر نصیر خاں شاہ سے ملنے کے لئے گیا تو موخرالذکر نے اس کی بہادری پر مبارکباد دی تھی لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کی کہ آئندہ سکھوں پر اکیلے حملہ کرکے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔(۱۵)

شاہ کی امرتسر میں آمد

اس کے بعد شاہ کو خبر ملی کہ سکھ امرتسر کے نواح میں لاہور سے ۳۲ میل مشرق کی جانب چک گرو میں پسپا ہو گئے ہیں۔ شاہ نے اس جگہ کی عمارتوں کو کئی دفعہ منہدم کیا تھا لیکن سکھ ہر مرتبہ نئی عمارتیں تعمیر کر لیتے۔ انہیں پھر تباہ کرنے کا ارادہ کرکے شاہ ایک ہلکی پھلکی فوج لے کر امرتسر کی جانب روانہ ہوا اور چوتھے دن وہاں جا پہنچا۔ لیکن سکھوں کا وہاں بھی کوئی پتہ نہ تھا۔ قاضی نور محمد لکھتا ہے کہ صرف تیس سکھ اکال تخت کے بنگلے میں چھپے ہوئے تھے۔ جب شاہ کی فوج پہلی دسمبر ۱۷۶۴ء کو یہاں داخل ہوئی تو یہ تیس آدمی جو بھائی گوربخش سنگھ شہید کے جتھے سے تعلق رکھتے تھے افغانوں پر جھپٹے اور ان سے الجھ گئے۔ قاضی لکھتا ہے "ان تیس دیوانوں کو موت کا کوئی ڈر نہ تھا۔ انہوں نے غازیوں پر حملہ آور ہو کر اپنی جانیں گرو پر قربان کر دیں۔"

اس کے بعد شاہ نے دشمن کا کھوج لگانے کے لئے جاسوس بھیجے لیکن وہ ناکام لوٹے۔ امرتسر یا اس کے نواح میں سکھوں کا کوئی پتہ نہیں تھا اس لئے شاہ لاہور واپس آگیا۔(۱۶)

چونکہ سکھوں کے بار بار روپوش ہو جانے کی وجہ سے ان سے کھل کر لڑائی ہونے کا امکان نہ رہا تھا اس لئے شاہ نے اپنے سرداروں کو مشاورت کے لئے بلایا اور ان سے رائے طلب کی کہ اب کیا کیا جائے' اسی زمانے میں سورج مل جاٹ کے بیٹے جواہر سنگھ نے پندرہ ہزار سکھوں کی مدد سے نجیب الدولہ کو سخت تنگ کر رکھا تھا۔ میر نصیر خاں کی رائے ہوئی کہ افغان فوج راستے میں سکھوں کی بیخ کنی کرتی ہوئی سرہند پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کرکے نجیب الدولہ کا احوال معلوم کر لیا جائے۔(۱۷)

جالندھر دوآب کی تباہی

احمد شاہ نے افغان فوج کو جالندھر دوآب سے گزر کر سرہند کوچ کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ یہ

تمام علاقہ دارالحرب تھا اس لئے شاہ نے مجاہدین کو لوٹ مار کرنے کی پوری آزادی دے دی۔ افغان لشکر نہایت اطمینان سے ایک دن میں چار میل کا سفر طے کرتا ہوا ۱۵ دن میں بٹالہ پہنچا جو ۵۶ میل شمال مشرق کی جانب واقع ہے۔ ان لوگوں نے پورے علاقے کو لوٹ لیا۔ ''افغان لشکر دن دہاڑے لوگوں کا قتل عام کرتا جاتا تھا۔ سکھ اور غیر سکھ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ عوام ان کے خوف سے بھاگ کر ادھر ادھر جا چھپے تھے۔ کسی کو یاد نہیں کہ ان کے ہاتھ کتنا مال غنیمت آیا۔'' راستے کے تمام دیہات اور قصبوں کو تاراج کرتی ہوئی افغان فوج دریائے بیاس عبور کر کے ہوشیارپور کے موجودہ ضلع میں داخل ہوئی۔(۱۸)

ایک روز سکھ بالکل ناگہانی طریقے سے نمودار ہوئے اور درانی لشکر کے ہراول دستے کا راستہ روک دیا۔ افغانوں کی کمان سردار جہان خاں کر رہا تھا۔ جو سکھوں سے متعدد لڑائیاں لڑ چکا تھا اور ان کی تمام جنگی چالوں اور حربوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا اور شاہ سے کمک آنے کا انتظار کرنے لگا۔ سکھ دوڑتے ہوئے آئے اور تباہی مچا دی۔ ان کے ہاتھوں میں بندوقیں اور جلتے ہوئے فیتے تھے اور وہ داہنے بائیں لپک لپک کر گولیاں چلا رہے تھے۔ جب نصیر خاں کی کمان میں شاہی فوج کا بڑا حصہ وہاں پہنچا تو سکھ حسب عادت غائب ہو گئے۔ خاں نے چھ میل تک ان کا تعاقب کیا۔ لیکن جب رات ہونے لگی اور سکھ نظر سے اوجھل ہو گئے تو نصیر خاں شاہی کیمپ میں واپس آگیا۔(۱۹) اگلے دن جب شاہی لشکر ستلج پار کر رہا تھا تو سکھ پھر نمودار ہوئے مگر اس دفعہ ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔

شاہ کی واپسی

اس کے بعد سرہند جانے اور سکھوں کا تعاقب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا گیا اور شاہ جاٹوں اور سکھوں کے خلاف نجیب الدولہ کی امداد کرنے کے لئے سیدھا کنج پورہ کی جانب روانہ ہوا۔ لیکن وسط فروری ۱۷۶۵ء میں نجیب الدولہ اور جاٹوں میں صلح ہو گئی اس لئے کنج پورہ جانے کا کوئی مقصد نہ رہا۔ میر نصیر خاں نے شاہ کو مشورہ دیا کہ گرمی اور برسات کا موسم دہلی میں گزارا جائے اور شاہ عالم ثانی کے معاملات طے کئے جائیں۔ نصیر خاں کا یہ بھی خیال تھا کہ دہلی کے دوران قیام تمام ہندوستانی امراء اور والیان ریاست سے دوستانہ تعلقات بڑھا کر ان سے سکھوں کے خلاف مدد حاصل کی جائے لیکن درانی اس رائے سے متفق نہ تھے۔

ان کے سامنے ۱۷۵۷ء کا تلخ تجربہ تھا جب ان کے سینکڑوں ہم وطن ہیضے کی وباء میں مر گئے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں ۱۷۶۰ء کی وہ مسلسل موسلادھار بارشیں اور سیلاب بھی یاد تھے جنہوں نے شاہی لشکر کو بالکل بے بس اور لاچار کر دیا تھا۔ ان کا مشورہ تھا کہ بادشاہ واپس چلا

جائے اور گرمی اور برسات کا زمانہ افغانستان میں گزارے۔ انہوں نے کہا کہ بصورت دیگر ہمارے تمام گھوڑے اور اونٹ گرمی اور بارشوں سے مر جائیں گے دہلی میں نہ اناج ہے اور نہ گھاس اور لشکر کا تمام مال واسباب لوٹ لیا جائے گا اور اس کے علاوہ ہندوستان کی گرمی میں ہم سب بیمار پڑ جائیں گے اس لئے فی الحال چلنا چاہئے اور اگر ضرورت ہو تو چار ماہ کے بعد پھر واپس آجائیں گے۔

چونکہ شاہ کی بھی یہی رائے تھی اس لئے نصیر خاں کی مرضی کے خلاف دہلی جانے کا ارادہ ترک کر دیا گیا اور واپس کابل جانے کا حکم ہوا۔

ایک اور چیز جو شاہ کے فیصلے پر اثر انداز ہوئی ہو گی۔ یہ ہے کہ وہ پندرہ ہزار سکھ جو نجیب کے خلاف جاٹوں کی مدد کے لئے گئے تھے۔ جاٹ روہیلہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد پنجاب کی جانب کوچ کر رہے تھے۔(۲۰)

شاہ کی آلا سنگھ پر نوازش

تین چار دن بعد شاہ سرہند آپہنچا۔ قاضی نور محمد لکھتا ہے "پورا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ میں کافی دیر تک گلیوں میں گھومتا رہا لیکن انسان تو انسان کوئی پرندہ بھی سوائے الو کے نظر نہ آیا۔ دکان اور بازار تو بدستور تھے لیکن دکاندار ملک عدم کو سدھار چکے تھے۔ سرہند اس وقت سردار آلا سنگھ کے تسلط میں تھا اور آس پاس کے علاقے پر دوسرے سکھ سردار قابض تھے۔ شاہ نے فیصلہ کیا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور آلا سنگھ کو سرہند کا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ کوئی سکھ حاکم ہی سرہند پر تسلط برقرار رکھ سکتا ہے اور اس مقصد کے لئے آلا سنگھ سے بہتر کون ہو سکتا تھا؟ وہ اس علاقے کا بہت بڑا والئی ریاست تھا اور اس کے علاوہ اس کے پاس ایک لشکر جرار بھی تھا۔ اس لئے شاہ نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور بہت التفات سے پیش آیا۔

آلا سنگھ کو ایک بیش بہا خلعت اور راجہ کا خطاب مع طبل و علم کے عطا ہوا۔ احمد شاہ کے سوال کے جواب میں آلا سنگھ نے کہا کہ سرہند کو سکھوں نے تباہ کیا ہے اور وہ لڑنے سے باز نہ آئیں گے کیونکہ انہیں ہر طرف سے کمک پہنچ رہی ہے۔ لیکن اگر اعلیٰ حضرت مجھے ایک سال کا مالیانہ معاف کر دیں تو میں نہ صرف سرہند کو از سر نو آباد کر دوں گا بلکہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ رونق ہو جائے گی۔(۲۱)

اگر دوسرے سکھ سردار بھی شاہ کی اطاعت قبول کر لیتے تو وہ پنجاب میں اقتدار کی مسلسل کشمکش کو ختم کرنے کے لئے انہیں بھی اسی طرح ان کے مقبوضہ علاقوں کا جائز حاکم تسلیم کر لیتا

۔ قاضی نور محمد اپنی کتاب میں لکھتا ہے "ان زمینداروں کا تو خیر تذکرہ ہی کیا ہے جو شاہ کی آمد پر بھاگ گئے تھے اگر سکھ بھی اطاعت قبول کر لیتے تو بادشاہ انہیں معاف کر دیتا۔" لیکن سکھ کسی اور مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ پچھلے ساٹھ سال کی مسلسل کش مکش نے نہ صرف ان کے جنگی تجربہ میں اضافہ کیا تھا' بلکہ ان کی روح میں فولاد بھر دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آزادی کی نعمتوں کا بھی لطف اٹھا چکے تھے اس لئے انہیں آسانی سے ایک غیر ملکی اقتدار کی اطاعت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ افغانوں سے تو خصوصاً بھی مشتعل تھے کیونکہ اول الذکر نے نہ صرف ان کے بھائیوں کا قتل عام (گھالو گھارا) کیا تھا بلکہ بار ہا ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی بھی کی تھی۔ اس کے علاوہ پورے پنجاب پر عملاً" ان کا قبضہ تھا۔ ان حالات میں انہوں نے یہی افضل جانا کہ شاہ کے بے وقعت اعزاز و اکرام کو ٹھکرا کر آزادی کی جدوجہد جاری رکھیں۔

سکھوں کا شاہی لشکر پر حملہ

سردار آلا سنگھ کو اس شرط پر رہائی ملی کہ وہ ساڑھے تین لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرتا رہے گا۔ اس کے بعد شاہ گھر کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے روپڑ کے قریب دریائے ستلج عبور کیا اور جالندھر دو آب میں داخل ہوا۔ اگلے دن افغان لشکر ایک میل نہ گیا ہو گا کہ سکھوں کی ایک کثیر تعداد نے اس کا راستہ روک لیا۔ یہ سن کر شاہ زیر لب مسکرایا اور بولا "اچھا! خود میرے عہد حکومت میں شاہی پالکی سکھوں کے خوف سے لرز رہی ہے۔ میری فوج جہاد سے منہ موڑنے لگی ہے اسی لئے سکھوں کو یہ جرات ہو گئی ہے کہ ہم پر چڑھ دوڑیں۔"

اس کے بعد اس نے نصیر خاں کو بلا کر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ شاہ نے مرکزی کی کمان خود سنبھالی۔ یمین میں شاہ ولی خاں' جہان خاں' انزلہ خاں کو بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ متعین کیا۔ نصیر خاں بارہ ہزار بلوچیوں کے ساتھ یسار میں صف آرا ہوا۔(۲۲)

اس دوران میں سکھ بھی لڑائی کے لئے صف بستہ ہو چکے تھے۔ ان کے مرکز کی کمان جسا سنگھ اہلو والیہ کے ہاتھ میں تھی جس کی مدد کے لئے جسا سنگھ ٹھوکر اور چند دیگر سردار تھے۔ یمین میں سردار چڑہت سنگھ سکر چکیہ' جھنڈا سنگھ' لہنا سنگھ بھنگی اور جے سنگھ کر رہے تھے۔ چڑہت سنگھ نے سکھوں کا محبوب طریقہ جنگ اختیار کرتے ہوئے فاصلے سے افغان لشکر پر گولیاں برسانا شروع کیں۔ اسی دوران میں ہری سنگھ بھنگیوں کے ساتھ شاہ ولی خاں اور جہان خاں پر حملہ آور ہوا اور تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد پیچھے ہٹ گیا۔ افغان اس کے تعاقب میں گئے لیکن سکھ پلٹ کر ان پر ٹوٹ پڑے۔

یہ دیکھ کر شاہ نے نصیر خاں کو یسار سے بلایا اور سکھوں کی جنگی چالوں سے متنبہ کرتے

ہوئے ہدایت کی "میرے نوجوان دوست تم میدان جنگ میں شیر کی مانند ہو لیکن سکھوں سے لڑتے ہوئے جلد بازی سے کام نہ لو۔ چٹان کی طرح اپنی جگہ جمے رہو اور دشمن کو اپنے تیروں کی زد میں آنے دو۔ سکھ بہت سرکش ہیں اور میدان جنگ میں آگ کے شعلے کی طرح بھڑکتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا بھی یہی طور تھا اور وہ اکیلے دشمن کی فوج پر جھپٹ پڑتے تھے۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی جگہ نہ چھوڑو۔"

لیکن اس تنبیہہ کے باوجود بہادر بلوچ سردار سکھوں پر [illegible] دوڑا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اسے واپس بلایا لیکن اس دوران میں سکھ اس کے اور بادشاہ کے بیچ میں آچکے تھے۔ اس طرح نصیر خاں اور احمد شاہ ایک دوسرے سے منقطع ہو گئے۔ جب بلوچ واپس آنے لگے تو سکھوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ دونوں لشکر پھر ایک دوسرے سے گتھ گئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی جو رات ہونے پر ختم ہوئی۔(۲۳)

اگلے روز طلوع آفتاب کے وقت سکھ پھر افغان فوج پر حملہ آور ہوئے۔ آج انہوں نے اپنی فوج کی ترتیب بدل دی تھی۔ سکھوں نے سامنے سے ہلہ بولا اور شاہی لشکر سے گتھ گئے۔ شاہ نے فوراً ہی اپنی فوج کو رکنے کا حکم دیا اور تھوڑے سے فاصلے پر جھنڈے گاڑ دیئے۔ نصیر خاں کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان جھنڈوں سے ایک قدم آگے نہ بڑھائے۔ باقی فوج کو بھی یہی حکم ملا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد شاہ نے حملے کا حکم دیا۔ سکھوں نے حسب دستور راہ فرار اختیار کی اور افغانوں نے تین میل تک ان کا تعاقب کیا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو شاہی لشکر اپنے خیموں میں واپس آگیا۔ کچھ دیر بعد سکھ پلٹے اور پھر افغانوں پر حملہ آور ہوئے۔ وہ ادھر ادھر پھیل کر ہر طرف سے یورش کر رہے تھے۔ شاہ نے پکار کر نصیر خاں سے کہا کہ اپنی جگہ نہ چھوڑے۔ "کوہ قاف کی طرح اپنی جگہ جمے رہو اور جب دشمن نزدیک آجائے تو اس پر ٹوٹ پڑو"۔ شام ہوتے ہوتے سکھ اچانک غائب ہو گئے۔

جالندھر دوآب سے گزرتے ہوئے سکھ سات دن تک روزانہ اسی طرح شاہی لشکر کو تنگ کرتے رہے۔ قاضی نور محمد جنگ نامے میں بیان کرتا ہے۔ "وہ بے حیا روزانہ اسی طریقے سے آتے اور بھاگ جاتے۔ اگر تم ان کی فوجوں کو بھاگتا دیکھو تو اسے صحیح معنوں میں فرار نہ سمجھو۔ یہ ان کی ایک جنگی چال ہے۔ خبردار ہو کر وہ پھر آجائیں گے۔" سکھوں سے آخری لڑائی بیاس کے ساحل پر ہوئی اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔(۲۴)

چناب کے کنارے

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نے لاہور میں قیام نہیں کیا۔ اس نے بلا کسی خاص رکاوٹ کے دریائے راوی عبور کیا اور یہاں سے کوچ کرکے چناب کے کنارے پہنچا۔ اس جگہ اسے بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ شاہ نے اپنے آدمیوں کو کسی پایاب گھاٹ کی تلاش میں بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک نے آکر بتایا کہ پہاڑ کے دامن میں جہاں پانی آٹھ دھاروں میں بٹ جاتا ہے دریا عبور کرنے میں سہولت رہے گی۔ شاہی لشکر اس کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچا اور چھ دھارے آسانی سے پار کر لئے۔ لیکن باقی دو دھارے بہت گہرے تھے اور ان میں پانی انتہائی تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ جب فوج اور باربرداری اس پانی سے گزرنے لگی تو تیز رفتار دھارے نے تباہی مچا دی اور سینکڑوں مرد' عورتیں اور شاہی خزانے کے علاوہ ہزار ہا سامان سے لدے ہوئے اونٹ' گھوڑے' خچر' بھینس اور خیمے بہا لے گیا۔ قاضی نور محمد جو خود اس ابتلا سے گزرا تھا لکھتا ہے: "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یوم حساب آپہنچا ہے۔ میں اس وقت گھوڑے پر سوار دریا پار کر رہا تھا۔ میری داہنی طرف ہزار ہا اونٹوں پر عورتیں سوار تھیں۔ اتفاق سے ایک خوبصورت عورت ایک اونٹ سے گری اور میرے آگے گھوڑے پر آرہی۔ وہ سرتا کمر گھوڑے پر تھی اور پاؤں پانی میں لٹک رہے تھے۔ میری اپنی زندگی خطرے میں تھی۔ میں نے اسے دور پھینکنے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن اس نے اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد ڈال کر مجھے مضبوطی سے پکڑ لیا اور میرے لئے اس کی گرفت سے آزاد ہونا مشکل ہو گیا۔ آخر کار اس کا محافظ آگیا اور مجھے نجات ملی۔ ایسی ابتری پھیلی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ باپ نے بیٹوں کو چھوڑ دیا اور ماؤں نے بچوں کو پانی میں پھینک دیا۔ اس روز اتنا جانی اور مالی نقصان ہوا کہ سکھوں کے ساتھ جنگ میں بھی نہ ہوا ہو گا"۔(۲۵)

چناب عبور کرنے کے بعد شاہ نے جہان خاں کو جہلم پر پل کا انتظام کرنے کے لئے بھیجا اور خود دو یا تین فرسنگ روزانہ کی مسافت طے کرتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ جہلم کے کنارے سے کابلی مل لاہور واپس آگیا۔

اس جگہ شاہ نے میر نصیر خاں کو بلایا اور اس کی خدمات پر اظہار تشکر کرکے اسے اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دی۔ نصیر خاں نے کچھ مطالبات پیش کئے جو سب منظور کر لئے گئے اور شال (کوئٹہ) کا علاقہ بھی اسے دے دیا گیا۔ شاہ اسے چناب' جھنگ' ملتان اور ڈیرہ جات کے علاقے بھی دینا چاہتا تھا لیکن نصیر خاں نے قبول نہیں کیا۔ اور کوئی بلوچی سردار بھی ان علاقوں کو لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ کیونکہ سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے ان اضلاع پر تسلط برقرار رکھنا ناممکن تھا۔(۲۶)

شاہ کی واپسی

دریائے جہلم کو عبور کر کے اور شاہی لشکر کے روہتاس پہنچ جانے کے بعد نصیر خاں اور اس کے بلوچی ہمراہی شاہ سے رخصت ہو کر اپنے ملک کی جانب روانہ ہوئے اور شاہ نے افغانستان کی جانب کوچ کیا۔(۲۷)

حوالہ جات

۱۔ طہماس نامہ' ۱۱۴ الف'
عمادالتواریخ' جلد اول' ص '۱۶۰'

۲۔ عمدۃ التواریخ' ص ۱۶۰

۳۔ دہلی کرانیکل
عمدۃ التواریخ جلد دوم' ص ۱۱
احمد شاہ بٹالیہ۔ تاریخ ہند' ص ۹۶۴' ۹۶۵ (۴۰۰-۴۰۱)
ذکر گوروان (ضمیمہ عمدۃ التواریخ') ص ۱۴
علی الدین۔ عبرت نامہ' ص ۲۷۴' ۲۷۵' ۳۵۸
موخر الذکر لکھتا ہے کہ جہان خاں کو کابلی مل سے اختلافات کی وجہ سے شکست ہوئی۔ کابلی مل ہی نے سکھوں کو اس کے خلاف بھڑکایا تھا۔

۴۔ عمدۃ التواریخ' جلد اول' ص ۱۶۰'
تذکرہ خاندان پھلکیاں صفحہ ۱۶۰ میں تحریر ہے کہ پٹیالے کی فوج سردار آلا سنگھ کے پوتے سردار ہمت سنگھ کی کمان میں تھی۔
عنایت علی خاں اپنی کتاب تذکرہ افغانان کوٹلہ کے صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر لکھتا ہے کہ جب بھیکن خاں شکست کھا کر مالیر کوٹلہ واپس آرہا تھا تو وہ راستے میں ایک کنوئیں پر پانی پینے کے لئے رکا یہاں ایک دیہاتی نے پشت سے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

۵۔ رتن چند۔ پراچین پنتھ پرکاش' ص ۴۶۷' ۴۷۲'
گیان سنگھ۔ پنتھ پرکاش' ص ۸۳۲' ۸۳۳'

۶۔ طہماس نامہ' ۱۱۳ب تا ۱۱۴الف۔

۷۔ عبرت نامہ' ص ۲۷۱'

طہماس نامہ' ۱۱۹الف

گیان سنگھ اور رتن سنگھ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

۸۔ طہماس نامہ' ۶۹' الف۔

علی الدین' عبرت نامہ' ۲۷۱'

عمدۃ التواریخ' جلد اول' ص ۱۶۱' جلد دوم' ص ۱۱۔

تذکرہ خاندان پھلکیاں' ص ۱۷'

رتن سنگھ' پراچین پنتھ پرکاش' ص ۴۵۸' ۵۰۲'

گیان سنگھ' پنتھ پرکاش' ص ۵۴۱' ۵۴۲'

کننگھم' ص ۱۰۹' ۱۷۰۔

بوٹے شاہ' تاریخ پنجاب' ص ۵۲۲' ۵۸۲'

مقدمہ چہارمیاں

تواریخ کپور تھلہ' ص ۳۵۲'

پرسر' جالندھر سیٹلمنٹ رپورٹ' ص ۳۲'

۹۔ رتن سنگھ' پراچین پنتھ پرکاش' ص ۵۰۶' ۵۰۷'

مقدمہ چہارمیاں' ص ۴ تا ۸' ۱۰'

کننگھم' ہسٹری آف دی سکھس' ۱۷۴۹ء) ص ۱۱'

کنہیالال' تاریخ پنجاب' ص ۸۶'

ہسٹری آف دی سکھس (لنڈن ۱۸۴۶ء) جلد اول' ص ۲۲۱

۱۰۔ گپتا' جلد دوم' ص ۴۹۳'.

ہسٹری آف دی سکھس (۱۷۳۹' ۶۸ء) ص ۱۹۹'

۱۱۔ علی الدین' عبرت نامہ' ص ۲۷۳' ۲۷۴'

کنہیالال' تاریخ پنجاب' ص ۸۷'

گیان سنگھ' شمشیر خالصہ' ص ۱۶۲'

سرکار' جلد دوم' ص ۴۹۴'

۱۲۔ جنگ نامہ' ص ۳۸' ۴۰

۱۳۔ جنگ نامہ ' ص ۴۰ ' ۴۴

۱۴۔ علی الدین۔ عبرت نامہ ' ص ۲۷۵ ' ۲۷۶ '

جنگ نامہ ' ص ۷۷ ' ۷۹ '

اس جگہ بت پرست وغیرہ الفاظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے ہیں۔ ان سے حقارت کا اظہار مقصود ہے۔ سکھ نہ تو بت پرست ہیں اور نہ آتش پرست ' وہ موحد ہیں۔ اور ایک قادر مطلق خدا پر یقین رکھتے ہیں جیسا کہ ان کی مقدس کتاب گروگرنتھ صاحب کی پہلی آیت سے ظاہر ہے۔ (مصنف)

۱۵۔ جنگ نامہ۔

۱۶۔ جنگ نامہ ' ص ۹۷ ' معلم۔ انگریزی ترجمہ ' ص ۳۵ ' حاشیہ نمبر۲

۱۷۔ جنگ نامہ ' ص ۱۰۱ ' ۱۰۲

۱۸۔ جنگ نامہ ' ص ۱۰۳ ' ۱۰۴

۱۹۔ جنگ نامہ ' ص ۱۰۴ ' ۱۱۱

۲۰۔ جنگ نامہ ' ص ۱۲۵ ' ۱۲۸ '

رسالہ نانک شاہ ' ص ۱۳۵ ب

تاریخ پٹیالہ ' ص ۶۲

کرم سنگھ ' آلا سنگھ ' ص ۲۴۰ ' ۲۴۱

۲۱۔ جنگ نامہ ص ۱۲۷

کرم سنگھ : آلا سنگھ ' ص ۲۴۰ ' ۲۴۱

۲۲۔ تاریخ پٹیالہ ' ص ۶۲ ' کرم سنگھ۔ آلا سنگھ۔ ص ۲۴۱۔ جنگ نامہ ' ص ۱۲۹ ' ۱۳۴۔ اول الذکر دو میں آیا ہے کہ آلا سنگھ نے دو لاکھ ۸۰ ہزار روپے اسی وقت ادا کر دیئے اور ۷۰ ہزار روپیہ بعد میں بھیجا۔

۲۳۔ جنگ نامہ ' ص ۱۳۴ ' ۱۴۴

۲۴۔ جنگ نامہ ص ۱۶۰ ' ۱۷۲

۲۵۔ جنگ نامہ ' ص ۱۶۸ ' ۱۷۲

۲۶۔ جنگ نامہ ' ص ۱۷۲ ' ۱۷۵

علی الدین۔ عبرت نامہ ' ص ۲۷۶

خوش وقت رائے۔ تاریخ سکھاں ' ص ۸۰ ' ۸۱

۲۷۔ جنگ نامہ ' ص ۱۷۵ ' ۱۷۶

چھبیسواں باب

ابدالی کا پنجاب پر آٹھواں حملہ

میر قاسم کی دعوت پر انگریزوں کے خلاف شاہ کی مہم

۱۷۶۵ء اور ۱۷۶۶ء میں شاہ افغانستان کے انتظامی امور میں اتنا مصروف رہا کہ پنجاب کی جانب توجہ نہ دے سکا۔ اس دوران میں سکھوں نے پورے صوبے پر اپنا اقتدار مستحکم کر لیا۔ جونہی شاہ نے مارچ ۱۷۶۵ء میں پنجاب چھوڑا وہ پھر اپنے علاقوں اور مقبوضات میں واپس آ گئے۔

پھر لاہور پر سکھوں کا قبضہ

۱۰ اپریل کو سکھوں نے امرتسر میں بیساکھی کا تہوار منایا اور اس موقع پر ایک عام اجتماع (گورماتا) میں لاہور پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں کا حاکم کابلی مل اس زمانے میں دو ہزار ڈوگرہ بندوقچی بھرتی کرنے کے لئے جموں گیا ہوا تھا۔ سردار لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ رانگھڑ وانیکا سے دو ہزار سکھ لے کر لاہور پہنچے اور موضع باغبانپورہ(۱) کے کچھ آدمیوں کی مدد سے جو قلعے میں ملازم تھے ایک چور دروازے سے اندر داخل ہو گئے اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ بیساکھ واڈی ۱۱۔ ۱۸۲۲ بکرمی۔ ۱۶ اپریل ۱۷۶۵ء کو پیش آیا۔ اگلے دن کابلی مل کا بھتیجا امیر سنگھ اپنے محل سے نکلا اور شہر کی فصیل سے قلعے پر چند گولے چلائے۔ مزنگ کا تارا سنگھ صرف پچیس آدمی لے کر نکلا اور بخشی کے بزدل ہمراہیوں کو منتشر کر کے اسے مع کابلی مل کے داماد جگن ناتھ کو گرفتار کر لیا۔ صوبا سنگھ کنہیا بھی بھنگی سرداروں سے آملا اور سب نے مل کر شہر اور اس کے

نواحی علاقے کے حصے بخرے کر لئے۔ اس طرح پنجاب کا دارالخلافہ سکھوں کے قبضے میں آگیا۔(۲)

سکھ اس فتح کو گورو نانک کا عطیہ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے سکوں پر گورو نانک کا نام اور اپنے پہلے والی ریاست بندا سنگھ کی مہر پر یہ شعر کندہ کرایا۔

دیگ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یافت از نانک گورو گوبند سنگ(۳)

پٹیالے کے خلاف مہم

آلا سنگھ کا احمد شاہ کی اطاعت قبول کر لینا سکھوں کی نظر میں قومی تذلیل کے مترادف تھا۔ اس لئے انہوں نے ہری سنگھ بھنگی کی سرکردگی میں ایک فوجی مہم اس کے خلاف بھیجی۔ فریقین میں پٹیالے سے ۸ میل شمال کی جانب لانگ اور پٹلیں کے دیہات کے نزدیک مقابلہ ہوا جس میں ہری سنگھ پہلی ہی جھڑپ میں مارا گیا۔ لیکن سردار جسا سنگھ اہلو والیہ کی کوششوں سے جلد ہی والی پٹیالہ اور دوسرے سکھ سرداروں میں مصالحت ہو گئی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ۷ اگست ۱۷۶۵ء (بھادوں روی ۱۸۲۲ بکرمی) کو بابا آلا سنگھ مر گیا اور اس کا پوتا امر سنگھ تخت نشین ہوا۔(۴)

سرہند اور دوسرے علاقوں میں شاہ کی دستبرد سے نجات حاصل کر کے سکھوں نے ہر طرف اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں تک کہ وہ گنگا جمنا دوآب میں جا گھسے اور نجیب الدولہ کے علاقوں کو تاراج کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے جواہر سنگھ کی کمان میں مرہٹوں سے قوت آزمائی کی۔

شاہ کا آٹھواں حملہ انگریزوں کے خلاف

شاہ نے پنجاب پر آٹھواں حملہ نومبر ۱۷۶۶ء میں کیا۔ بقول شاہ ولی خاں یہ حملہ بد نصیب سکھوں کی بیخ کنی کے لئے کیا گیا تھا لیکن ہمارے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات ہیں کہ اس دفعہ شاہ میر قاسم کی دعوت پر انگریزوں سے بنگال کا صوبہ واپس لینے کی غرض لے کر آیا تھا۔(۵)

شاہ نے نومبر کے آخری دنوں میں دریائے سندھ عبور کیا اور بلا کسی مزاحمت کے سیکھی آہور جو روہتاس سے ۱۰ کوس ہے۔ یہاں بلم سنگھ اور دوسرے سکھ سرداروں نے مختلف جگہوں پر آٹھ یا دس ہزار سواروں کے دستے متعین کر رکھے تھے لیکن باہمی اختلاف رائے اور مشترکہ کمان نہ ہونے کی وجہ سے افغانوں نے انہیں آسانی سے تتر بتر کر دیا۔ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں سکھوں کا ایک سردار اور کثیر تعداد میں سپاہی کام آئے۔ باقی ماندہ جہلم میں ڈوب مرے یا

قید کر لئے گئے۔ سکھوں نے افغانوں کا راستہ روکنے کی ایک اور کوشش کی لیکن سب دھکیل دیئے گئے۔(٦)

شاہ دریائے جہلم عبور کر کے ۴ دسمبر کو گجرات پہنچا۔ اس کے بعد اس نے شاہ دولہ کے پل سے چناب عبور کیا اور راوی دو آب میں داخل ہو کر سیالکوٹ کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں سے مادھپور کو کوچ کر کے گیارہ میل جنوب مغرب میں جھنگی رجاکے' میں خیمہ زن ہوا۔ وہ یہاں تین دن رہا اور اورنگ آباد' پسرور گجرات' اور سیالکوٹ کے زمینداروں کو شرف باریابی بخشا۔ اسی زمانے میں یہ مشہور ہوا کہ نواحی دیہات میں سکھوں کی ایک کثیر تعداد چھپی ہوئی ہے۔ یہ سن کر شاہ کے وزیر حضوری سعادت خاں کی رائے ہوئی کہ مقامی زمینداروں پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ تاوان ڈالا جائے۔ اس کے علاوہ ان سے اس مضمون کے تحریری مچلکے بھی لئے گئے کہ آئندہ "ہر اس شخص کو جو شکل و صورت سے سکھ معلوم ہوتا ہو پکڑ کر لوٹ لیں گے۔" یہ حکم سن کر مقامی لوگوں نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ سکھوں کو پناہ نہ دیں گے اور جو سکھ بھی ان کے ہاتھ لگے گا سزا کے لئے بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا جائے گا۔(٧)

شاہ ١۵ نومبر کو جاکے سے روانہ ہو کر ڈسکے پہنچا۔ یہاں نورنگ کا بیٹا پیر محمد شاہ' کے سلام کو حاضر ہوا۔ دوسرے زمیندار خوف سے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ افغانوں نے ان کا تعاقب کیا اور پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں لائے۔ شاہ ولی خاں کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ درحقیقت شاہ کے خوف سے نہیں بھاگے تھے بلکہ جب میر نصیر خاں کا لشکر ادھر سے گزرا تھا تو اس وقت گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سعادت خاں کی رائے تھی کہ مقامی لوگوں کی دہشت دور کرنے کے لئے ان سے اچھا سلوک کیا جائے نہیں تو آئندہ کوئی بھی بادشاہ کے پاس نہیں پھٹکے گا۔ احمد شاہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس نے تین لاکھ روپیہ تاوان لے کر تمام مقامی لوگوں کو حفاظت کا یقین دلا کر رہا کر دیا۔

لاہور میں آمد

ڈسکہ میں دو دن قیام کرنے کے بعد شاہ نے ایمن آباد کی جانب کوچ کیا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر سکھ سردار سوبھا سنگھ' لہنا سنگھ' گوجر سنگھ' ہیرا سنگھ اور عجائب سنگھ جو آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ لاہور میں خیمہ زن تھے قلعہ چھوڑ کر فرار ہو گئے' اور مختلف اطراف میں منتشر ہو گئے۔ گوجر سنگھ اور لہنا قصور چلے گئے اور سوبھا سنگھ' ہیرا سنگھ اور عجائب سنگھ نے بابا فرید کے پاک پٹن کا رخ کیا۔ اس کے فوراً ہی بعد افغانوں کے ہراول دستے نے جو جہان خاں' برخوردار خاں عرض بیگی اور درویش علی خاں ہزارہ کی کمان میں تھا شہر پر قبضہ کر لیا۔ ٢١ دسمبر کو شاہ ایمن

آباد سے روانہ ہو کر فاضل آباد پہنچا جو لاہور سے گیارہ میل شمال مغرب میں ہے۔ اگلے دن وہ راوی پار کر کے شہر کے نزدیک محمود بوٹی میں خیمہ زن ہوا۔(۸)

سردار لہنا سنگھ کا لاہور کی صوبے داری سے انکار

محمود بوٹی لاہور کے سرکردہ شہریوں کا ایک وفد احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ "لہنا سنگھ بہت رحم دل اور روشن خیال حاکم ہے اور ہندو مسلمان میں کوئی تمیز نہیں کرتا وہ سب لوگوں سے عزت اور احترام سے پیش آتا ہے اور عیدالضحیٰ کے موقعے پر اس نے تمام قاضیوں' مفتیوں اور مساجد کے اماموں کو پگڑیاں عطا کی ہیں۔"

یہ سن کر شاہ نے پوچھا کہ "اگر وہ ایسا ہی منصف مزاج اور انسانیت پسند حاکم ہے تو پھر بھاگ کیوں گیا؟"

اس کے بعد اس نے سردار لہنا سنگھ کو خط لکھ کر اپنے سامنے پیش ہونے کی دعوت دی اور اس سے لاہور کی صوبیداری کا وعدہ کیا۔ لہنا سنگھ نے موضع مادورا کے رحمت اللہ بیگ کے ہاتھ معذرت کہلا بھیجی۔ اس کے ایک ہفتے بعد شاہ نے مولوی عبداللہ کے بھائی دادن خاں کو لاہور کا صوبیدار اور رحمت خاں روہیلے کو ۱۵۰۰ سوار اور پیادوں کی کمان دے کر اس کا نائب مقرر کیا۔(۹)

سکھوں کی ہنگامہ آرائی

بھاری سامان لاہور چھوڑ کر شاہ ۲۹ دسمبر کو محمود بوٹی سے روانہ ہوا اور اگلے دن امرتسر (چک گورو) جا پہنچا۔ جہان خاں کو جو ۲۷ دسمبر کو لاہور کے نواح سے یہاں بھیجا گیا تھا حکم ہوا کہ وہ امرتسر ٹھہرے اور خود بادشاہ نے پہلی جنوری ۱۷۶۷ء کو جنڈیالہ کی جانب کوچ کیا اور وہاں سے دیردوال کے نواح میں پڑاؤ ڈالنے کی غرض سے جلال آباد چلا آیا۔

سعادت خاں نے شاہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ "یہاں فوج کے بڑے حصے کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے سکھوں کے تعاقب میں بھیجا جائے اور ہر طرف ان کا قتل عام کر کے انہیں تتربتر کر دیا جائے۔" جہاں خان کو یہ ہدایت تھی کہ وہ اس دوران میں امرتسر میں تباہی مچائے۔ ابھی وہ خیمہ زن نہ ہوا تھا کہ خبر آئی کہ چڑہت سنگھ ۔ لہنا سنگھ اور ہیرا سنگھ نے لاہور کے کیمپ پر حملہ کر کے تمام مال و اسباب اور باربرداری لوٹ لی ہے اور شہر کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ شاہ فوراً" لاہور آیا لیکن سکھ اس کی زد سے نکل چکے تھے ۔ انہوں نے حسب دستور جم کر لڑنے سے احتراز کیا اور شاہ کی فوج کے گرد منڈلاتے رہے ۔ جونہی موقعہ ملتا وہ لشکر پر جھپٹتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا لے بھاگتے۔

سکھوں کی روش

یہ حالات دیکھ کر شاہ سکھ سرداروں سے مصالحت کی گفتگو پر آمادہ ہو گیا۔ اور ۱۰ جنوری ۱۷۶۷ء کو نورالدین کو لے کے نواح سے شاہ ولی خاں' جہان خاں' شاہ پسند خاں ' نصیر خاں بلوچ اور دیگر افغان سرداروں کے مشورے پر جھنڈا سنگھ' جسا سنگھ اہلو والیہ' خوش حال سنگھ اور دوسرے سکھ سرداروں کو اس مضمون کا خط لکھا کہ اگر آپ ہماری ملازمت اختیار کرنا چاہیں تو آکر ہمارے لشکر میں شامل ہو جائیں اور اگر آپ کا ارادہ جنگ کرنے کا ہے تو مردوں کی طرح میدان میں اتریں۔"

چمبہ کے راجہ نے بھی ایک وکیل بھیجا۔ مرحوم آدینہ بیگ کے رشتے دار سعادت یار خان نے انہیں مشورہ دیا کہ شاہ سے صلح کر لیں "اعلیٰ حضرت کا ارادہ سکھوں کو ان کے علاقے سے بیدخل کرنے کا نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ کو ان کے حضور لے جاؤں گا اور جملہ امور آپ کی جانب سے طے کر دوں گا۔ اس صورت میں لاہور بھی آپ کے ہاتھ میں آجائے گا۔ لیکن سکھوں نے مصالحت کی بات چیت سے انکار کر دیا ۔ انہیں معلوم تھا کہ شاہ جلد ہی افغانستان چلا جائے گا اور ان کے مقبوضات پھر انہیں مل جائیں گے۔(۱۰)

سکھوں کی درگت

۱۴ جنوری کو جب سردار جہان خاں پندرہ ہزار درانیوں کے ساتھ امرتسر کے نواحی دیہات کو لوٹ رہا تھا ہیرا سنگھ' جسا سنگھ' لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ اس پر ٹوٹ پڑے۔ شاہی فوج کے پانچ یا چھ ہزار سپاہی مارے گئے اور زخمی ہو گئے اور جہان خاں کو پسپا ہونا پڑا۔ یہ سن کر بادشاہ جہان خاں کی کمک کو پہنچا لیکن سکھ لاہور کی جانب غائب ہو گئے۔ احمد شاہ نے امرتسر کی عمارات اور اس کے نواح میں تمام قلعوں کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور تین یا چار ہزار سکھ جو وہاں ملے یہ تیغ کر دیے گئے۔(۱۱)

والیان ریاست کے سفیروں کی آمد

اس کے بعد احمد شاہ بیاس عبور کر کے جالندھر دوآب میں داخل ہوا جہاں متعدد والیان ریاست کے سفیروں نے نذرانہ پیش کیا۔ شاہ نے انہیں ہدایت کی کہ اپنے آقاؤں کو لکھیں کہ خود اس کے دربار میں حاضر ہوں۔ آلا سنگھ کے پوتوں راجہ امر سنگھ اور کنور ہمت سنگھ کا وکیل بھی احمد شاہ کے سامنے پیش ہو کر آداب بجا لایا اور پانچ ہزار روپیہ اور دو گھوڑے نذر میں پیش کئے۔ شاہ ولی خاں اور جہان خاں کو بھی دو دو ہزار روپیہ ملا۔ کچھ ہی عرصے بعد راجہ اور کنور بھی

اظہار اطاعت کے لئے شاہ کے کیمپ میں نور محل پہنچے۔(۱۲)

سکھوں کی سرگرمیاں

سکھوں نے بادشاہ کو جالندھر دوآب میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ”اس کی فوج کو برابر تنگ کرتے رہے اور اس کی باربرداری جو نصیر خاں بلوچ کی تحویل میں تھی چھین لی۔ بیس ہزار سکھ بے خبر نصیر خاں پر ٹوٹ پڑے اور اسے کھلے میدان میں شکست دے کر شاہی لشکر کا مال واسباب لوٹ لیا۔ اس کے بعد انہوں نے تین سو اونٹوں کے ایک قافلے پر جو پھل لے جا رہا تھا حملہ کیا اور اس کے افغان محافظوں کو کاٹ ڈالا۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے ایک قافلہ جو چمبہ سے شاہی لشکر کے لئے اناج لے جا رہا تھا لوٹ لیا اور ان کے محافظ دستے کو تہ تیغ کر دیا۔(۱۳)

بنگال میں شاہ کے خلاف انگریزوں کی سرگرمیاں

شاہ نے اوائل مارچ ۱۷۶۷ء میں ستلج عبور کیا اور دہلی کی جانب روانہ ہوا۔ سکھوں نے اس کے جاتے ہی لاہور اور راوی اور ستلج کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنی فوجیں متعین کر دیں۔(۱۴)

۹ مارچ کو جب شاہ انبالے سے بیس میل کے فاصلے پر اسماعیل آباد میں تھا تو نجیب الدولہ اس سے ملنے کے لئے آیا۔ شاہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا کہ باوجود وفاداری کے بلند بانگ دعوؤں کے دہلی کے والیان ریاست میں سے کوئی اس کے استقبال کے لئے نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میر قاسم کے سفیر کی شاہ کے لشکر میں موجودگی کی وجہ سے انگریز بہت پریشان تھے۔ ”انہیں جائز طور سے یہ ڈر تھا کہ وزیر شجاع الدولہ اور شاہ عالم ثانی سے انہوں نے جو تعلقات قائم کئے ہیں وہ اول الذکر کے شاہ کے ساتھ مل جانے کی صورت میں درہم برہم ہو جائیں گے۔“ اس لئے انہوں نے وزیر اور شہنشاہ کو یہ ہدایت کی کہ وہ شاہ کا استقبال کرنے یا اسے روپیہ دینے سے احتراز کریں اور اگر وہ دہلی کی جانب پیش قدمی کرے تو اس کا مقابلہ کریں۔

اسی طرح روہیلوں ‘ جاٹوں اور مرہٹوں پر زور دیا گیا کہ ”احمد شاہ کے خلاف مشترکہ محاذ بنائیں اور انہیں اس سلسلے میں کمپنی کی امداد کا یقین دلایا گیا۔ لیکن پانی پت کی فتح کی وجہ سے ہندوستانی والیان ریاست احمد شاہ سے دہشت زدہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ اس لئے وہ کچھ عرصہ اس گومگو میں رہے کہ احمد شاہ کے ساتھ مل جائیں یا الگ تھلگ رہیں۔ لیکن سکھوں کی شدید مزاحمت اور ان کے ہاتھوں شاہی لشکر کی چند غیر اہم

شکستوں کی خبر پھیلتے ہی افغان فوج کے ناقابل تسخیر ہونے کا جادو ٹوٹ گیا۔ اس سے ہندوستانی والیان ریاست کے رویے میں تبدیلی آ گئی اور انہوں نے احمد شاہ کی جانب قدرے متکبرانہ انداز اختیار کر لیا۔(۱۵)

نجیب الدولہ کی درخواست

کہا جاتا ہے کہ متعدد وکیلوں نے شاہ سے درخواست کی کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑے تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے حکم دیا کہ فوراً دہلی کی جانب کوچ کیا جائے۔ یہ سن کر نجیب الدولہ نے یعقوب علی خاں اور راؤ میگھ راج سے مشورہ کیا اور اس کے بعد شاہ سے عرض کی کہ "اگر اعلیٰ حضرت نے دہلی جانے کا عزم کر ہی لیا ہے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ جدھر سے گزریں گے لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور پورا ملک ویران ہو جائے گا۔ چونکہ اعلیٰ حضرت نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے اس لئے میری ایک درخواست بھی منظور فرمائیں۔ اگر دہلی جانے کا ارادہ نہیں ٹل سکتا تو پھر روانہ ہونے سے پیشتر میری جان کی قربانی قبول فرمائیں۔"

شاہ نے بھانپ لیا کہ بیشتر ہندوستانی والیان ریاست کے مخالفانہ رویہ کی وجہ سے دہلی جانا مناسب نہ ہو گا۔ اس لئے اس نے ۱۷ مارچ کو اسماعیل آباد چھوڑا۔ ۱۸ کو انبالہ آیا اور وہاں سے سرہند کی جانب بڑھ گیا۔(۱۶)

راجہ امر سنگھ کی عزت افزائی

نجیب الدولہ نے مقررہ خراج میں سے دو لاکھ روپیہ شاہ کو دیا۔ موخرالذکر نے اس کے بیٹے ضابطہ خاں کو سرہند کا صوبیدار مقرر کیا۔ امر سنگھ کو جو اس وقت سرہند پر قابض تھا بادشاہ کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا' اور اس سے نو لاکھ روپیہ کے واجبات کا مطالبہ کیا گیا جو آلا سنگھ کے تقرر کے زمانے سے ریاست پٹیالہ کے ذمے چلے آتے تھے۔ جب امر سنگھ شاہی کیمپ میں پہنچا تو نجیب الدولہ نے کہا "یہ آپ کا پٹیالے کا قلعہ کیا حقیقت رکھتا ہے۔ میں آپ کو دکھاؤں گا کہ نجیب آباد میں ہیرا پتھر گڑھ کا قلعہ کتنا مضبوط ہے۔"

امر سنگھ بھانپ گیا کہ اسے قیدی بنا کر نجیب آباد لے جانے کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اس کی دادی رانی فتو (فتح کور) جو آلا سنگھ کی بیوہ تھی خفیہ طریقے سے رحمدل شاہ ولی خاں سے ملی اور اسے کچھ تحفے تحائف دے کر التماس کی کہ اس کے پوتے کو نجیب الدولہ کی حراست سے رہائی دلوائی جائے۔ شاہ ولی خاں کی سفارش پر بادشاہ نے نہ صرف امر سنگھ کو رہا کر دیا بلکہ اسے سرہند کا علاقہ اور راجہ راجگان کا خطاب بھی عطا کیا۔ ان عنایات پر اظہار تشکر کے لئے امر سنگھ نے

اپنے سکوں پر شاہ کا نام کندہ کرایا اور مہر پر اپنے نام کے ساتھ لفظ بامے زئی' کا اضافہ کیا جو شاہ ولی خاں کے قبیلے کا نام تھا۔(۱۷)

شاہ ۲۳ مارچ کو ستلج کے بائیں کنارے پر اچھی واڑہ کے مقام پر پہنچا۔ یہاں اپریل کے شروع میں اطلاع ملی کہ بیساکھی کے تہوار پر ایک لاکھ بیس ہزار مسلح سکھ امرتسر میں جمع ہیں۔ شاہ نے عقلمندی سے کام لے کر ستلج عبور کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور تقریباً" دو رات تک وہیں خیمہ زن رہا۔ اس دوران میں افغان دستے روزانہ سکھوں کی تادیب اور سرکوبی کے لئے مختلف اطراف میں جاتے رہے۔

چونکہ نجیب الدولہ کی صحت کچھ عرصے سے خراب تھے اس لئے وہ شاہ کی اجازت سے ۱۱ مئی کو واپس چلا گیا۔ اس کا بیٹا ضابطہ خاں اور دیگر عزیز شاہی لشکر کے ساتھ رہے۔(۱۸)

نجیب الدولہ کے علاقے پر سکھوں کا حملہ

۷ مئی ۱۷۶۷ء میں سکھوں کا ایک گروہ درانی فوج کی نظر بچا کر نجیب الدولہ کے علاقے میں آدھمکا۔ اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ نجیب کے بھائی اور بہنوئی کو جو اپنی فوج سمیت شاہی لشکر کے شانہ بشانہ سکھوں کے خلاف صف آرا تھے واپس آنے پر مجبور کیا جائے ...... حملہ آور اجیٹھ اور نانوتے کو لوٹ کر میرٹھ اور شالی کی جانب بڑھے۔ اس بلائے ناگہانی کی خبر سن کر نجیب الدولہ سراسیمہ ہو گیا اور شاہ سے مدد کی درخواست کی۔ موخرالذکر نے سردار جہاں خاں کو آٹھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سکھوں کو نجیب الدولہ کے علاقے سے مار بھگانے کے لئے بھیجا۔ نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خاں اور اس کے ۵۰۰۰ روہیلوں کو ساتھ لے کر جہاں خاں مارا مار شالی کی طرف بڑھا۔ اس نے تین دن میں ایک سو اسی میل سفر کیا۔ لیکن سکھوں کو چار گھڑی پیشتر اس کے آنے کی خبر مل گئی اور وہ ۱۹ مئی کو جمنا پار چلے گئے۔ جو پیچھے رہ گئے وہ کاٹ ڈالے گئے۔ اس جھڑپ میں ایک سکھ سردار مارا گیا اور سردار بگھیل سنگھ کروڑی سنگھیا زخمی ہو گیا۔ اس مہم کو کامیابی سے ختم کر کے جہاں خاں سات روز بعد شاہی لشکر سے آملا۔(۱۹)

سپاہیوں کی بے اطمینانی

افغان سپاہیوں کو کافی عرصے سے تنخواہ نہیں ملی تھی۔ اس بناء پر تقریباً" چار سو افغانیوں کا ایک دستہ حکم عدولی پر اتر آیا اور قصور' پاک پٹن اور ملتان کے رستے افغانستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس خیال سے کہ کہیں یہ وبا دوسروں تک نہ پھیل جائے شاہ ملتان کے راستے سے

سکھوں کا پنجاب پر قبضہ

شاہ نے پنجاب پر اپنا اقتدار بحال کرنے کے لئے اس کے بعد بھی دو اور کوششیں کیں لیکن درحقیقت اس حملے کو ہندوستان پر اس کا آخری حملہ تصور کیا جا سکتا ہے' اس کے بعد پنجاب پر اس کا تسلط ختم ہو گیا۔

اس کی واپسی کے فوراً" بعد سکھ دوبارہ دریائے سندھ اور جمنا کے درمیانی علاقے کے مالک بن بیٹھے۔ اس زمانے میں افغانوں کی جانب سے داون خاں لاہور کا برائے نام صوبیدار تھا۔ اس نے چپکے سے شہر سکھوں کے حوالے کیا اور سیاست سے دستبردار ہو گیا۔ رحمت خاں روہیلہ اپنے وطن چلا گیا۔ سرہند کا علاقہ حسب دستور امر سنگھ اور پھلکیاں کے دوسرے سرداروں کے ہاتھ میں رہا۔(۲۰)

حوالہ جات

۱۔ پرنسپل سیتا رام کوہلی نے ایک مضمون میں لکھا ہے

بعد ازاں باغبانپورے کے میاں خاندان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بھنگی سرداروں کے خلاف لاہور پر قبضہ کرنے میں مدد دی۔

۲۔ علی الدین۔ عبرت نامہ' ص ۲۷۶' ۲۷۷

عمدۃ التواریخ' جلد اول' ص ۱۲۳

۳۔ گنیش داس۔ چہار گلشن پنجاب' ص ۱۷۷' ۱۷۸

۴۔ تاریخ پٹیالہ' ص ۵۷' ۵۹

کرم سنگھ۔ آلا سنگھ' ص ۲۴۶' ۲۴۷

۵۔ کیلنڈر آف پرشین کارسپانڈنس' جلد دوم' ۱۲ الف۔ جلد سوم' جلد ششم

۶۔ سی پی سی۔ جلد دوم' ۱۶ الف

۷۔ سی پی سی' جلد دوم' ۱۶ الف

۸۔ سی پی سی' جلد دوم' ۱۶ الف۔ ۲۰' ۳۶

۹۔ عمدۃ التواریخ' جلد اول' ص ۱۶۵

علی الدین۔ عبرت نامہ، ص ۲۷۹، ۲۸۰
خوش وقت رائے صاحب تاریخ سکھاں (ص ۸۱) کا بیان ہے کہ دادن خاں کے نائب کا نام دادر خاں تھا۔

۱۰۔ سی پی سی، جلد دوم، ۵۰، ۱۰۸ الف
۱۱۔ سی پی سی، جلد دوم، ص ۶۵
۱۲۔ سی پی سی۔ جلد دوم، ص ۶۵، ۷۹، ۱۳۹
۱۳۔ سی پی سی۔ جلد دوم، ۱۶۱ الف
۱۴۔ سی پی سی، جلد دوم، ص ۲۱۳
۱۵۔ دہلی کرانیکل
سی پی سی، جلد سوم
انگریز کس طرح شاہ عالم ثانی اور احمد شاہ کے تعلقات کی راہ میں حائل ہوئے اس کا مفصل بیان ضمیمہ ۴ میں ملاحظہ کیجئے۔
۱۶۔ سی پی سی، جلد دوم، ص ۲۹۲
دہلی کرانیکل
۱۷۔ سی پی سی۔ جلد دوم
حسین شاہی، ص، ۶۷، ۶۸
خوش وقت رائے، تاریخ سکھاں، ص ۱۶۴
۱۸۔ سی پی سی، جلد دوم، ص ۳۲۳، ۳۴۵
دہلی کرانیکل
۱۹۔ طہماس نامہ، ۱۲۱، الف، ب،
نورالدین" احوال نجیب الدولہ، ص ۱۱۱، ۱۱۲،
سرکار، جلد دوم، ص ۴۹۸، ۴۹۹،
علی الدین، عبرت نامہ، ص، ۲۸،
۲۰۔ علی الدین۔ عبرت نامہ، ص ۲۸۱
خوش وقت رائے۔ تاریخ سکھاں، ص ۸۱، ۸۲

ضمیمہ نمبرا

احمد شاہ ابدالی کا فوجی نظام

احمد شاہ بنیادی اعتبار سے ایک سپاہی تھا۔ چونکہ فوج ہی اس کی سیاسی طاقت کا سرچشمہ تھی اس لئے اس کی بیشتر توجہ اسی جانب منعطف رہی۔ وہ اپنے سپاہیوں کا بڑا خیال رکھتا تھا اور انہیں اپنی عظمت اور ناموری میں برابر کا شریک گردانتا تھا۔ اس نے ایک موقعہ پر ان کی تعریف میں یہ الفاظ کہے۔

"میں بھی ان میں سے ایک ہوں اور انہیں کی حمایت اور بل بوتے پر اس رتبہ عالی تک پہنچا ہوں۔"

دفتری نظام (آرمی ہیڈ کوارٹرز)

سپہ سالار

فوج کا سربراہ سپہ سالار کہلاتا تھا۔ وہ وزیر جنگ اور وزیر دفاع بھی تھا۔ زمانہ امن میں سپاہیوں کے نظم و ضبط' جنگی تربیت اور ان کے لئے اسلحہ کی فراہمی کا ذمہ دار تھا۔

جب لڑائی چھڑ جاتی تو وہ جنگی نقشے تیار کرتا اور دشمن کے مقابلے میں فوجوں کی کمان کرتا تھا۔ وہ سپاہیوں کی فلاح و بہبود کا بھی ذمے دار تھا۔ سپہ سالار یا سردار کی مدد کے لئے کئی نائب مقرر تھے جو دفتری نظام (آرمی ہیڈ کوارٹرز) میں فوج کے مختلف شعبوں کے نگراں تھے۔

اسلحہ اور گولہ بارود کی تیاری' وردی اور سامان رسد کی فراہمی' تنخواہ کی ادائیگی اور اسی قسم کے دیگر کام دفتری نظام کے سپرد تھے۔

سیور سانچی باشی

یہ عہدیدار سامان رسد اور گھوڑوں اور بوجھ اٹھانے والے جانوروں کے لئے چارے کی فراہمی کا ذمہ دار تھا۔

قرچی باشی

اسلحہ خانے کا حاکم اعلیٰ جس کے ذمے فوج کو اسلحہ کی فراہمی کا کام تھا۔ اس کے علاوہ وہ

اسلحہ اور گولہ بارود تیار کرنے والے کارخانوں کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ احمد شاہ ان کارخانوں میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا۔ اس نے اس مقصد کے لئے قندھار میں ایک نئی بستی بسائی تھی جہاں اسلحہ خانہ اور اسلحہ ساز کارخانے قائم کئے گئے تھے۔ وہ جگہ جہاں اس کا بارود کا ذخیرہ تھا آج تک بارود خانہ کہلاتی ہے۔

شاہ خود بھی توپیں ڈھالنے کے کام میں مہارت رکھتا تھا۔ ۵۲۔ ۱۷۵۱ء میں نیشاپور کے محاصرے کے وقت اس نے فی الواقع ایک توپ بنائی تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ اس توپ سے ساڑھے بارہ سیروزنی گولہ چلایا جاتا تھا اور اس کی وجہ سے نیشاپور کے سقوط میں بڑی مدد ملی۔ ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ کے حکم سے شاہ ناظر نے لاہور میں دو انچ سے بھی بڑے دہانے کی توپیں تیار کرائی تھیں جو چالیس پونڈ وزنی گولے پھینکتی تھیں۔ یہ توپیں شاہ ولی خاں کی نگرانی میں ڈھلائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک توپ جس کا نام زمزمہ تھا اور جو بعد میں سردار ہری سنگھ بھنگی کے نام پر بھنگیاں والی توپ کہلائی ابھی تک لاہور کے مرکزی عجائب گھر کے سامنے موجود ہے۔ اس کی لمبائی ۱۴ فٹ ساڑھے چار انچ ہے اور دہانہ ساڑھے نو انچ کا ہے۔ یہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی لڑائی میں استعمال ہوئی اور بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجی مہمات میں کام آتی رہی۔ اس کے ساتھ کی دوسری توپ پانی پت کی لڑائی کے بعد کابل جاتے ہوئے دریائے چناب میں گر کر ڈوب گئی۔

باربرداری کا محکمہ میر آخور باشی کے تحت تھا اور دفتری نظام سے وابستہ تھا۔ فوجی مہمات کے وقت آخور باشی بھی سپہ سالار کی ماتحتی میں لشکر کے ساتھ رہتا تھا۔

باقاعدہ فوج

عسکری منظم

احمد شاہ کی فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔

عسکری منظم (باقاعدہ فوج) اور عسکری غیر منظم (بے قاعدہ قبائلی لشکر)

عسکری منظم پوری فوج کے ایک تہائی حصے پر مشتمل تھی باقی ماندہ بے قاعدہ فوج تھی جسے فوج کشادہ (کھلی فوج) یا خوانین سواران یا قبائل سوار بھی کہتے تھے۔ باقاعدہ فوج کی تین شاخیں تھیں۔

۱۔ رسالہ۔ ۲۔ پیادہ اور ۳ توپ خانہ۔

بے قاعدہ فوج زیادہ تر سواروں پر مشتمل تھی۔

باقاعدہ فوج کی ملازمت مستقل ہوتی تھی۔ تنخواہ نقد اور جنس ہر دو شکل میں ملتی تھی۔ اور اسلحہ اور گھوڑا حکومت مہیا کرتی تھی۔ اگرچہ گھوڑے کی قیمت بالا قساط سپاہی کی تنخواہ سے کاٹ لی جاتی تھی۔ سپاہی اپنے کھانے اور گھوڑے کے چارے کا انتظام خود کرتے تھے۔ ایام جنگ کے علاوہ ہر سپاہی سال میں تین ماہ کی چھٹی کا مستحق تھا۔ باقی عرصہ وہ پلٹن میں رہ کر جنگی تربیت حاصل کرتا تھا۔

باقاعدہ فوج کا بڑا حصہ دارالخلافہ میں رہتا تھا۔ صرف کچھ دستے صوبوں یا دیگر مقامات پر فرائض کی انجام دہی کے لئے متعین کئے جاتے تھے۔

دارالخلافہ میں جو فوج رہتی تھی وہ تین حصوں میں منقسم تھی۔

ا۔ غلام شاہی (شاہی رسالہ)

۲۔ کشکچیاں (شاہ کے محافظ دستے)

۳۔ قلاور (اسکاوٹ)

شاہی رسالہ غیر ملکی سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں نادر شاہ کے سپاہی بھی تھے اور دوسرے ایرانی اور قزلباش بھی جو افغان حکومت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ چونکہ وہ قبائلی وفاداریوں سے بالاتر تھے۔اس لئے خانہ جنگی کی صورت میں ان پر افغانوں سے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

شاہ کے ذاتی ملازم جنہیں پیش خدمت گار کہتے تھے انہی غلاموں میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔

رسالہ

احمد شاہ کی فوج کا تین چوتھائی حصہ رسالے پر مشتمل تھا۔

افغان سوار تلواروں' نیزوں اور پرانے فیشن کی بندوقوں سے مسلح تھے۔

شاہ کا ذاتی رسالہ زرہ پہنتا تھا۔ شتر سوار جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی جماز اسوار کہلاتے تھے۔ دریا عبور کرتے ہوئے یا ہنگامی حالات میں سوار فوج کو پیادہ سپاہی بھی اٹھانے پڑتے تھے۔

توپ خانہ

احمد شاہ کی فوج کا سب سے طاقت ور شعبہ توپ خانہ تھا۔ اس کی گنتی رسالے میں ہوتی تھی۔ توپ خانے میں دو تہائی بھاری توپیں تھیں اور باقی ماندہ ہلکی۔ یہی بھاری توپیں تھیں جن کی وجہ سے پانی پت کی جنگ میں مرہٹوں کی عددی فوقیت کے باوجود احمد شاہ کو فتح حاصل ہوئی

تھی۔ بھاری توپ خانے کو گھوڑے کھینچتے تھے اور ہلکی توپیں جنہیں زمبورک' شاہین اور شاہنگ کہتے تھے اونٹوں پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جاتی تھیں۔ انہیں باآسانی ایک مورچے سے دوسرے مورچے پر منتقل کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اونٹوں کی پشت سے بھی چلائی جا سکتی تھیں۔ شاہ کی تخت نشینی کے پہلے سال میں ان ہلکی توپوں کی تعداد ۷۰۰ تھی۔ اگلے پچیس سال میں اس تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا ہو گا۔ توپ خانے کے افسر اعلیٰ کو توپچی باشی کہتے تھے اور احمد شاہ کے زمانے میں رحمان خاں بارک زئی اس منصب پر فائز تھا۔ اس کی رہائش گاہ ابھی تک قندھار کے توپ خانہ محلے میں موجود ہے۔

ہاتھیوں کا دستہ

شاہ کے پاس ہاتھیوں کا بھی ایک چھوٹا سا دستہ تھا۔ ہاتھی عام طور سے باربرداری کے لئے استعمال کئے جاتے تھے مگر ضرورت پڑنے پر دشمن کی صفوں کو توڑنے اور ان میں ابتری پھیلانے کے کام بھی آتے تھے۔ کبھی کبھی ان پر توپیں بھی لاد دی جاتی تھیں۔

تنظیم اور تعداد

فوجی دستوں کی تنظیم اور تعداد حسب ذیل تھی۔

۱۔ ایک داگی (سیکشن)	۱۰ آدمی
۲۔ ایک تولی (پلاٹون)	۱۰ داگی یا ۱۰۰ آدمی
۳۔ ایک کنڈک (رجمنٹ)	۱۰ تولی۔ ۱۰۰۰ آدمی
۴۔ ایک قطعہ یا مفراضہ (برگیڈ)	دو یا دو سے زیادہ کنڈک

افسر رسالہ اور پیادہ فوج

دال باشی یا داگی مشار	سیکشن کمانڈر
یہ باشی یا تولی مشار	پلاٹون کمانڈر
منگ باشی' بیگ باشی یا کنڈک مشار	رجمنٹ کمانڈر
امیر لشکر	برگیڈ کمانڈر
سپہ سالار اعلیٰ یا سردار سرداراں	کمانڈر انچیف

توپ خانے کے افسر

زمبورک چی' شاہین چی۔ شاہنگ چی	توپ چلانے والا (گنر)

شاہین چی باشی یا جزائرچی باشی	توپ خانے کا افسر
توپچی باشی یا میر آتش	توپ خانے کا اعلیٰ کماندار

بار برداری کے دستے

بار برداری کے دستے گھوڑوں' خچروں' اونٹوں بیلوں پر مشتمل تھے۔ ان دستوں میں کچھ ہاتھی بھی تھے۔ ان کا افسر اعلیٰ میر آخور باشی تھا جس کا تذکرہ ملکی انتظام کے تحت آچکا ہے۔

بے قاعدہ فوج (عسکری غیر منظم)

شاہی فوج کا دو تہائی حصہ بے قاعدہ فوج پر مشتمل تھا۔ اسے بعض اوقات لشکر قومی بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں تین چوتھائی سوار تھے باقی ماندہ پیادہ سپاہی تھے۔

بے قاعدہ فوج میں تین قسم کے لوگ تھے۔

۱۔ مسلح عوامی دستے جو ملک کے مختلف علاقوں سے طلب کی ہوئی تعداد کے مطابق جنگ میں حصہ لینے کے لئے آتے تھے۔ جنگ کے خاتمے پر وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ ان کی خدمات کے عوض ان کے علاقے کا ایک سال کا مالیانہ معاف ہو جاتا۔ مثال کے طور پر دریا کے کنارے رہنے والے قبیلوں سے ہر سال ۲۴ اونٹ مالیانے میں لئے جاتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں وہ ۲۰۰ سوار فوجی خدمت کے لئے بھیج کر یہ مالیانہ معاف کرا لیتے۔

۲۔ وہ دستے جو جنگ کے زمانے میں قبائلی سردار بھیجتے تھے۔ ان کی تعداد مقرر تھی۔ جنگ کے بعد یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ آتے اور اپنے پرانے پیشوں میں لگ جاتے۔ ان کی تنخواہ اور اخراجات کے لئے قبائلی سرداروں کو شاہی خزانے سے ایک سالانہ رقم ملتی تھی اس کے علاوہ ان قبائلی سرداروں کو ذاتی معاوضے کے طور پر جاگیر یا نقد روپیہ دیا جاتا تھا جس کا مرکزی اور صوبائی حکومتیں باقاعدہ حساب رکھتی تھیں۔

۳۔ خوانین سواران یا قبائل رسالہ جو باقاعدہ سرکاری فوجوں کی طرح سرحدوں کی حفاظت' مالیانے کی وصول یابی۔ سرکاری مال واسباب کی نگرانی اور اسی قسم کے دیگر فرائض کی سرانجام دہی کے لئے مامور تھا' انہیں باقاعدہ طریقے سے بھرتی کیا جاتا تھا اور ان کے گھوڑوں پر نشان لگایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ وقتاً" فوقتاً" ان کے ہتھیاروں کا معائنہ بھی ہوتا تھا۔

محکمہ مالیہ ان کے واجبات کا باقاعدہ حساب رکھتا تھا جو ان کے سرداروں کی جاگیر کے

حساب سے وضع ہوتا رہتا تھا۔

قبائلی لشکر کی تنظیم

جونہی کسی شخص کے نام فرمان جاری ہوتا کہ اسے شاہی لشکر میں سردار مقرر کیا گیا ہے وہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں، ہمسایوں اور ذاتی ملازموں سے سپاہیوں کی مقررہ تعداد بھرتی کر لیتا اور انہیں اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ فراہم کر کے ماتحت عہدہ داروں کا تقرر کر دیتا۔ یہ ہتھیار حکومت سے مستعار لئے جاتے تھے اور بعض اوقات ان کی قیمت بالا قساط وصول کی جاتی تھی۔

ایک بے قاعدہ دستے میں پانچ سو سے لے کر کئی ہزار تک سپاہی ہوتے تھے۔
چھوٹے دستوں کا سردار سرکردہ سواراں کہلاتا تھا۔
اوسط درجے کے دستوں کے سربراہ کو خان سواراں کہتے تھے۔
بڑے دستوں کی کمان کرنے والا سردار سواراں کہلاتا تھا۔
سو یا اس سے زیادہ سواروں کے سربراہ کو طبل و علم کی اجازت تھی۔

بے قاعدہ فوج کی اندرونی تنظیم وہی تھی جو باقاعدہ فوج کی تھی۔
ایک سیکشن (داگی) میں دس آدمی ہوتے تھے۔ اس کی کمان دہ باشی کرتا تھا۔ تونی یا پلاٹون جسے بیراق کہتے تھے دس داگی پر مشتمل تھی۔ اس کا سربراہ بیراق دار کہلاتا تھا۔ داگی یا بیراق میں سپاہیوں کی تعداد مقرر تھی۔ اگرچہ دستے کا سردار مستقل عہدیدار ہوتا تھا اور اپنے دستے میں دوسرے سب لوگوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے باوجود وہ فوجی نظم و ضبط اور اپنے سے اعلیٰ افسروں کے احکامات کا پابند تھا۔

زمانہ امن میں بے قاعدہ دستوں کے کماندار اس نائب الحکومت کے ماتحت ہوتے تھے جس کے صوبے میں وہ متعین ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے کام کی نوعیت کے لحاظ سے وزیر داخلہ یا وزیر جنگ کے ماتحت بھی ہوتے تھے۔ زمانہ جنگ میں ان کی کمان سپہ سالار اعلیٰ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جب دو یا دو سے زیادہ دستے یکجا ہو جاتے تو دونوں کی کمان اعلیٰ تر رتبہ رکھنے والا افسر کرتا تھا۔

فوج کی تعداد

احمد شاہ کی قندھار میں تخت نشینی کے وقت فوج کی تعداد سولہ ہزار تھی۔ اگلے سال یہ

تعداد چالیس ہزار ہو گئی۔ ہندوستان کی مہمات کے دوران میں افغان لشکر کی قوت بارہ ہزار سے اسی ہزار اور خراسان کی لڑائی میں ستر ہزار سے ایک لاکھ بیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ لیکن ان اعدادو شمار سے اس کے لشکر کی صحیح تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی سلطنت نہایت وسیع تھی اس لئے ظاہر ہے کہ وہ کسی ایک مہم پر خواہ وہ کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو اپنی تمام فوج لے کر نہ گیا ہو گا۔

ان اعدادو شمار میں مبالغہ کا عنصر بھی ہے۔ لیکن اگر ان میں وہ فوج بھی شامل ہے جو ملکی تحفظ کے لئے افغانستان کے اندر متعین تھی تو پھر یہ قرین قیاس ہے کہ بادشاہ کی آخری جنگوں میں فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک رہی ہو گی۔ ان میں سے دو تہائی یعنی اسی ہزار فوج کشادہ ہو گی اور چالیس ہزار عسکری منظم یعنی باقاعدہ فوج۔ اسی طرح پوری فوج کا تین چوتھائی یعنی نوے ہزار سوار ہوں گے اور باقی ماندہ پیادہ فوج۔

فوج کی تنخواہ

کسی قابل اعتماد دستاویز کی غیر موجودگی میں ہم میر غلام احمد غبار مصنف احمد شاہ بابا' کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ سوار کی تنخواہ تقریباً" بارہ روپیہ " ماہوار اور پیادہ سپاہی کی چھ روپیہ ماہوار تھی۔ اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں کہ مختلف فوجی عہدیداروں کی کیا تنخواہیں تھیں اور قبائلی سرداروں کو وظائف اور جاگیریں عطا کرتے وقت کس اصول یا معیار کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

فریزر لکھتا ہے کہ

"بادشاہ ذاتی طریقے سے لشکر کی تنخواہ تقسیم کیا کرتا تھا۔"

ضمیمہ نمبر۲

دار الضرب اور سکے(۱)

احمد شاہ کے نام کا پہلا سکہ اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد رائج ہوا۔ اس پر مندرجہ ذیل شعر کندہ تھا:

حکم شد از قادر بے چوں بہ احمد بادشاہ
سکہ زن بر سیم و زر از پشت ماہی تا بماہ

(خدا نے احمد بادشاہ کو حکم دیا کہ سونے اور چاندی کے سکے مچھلی کی پشت سے "سمندر کی تہہ سے" چاند تک بنائے۔)

قندھار کے علاوہ ہر ولایت کے دار الخلافہ میں دار الضرب قائم تھا اور سکے ڈھالے جاتے تھے۔ افغانستان اور ہندوستان میں بیس دار الضرب تھے البتہ ہرات میں جو ایرانی شہر تھا سکے ڈھالنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ قندھار اور کابل افغانستان کے اہم ترین شہر تھے۔ کشمیر مفتوحہ علاقہ تھا۔ بھکر' پشاور' ٹھٹہ' ڈیرہ جات اور سندھ نادر شاہ سے حاصل ہوئے تھے۔ لاہور' اٹک' ملتان اور سرہند بھی کشمیر کی طرح مفتوحہ علاقے تھے۔ ان سب مقامات پر دار الضرب تھے۔

ان کے علاوہ کچھ دار الضرب ہندوستان کے دیگر علاقوں میں بھی قائم کئے گئے تھے۔ جہاں ہندوستان میں شاہ کی فتوحات پر یادگاری سکے ڈھالے جاتے تھے۔

نادر شاہ کی طرح احمد شاہ نے بھی دہلی میں سکے جاری کئے۔ اس نے جمنا کے مشرقی کناروں پر آگرہ' بریلی' مراد آباد' فرخ آباد اور نجیب آباد میں بھی جو اس کے ہندوستانی حلیفوں کی عملداری میں تھے دار الضرب قائم کئے۔

جب تیمور شاہ پنجاب میں اپنے باپ کا نائب السلطنت تھا تو اس کے نام کا سکہ بھی چلتا تھا۔ اس کے سکوں پر یہ شعر کندہ تھا۔

بعالم یافت سکہ تیمور نظام
بحکم خدا و رسول انام

(تیمور شاہ کے سکے نے خدا اور اس کے رسول کے حکم سے دنیا بھر میں رواج پایا ہے)

ان دارالضربوں کے اعزازی لقب بھی تھے جن کا تذکرہ ان کے ناموں کے ساتھ آتا ہے۔
احمد شاہ کے تمام سکوں پر ایک ہی شعر کندہ ہے۔ سکے کے ایک طرف شعر اور ہجری تاریخ ہوتی تھی اور دوسری جانب دارالضرب کا نام اور اس کا اعزازی لقب کندہ ہوتے تھے۔
بعض اوقات مغل سکوں کی مانند یہ جملہ بھی ہوتا تھا "سن جلوس میمنت مانوس" سکوں پر القاب یا کنیت نہیں ہوتی تھی۔(۲)

مارچ ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ نے شاہ ولی خاں کی سفارش پر سرہند کی حکومت والئی پٹیالہ راجائے راجگاں سردار امر سنگھ کے سپرد کی۔ موخرالذکر نے اظہار تشکر کے طور پر احمد شاہ کے نام کے سکے جاری کئے جن پر اس کا شعر کندہ تھا۔ ساتھ ہی امر سنگھ نے "بالے زئی" کا لفظ اپنے نام کے ساتھ ایزاد کیا۔ پٹیالہ' جیند اور مالیر کوٹلہ کے سکوں پر احمد شاہ کا شعر ماضی قریب تک کندہ ہوتا رہا۔

احمد شاہ کے عہد حکومت میں خراج یا مال غنیمت کے طور پر بے حساب سونا اور چاندی افغانستان آیا۔ اس لئے شاہ کے سکے عام طور سے وزنی اور خالص دھات کے ہوتے تھے۔ سونے کا مروجہ سکہ جسے اشرفی یا مہر کہتے تھے ۱۶۰ اسٹنڈرڈ گرین کا ہوتا تھا اور چاندی کا روپیہ ۱۷۸ اسٹنڈرڈ گرین کا۔ احمد شاہ کے تانبے کے سکے عام سکوں کی طرح ۳۲۰ گرین کے ہوتے تھے۔ لیکن ملتان اور کشمیر میں تانبے کے جو سکے رائج تھے قدرے ہلکے تھے۔

احمد شاہی قندھار اشرف البلاد

احمد شاہ کے عہد حکومت میں قندھار افغانستان کا دارالخلافہ تھا۔ قندھار کو ابدالیوں کا جنہیں نادر شاہ نے ہرات کی جلاوطنی سے نکال کر یہاں بسایا تھا اولیں وطن خیال کرتا تھا۔ احمد شاہ کی تخت نشینی اسی شہر میں ہوئی اور اس نے اپنا نیا دارالخلافہ احمد شاہی بھی یہیں بسایا۔ نیز اس نے اپنا روضہ بھی یہیں تعمیر کر لیا اور یہیں مدفون ہوا۔
اس کی تخت نشینی کے موقع پر جو سکہ جاری ہوا اس کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں ہوتا' ہو سکتا ہے کہ اس کا پہلا سکہ رکاب مبارک (شاہی کیمپ) میں تیار کیا گیا ہو۔
وائٹ ہیڈ کی رائے ہے کہ
"احمد شاہ نے قندھار میں دس سال تک کوئی سکہ جاری نہیں کیا۔ قندھار میں سکے اس وقت ڈھالے گئے جب وہ ان پر احمد شاہی کندہ کرانے کے قابل ہو گیا۔ یہاں سکوں کا اولین اجراء ۱۱۷۱ھ میں یعنی پانی پت والی جنگ سے تین سال پہلے ہوا۔ یہ سکے پتلے اور چوڑے اور

وزن میں ایرانی اشرفی کے برابر تھے۔ چاندی کے سکے ہندوستانی روپوں کے وزن کے ہیں اور ان کا اولیں اجرا اس کے عہد حکومت کے گیارھویں سال میں ہوا۔

آنولہ

آنولہ روہیل کھنڈ کا ایک قصبہ ہے جو ہندوستان میں اتر پردیش کے ضلع بریلی میں واقع ہے۔ جب شاہ نے پانی پت میں مرہٹوں کو شکست دی تو اس کے نزدیکی حلیف نجیب الدولہ نے آنولہ سے اس کے نام کے سکے جاری کئے۔

اٹک

اٹک کا مشہور شہر اور قلعہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر پشاور سے ۴۶ میل اور ٹیکسلا سے ۴۲ میل مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہاں احمد شاہ کے نویں سن جلوس سے بائیسویں سن جلوس تک چاندی اور سونے کے جو سکے جاری کئے گئے وہ عام وزن کے ہیں۔

بریلی

بریلی روھیل کھنڈ اتر پردیش میں کمشنری کا صدر مقام ہے۔ آنولہ کی طرح یہاں بھی نجیب الدولہ نے مرہٹوں پر بادشاہ کی فتوحات کی یادگار میں سکے جاری کئے۔ یہ سکے ۱۱۷۳ھ اور ۱۱۷۴ھ میں جاری ہوئے۔

بھکر

بھکر روہڑی اور سکھر کے درمیان دریائے سندھ کا ایک جزیرہ ہے۔ بھکر میں سونے کے سکے بہت کم تعداد میں ڈھالے گئے لیکن چاندی کے سکے ہر سن کے دستیاب ہیں جو پورے وزن کے ہیں۔ یہاں زیادہ وزن کے سکے بھی ڈھالے گئے۔

دہلی (شاہ جہاں آباد)

دہلی مغلوں کا دارالحکومت تھا۔ شاہ دو مرتبہ دہلی گیا۔

پہلی دفعہ تو ۱۷۵۶۔ ۱۷۵۷ء میں جب مغلانی بیگم نے شہر کو تاراج کرایا۔ اس موقعہ پر بادشاہ نے ایک مغل شہزادی سے شادی کی اور کچھ عرصہ بعد تیمور شاہ کو لاہور میں نائب السلطنت مقرر کرکے لوٹ آیا۔

اس کے بعد احمد شاہ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴ھ میں پانی پت کی فتح سے کچھ عرصہ پہلے اور اس کے فوراً" بعد دہلی آیا۔ دونوں موقعوں پر اس کے نام کے سکے جاری ہوئے۔ ۱۷۵۹۔ ۱۷۶۱ء میں شاہ

تقریباً" پندرہ ماہ دہلی میں رہا۔ اس عرصہ میں دو مرتبہ اس کا سکہ جاری ہوا۔ ان میں سے پہلا اجراء ۱۷۶۰ء (۱۱۷۳ھ) کے موسم بہار میں ہوا اور دوسرا ۱۷۶۱ء (۱۱۷۴ھ) میں پانی پت کی فتح کے بعد۔

ڈیرہ غازی خاں

ڈیرہ غازی خاں بڑا اہم دارالضرب تھا جہاں اچھی قسم کے اور پورے وزن کے سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ یہاں تانبے کے سکے بھی تیار ہوتے تھے مگران کے اوزان مختلف ہوتے تھے۔

ڈیرہ جات

کوہ سلیمان اور دریائے سندھ کے درمیان جو سیلابی علاقہ ہے اسے ڈیرہ جات کہتے ہیں۔ ڈیرہ کے لغوی معنی آبادی کے ہیں۔ اس علاقے کا نام تین ڈیروں (ڈیرہ غازی خاں ڈیرہ اسماعیل خاں اور ڈیرہ فتح خاں) کی بنا پر ڈیرہ جات ہے۔ یہاں کے ڈھالے ہوئے سکے بہت کمیاب اور گھٹیا قسم کے ہیں۔ پشت کی عبارت بھی مختلف ہے۔ ابھی تک یہاں کے تانبے کے سکے دستیاب نہیں ہو سکے۔

فرخ آباد

فرخ آباد بھی ہندوستان کے صوبے اتر پردیش کا ضلعی صدر مقام ہے۔ یہ بنگش افغانوں کے تسلط میں تھا اور احمد شاہ کے زمانے میں یہاں کا حکمران نواب خاں بنگش غالب جنگ تھا جس نے ۱۱۶۳ھ سے ۱۱۷۵ھ تک حکومت کی۔ اس نے احمد شاہ کے حلیف کے طور پر پانی پت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس نے بھی نجیب الدولہ کی طرح احمد شاہ کے نام کے سکے جاری کئے۔ سونے اور چاندی کے یہ سکے نہایت خوبصورت وضع کے تھے۔

ہرات (دارالسلطنت)

ہرات افغانستان کے شمال مغرب میں اسی نام کی ایک ولایت کا دارالخلافہ ہے۔ یہ شہر عسکری اور تجارتی اہمیت کا حامل اور اپنی زرخیزی کی بنا پر مرکزی ایشیا کا باغ اور غلے کا "ذخیرہ" کہلاتا ہے۔ ہرات صدیوں تک ایرانی سلطنت میں شامل رہا۔ احمد شاہ نے اس پر قبضہ کر کے افغانستان میں شامل کر لیا۔ یہاں بھی سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے لیکن نہایت بے قاعدگی سے ۔ اس لئے یہاں کے بنے ہوئے سکے کمیاب ہیں۔ ان کا وزن پورا مگر وضع بہت بھدی ہے۔

کابل (دار الملک یا دار السلطنت)

تیمور شاہ نے قندھار کے بجائے کابل کو دار الخلافہ بنایا تھا۔ کابل کے بنے ہوئے سونے اور چاندی کے سکے مختلف اقسام کے ہیں۔ ان سے ماہرین کی دلچسپی کا بہت مواد ملتا ہے۔ دسویں سن جلوس کے سونے کے سکے بہت عمدہ وضع کے ہیں۔ سونے کے روپے بھی کافی تعداد میں دستیاب ہیں اور ۱۱۷۰ھ یعنی دسویں سن جلوس سے احمد شاہ کی وفات تک ہر سال کے سکے ملتے ہیں۔

کشمیر (سرینگر) دار السلطنت

کشمیر کو احمد شاہ نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ یہاں سری نگر کے شہر میں ایک دار الضرب تھا جہاں سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ مگر کشمیر کے سونے کے سکے بہت کمیاب ہیں۔ چاندی کے سکے بھی کم کم ہی ملتے ہیں اور مغل سکوں کے معیاری وزن یعنی ۱۷۸ گرین سے کچھ کم وزن کے ہیں۔ تانبے کے سکے بھی رائج تھے۔

کشمیر میں ڈھالے ہوئے کچھ سکے تو صرف دھات کے ٹکڑے ہیں جن سے کسی معیار کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

لاہور

لاہور میں سونے اور چاندی کے سکے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں ڈھالے گئے جب مغل گورنر شاہ نواز کے فرار ہو جانے کے بعد احمد شاہ شہر میں داخل ہوا۔ سونے کے سکوں کا دوسرا اجرا جن پر ۱۱۷۵ھ ثبت ہے ۵ فروری ۱۷۶۲ء کے واقعہ گھالو گھارا کے بعد ہوا ہو گا جب شاہ نے ایک سال تک لاہور میں قیام کیا۔ لیکن چاندی کے سکوں کے تقریباً" دس اجرا کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ سکے ۱۱۶۱ھ اور ۱۱۸۰ھ کے درمیان جاری ہوئے لیکن بیچ میں ۶۴-۱۱۶۳ھ' ۱۱۶۶ھ ۱۱۶۹ھ' ۷۱-۱۱۷۲ھ اور ۱۱۷۹ھ کے سکے نہیں ملتے۔ ان وقتوں میں لاہور میں کئی حکمرانوں مثلاً" مغل بادشاہ۔ احمد شاہ۔ تیمور شاہ اور سکھوں نے اپنے اپنے سکے رائج کئے۔ نائب السلطنت کی حیثیت سے تیمور شاہ کے سکے ۱۱۷۰ھ' ۱۱۷۱ھ اور ۱۱۷۳ھ کے ہیں۔

وہائٹ ہیڈ لکھتا ہے:

"۱۷۶۴ء مطابق ۱۸۲۳ سمت بکری اور ۸۰' ۱۱۷۹ھ میں سکھوں نے پہلی مرتبہ لاہور میں باقاعدہ سکہ جاری کیا۔ لاہور میں اب تک احمد شاہ کے جاری کئے ہوئے دو سونے کے سکے اور

اٹھارہ چاندی کے روپے دستیاب ہوئے ہیں۔

ملتان دارالامان

ملتان میں جس کا الحاق ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ء) میں ہوا ایک پرانا دارالضرب تھا۔ یہاں اب تک احمد شاہ کے آٹھ سونے کے سکے '۱۹ چاندی کے روپے اور ۲ تانبے کے پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

تیمور شاہ کی پانچ سونے کی مہریں اور ۲۷ روپے ملے ہیں۔

ملتان ۱۷۷۲ء میں سکھوں کے تسلط میں آگیا تھا لیکن وہ تھوڑا ہی عرصہ اس پر قابض رہے' تیمور اس دارالضرب پر پورے ۱۶ سال قابض رہا۔ ۱۱۷۰ھ سے ۱۱۸۵ھ (۱۷۵۶ء سے ۱۷۷۱ء تک) یہاں اس کے نام پر سکے ڈھالے جاتے رہے۔

مراد آباد

مراد آباد اترپردیش میں ایک ضلع کا صدر مقام ہے۔ ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) میں جب احمد شاہ یہاں خیمہ زن تھا تو نجیب الدولہ نے اس کے نام پر چاندی کے روپے جاری کئے۔

نجیب آباد

نجیب آباد اترپردیش کے ضلع بجنور کا ایک قصبہ ہے۔ اس کا نام مشہور روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے نام پر ہے۔

یہاں ۱۱۸۰ھ میں احمد شاہ کے ہندوستان پر آٹھویں حملے کے دوران میں اس کے نام کے سکے جاری ہوئے۔

پٹیالہ

پٹیالے کے مہاراجہ امر سنگھ نے بھی جو مہاراجہ آلا سنگھ کا پوتا تھا احمد شاہ کے نام کے سکے جاری کئے جن پر شاہی سکوں کی عبارت کندہ تھی۔ یہ سکے ۱۷۶۷ء میں جب اسے راجائے راجگان کا خطاب عطا ہوا جاری کئے گئے تھے۔ یہ سکے بہت کم چلے۔ درحقیقت یہ عام استعمال کے لئے رائج نہیں ہوئے تھے بلکہ دسہرہ' دیوالی اور اسی قسم کے خاص موقعوں پر ڈھالے جاتے تھے۔ یہ سکے موجودہ مہاراجہ پٹیالہ کے عہد تک جاری ہوتے رہے۔ آخری سکہ مہاراجہ بدوندر سنگھ کی تخت نشینی کے پہلے سال یعنی مارچ ۱۹۳۸ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ سکہ پٹیالے میں ڈھلا لیکن اس پر ضرب سرہند (سرہند میں ڈھلا) کے الفاظ کندہ ہیں۔

پشاور

احمد شاہ کے پشاور کے ڈھلے ہوئے سکے مغل وضع کے بہت خوبصورت ڈھالے گئے ہیں۔ تحریر سکوں کے بالکل وسط میں ہے۔ ان میں سے دو سونے کے سکے' بیس چاندی کے روپئے اور ایک پیتل کا سکہ مل سکے ہیں۔ سونے کے سکے سن جلوس کے پہلے اور نویں سال کے ہیں اور چاندی کے سکے ۱۱۶۷ھ سے ۱۱۸۶ھ تک کے ہیں۔

قندھار
(رکاب یا رکاب مبارک)

رکاب مبارک شاہی کیمپ کی دارالضرب کو کہتے تھے۔ اس میں شاذو نادر ہی سکے ڈھالے جاتے تھے۔ اس کا ڈھالا ہوا صرف ایک سکہ ملتا ہے جس پر محرم ۱۱۷۳ھ کندہ ہے۔

چونکہ احمد شاہ کی روز مرہ زندگی کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سکہ کس موقع پر جاری ہوا۔

وہائٹ ہیڈ لکھتا ہے:

"یہ ۱۱۷۳ھ کے سال نو کے موقع پر جاری کیا گیا ہو گا۔"

لیکن احمد شاہ عموماً" سال نو پر سکوں کا اجرا نہیں کرتا تھا۔ اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ یہ سکہ پہلی محرم ۱۱۷۳ھ کو نصیر خاں پر فتح حاصل ہونے کی یادگار کے طور پر جاری کیا گیا۔

ہو سکتا ہے کہ اسی روز سردار جہان خاں بھی مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا ہو۔ اس نے اواخر اگست ۱۷۵۹ء میں قندھار چھوڑا۔ صحیح تاریخ کا تذکرہ نہیں ملتا لیکن ممکن ہے کہ وہ پہلی محرم ۱۱۷۳ھ (۲۵ اگست ۱۷۵۹ء) کو روانہ ہوا ہو۔

سرہند

سرہند فی زمانہ پنجاب میں ہے۔ وہائٹ ہیڈ نے اپنی فہرست میں یہاں کی بنی ہوئی چار سونے کی مہروں اور سات چاندی کے روپیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۱۶۱ھ والے سکے ۱۷۴۸ء میں اس کے ہندوستان پر پہلے حملے کے وقت جاری ہوئے ہوں گے۔ ۱۱۷۲ھ والے سکوں کا اجرا پانی پت کی لڑائی سے پہلے اور بعد ہوا ہو گا۔ ۱۱۷۶ھ والا سکہ احمد شاہ کے ہندوستان پر چھٹے حملے کی یادگار میں ہے۔

ٹھٹھہ

ٹھٹھہ سندھ کی بندرگاہ اور اس صوبے کا پرانا دارالخلافہ ہے۔ یہاں مغلوں کا ایک نہایت اہم دارالضرب تھا جس میں چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔

حوالہ جات

۱۔ میں نے زیادہ تر معلومات آر۔ بی۔ وہائٹ ہیڈ کی ''کیٹیلاگ آف کائنز ان دی پنجاب میوزیم ''لاہور'' جلد سوم۔ اور ''کائنز آف نادر شاہ اینڈ درانی ڈائی نیسٹی'' مطبوعہ آکسفورڈ' ۱۹۳۴ء سے حاصل کی ہیں۔ تفصیلی مطالعے کے لئے ملاحظہ کیجئے احمد علی کوہ زاد' ایم لانگ ورتھ ڈیمز۔ سی۔ ایم۔ فریمن۔ ڈاکٹر وہائٹ کنگ ۔ اور ای۔ راجرز کی کتابیں۔

۲۔ حسین شاہی' ص ۱۹'

لطیف کی تاریخ پنجاب میں لکھا ہے کہ احمد شاہ کا پہلا ہندوستانی سکہ لاہور میں جنوری فروری ۱۷۴۸ء میں ڈھالا گیا۔ اس پر یہ تحریر تھی۔ در دراں احمد شاہ بادشاہ۔

ضرب دار السلطنت لاہور

جلوس میمنت مانوس احد

ضمیمہ ۳

احمد شاہ ابدالی اور ایسٹ انڈیا کمپنی

۱۷۶۰ء سے پہلے تک احمد شاہ کی جانب ایسٹ انڈیا کمپنی کا رویہ کچھ زیادہ واضح نہ تھا۔ انگریز حالات کا رخ دیکھ رہے تھے' اور پانی پت کی لڑائی تک ▪ ہندوستان میں شاہ کی سرگرمیوں سے لاتعلق رہے۔ جب بنگال کا صوبیدار میر جعفر معزول ہوا اور اس کے بجائے اس کا داماد میر قاسم ۲۰ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو صوبیدار بنایا گیا تو لارڈ کلائیو(۱) کے جانشین مسٹر وینسٹارٹ نے اس تبدیلی کی اطلاع شاہ کو دی۔

جواب میں شاہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انگریز اور میر قاسم' شاہ عالم ثانی مغل شہنشاہ کے اطاعت گزار رہیں گے۔

۲ جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی جنگ کے بعد احمد شاہ نے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کی تخت نشینی کی تصدیق کر دی تھی۔ اس نے مختلف والیان ریاست اور انگریزوں کو اس مضمون کے فرمان بھیجے کہ وہ شاہ عالم ثانی کی اطاعت قبول کریں۔

مسٹر وینسٹارٹ نے پہلی مارچ ۱۷۶۱ء میں شاہ کو لکھا:

"اعلیٰ حضرت کا وفادار غلام (اپنی جانب اشارہ ہے) جو ثابت جنگ (لارڈ کلائیو) کی جگہ مقرر ہوا ہے شاہ عالم ثانی کا اطاعت گزار ہے۔ مغل بادشاہ اس وقت پٹنے کے قلعے میں ہے اور یہ "غلام" ان کے ساتھ دہلی جانے کے لیے تیار ہے۔

اسی اثناء میں شاہ عالم ثانی نے بھی فروری ۱۷۶۱ء میں بنگال کے گورنر کو ایک فرمان بھیجا جس میں اسے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ بادشاہ کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کیا جائے۔

وینسٹارٹ نے ۵ مارچ کو اس کے جواب میں لکھا:

"مجھ کارنک کی وفاداری سے اعلیٰ حضرت کو ان جذبات کا احساس ہو گیا ہو گا جو ▪ بلکہ ہر انگریز اعلیٰ حضرت کے لیے رکھتا ہے۔

اس فرمان سے راقم الحروف کو پتہ چلتا ہے کہ آپ سکہ اور خطبہ رائج کرانا چاہتے ہیں۔ یہ معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ مناسب رہے گا کہ اس سلسلے میں پہلے شہنشاہ ابدالی اور دہلی

کے امراء سے مشورہ کر لیا جائے تاکہ ان کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت ایسا کر لیں تو حضور کے فرمانبردار خادم (انگریز) بنگال' بہار' اور اوڑیسہ میں حضور کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کر دیں گے۔(۲)"

جب ۱۱ مارچ ۱۷۶۱ء (۴ شعبان ۱۱۷۴ھ) میں میر قاسم شہنشاہ سے ملنے کے لیے آیا تو موخرالذکر نے اس سے بھی اس سوال پر بات چیت کی۔

میر قاسم نے اس سلسلے میں وینسٹارٹ کی خواہش معلوم کرنی چاہی جس نے ۱۹ مارچ کو لکھا:

"جونہی شہنشاہ ابدالی سے کوئی فرمان اس مضمون کا آئے کہ بادشاہ کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا جائے آپ فوراً اس پر عمل کریں۔ ہمارے کارخانے کے افسروں کو بھی ہدایت کر دی جائے گی کہ وہ نیا سکہ چلوا دیں(۳)۔"

وینسٹارٹ نے ۲۶ مارچ کو احمد شاہ کو ایک خط لکھا جس کی نقل میر قاسم کو بھی روانہ کی گئی۔

اس خط میں اس نے پھر بادشاہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور لکھا:

"اگر شہنشاہ (احمد شاہ ابدالی) کی یہ مرضی ہے تو اعلیٰ حضرت کو محافظ دستے کے ساتھ دہلی بھیج دیا جائے گا۔"

انگریز گورنر نے میر قاسم کی احمد شاہ سے دوستانہ خط و کتابت پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور ۱۷ اپریل کو شاہ کے افغانستان چلے جانے کے بعد اسے لکھا:

"شاہ کے نام عریضہ اور شجاع الدولہ والا خط بھیج دیئے جائیں۔ ان میں دوستانہ جذبات کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریز گورنر کی تمام تر کوششیں اس امر پر مرکوز تھیں کہ بادشاہ کو یہ یقین ہو جائے کہ سوائے ان کے اور کسی کے ہاتھ میں اس کے مفادات محفوظ نہیں رہ سکتے۔ افغان وزیراعظم شاہ ولی خان انگریزوں کی چال کو سمجھ گیا تھا۔ وفاداری اور نمک حلالی کی یقین دہانیوں کے باوجود وینسٹارٹ نے خطبہ اور سکہ رائج کرنے کے بارے میں شاہ عالم ثانی کے حکم پر کوئی توجہ نہیں کی اور بہت سا وقت غیر ضروری باتوں میں ضائع کر دیا۔

شاہ ولی خاں نے مئی میں وینسٹارٹ کو لکھا:

"دہلی اور دوسرے مقامات پر شاہ عالم ثانی کے نام کے سکے جاری ہو چکے ہیں اور اعلیٰ حضرت احمد شاہ اور افغان سردار اس بات پر ناراض ہیں کہ بنگال میں ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔"

یہ تنبیہہ سن کر انگریز کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے نواب ناظم میر قاسم کو ہدایت کی کہ شہنشاہ کے احکامات پر بلا تاخیر عمل کیا جائے۔

اگلے ساڑھے چھ سال انگریز احمد شاہ کی جانب سے بے فکر رہے۔ ۱۷۶۲ء سے ۱۷۶۵ء تک وہ پنجاب میں سکھوں سے الجھا رہا اور شاہ عالم ثانی' روہیلوں' مرہٹوں یا جاٹوں کے معاملات کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا۔ ۱۷۶۳ء میں انگریزوں نے میر قاسم کو معزول کر دیا اور سابقہ نواب میر جعفر کو بنگال' بہار اور اوڑیسہ کی صوبیداری پر بحال کر دیا۔ ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی اور پھر اس کے بعد شجاع الدولہ کے ہتھیار ڈال دینے سے اودھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم و کرم پر رہ گیا اور مغل بادشاہ کو سائل کی حیثیت سے انگریزوں کے کیمپ میں جانا پڑا۔(۴)

۱۷۶۴ء میں شاہ عالم سے بنگال' بہار اور اوڑیسہ کی دیوانی حاصل کر کے انگریز سوداگر اس علاقے کے حکمران بن گئے اور ان کا ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے لگا۔ انھوں نے ملکی سیاست میں زیادہ سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ وہ کسی صورت دہلی پر قبضہ کرنے کے بڑے خواہش مند تھے۔ احمد شاہ سکھوں' جاٹوں یا مرہٹوں کی قوت میں اضافہ ہونے سے ان کے عزائم کا پورا ہونا مشکل تھا۔

۱۷۶۷ء میں احمد شاہ بڑے ناسامد حالات سے گزر رہا تھا۔ سکھ دریائے جمنا سے دریائے سندھ تک عملاً" پورے پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ ان علاقوں میں بھی جہاں اس کی فوج موجود تھی صحیح معنوں میں اس کا تسلط نہ تھا۔

لیکن اس کے باوجود انگریز بہت ہراساں تھے۔ انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ ان کے جانی دشمن میر قاسم نے شاہ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی ہے۔ ان کے شاہ عالم سے بھی شدید اختلافات تھے اور ادعائے وفاداری کے باوجود انھوں نے نہ صرف اس کی حکم عدولی کی بلکہ اسے الہ آباد میں تقریباً قیدی بنا رکھا تھا۔ انھوں نے پہلی مارچ ۱۷۶۱ء کو اسے دہلی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ وعدہ ہر سال دہرایا جاتا تھا۔ لارڈ کلائیو نے بھی جو ۱۷۶۵ء میں دوبارہ ہندوستان آکر ۱۷۶۷ء میں واپس چلا گیا تھا کئی مرتبہ یہ وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ وعدہ ہنوز تشنہ تکمیل تھا۔

شہنشاہ دہلی جانے کا بڑا متمنی تھا اس لیے کہ اس کی بادشاہت کا سب سے واضح ثبوت دہلی کے لال قلعے میں اس کی موجودگی سے ہی مل سکتا تھا۔ اس کا معتمد خاص اور مشیر منیر الدولہ چاہتا تھا کہ احمد شاہ سے دوستانہ گفت و شنید شروع کی جائے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس سے عملی مدد حاصل کر کے شاہ عالم ثانی کو اس کے آبا و اجداد کا تخت واپس دلایا جائے۔

شجاع الدولہ کا رویہ غیر یقینی تھا اگرچہ اس بات کا ڈر ضرور تھا کہ بالاخر احمد شاہ سے مل

جائے گا۔

جہاں تک نجیب الدولہ کا سوال تھا وہ اس ملک میں شاہ کا اپنا آدمی تھا اور وہ ہندوستان کے حالات سے شاہ کو باخبر رکھتا تھا۔

دہلی میں بادشاہ کا ولی عہد اور نائب السلطنت شہزادہ جواں بخت اور اس کی ماں ملکہ زینت محل احمد شاہ کی آمد کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انھیں احمد شاہ سے ہی یہ امید ہو سکتی تھی کہ وہ بادشاہ کو انگریزوں کے پنجے سے چھڑا کر دہلی لے آئے گا۔

انگریزوں کو معلوم تھا کہ اگر احمد شاہ نے دہلی آکر ہندوستانی امراء اور والیان ریاست سے گٹھ جوڑ کر لیا تو ان کے تمام عزائم خاک میں مل جائیں گے۔ اس لیے ان کی تمام کوششیں اس امر پر مرکوز تھیں کہ شہنشاہ اور شجاع الدولہ کو احمد شاہ سے ملنے اور تعلقات قائم کرنے سے روکا جائے۔ بظاہر وہ بادشاہ کے مطیع اور خیر خواہ تھے لیکن اندرونی طریقے سے اس کی تباہی کا سامان کر رہے تھے۔ ۱۳ دسمبر ۱۷۶۶ء کو مسٹر ورلیسٹ (۵) نے اسے لکھا:

"چونکہ لارڈ کلائیو کی صحت خراب رہتی ہے اور مسٹر سمز یورپ لوٹ رہے ہیں اس لیے جملہ امور کی دیکھ بھال راقم الحروف کے سپرد ہو گئی ہے ..... اعلیٰ حضرت کو لارڈ کلائیو کی قیمتی خدمات کا علم ہے۔ امید ہے کہ حضور راقم الحروف کو بھی اتنا ہی وفادار اور خیر خواہ خیال فرمائیں گے۔ جب تک یہ خادم اس ملک میں موجود ہے اس وقت تک اس کی خدمات مغل سلطنت کی بھلائی اور خاندان تیموریہ کے عروج کے لیے وقف رہیں گی۔(۶)

۱۷۶۷ء کے آغاز میں احمد شاہ کی پنجاب میں آمد اور ہندوستان کی جانب پیش قدمی کرنے کی خبر اڑی۔ اس خبر سے انگریزوں اور مرہٹوں میں بڑی کھلبلی مچی۔ پیشوا رگھو ناتھ راؤ نے سورج مل جاٹ کے بیٹے جواہر سنگھ سے صلح کر لی' اور ہندوستان کے جملہ والیان ریاست کو جن میں شجاع الدولہ بھی شامل تھا احمد شاہ کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی۔ رگھو ناتھ راؤ نے شجاع الدولہ کو مشورہ دیا کہ انگریز' مرہٹے اور شجاع الدولہ شاہ عالم ثانی کو اپنی حفاظت میں دہلی پہنچائیں۔ ورلیسٹ مرہٹوں اور شجاع الدولہ کے اتحاد پر تو معترض نہ تھا لیکن وہ بادشاہ کو دہلی پہنچانے کے لیے کوئی محافظ دستہ بھیجنے کو تیار نہیں تھا۔

۱۶ جنوری ۱۷۶۷ء کو اس نے شاہ شجاع کو لکھا:

"آپ کی رگھوناتھ راؤ سے ملاقات میں کوئی ضرر نہیں بلکہ اس سے آپ کے باہمی تعلقات بہتر ہونے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ بہرحال یہ معاملہ آپ کی اپنی مرضی پر ہے۔ اگر آپ اور مرہٹے بادشاہ کو اپنی حفاظت میں شاہ جہاں آباد لے جائیں تو بہتر ہو گا کیونکہ انگریزی

فوجیں اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کی جا سکتیں۔ جہاں تک شاہ ابدالی کا سوال ہے وہ دہلی تک آسکتا ہے لیکن اس سے آگے پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے ادھر آنے کا قصد کیا تو ہماری آپ کی سپاہ متحد ہو کر اسے شکست فاش دے گی۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جواہر سنگھ سے صلح کرنے کے بعد رگھوناتھ راؤ کا ارادہ جودھ پور اور جے پور پر فوج کشی کا تھا۔ اس نے بھیلسا پر قبضہ کرلیا اور کوٹہ کی جانب بڑھا۔
اس اثنا میں شاہ کو مرہٹوں کے انگریزوں اور اودھ کے نواب وزیر سے اتحاد کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے رگھوناتھ راؤ کو سخت الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر جے پور اور جودھ پور پر حملہ ہوا تو افغان فوج اسے شکست دے کر اس کے تمام علاقے کو تاراج کر دے گی۔
یہ سنتے ہی رگھوناتھ راؤ سراسیمہ ہو گیا اور چپکے سے اندور کی جانب کھسک گیا۔ اس طرح شاہ اور راجپوت راجاؤں کے خلاف اس کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور انگریزوں(۷) اور شجاع الدولہ کی اسے اپنے ساتھ ملانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

احمد شاہ شروع ہی سے شاہ عالم ثانی کے لیے دوستانہ خیالات رکھتا تھا۔ اسی لیے موخرالذکر کا وکیل منیرالدولہ اس کی جانب سے احمد شاہ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ چونکہ لارڈ کلائیو اس کے خط کا جواب دیئے بغیر ولایت چلا گیا تھا اس لیے اس نے شاہ کی جانب ایسٹ انڈیا کمپنی کے خیالات معلوم کرنے کے لیے ۲۷ فروری ۱۷۶۷ء کو کلائیو کے جانشین ورلیسٹ کو لکھا :

"اس موقعہ پر جملہ والیان ریاست نے شاہ کو عریضے بھیجے ہیں۔ اگرچہ سکھوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اس سال دہلی یا ان اطراف میں آسکے لیکن اگر ہندوستانی امرا اس کی مدد کریں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ردعمل کیا ہوگا؟"
اپنے خطوط کا جواب نہ پاکر منیرالدولہ کی بے چینی میں اور اضافہ ہوا۔ اس نے ۳ مارچ کو مسٹر ورلیسٹ کو پھر لکھا :

"شاہ دونوں دریاؤں کے مابین خیمہ زن ہے۔ ہندوستان کی تمام طاقتوں نے اسے عریضے بھیجے ہیں۔ صرف اعلیٰ حضرت شاہ عالم ثانی ابھی تک خاموش ہیں جس کی وجہ سے شاہ کو بڑی حیرانی ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اعلیٰ حضرت کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ وہ بھی شاہ کو خط بھیجیں۔(۸)
گورنر نے ۷ مارچ کو اس خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا :
"ہمارا یہ خیال ہے کہ اعلیٰ حضرت کا شاہ کو خط لکھنا یا آپ کا اس سے ملاقات کرنا مناسب

نہ ہوگا۔ اس سے کئی مضرت رساں نتائج برآمد ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ جواہر سنگھ جاٹ یا نجیب الدولہ اور دوسرے روہیلہ سردار اپنا علاقہ شاہ کے سپرد نہ کریں گے ..... اس کے برخلاف اگر جاٹ اور روہیلے متحد ہو کر سکھوں کی تھوڑی سی مدد کر دیں تو اغلب ہے کہ شاہ کو شکست اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔(۹)"

اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ:

"انگریز مغل سلطنت کے دفاع کے لیے تیار ہیں۔ سپاہیوں کے پانچ بریگیڈ کورا کی سرحدوں کے دفاع کے لیے شیوراج پور بھیجے جا چکے ہیں۔ اگر ضرورت پیش آئی تو ان کی مدد کے لیے مزید فوج بھیج دی جائے گی۔"

ورلیسٹ نے ۲۵ مارچ کو شجاع الدولہ کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا:

"کمپنی کی افواج کبھی بھی اتنی کثیر نہ تھیں نہ لڑائی کے لیے اس قدر تیار تھیں جتنی اب ہیں۔ اگر روہیلے اور جاٹ بھی شاہ سے مل جائیں تو بھی انگریز اسے شکست دے سکتے ہیں۔"

خط میں یہ بھی تحریر تھا:

"انگریزی فوج تمام تر پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی برخلاف احمد شاہ کے پاس زیادہ تر سواروں کے رسالے ہیں ..... اس لیے مناسب ہوگا کہ آپ سواروں کی ایک مضبوط فوج بھرتی کر لیں"۔(۱۰)

۱۰ مارچ کو شاہ عالم ثانی کے نام نجیب الدولہ کا ایک عریضہ موصول ہوا جو اس نے احمد شاہ کے پاس جاتے وقت لکھا تھا۔ اس میں درخواست کی گئی تھی کہ منیر الدولہ کو جو شاہ کے دربار میں ذاتی اثر و رسوخ رکھتا تھا اس سے (شاہ سے) گفت و شنید کرنے کے لیے روانہ کر دیا جائے۔ نجیب کا عریضہ پڑھنے کے بعد شاہ نے اسے اپنے خط کے ساتھ گورنر کو بھیج دیا۔ منیرالدولہ بھی نجیب کی رائے سے متفق تھا اور تہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ احمد شاہ اور شاہ عالم ثانی میں اتحاد ہو جائے اور اول الذکر مغل بادشاہ کا کھویا ہوا اقتدار واپس دلانے میں مدد کرے۔ اس خیال سے اس نے ۲۶ مارچ کو ورلیسٹ کو پھر لکھا:

"اعلیٰ حضرت نے ابھی تک احمد شاہ سے کوئی خط و کتابت یا گفت و شنید نہیں کی اور اس سلسلے میں تمام امور گورنر کی اصابت رائے پر چھوڑ دیے ہیں ...... اگر جیسا کہ نجیب الدولہ نے بیان کیا ہے شاہ دو تین سال ہندوستان میں قیام کے ارادے سے آیا ہے اور احمد خاں اور روہیلہ سردار اس سے مل جائیں تو نتائج بہت خطرناک ہوں گے اور ان کا تدارک ممکن نہ ہوگا۔ اگر گورنر اور ان کی کونسل احمد شاہ سے اتحاد مناسب خیال فرمائیں تو اعلیٰ حضرت کو یہ

مشورہ دے کر راقم الحروف کو ضروری ہدایات بھیج دیں۔ مگر وقت بہت کم ہے اس لیے امید ہے کہ گورنر اس خط کا جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔ میر قاسم' شاہ کے پاس جانے کا عزم کر چکا ہے۔ اس کا وکیل عرصے سے شاہ کے دربار میں ہے اور اس سے بڑے بڑے وعدے کر چکا ہے ...... اگر گورنر شاہ سے اتحاد کے حق میں ہوں تو راقم الحروف اعلیٰ حضرت اور گورنر کے ارشاد پر اس کے پاس جانے کے لیے تیار ہے۔ خدا نے چاہا تو ایک پائیدار دوستی کی بنا پڑ جائے گی اور دشمنوں کے منصوبے ناکام ہوں گے۔ اگر یہ تجویز گورنر کو منظور ہو تو وہ شاہ کے لیے ایک عرضی اور وزیر شاہ ولی خاں کے نام ایک دوستانہ خط راقم الحروف کے پاس بھیج دیں"۔(۱۱)

شہنشاہ کی بھی یہی رائے تھی اور وہ منیرالدولہ کو احمد شاہ کے پاس بھیجنا چاہتا تھا۔ ۲۶ مارچ کو کرنل سر رابرٹ بارکر سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے ورلیسٹ کو لکھا:

"شاہ ولی خاں نے دوندے خاں' ملا سردار' حافظ رحمت خاں' فیض اللہ خاں اور احمد خاں کو بھی لکھا ہے کہ شاہ کے دربار میں حاضر ہوں۔ بدمعاش میر قاسم شاہ کے پاس جانے کا تہیہ کر چکا ہے۔ اس کا وکیل دس لاکھ روپے کی ہنڈیاں لے کر پہلے ہی شاہ کی فوج میں پہنچ چکا ہے اور اس نے شاہ سے بڑے وعدے کر رکھے ہیں۔ اسے نواب شجاع الدولہ سے گہری نفرت ہے۔ اگر شاہ دہلی پہنچ گیا اور روہیلے اس سے مل گئے تو شرپسند عناصر یقیناً اسے ادھر کا رخ کرنے کی ترغیب دیں گے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو پھر اس بلائے ناگہانی سے مفر کی کوئی صورت نہ رہے گی اور خونریز جنگ ہوگی۔ اگر شاہ نے فرخ آباد کے راستے سے الہ آباد کا رخ کیا اور روہیلے لکھنؤ اور اودھ پر جا پڑے تو دونوں فوجوں سے بیک وقت عہدہ برآ ہونا بڑا مشکل ہوگا۔ اس خطرے کو رفع کرنے کی یہی صورت ہے کہ شاہ سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے جائیں۔ لیکن اگر وہ اس پر رضا مند نہ ہو تو پھر بہتر یہی ہوگا کہ اعلیٰ حضرت اور انگریز الہ آباد اور فیض آباد کے نواح میں اس کے مقابلے پر نہ آئیں اور پٹنہ تک ہٹ آئیں"۔(۱۲)

گورنر نے ۲۷ مارچ کو اس خط کے جواب میں لکھا:

"اعلیٰ حضرت شاہ کے حملے کی وجہ سے مضطرب نہ ہوں۔ اگر اس کا ارادہ ان اطراف میں آنے کا نہیں ہے تو پھر بات چیت بے سود اور غیر ضروری ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر وہ ادھر آیا تو پیش کش لیے بغیر نہ مانے گا اور ایسے آدمی کو زر و جواہر دینا جو ناحق اس ملک پر چڑھائی کرتا ہے اعلیٰ حضرت اور اس کی وفادار حلیف ایسٹ انڈیا کمپنی دونوں کے لیے شرم کی بات ہے۔ اعلیٰ حضرت مستقبل کے بارے میں جمعیت خاطر رکھیں۔ پٹنہ کی فوج کو لکھنؤ کی جانب کوچ کرنے کا حکم مل چکا ہے تاکہ پورے ہندوستان کو انگریزوں کی آپ سے غیر متزلزل

وفاداری کا یقین ہو جائے اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ ہم حضور کے دشمنوں کو سزا دینے اور صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں(۱۳)

کافی عرصے تک شہنشاہ اور انگریزوں کے درمیان اسی قسم کی خط و کتابت جاری رہی۔
شاہ عالم محسوس کرتا تھا کہ احمد شاہ سے اتحاد کر کے وہ ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کر سکتا ہے مگر وہ انگریزوں کے ہاتھوں بے بس تھا۔ کوئی ذاتی ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انحصار تمام تر انگریزوں پر تھا۔ اس لیے وہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف انگریز کوئی ایسی تجویز قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس سے شہنشاہ کا اقتدار مستحکم ہو جائے۔ یہ بات صریحاً ان کے مفاد کے خلاف تھی۔
نواب وزیر شجاع الدولہ دوہری چال چل رہا تھا۔ اس کا ذاتی مفاد اس امر کا متقاضی تھا کہ شاہ عالم اور احمد شاہ میں کوئی اتحاد نہ ہو سکے۔ احمد شاہ اس سے انگریزوں کی سی فیاضی نہ برت سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ روہیلوں کے خلاف انگریزوں سے مدد حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اسے شہنشاہ سے علانیہ اختلاف کی بھی جرات نہ تھی۔ اس نے یکم اپریل کو شہنشاہ کے نام ایک خط میں لکھا:
"راقم الحروف کی رائے میں یہ تجویز نہایت معقول ہے لیکن مصلحت اسی میں ہے کہ انگریز سرداروں کی رضامندی بھی حاصل کر لی جائے"۔(۱۴)

ایک موقع پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں اور شاہ عالم کے تعلقات بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ جب اپریل ۱۷۶۷ء میں مقیم بیگ، احمد شاہ اور شاہ ولی خاں کے خطوط لے کر شاہ عالم ثانی کے پاس پہنچا تو موخرالذکر نے بڑے تاسف کے ساتھ کہا:
"اگر شاہ شاہجہاں آباد آگیا ہوتا تو میں ابھی وہاں چلا جاتا۔ اس وقت بھی اگر صرف بیس ہزار سوار بھیج دے تو میں فوراً اس سے جا ملوں۔ میں اپنے قول پر قائم ہوں۔ صرف حالات نے مجھے یہاں رہنے پر مجبور کیا ہوا ہے"۔(۱۵)
اسی دوران میں سکھوں کی شورش کی وجہ سے شاہ کو پنجاب کا رخ کرنا پڑا۔ افغان فوج کے عقب اور پہلوؤں پر سکھوں کے تابڑ توڑ حملوں نے احمد شاہ کا دہلی جانا ناممکن کر دیا کیونکہ ہندوستان میں پیش قدمی کی صورت میں سکھ اس کے سلسلہ مواصلات کو منقطع کر کے پیچھے ہٹنے کی تمام راہیں مسدود کر دیتے۔ اس لیے احمد شاہ نے یہی بہتر جانا کہ پیچھے ہٹنے کی راہ مسدود ہونے سے پہلے ہی واپس چلا جائے۔

یہ آخری موقعہ تھا جب انگریز شاہ کے آنے سے سراسیمہ ہوئے۔ اس زمانے میں ان کی

سیاسی اہمیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا اور وہ مغل سلطنت کے کھنڈرات پر ہندوستان میں برطانوی اقتدار کا سنگ بنیاد رکھنے میں مصروف تھے۔

حوالہ جات

۱۔ کلائیو نے جنوری ۱۷۶۰ء میں بنگال کی گورنری سے استعفا دے دیا تھا۔
۲۸ جنوری ۱۷۶۰ء سے ۲۷ جولائی ۱۷۶۰ء جان ہالویل اس کا عارضی جانشین رہا۔ ۲۷ جولائی ۱۷۶۰ء میں ہنری وینسٹارٹ نے یہ عہدہ سنبھالا (بک لینڈ ڈکشنری آف انڈین بائیگرافی، ص ۲۲۶)

۲۔ سی پی سی۔ جلد اول، نمبر ۹۹۱
انگریز گورنر نے احمد شاہ کے نام خط میں شاہ عالم ثانی سے وفاداری کا جو دعویٰ کیا تھا اسے سراہتے ہوئے میر قاسم نے ۲۲ مارچ ۱۷۶۱ء کو اسے لکھا:
"لیکن شہنشاہ کے نام گورنر کے خط کا انداز نگارش مناسب نہیں تھا۔" (سی پی سی۔ جلد دوم، نمبر ۱۰۳۲)

۳۔ سی پی سی۔ جلد اول، نمبر ۱۰۲۶

۴۔ سی پی سی۔ جلد اول، نمبر ۱۰۴۲، ۱۰۴۷، ۱۰۹۳، ۱۱۸۳

۵۔ ورلیسٹ جنوری ۱۷۶۷ء میں کلائیو کی خرابی صحت کی بنا پر انگلینڈ چلے جانے کے بعد گورنر مقرر ہوا تھا۔

۶۔ سی پی سی۔ جلد اول، نمبر ۱۷۷۲

۷۔ قانونگو: ہسٹری آف دی جاٹس، ص ۱۱۰، ۱۹۱

۸۔ سی پی سی۔ جلد دوم، ص ۱۰۷، ۱۳۹

۹۔ سی پی سی۔ جلد دوم، ص ۱۴۵

۱۰۔ سی پی سی۔ جلد دوم، ص ۲۰۱

۱۱۔ سی پی سی۔ جلد دوم، نمبر ۲۱۴، ۲۱۶

۱۲۔ سی پی سی۔ جلد دوم، نمبر ۲۱۸

۱۳۔ سی پی سی۔ جلد دوم، نمبر ۲۷۷

۱۴۔ سی پی سی۔ جلد دوم، نمبر ۲۵۳

۱۵۔ سی پی سی ۔ جلد دوم، نمبر ۳۷۷

ضمیمہ ۴

احمد شاہ ابدالی کا شجرۂ نسب

۱

قیس المعروف عبدالرشید

۲

سار ابن

۳

سرفیون المعروف شرف الدین

۴

ترین

۵

ابدالی

۶

اجل المعروف رزار
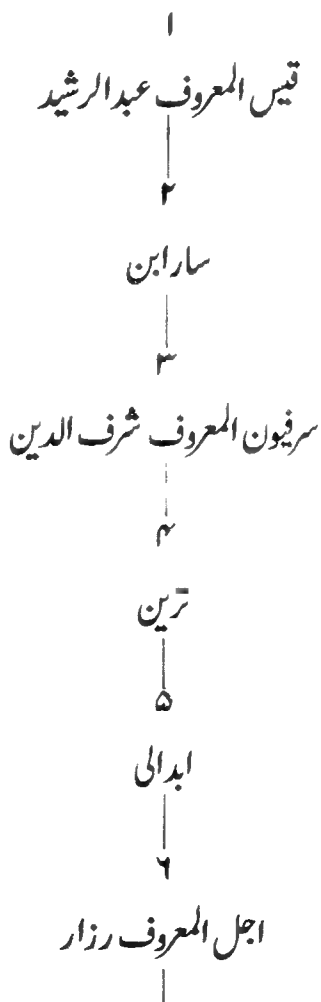
۷
عیسیٰ
۸
سلیمان المعروف زیرک
۹
پوپل
بارک
الکو
موسیٰ
(نسل پوپلزئی کہلاتی ہے)
(نسل بارک زئی کہلاتی ہے)
(نسل الکوزئی کہلاتی ہے)
(نسل موسیٰ زئی کہلاتی ہے)
۱۰
حبیب خاں
۱۱
بامے خاں
۱۲
کنئی
۱۳
بہلول
۱۴
معروف

۱۵
عمر
۱۶
صالح
اسداللہ عرف سدو
۱۷
خواجہ خضر خاں
۱۸
شیر خاں
۱۹
سرمست خاں
۲۰
دولت خاں
۲۱
محمد زمان خاں
۲۲
ذوالفقار خاں
احمد خاں
(احمد شاہ درانی)
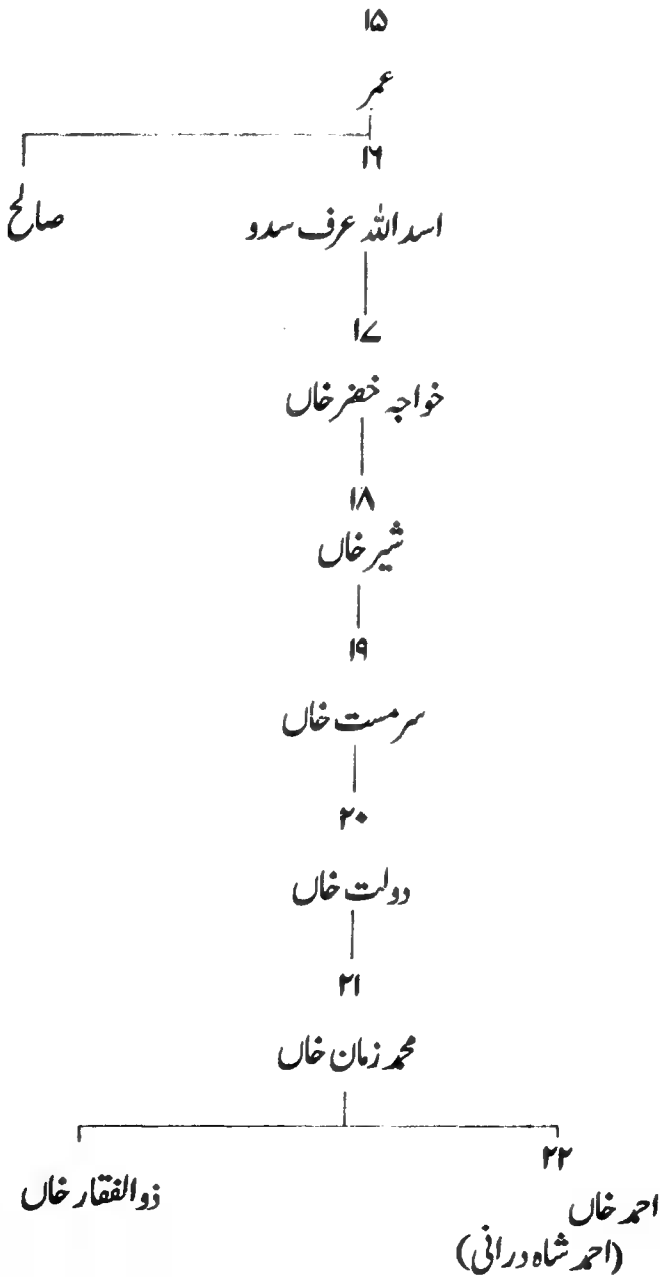
تخت پر بارک زئی قابض ہو گئے۔

ضمیمہ ۵

احمد شاہ ابدالی کے جانشین

تیمور تا محمود

احمد شاہ کے چار بیٹے تھے۔
سلیمان' تیمور' پرویز اور سکندر۔

اس نے تیمور کو جانشین نامزد کیا تھا۔ لیکن وزیر اعظم شاہ ولی خاں نے قندھار میں اپنے داماد سلیمان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا مگر تیمور فتح یاب ہو کر قندھار میں داخل ہوا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔

شاہ ولی خاں اور اس کے حواری تہ تیغ کر دیئے گئے۔ قندھار کے عوام نے سلیمان کی تخت نشینی کی حمایت کی تھی۔ ان کے باغیانہ رویے کے پیش نظر تیمور نے دارالخلافہ قندھار سے کابل منتقل کر دیا۔ یہاں اس نے نظام حکومت کی از سر نو تنظیم کی اور درانی قبائل کے سرداروں سے بہت سے اختیارات واپس لے لیے۔ وہ خود سدو زئی تھا اور اسے اپنے قبیلے کے لوگوں پر اعتماد نہ تھا۔ احمد شاہ نے کچھ عہدے چند مخصوص خاندانوں کو پشتینی طریقے سے دے دیئے تھے۔ چونکہ ان کا واپس لینا ممکن نہ تھا اس لیے تیمور نے نئے عہدے ایجاد کر کے چند پشتینی عہدیداروں کو وہاں منتقل کر دیا۔

اس نے اپنے ذاتی محافظ اسحاق زئیوں میں سے منتخب کیے اور بارہ ہزار ایرانی قزلباشوں پر مشتمل ایک نیا رسالہ تیار کیا۔

تیمور قزلباشوں کو افغانوں سے زیادہ قابل اعتماد خیال کرتا تھا۔

فریزر ٹائلر لکھتا ہے:

"یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ ایک پس ماندہ اور شکی قوم میں اس سے بڑھ کر بے اعتمادی پیدا کرنے والی اور کوئی بات نہیں کہ ان کے سرداروں کو نظرانداز کیا جائے اور ان کی

وفاداری کو مشتبہ خیال کیا جائے۔

اندرونی اختلافات اور تیمور کی امن پسند طبیعت کی وجہ سے وہ دور دراز کے مقبوضات کو مرکز سے تعلق توڑنے کا اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔

خراسان میں نادر شاہ کا پوتا شاہ رخ تیمور کا وفادار تھا لیکن مقامی سرداروں اور عوام نے افغانوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ ان کی سرکوبی کے لیے تیمور کو تین دفعہ فوج بھیجنی پڑی۔

سندھ تقریباً مستقل طریقے سے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۷۷۹ء میں تیمور خود ایک فوج لے کر تالپور سرداروں کی سرکوبی کے لیے گیا۔

۱۷۸۶ء میں اس کے سپہ سالار دلاور خاں کو اسی مقصد کے لیے سندھ جانا پڑا۔

بالآخر میر فتح علی خاں تالپور سے ایک سمجھوتہ ہو گیا جس کی رو سے یہ طے پایا کہ وہ تیمور کی بالادستی قبول کر لے اور ایک مقررہ رقم بطور خراج ادا کرتا رہے۔ لیکن یہ سمجھوتہ پائیدار ثابت نہ ہوا اور تین سال گزرے ہوں گے کہ افغانستان سے سندھ کا تعلق تقریباً مستقل طریقے سے منقطع ہو گیا۔

اسی اثنا میں بخارا کے شاہ مراد نے بغاوت کر دی۔

تیمور نے اس کے خلاف لشکر کشی کی لیکن اس کا بھی کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مراد نے تیمور کی بالادستی قبول کر لی اور افغان فوج واپس آگئی۔ لیکن اس اقرار پر کبھی عمل نہ ہوا اور جلد ہی شاہ مراد عملاً" خود مختار ہو گیا۔

کشمیر' سیستان اور بہاول پور کی بغاوتیں دبا دی گئیں لیکن ملتان پر سکھوں نے پھر قبضہ کر لیا۔

خود افغانستان میں تیمور کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ارسلا خاں مہمند نے کچھ اور لوگوں سے سازش کر کے ۱۷۹۱ء میں تیمور پر پشاور میں قاتلانہ حملہ کیا۔

اگر شاہی محافظ بروقت جمع ہو کر حملہ آوروں کو نہ کاٹ ڈالتے تو تیمور مارا گیا ہوتا۔

ارسلا خاں بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے قرآن پر جاں بخشی کا وعدہ دیا گیا۔

لیکن جب اس نے اپنے آپ کو تیمور کے حوالے کر دیا تو بادشاہ کے حکم سے اس کی گردن مار دی گئی۔

افغانوں کی نظر میں قرآن پر قسم کھا کر اسے توڑ دینا بڑا گناہ ہے اس لیے تیمور کی وعدہ خلافی

اس کی یاد پر ایک بدنما دھبہ بن کر رہ گئی۔

تیمور شاہ نے ۱۸ مئی ۱۷۹۳ء (۷ شوال ۱۲۰۷ھ) کو وفات پائی۔

اس کے مرنے کے بعد کئی شہزادے یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے جو اگلے پچیس سال تک باہمی سازشوں اور لڑائیوں میں مصروف رہے۔

اس خلفشار میں افغان سلطنت زوال پذیر ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

تیمور کے بہت سے بیٹے تھے لیکن اس نے اپنی زندگی میں کوئی ولی عہد نامزد نہ کیا۔

اس کی موت کے وقت اس کا پانچواں بیٹا زمان خاں یا شاہ زمان دارالخلافہ میں موجود تھا اس نے فوراً اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد سات سال تک بھائیوں میں اقتدار کی جنگ ہوتی رہی۔ آخرکار ۱۸۰۰ء میں محمود نے شاہ زمان کو شکست دے کر اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔

تین سال بعد ۱۸۰۳ء میں شجاع محمود کو نکال کر خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ۱۸۰۹ء میں موقع پا کر محمود نے شاہ شجاع کو نکال باہر کیا اور پھر تخت پر قابض ہو گیا۔

۱۸۱۸ء میں سدو زئی خاندان کا زوال ہو گیا اور بارک زئی برسراقتدار آ گئے۔

ضمیمہ ۶

سکھ

سکھ سنسکرت کے لفظ شیشیا سے ماخذ ہے جس کے معنی ہیں سیکھنے والا یا شاگرد یہ فرقہ سولھویں صدی میں گرو نانک (۱۵۳۹ - ۱۴۶۹) نے قائم کیا۔ وہ تلونڈی رائے بھوئی میں پیدا ہوئے جسے اب ننکانہ صاحب کہتے ہیں۔ گرونانک نے برہمنوں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف احتجاج کیا اور بہت سے دیوتا اور دیویوں کی پرستش سے انکار کر کے ایک خدا کی اطاعت کا پرچار کیا۔ انھوں نے ذات پات کے فرق کو اڑایا اور برہمنوں کی برتری کے اصول کو ماننے سے انکار کر دیا۔

نانک کا خیال تھا کہ پنجاب کے لوگوں کی بدحالی کا ایک بڑا سبب عقائد کا اختلاف بھی ہے۔ اس لیے وہ خیالات اور روح کی یک جہتی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ ایک ایسی مشترکہ سماجی تنظیم کی بنیاد پڑ جائے جو بھائی چارے اور مساوات پر مبنی ہو۔ اس مقصد کے لیے اس نے سنگت یا ملے جلے اجتماعات کی طرح ڈالی۔ ان اجتماعات میں اس کے شاگرد گرد کے بھجن گاتے اور روحانی فیضان حاصل کرتے۔ اس کے لنگر میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ذات پات کی کوئی تمیز نہ تھی۔

ہندوستان کے دوسرے مصلحوں اور ولیوں کی طرح گرونانک نے اپنی سرگرمیوں کو صرف عبادت تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اس نے لوگوں میں ایک نیا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی اور حکمرانوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کا قول تھا:

"حکمران قصائی ہیں اور شقاوت ان کی چھری۔ دھرما یعنی احساس فرض پرَ لگا کر اڑ گیا ہے۔ لوگ جو عوام کی بہبودی کا خیال رکھے بغیر حکومت کرتے ہیں بے وقوف اور دیوانے ہیں۔ بادشاہوں کو لازم ہے کہ عدل سے کام لیں۔"

تباہ حال عوام کو اس پیغام میں امید کی آخری جھلک نظر آئی اور انھیں تحریک ہوئی کہ بزدلی اور محتاجی کی عادت ترک کر کے ایک خدا پر یقین رکھیں۔ سنگت (ملے جلے اجتماع) اور پنگت (اجتماعی کھانے) کے اداروں سے ایک ایسے غیر طبقاتی معاشرے کا تصور پیدا ہوا جس میں

جمہوریت اور مساوات کا دور دورہ ہو۔ جلد ہی گرونانک کا نام آزادی اور خود اعتمادی کی علامت بن گیا اور ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس کی جرات اور استقلال' جنگ اور امن دونوں میں مثالی ہے۔

گرونانک سکھوں ہی میں نہیں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی ہر دلعزیز تھا جو اسے بابا نانک یا نانک شاہ کہتے تھے۔ اس نے ۱۵۳۹ء میں دریائے راوی کے داہنے کنارے پر کرت پور میں وفات پائی۔ اس کی موت پر دونوں فریقین نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ان کا آدمی ہے۔ بالاخر اس مسئلے کا حل یوں نکلا کہ دونوں نے اس کی یاد میں اپنی اپنی طرز کے مزار تعمیر کیے جن کے بیچ میں صرف ایک دیوار ہے۔ مذاہب کی تاریخ میں یہ واقعہ بے مثل ہے۔

گرونانک کے بعد ۹ اور گرو ہوئے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں :

گرونانک	۱۴۶۹ ـ ۱۵۳۹ء
گرو ان گد	۱۵۳۹ ـ ۱۵۵۲ء
گرو امرداس	۱۵۵۲ ـ ۱۵۷۴ء
گرو رام داس	۱۵۷۴ ـ ۱۵۸۱ء
گرو ارجن	۱۵۸۱ ـ ۱۶۰۶ء
گرو ہر رائے	۱۶۴۵ ـ ۱۶۶۱ء
گرو ہر کش	۱۶۶۱ ـ ۱۶۶۴ء
گرو تیغ بہادر	۱۶۶۴ ـ ۱۶۷۵ء
گرو گوبند سنگھ	۱۶۷۵ ـ ۱۷۰۸ء

سکھ گوروؤں نے ایک منظم فرقے کی بنیاد رکھی اور امرتسر کو ان کے اجتماع کا مرکز بنایا۔ عوام کی رہنمائی کے لیے گرنتھ نام کی مقدس کتاب چھوڑی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے اپنے پیروؤں میں ایک سپاہیانہ اسپرٹ پیدا کی۔

سکھوں کا پانچواں گرو ارجن سنگھ جہانگیر کے حکم سے مار ڈالا گیا۔ ستر سال بعد اورنگ زیب نے نویں گرو تیغ بہادر کو تہ تیغ کرا دیا۔ اس سے سکھوں میں اپنے دفاع کا جذبہ پیدا ہوا۔ گرو ہرگوبند سنگھ پہلا گرو تھا جس نے انھیں تلوار کے مذہب سے آشنا کیا۔ آخر گرو گوبند سنگھ نے خالصہ کی بنیاد رکھ کر تمام سکھوں کو سپاہی بنا دیا۔

اس نے کھنڈے دی پہول کی رسم جاری کی جس میں دو دھاری تلوار سے سکھوں کو بپتسمہ دیا جاتا۔ اس کے بعد وہ امرت یعنی مقدس چینی ملا ہوا پانی پیتے جسے فولاد کے خنجر سے ہلایا

جاتا اور کڑاہ پرشاد کھاتے۔

اس رسم سے خالصہ میں ذات پات۔ امیر غریب۔ استاد شاگرد و غرضیکہ ہر قسم کی تمیز اڑ گئی۔ گرو گوبند سنگھ نے خود یہ رسم ادا کی اور اس کے مثالی نظم و ضبط سے سکھ فرقے میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔

گرو گوبند سنگھ کی نئی تنظیم سے کوہستان شوالک کے والیان ریاست کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اس سے صدیوں پرانے عقائد کو ٹھیس پہنچے گی۔ انھوں نے نہ صرف اس سے اتحاد کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس کی روز افزوں قوت سے ڈر کر سرہند اور دہلی کی مغل فوجوں سے اس کی سرکوبی کی درخواست کی۔ گرو نے مغلوں اور ان سرداروں کے خلاف چودہ لڑائیاں لڑیں۔ آخری لڑائی دسمبر ۱۷۰۴ء میں ضلع ہوشیار پور کے مقام آنند پور کے نزدیک ہوئی۔

اس لڑائی کے بعد اسے اپنا گھر چھوڑ کر ستلج کے جنوب میں برارون کے علاقے میں پناہ لینی پڑی۔ اس کی ماں اور دو چھوٹے بیٹے سرہند کے نواب وزیر خاں کے ہاتھ آگئے جس کے حکم سے انھیں تہ تیغ کر دیا گیا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بہادر شاہ نے سکھوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ اس کے باوجود ۱۷۰۸ء میں جب گرو گوبند سنگھ بہادر شاہ سے گفت و شنید کرنے کے لیے ناندیڑ (دکن) آیا ہوا تھا نواب سرہند کے ایک ایجنٹ نے خنجر مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

گرو گوبند سنگھ کے بعد روحانی رہنمائی کا کام سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب سے لیا جانے لگا اور دنیاوی معاملات خالصہ کے عام اجتماع کے سپرد ہوئے۔

گوبند سنگھ کی وفات کے بعد اس کا ایک شاگرد بندا سنگھ ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے پنجاب میں ابھرا اور اس نے گرو کی جدوجہد کو جاری رکھا۔

سکھ پنجاب کے ہر علاقے سے آکر جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور سرہند میں علم بغاوت بلند کیا۔

۱۷۱۰ء میں انھوں نے سرہند پر قبضہ کر لیا۔ یہ سکھوں کا پہلا مفتوحہ علاقہ تھا اور اس فتح سے ستلج کے جنوبی کنارے سے دہلی کے نواح تک پورے ملک پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

اس کے بعد سکھوں نے اپنی فتوحات کا دائرہ گنگا جمنا دو آب اور مرکزی اور شمال مشرقی پنجاب تک وسیع کر لیا۔ ان کی اس جدوجہد آزادی سے مجبور ہو کر لاہور کے گورنر سید اسلم خاں نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

لیکن یہ مہم ناکام رہی۔ سکھوں نے بھلوال کے نزدیک اس کی فوج پر ناگہانی حملہ کر کے اسے شکست دی۔ اس طرح سوائے لاہور کے راوی کے جنوب میں قصور تک پورا علاقہ ان کے تسلط میں آگیا۔

لیکن سکھوں کی نوزائیدہ تنظیم کے مقابلے میں مغل سلطنت ابھی تک بہت زیادہ طاقت ور تھی۔ دسمبر ۱۷۱۵ء میں آٹھ ماہ کے محاصرے کے بعد بندا سنگھ پکڑا گیا۔

۱۷۱۶ء میں اسے لاہور لایا گیا جہاں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ۷۹۴ دوسرے سکھ بھی تہ تیغ ہوئے۔

صاحب مفتاح التواریخ کا بیان ہے کہ شہنشاہ فرخ سیر نے ایک شاہی فرمان جاری کیا کہ اس فرقے کے لوگ قتل کر دیئے جائیں۔

مالکم لکھتا ہے کہ اس حکم کو عملی شکل دینے کے لیے اعلان کیا گیا کہ جو آدمی کسی سکھ کا سر لائے اسے انعام دیا جائے گا۔

میر منو کی گورنری کا زمانہ (۱۷۴۸ء۔ ۱۷۵۳ء) سکھوں کے لیے بڑا کٹھن تھا۔ اس کے عہد نظامت میں لاہور سے مسلح دستے نکلتے اور سکھوں کا جنگلی جانوروں کی طرح شکار کرتے۔

اس قتل عام سے بچنے کے لیے سکھ پہاڑوں اور جنگلوں یا برنالہ اور بٹھنڈا کے ریگستانی علاقوں میں بھاگ گئے۔ لیکن جلد ہی ان کے لیے وہاں گزارا کرنا مشکل ہو گیا۔

انھوں نے اپنے آپ کو دو دلوں میں تقسیم کیا جو بڈھادل اور ترونادل کہلاتے تھے یہ دل پانچ جتھوں اور بارہ مسلوں میں تقسیم تھے۔

مغلوں سے مسلسل لڑائی کی وجہ سے ان کی ہر دلعزیزی اور قوت میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ان کی فتوحات کے نتیجے میں سکھوں کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں کی بنا بھی پڑی۔

۱۴ جنوری ۱۷۶۰ء کو سکھ زین خاں کو شکست دے کر ستلج کے جنوبی علاقے کے بلا شرکت غیرے مالک بن بیٹھے۔

۱۶ اپریل ۱۷۶۵ء کو انھوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا اور اس طرح پورا پنجاب ان کے ہاتھ آگیا۔

بھنگیوں کی مسل سب سے بڑی تھی اور اس کی مقبوضات بھی بہت وسیع تھے۔ لیکن اقتدار کی کش مکش میں سکر چکیہ مسل کامیاب رہی اور ان کے سردار مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تمام مسلوں کے مقبوضات کو یک جا کر کے پنجاب میں سکھ بادشاہت کی طرح ڈالی۔

اس نے ۱۷۹۹ء سے ۱۸۳۹ء تک تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس کے مرنے کے دس

سال بعد پنجاب انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔

آزادی سے پہلے سکھوں نے انگریزوں کے خلاف بھی کئی تحریکیں چلائیں جو سختی سے دبا دی گئیں(ا)۔

حوالہ جات

ا۔ نامدھاری تحریک
مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب واپس دلائے جانے کی تحریک
غدر پارٹی کی تحریک
گردواروں کی اصلاح کی تحریک

ضمیمہ ۷

شاہ کی مہمات کا دور جدید

(۱۷۶۸ء - ۱۷۷۰ء)

بلخ اور بخارا کی مہم

بلخ اور بدخشاں کے باشندوں نے ایک عرصہ دراز سے افغانستان کے سرحدی علاقے میں بدامنی پھیلا رکھی تھی اس کے علاوہ کوئی واضح حد بندی نہ ہونے کی وجہ سے بخارا کے باشندوں سے بھی اکثر سرحدی تنازعات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

۱۱۸۲ھ (۱۷۶۸ء) میں احمد شاہ نے شاہ ولی خاں کو چھ ہزار منتخب سواروں کی کمان دیکر اس علاقے میں امن بحال کرنے کے لئے بھیجا۔ افغان وزیر کی پیش قدمی کی خبر سن کر بخارا کا حاکم اپنی فوج لے کر بلخ کے سرکش لوگوں کی مدد کے لئے روانہ ہوا۔ شاہ ولی خاں نے مراد بے کی آمد کی اطلاع احمد شاہ کو بھیجی جو فوراً ہی ایک بڑی فوج کے ساتھ ہرات کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں سے اس نے شمال مشرق کا رخ کیا اور دریائے مرغاب جسے رود راو بھی کہتے ہیں عبور کر کے منمیا۔ شبرغسان اند کھوئی اور بلخ میں امن بحال کیا۔ اس کے بعد اس نے شاہ ولی خاں کو بدخشاں بھیجا اور خود شمال مغرب میں بخارا کی جانب بڑھا۔ دوسری جانب مراد بے مقابلے کے لئے تیار ہوا اور دریائے آمو کے مغربی کنارے پر موضع قرشی (کرکی) کے نزدیک جو اندھ کھوئی سے ۶۴ میل شمال کی جانب ہے خیمہ زن ہوا۔ لیکن جلد ہی مصالحت کی بات چیت شروع ہو گئی جس میں یہ طے پایا کہ دریائے آمو دونوں ممالک کے درمیان حد فاصل رہے۔

مراد بے نے احمد شاہ کو آنخضرتؐ کا وہ خرقہ بھی پیش کیا جو حضرت اویس قرنی اپنے ساتھ لائے تھے اور جو اس وقت سے بخارا میں محفوظ چلا آتا تھا۔ احمد شاہ آنخضرت کی اس مقدس یادگار کو نہایت احترام کے ساتھ اپنے دارالخلافہ قندھار میں لایا(۱)۔

ہندوستان پر آخری حملہ

اوائل ۱۷۶۹ء میں شاہ نے پنجاب پر آخری دفعہ فوج کشی کی۔ وہ سندھ اور جہلم عبور کر کے چناب کے بائیں کنارے تک پہنچا اور گجرات کے ضلعے میں کنجاہ سے دس میل کے فاصلے

پر جوکھیاں میں خیمہ زن ہوا۔ اس وقت تک سکھ نہایت مضبوطی سے اپنے قدم پنجاب میں جما چکے تھے اور انہیں بے دخل کرنا سخت مشکل تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود شاہ کے ہمراہیوں میں اندرونی خلفشار بڑھ گیا۔ اس لئے وہ جلد ہی افغانستان لوٹ گیا۔ واپسی میں پشاور اور کابل کے درمیان اس کے لشکر کے اندرونی خلفشار نے باہمی تشدد کی شکل اختیار کرلی جس کے نتیجے میں خود لشکر میں لوٹ مار شروع ہوگئی اور شاہ کے کئی سردار اور متعدد سپاہی مارے گئے۔ بہت سے لشکر سے جدا ہوکر منتشر ہوگئے۔ کابل سے احمد شاہ قندھار آگیا (۲)۔

نصراللہ مرزا کے خلاف مہم

اس کے بعد شاہ نے اپنی توجہ شاہ رخ کے بیٹے نصراللہ مرزا کی جانب منعطف کی جو خراسان میں باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ پنجاب میں افغان سپہ سالاروں کی ہزیمت اور سکھوں کی بیخ کنی میں ناکامی سے دل برداشتہ ہوکر اس نے مشہد اور آس پاس کے ایرانی علاقے کو آزاد کرانے کی ٹھانی۔ لیکن اس کے پاس کوئی مضبوط سپاہ نہ تھی۔ ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷۔ ۱۷۶۸ء) میں اس نے کریم خاں زند کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی نظر پنجاب، کے کردوں پر پڑی اور ۱۱۸۲ھ (۱۷۶۸ء) میں وہ ان کے علاقے میں جا پہنچا جہاں چنارن کے مقام پر جعفر خاں۔ یوسف علی خاں اور نقد علی خاں نے چھ ہزار ایرانی سواروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور چند جواہرات جو نادر شاہ کی وفات پر ان کے ہاتھ لگے تھے اسے پیش کئے۔ کچھ اور اہم سردار مثلاً "محمدؐ حسین۔ ظفراللہ۔ رضا قلی خاں پسر محمدؐ رضا خاں کھمپکلو اور دولت خاں شادر لو بھی اس سے آملے۔ جب کچان کے حکمران اللہ وادی خاں نے جو محمدؐ حسین کا بیٹا تھا اس کی اطاعت کرنے میں تامل کیا تو اس نے اول الذکر کو بند کر دیا۔ اللہ وردی خاں کے مرتبے کے امیر کے ساتھ اس کا یہ ناروا سلوک دیکھ کر کردوں کا جوش و خروش سرد ہوگیا۔ اور انھوں نے اپنے وطن کو لوٹنے کا ارداہ کیا۔ اسی دوران میں احمد شاہ کے ہرات پہنچنے کی خبر ملی۔ یہ سن کر نصراللہ مرزا نے کچان کے سردار کو رہا کر دیا اور اپنے اتحادیوں سے جملہ اختلافات طے کرلئے (۳)۔

اندھے شاہ رخ کے احسان فراموش بیٹے کے باغیانہ ارادوں کی اطلاع پاکر احمد شاہ ۱۱۸۳ھ ۷۰۔۱۷۶۹ء میں ہرات سے ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور تربت شیخ جام اور لنگر پر قبضہ کرلیا۔ نصراللہ مرزا اپنی تمام فوج لے کر بسرعت مشہد پہنچا اور شاہ رخ کے مشورے سے اپنے چھوٹے بھائی نادر مرزا کو کریم خاں زند سے امداد حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا۔ نادر مرزا راستے میں تہاس کے حاکم علی مردان خاں سے بھی ملا جس نے باغیوں کو ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کیا اور شاہ

کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک فوج بھی منظم کی۔

اسی اثنا میں شاہ مشہد کے سامنے آپہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ نصراللہ مرزا نے شہر پناہ کے دروازے بند کرا لئے اور دفاعی انتظامات کو مستحکم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی پانچ سو یا ہزار آدمیوں کا دستہ شہر سے برآمد ہوتا اور محاصرہ کرنے والوں پر دور ہی سے بندوق کی گولیاں مار کر پھر اندر بھاگ جاتا۔ ابن محمدؐ امین کا بیان ہے کہ ایک ایسے ہی حملے میں آٹھ سو سوار مارے گئے(۴)۔

ابھی مشہد کا محاصرہ جاری تھا کہ علی مردان خاں اور نادر مرزا کے تہاس سے کمک لے کر آنے کی خبر ملی۔ احمد شاہ نے رسول خاں ..... آقاسی کو چار ہزار سپاہی دے کر ان سے مقابلے کے لئے بھیجا لیکن ایرانیوں نے اسے کن آباد کے نزدیک شکست دے کر ۹۵۰ افغانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد شاہ نے اپنے نامور جرنیل جہان خاں اور بلوچ جنگ جو میر نصیر خاں کو بالترتیب آٹھ ہزار سوار اور چھ ہزار پیادہ فوج دے کر بھیجا۔ جب وہ سلطان آباد پہنچے تو مقامی سردار عبد العلی خاں ایک اور قلعے میں منتقل ہو گیا جہاں رات کو نادر مرزا اور مردان علی خاں بھی اس سے آملے۔ اگلے دن علی مردان خاں افغانوں پر حملہ آور ہوا لیکن ان کی بندوقوں کی زد میں آتے ہی گولیوں کی باڑھ سے مارا گیا۔ اس کی موت سے ایرانیوں کے دل ٹوٹ گئے اور وہ بھاگ نکلے۔

نادر مرزا سلطان آباد چلا آیا جہاں میر نصیر اور جہان خاں بھی اس کے تعاقب میں پہنچ گئے۔ لیکن نادر مرزا ان سے بچ کر کسی صورت مشہد پہنچنے میں کامیاب ہو گیا(۵)۔

احمد شاہ مشہد میں

امام رضا کے مزار کا احترام کرتے ہوئے افغانوں نے مشہد پر گولہ باری کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے شاہ ولی خاں نے نصراللہ مرزا اور شاہ رخ سے مصالحت کی گفتگو شروع کر دی اور اس کے کامیاب ہونے پر احمد شاہ مشہد میں داخل ہوا اور دونوں باپ بیٹوں سے از سر نو دوستانہ تعلقات استوار کر لئے۔ شاہ رخ نے اپنی بیٹی گوہر شاد' شاہزادہ تیمور کے عقد میں دے دی اور شاہی لشکر کے لئے ایک ایرانی دستہ فراہم کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ نصراللہ مرزا نے اپنی جانب سے اظہار اطاعت کے طور پر ایک خوبصورت سفید گھوڑا قیمتی پندرہ ہزار روپیہ جس کا نام غریب تھا شہ کو پیش کیا۔ اس تحفے سے خوش ہو کر شاہ نے اسے فرزند خاں کا خطاب عطا کیا۔ چونکہ احمد شاہ کا ارادہ خراسان پر براہ راست تسلط یا فتح کرنے کا نہیں تھا اس لئے اس نے شاہ رخ کو بدستور وہاں کا حاکم رہنے دیا۔

آئندہ کے لئے اپنی راست روی کا یقین دلانے کے لئے شاہ رخ نے اپنا ایک بیٹا یزداں بخش بطور یرغمال شاہ کے حوالے کر دیا۔ یہ احمد شاہ کی آخری فوجی مہم تھی جس کے بعد وہ صفر ۱۱۸۴ھ (۹ جون ۱۷۷۰ء کو قندھار لوٹ گیا(۶)۔

حوالہ جات

۱۔ سراج التواریخ ۲۷ اس فرقے کی تفصیلی بیاں کے لئے اس کتاب کا صفحہ ۲۷۔ ۲۸ ملاحظہ کیجئے

مصنف احمد شاہ بابا میں شاہ کے مراد بے کے پاس جانے کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ پورا قضیہ شاہ ولی خاں نے طے کیا تھا۔ بقول اس کے آنحضرتؐ کا مقدس خرقہ بھی ولی خاں ہی فیض آباد سے لایا تھا۔ لیکن ان بیانات کی تائید میں اس نے کوئی ہم عصر یا دوسری سند پیش نہیں کی۔ میرے خیال میں سراج التواریخ کا بیان زیادہ معتبر ہے۔ صاحب سراج التواریخ کا کہنا ہے کہ اس سے یہ قصہ اس کے امیر حبیب اللہ خان نے بیان کیا تھا (صفحہ ۲۷)

۲۔ علی الدین عبرت نامہ۔ ۲۸۲

عمدۃ التواریخ۔ جلد اول ۔۱۶۵

۳۔ مجمل التواریخ۔۱۲۹ و ۱۲۸

۴۔ احمد شاہ بابا ۲۹۴۔ ۲۹۲

۵۔ مجمل تواریخ۔ ۱۴۰۔ ۱۴۴

۶۔ مجمل التواریخ۔ ۱۴۳۔ ۱۴۶

الفنسٹن کابل۔ ۲۶۷۔ ۹۸

احمد شاہ بابا۔ ۲۹۳۔ ۲۹۶

ضمیمہ ۸

میر قاسم اور احمد شاہ

میر قاسم جسے بنگال کی صوبے داری سے معزول کر دیا گیا تھا انگریزوں کے خلاف ہندوستانی والیان ریاست کا ایک اتحاد قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں مرہٹوں اور سکھوں سے بھی خط و کتابت کی تھی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ اب اس کی آخری امید احمد شاہ سے وابستہ تھی۔ ۱۷ مارچ ۱۷۷۰ء کو اس نے نظام حیدر آباد کے نام ایک خط میں لکھا۔

"مجھے شاہ ابدالی کے علاوہ کوئی دوست نظر نہیں آتا لیکن وہ بھی افغانستان کے معاملات میں الجھا ہوا ہے"

اسی طرح ۱۷۷۱ء کے آغاز میں روہیلوں نے بھی مرہٹوں کے خلاف اس سے مدد مانگی اور اخراجات کے لئے ۲۵ لاکھ روپیہ دینے کی پیش کش کی۔ میر غلام حسین نے ۱۷۷۱ء میں لکھا۔

"روہیلہ سرداروں نے وزیر کو پچیس لاکھ روپیہ کی پیش کش کی ہے ...... اگر وزیر ان کی مدد نہ کرے تو وہ یہ روپیہ ابدالی کو دے دیں گے۔ مرہٹوں کی بیخ کنی کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام والیان ریاست متحد ہو جائیں (جس کا فی الحال کوئی امکان نظر نہیں آتا) اور دوسرا یہ کہ ابدالی آجائے۔ اسے نواب دوندے خاں پر بہت اعتماد ہے اور اگر صوبیدار (میر قاسم) اور نواب دوندے خاں اسے لکھیں تو وہ ضرور آئے گا۔ اگر وہ خود نہ بھی آسکا تو اپنے بیٹے تیمور شاہ کو بھیج دے گا ...... ابدالی میں ایک اچھی بات یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں نہیں رہتا بلکہ یہاں کے معاملات طے کرتے ہی افغانستان لوٹ جاتا ہے۔

لیکن شاہ کو گھر پر اتنے مسائل در پیش تھے کہ اس نے اس موقعہ پر ہندوستان کے مشرقی علاقے میں کسی فوجی مہم کو خلاف مصلحت سمجھا۔ اسے مرہٹوں سے الجھنے میں اس لئے بھی تامل تھا کہ درمیانی علاقہ تقریباً" چار سو میل تک سکھوں جیسے خطرناک حریفوں کے تسلط میں تھا(۱)۔

جنرل بارکر نے ۱۹ اگست ۱۷۷۱ء کو سردار جھنڈا سنگھ بھنگی کے نام ایک خط میں تاریخی لحاظ سے ایک بڑی صحیح پیش گوئی کی' اس نے لکھا۔

"یہ واضح ہو چکا ہے کہ جب تک خالصہ فوج موجود ہے کوئی دشمن بلا مقابلہ ہندوستان میں

داخل نہیں ہو سکتا(۲)۔

تیمور شاہ کی جانشینی

احمد شاہ کی صحت روز بروز گرتی چلی جا رہی تھی۔ پے در پے فوجی مہمات نے اس کے مضبوط قویٰ کو وقت سے پہلے متاثر کر دیا تھا۔ خیال ہے کہ آخری دنوں میں اسے ذیابیطس بھی ہو گیا تھا۔ اسے سب سے زیادہ تکلیف ناک کے زخم سے تھی جو ایک پھوڑے کی شکل اختیار کر کے اس کے تمام چہرے پر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

سلیمان مرزا اور تیمور شاہ

اپنے آخری دنوں میں احمد شاہ نے شاہزادہ تیمور شاہ کی جانشینی کا اعلان کرنے کا ارادہ کیا۔ افغان سرداروں کی رائے میں یہ فیصلہ قطعی غیر منصفانہ تھا کیونکہ اس سے اس کے بڑے بیٹے سلیمان مرزا کی حق تلفی ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جمع ہو کر احمد شاہ سے سلیمان مرزا کی سفارش کی اور اس بات پر احتجاج کیا کہ اتنا اہم مسئلہ ان سے مشاورت کے بغیر طے کر لیا گیا۔ احمد شاہ نے جواب دیا۔

"شاہزادہ تیمور کا انتخاب ذاتی پسندیدگی کی بنا پر نہیں بلکہ مفاد عامہ کے خیال سے کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تیمور سلیمان مرزا سے چھوٹا ہے لیکن وہ حکومت کا زیادہ اہل ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سلیمان افغان قبیلوں کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے؟ کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ وہ تشدد پسند ہے اور رحم دلی اسے چھو نہیں گئی؟ کیا آپ کو یہ علم نہیں کہ وہ آج تک نہ بروقت کسی بغاوت کا پتہ چلا سکا اور نہ اسے فرو کر سکا۔"

یہ دلائل سن کر احمد شاہ کے سردار مطمئن ہو گئے اور اسی کا فیصلہ قبول کر لیا۔

شاہ کے آخری دن

۱۷۷۲ء کے موسم گرما میں شاہ کی ناک کا بالائی حصہ بھی متاثر ہو گیا۔ جب علاج معالجے سے مایوسی ہو گئی تو شاہ توباماروں کے محل میں منتقل ہو گیا جو قندھار سے تقریباً نوے میل دور کوہ سلیمان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جب شاہزادہ تیمور نے اپنے باپ کی بیماری کا حال سنا تو وہ ہرات سے چل کر قندھار پہنچا۔ لیکن شاہ ولی خاں نے جو شاہزادے سے چشمک رکھتا تھا شاہ کے کان بھر دیئے اور اس سے یہ حکم جاری کروائے کہ شاہزادہ فوراً واپس چلا جائے۔

تیمور نے بہت کچھ التجا کی لیکن شاہ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر بد نصیب شہزادہ اپنے باپ کو دیکھے بغیر ہرات لوٹ گیا۔

شاہ کی وفات

شاہ کی حالت روز بروز بگڑتی چلی گئی۔ مرنے سے کچھ عرصہ پہلے اس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی اور الفاظ اس طرح خلط ملط ہو جاتے تھے کہ بسااوقات بالکل کچھ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ اس کے بعد اس نے اظہار مطلب کے لئے اشاروں سے کام لینا شروع کیا جو صرف اس کا خادم خاص یاقوت خاں ہی سمجھ سکتا تھا۔ جب اس طرح بھی کام چلنا مشکل ہو گیا تو اس نے لکھ کر بات کرنا شروع کر دی۔ بالاخر اسی عالم بے چارگی میں ۲۶ رجب ۱۱۸۶ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء کی رات کو احمد شاہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا(۳)۔

قندھار میں تدفین

یاقوت خاں خواجہ سرانے جو شاہ کا معتمد خاص تھا اس کی موت کو اخفا میں رکھا اور تیمور شاہ کو مطلع کیا کہ قندھار آکر تخت و تاج سنبھال لے۔ اس کے بعد وہ بادشاہ کے جد خاکی کو لے کر قندھار روانہ ہوا۔ اس نے شاہ کو ایک چارپائی پر لٹایا اور یہ مشہور کر دیا کہ شدید علالت کے باعث بادشاہ نے لوگوں سے ملنا بند کر دیا ہے۔ چارپائی کے گرد پردے کھینچ دیئے گئے۔ تاکہ کوئی شخص شاہ کی نعش کو نہ دیکھ سکے۔

یاقوت خاں دن میں کئی بار اس انداز سے پردوں کے پیچھے جاتا گویا وہ اپنے آقا سے احکامات لینے یا اسے کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچانے جا رہا ہے۔ وہ شاہ کا خزانہ بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ یہ خزانہ بہت سے خچروں پر لدا ہوا تھا جن پر ہر لمحہ یاقوت خاں کی نظر تھی۔

اس سفر کے دوران میں کسی کو بھی حقیقت حال کا پتہ نہ چل سکا لیکن جب قافلہ قندھار سے ایک منزل پر رہ گیا اور سلیمان مرزا اپنے باپ کے استقبال کو آیا تو مزید اخفائے راز ناممکن ہو گیا یاقوت کو شاہ کی وفات کا اعلان کرنا پڑا۔ احمد شاہ درانی کے جسد خاکی کو قندھار کے مغربی حصے میں دفن کیا گیا اس کی قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے۔

"احمد شاہ درانی ایک عظیم بادشاہ تھا۔ اس کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ اس کی قلمرو میں شیر اور ہرن ایک ساتھ رہتے تھے۔ اس کے دشمنوں کے کان اس کی فتوحات کے شور سے بہرے ہو گئے تھے۔"(۴)

حوالہ جات

۱۔ سی ۔ پی۔ سی۔ جلد سوم۔ ۶۹۔ ۹۴۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۱۳۲۔ ۶۸۲

۲۔ سی پی سی ۔ جلد سوم۔ ۸۶۸

۳۔ مجمل التوارخ ۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔

حسین شاہی۔ ۶۸۔ ۷۰

تاریخ سلطانی۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷ فریئر' ہسٹری آف دی افغانز۔ ۹۱۔ ۹۲

میلسن۔ ہسٹری آف افغانستان ۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ایلفنسٹن نے شاہ کی وفات جون ۱۷۷۲ء میں بیان کی ہے۔ فیریئر اور میلسن کو بھی اس سے اتفاق ہے۔

مجمل التوارخ میں لکھا ہے کہ شاہ نے جمادی الثانی ۱۱۸۵ھ (اکتوبر ۱۷۷۱ء) میں انتقال کیا۔

عمدۃ التوارخ (صفحہ ۱۶۶) میں لکھا ہے کہ شاہ کی وفات ۲ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ (۱۰ جون ۱۷۷۳ء) کو ہوئی۔

حسین شاہی میں کوئی تاریخ نہیں دی گئی ۔ میں نے اس معاملے میں تاریخ سلطانی اور سراج التوارخ کا تتبع کیا ہے جو افغانوں کی لکھی ہوئی ہیں۔

۴۔ فیریئر ۔ ہسٹری آف دی افغانز۔ ۹۲۔

میلسن ۔ ہسٹری آف افغانستان ۲۹۲

ہملٹن ۔ افغانستان۔ ۱۹۰

حیات خاں ۔ حیات افغانی۔ ۹۲

ضمیمہ ۹

احمد شاہ کی فتوحات

احمد شاہ کی فتوحات اور کارنامے اس کی خداداد صلاحیتوں کے مظہر ہیں۔ وہ نرا سپاہی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اندر بہت سی انسانی خوبیاں بھی تھیں۔ وہ ایک عظیم افغان ایک انسانیت پسند حکمران' ایک قابل منتظم اور علم و ادب کا مربی بھی تھا۔

احمد شاہ کا مرقع

۱۷۶۷ء میں جب شاہ کی عمر ۴۵ سال تھی ڈو نے اس کا یہ حلیہ بیان کیا ہے "بادشاہ کا قد لمبا اور بدن دہرا مائل بہ فربہی ہے۔ اس کا چہرہ حیرت انگیز حد تک چوڑا اور داڑھی بہت کالی ہے بحیثیت مجموعی اس کی ہیئت نہایت پر وقار اور اندرونی طاقت کی مظہر ہے۔"(۱)

اس کی طبیعت میں جفاکوشی اور شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس لحاظ سے وہ ایک مثالی پٹھان تھا۔ آخری دنوں میں ناک کے زخم اور رخساروں کی پھنسیوں کی وجہ سے اس کا چہرا تھوڑا سا بدہیت ہو گیا تھا۔

وہ ایک مقناطیسی شخصیت کا انسان تھا اور اس کے روشن اور متبسم چہرے میں ایک ایسی خوبی تھی جو دیکھنے والے کا دل موہ لیتی ہے۔ احمد شاہ کی نوعمری ہی میں نادر شاہ اس کی خداداد صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے اپنے ذاتی عملے میں شامل کر لیا' اس نے ایک مرتبہ کھلے دربار میں کہا۔

"میں نے ایران ۔ توران اور ہندوستان میں کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جس کے اندر وہ صلاحیتیں موجود ہوں جو احمد شاہ میں ہیں"۔(۲)

بعد کے واقعات نے اس کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ دکن کے نظام الملک آصف جاہ نے بھی مارچ ۱۷۳۹ء میں پہلی بار احمد شاہ کو دیکھ کر یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ لڑکا ایک دن بادشاہ ہو گا۔ صابر شاہ درویش کو اس کی شکل میں نادر شاہ کی جانشینی کے آثار نظر آتے تھے اور جب اس نے ۱۷۴۷ء میں افغانوں کی سرداری کیلئے اس کا نام پیش کیا تو سب نے بہ اتفاق رائے اس کی تائید کی۔ حاجی جمال خاں محمد

زئی نے بھی جو سرداری کا امیدوار اور نہایت بارسوخ شخص تھا اس انتخاب پر اظہار پسندیدگی کیا۔

شمائل و خصائل

ایلفنسٹن لکھتا ہے

"احمد شاہ رحمدل اور خوش رہنے والی طبیعت کا مالک تھا۔ دربار میں اور دوسرے سرکاری موقعوں پر وہ نہایت وقار سے کام لیتا لیکن ذاتی زندگی میں اس کا انداز بالکل غیر رسمی اور دوستانہ تھا۔ درانیوں سے وہ اسی بے تکلفی سے پیش آتا جس طرح بادشاہ بننے سے پہلے پیش آتا تھا۔

احمد شاہ مذہبی مزاج کا آدمی تھا۔ اسے علماء کی صحبت بہت مرغوب تھی۔ وہ ملاؤں اور درویشوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ صابر شاہ سے اس کی وابستگی زبان زد خاص و عام تھی۔ کابل سے پشاور جاتے ہوئے وہ ہمیشہ چکی کے شیخ عمر کی قیام گاہ پر حاضری دیتا اور بٹالہ کے قیام کے دوران میں وہاں کے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہوتا۔

جنوری ۱۷۶۰ء میں اس نے دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کی زیارت کی۔ اسی طرح پانی پت کی لڑائی سے پہلے وہ شیخ بو علی قلندرؒ کی درگاہ میں حاضر ہوا تھا۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدیدار اور امراء اس کے سامنے مودبانہ ایستادہ رہتے تھے لیکن اس کے دربار میں سیدوں اور مولویوں کو کرسی ملتی تھی۔ ہر جمعرات کو علماء اور فقراء اس کے یہاں کھانے پر آتے اور مذہب اور دیگر علوم پر گفتگو کرتے جن سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ خود ایک عالم اور مصنف تھا اور اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اسے ولی کا رتبہ حاصل ہو"۔(۳)

احمد شاہ اپنے وعدے کا بڑا پاس رکھتا تھا۔ اس کی فیاضی طبع اس بات سے ظاہر ہے کہ نادر شاہ کے بیٹوں کی مسلسل احسان فراموشی، کینہ پروری کے باوجود ان سے رحمدلی اور حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک ہندو سنیاسی سوامی پران پوری اردھا بھاؤ غزنی میں ادھر ادھر بھٹکتا ہوا اس کی فوج میں آگیا شاہ نے ہندوستان میں سنیاسیوں کی طبی مہارت کی بڑی شہرت سنی تھی اپنے لشکر میں ایک ہندو سنیاسی کی آمد کی خبر سن کر اس نے موخرالذکر کو اپنے پاس بلوایا اور ناک کے زخم کا علاج پوچھا۔ چالاک سنیاسی جانتا تھا کہ اس مرض کا علاج علم جراحت سے واقفیت کے بغیر ناممکن ہے چنانچہ اس فن سے اپنی ناواقفیت پر پردہ ڈالنے کے لئے عرض گذار ہوا۔ "ناک کے زخم اور بادشاہت میں گہرا تعلق ہے۔ اگر یہ زخم اچھا ہو گیا تو بادشاہت خطرے میں پڑ

جائیگی۔" احمد شاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا ظاہر ہے۔ کہ یہ واقعہ اس کی زندگی کے آخری سانسوں میں پیش آیا ہو گا جب وہ اپنی بیماری کے علاج سے ناامید ہو چکا تھا۔

فیریئر لکھتا ہے۔

"وہ ان تمام عیوب سے مبرا تھا جو عام طور سے مشرقی اقوام کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً شراب یا افیون کی بدمستی' لالچ' ظلم یا تعلقات میں دو رخا پن۔ وہ مذہب کا بڑا حامی تھا۔ اپنی رحمدلی اور فیاضی طبع کی بناء پر احمد شاہ اپنی رعایا کے ہر طبقے میں ہر دلعزیز تھا۔ اسے شہ سواری اور شکار کا بڑا شوق تھا اور اپنے گھوڑوں کا شیدائی تھا"۔

امام الدین حسینی تیمور شاہ کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی خان نے بادشاہ کو اداس دیکھ کر سبب پوچھا۔ بادشاہ نے جواب دیا اس کا گھوڑا تارلان بیمار ہے۔ شاہ ولی خاں نے عرض کیا کہ "پھر کیا ہوا۔ اعلیٰ حضرت کے اصطبل میں ہزار ہا گھوڑے موجود ہیں" بادشاہ نے کہا۔

"بڑی تلاش کے بعد میں دواسپہ (دو گھوڑوں تارلان اور ہمدم کا مالک) ہوا تھا ان میں سے ایک بیمار ہو گیا ہے اور مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں میں پھر ایک اسپہ (ایک گھوڑے کا مالک) نہ رہ جاؤں۔(۴)

لباس اور خوراک۔ احمد شاہ بہت سادہ لباس پہنتا تھا اور بسا اوقات اس میں اور اس کے امراء میں تمیز مشکل تھی۔ لاہور کے مرکزی عجائب گھر میں ایک تصویر (P.۳۷) ہے جس میں اسے ایک کلغی دار ایرانی کلاہ سر پر پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بادشاہ کے جسم پر بغیر کالر کی قمیض اور اس کے اوپر پوستین ہے۔ گلے' بازو یا ٹوپی میں کوئی جواہر نہیں اور نہ نادر شاہ کی طرح موتیوں کی مالا ہے۔ اس نے ایک افغان طرز کی شلوار پہن رکھی ہے اور ایک سادہ مستطیل تخت پر بیٹھا ہے۔

احمد شاہ تخت پر شاذونادر ہی بیٹھتا تھا۔ اس کے سر پر ایک بڑی شال دستار کے طور پر بندھی ہوتی تھی۔ جسم پر سوتی کپڑے کی قمیض اس کے اوپر ایک رنگ دار واسکٹ اور ان سب کے اوپر چمڑے کا ایک لمبا کوٹ ہوتا تھا۔ شلوار ڈھیلی ڈھالی افغان طرز کی ہوتی تھی۔ اس صدی کے اوائل تک افغانوں کا قومی لباس یہی تھا۔

محمد حیات خاں اپنی حیات افغانی میں بیان کرتا ہے کہ افغان امراء کا لباس عام طور سے ان اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا۔ کلاہ کے اوپر ایک خوبصورت دستار' لمبی رنگ دار قمیض اور اس کے اوپر چغہ' ڈھیلی ڈھالی شلوار۔ کمر کے گرد پٹکا جس میں عموماً" سامنے کی جانب پیش قبض یا خنجر

رہتا تھا۔ تلوار کبھی اسی کمر بند میں اور کبھی چمڑے کی ایک پیٹی میں باندھی جاتی تھی۔ سردی کی شدت سے بچنے کے لئے اس لباس پر پوستین یا بھورے چمڑے کا ایک لمبا کوٹ پہن لیا جاتا تھا۔ دبیز چمڑے کے جوتوں کے پنجے ہاتھی کی اٹھی ہوئی سونڈ کی طرح اوپر کی جانب مڑے ہوئے ہوتے تھے۔ سردیوں میں لمبے بوٹ اور بھیڑ کے بچوں کی کھال سے بنے ہوئے موزے استعمال کئے جاتے تھے۔

احمد شاہ کی خوراک بھی اتنی ہی سادہ تھی جتنا اس کا لباس۔ اس کے دستر خوان پر بہت سے کھانے یا لذیذ غزائیں نہیں ہوتی تھیں۔ دوسرے افغانوں کی طرح وہ بھی چاول اور مصالحہ دار گوشت کا پلاؤ کھانے کا عادی تھا جس میں کبھی کبھی رنگ دار پیاز اور انڈے ملا دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے دستر خوان پر تازہ یا خشک کیا ہوا گوشت۔ کباب۔ بھونا ہوا گوشت پنیر' دودھ' مکھن' سالن' پھل اور شربت بھی ہوتے تھے۔(۵)

احمد شاہ کی صحت احمد شاہ اپنی سرگرم زندگی کے پہلے پچیس سال میں نہایت صحت مند اور توانا رہا۔ لیکن ۴۷ سال کی عمر کے بعد مسلسل جفاکشی اور تگ و دو نے اس کی صحت پر برا اثر ڈالنا شروع کیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے ذیابیطس ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی جسمانی قوت رفتہ رفتہ زائل ہونے لگی لیکن اس کی سب سے تکلیف دہ بیماری ناک کا وہ ناسور تھا جو رفتہ رفتہ اس کے تمام چہرے پر پھیل گیا تھا۔ ان تمام عوارض نے مجموعی طریقے سے صرف اکیاون سال کی عمر میں اسے موت سے ہمکنار کر دیا۔

علم سے شیفتگی اگرچہ اس بات کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے کبھی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ نہ صرف خواندہ تھا بلکہ تمام ملکی زبانوں پر پورے طور پر حاوی تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے بچپن میں کسی مکتب میں تعلیم حاصل کی ہو اور وہاں پشتو اور فارسی کی اچھی استعداد پیدا کر لی ہو۔ اسے شاعری کا بھی ذوق تھا۔ اس کے اشعار سادہ اور روائتی طرز کے ہیں لیکن جذبات اور تاثر سے خالی نہیں۔ اس کی نظموں کا ایک مجموعہ "لولوئے احمد شاہ بابا" کے نام سے ۱۹۴۰ء میں کابل سے شائع ہو چکا ہے۔

احمد شاہ بٹالے کے شاعر واقف کا بڑا مداح تھا جسے اس نے ایک مرتبہ قندھار بلایا شرف باریابی کے وقت واقف نے یہ شعر پڑھا۔

ندیدہ ہیچ کس ظل پیمبرؐ
بحمداللہ کہ ظل اللہ دیدم

(اور لوگوں نے پیغمبر کا سایہ بھی نہیں دیکھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے ظل اللہ (یعنی خدا

کا سایہ دیکھ لیا ہے۔)

احمد شاہ نے خود نوشت سوانح عمری یا کوئی تحریر نہیں چھوڑی اس لئے ہم اس کی نثر نگاری کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ صاحب تاریخ احمد شاہی لکھتا ہے کہ وہ میر مہدی خاں استر آبادی کی تاریخ نادری کی زبان اور طرز نگارش کا بیحد مداح تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے حالات زندگی بھی ایسی ہی شستہ اور خوبصورت نثر میں لکھے جائیں۔(٦)

مراسلات احمد شاہ درانی میں تقریباً ایک درجن سرکاری خط اور مراسلات اس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں سرکاری خطوط اور احکامات عام طور سے معتمد یا منشی تحریر کرتے تھے اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ تحریر احمد شاہ کی ہی ہے۔

احمد شاہ اور فنون لطیفہ ایک ایسے عہد میں جب تلوار ہم سے زیادہ طاقتور تھی فن جنگ کے سوا اور کون سا فن ابھر سکتا تھا؟ احمد شاہ کو کبھی کسی اور مشغلے کے لئے فرصت ہی نہ مل سکی، جنگی مہمات سے جو وقت بچتا وہ فتوحات کے استحکام میں صرف ہو جاتا۔ اس کے علاوہ اس نے عمر بھی اتنی نہ پائی کہ زمانہ امن کے مشاغل کی جانب توجہ کر سکتا۔

لیکن اپنی تعلیم اور ذوق شاعری کی وجہ سے اس نے شعراء اور ادیبوں کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ بٹالے کے شاعر واقف کا بڑا مداح تھا اور اس نے ایک مرتبہ واقف کو قندھار بلا کر اپنا مہمان رکھا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے بھی اپنی نگارستان فارس (۲۲۵۔۲۳۵) میں واقف کا تذکرہ کیا ہے۔

نظام الدین عشرت احمد شاہ کا ایک اور محبوب شاعر نظام الدین عشرت تھا جو سیالکوٹ کا رہنے والا تھا۔ جب احمد شاہ ۱۷۵۷ء میں دہلی سے لوٹ رہا تھا تو وہ سیالکوٹ سے آکر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور کابل تک ساتھ گیا۔

نظام الدین نے ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۸ء) میں نادر شاہ کے حالات زندگی نادر نامے کے نام سے منظوم کئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اس کتاب سے بہت متاثر ہوا اور اس نے عشرت سے کہا کہ اس کے عہد کی تاریخ بھی نظم کرے۔ شاہ کے سرکاری سوانح نگار مرزا محمود نے جو اس کے دارالانشا (سیکرٹریٹ) سے وابستہ تھا نظام الدین کو مجوزہ کتاب کے لئے مواد فراہم کیا جسے لے کر نظام سیالکوٹ واپس آگیا۔ ۱۷۶۲ء میں وہ سردار نورالدین بامے زئی کے ساتھ کشمیر گیا جہاں اسے امین مقرر کیا گیا۔

نظام الدین نے شاہ نامہ احمدیہ کے نام سے ۶۱۴ صفحے کی ایک مثنوی لکھی جس میں احمد شاہ کے عہد حکومت کے حالات اس کی وفات اور تیمور شاہ کی تخت نشینی تک نہایت دلچسپ

پیرایے میں منظوم کئے گئے ہیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ نثر میں احمد شاہ کو مرزا مہدی استر آبادی۔ صاحب تاریخ جہاں کشائے نادری کا اسلوب نگارش پسند تھا۔ اس لئے اس نے مرزا محمود کو جس کے مرزا مہدی سے گہرے اور دیرینہ تعلقات تھے سرکاری سوانح نگار مقرر کیا اور اس سے تاریخ نادری کی طرز پر اپنے عہد حکومت کا حال لکھنے کی فرمائش کی۔ مرزا محمود نے تاریخ احمد شاہی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کا ایک خلاصہ بھی تاریخ احمد شاہ کے عنوان سے ترتیب دیا۔(۷)

تعمیرات سے دلچسپی احمد شاہ کو مکانات اور شہروں کی تعمیر میں بڑی دلچسپی تھی۔ قندھار کے قدیم شہر کی نادر شاہ کے ہاتھوں تباہی نے اسے بڑا متاثر کیا تھا۔ جب وہ پانی پت کی فتح کے بعد افغانستان واپس آیا تو اس نے پرانے قندھار کے نزدیک قندھار احمد شاہی یا اشرف البلاد کے نام سے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کی تفاصیل ہم دے چکے ہیں۔ اس شہر کے شمالی علاقے کے عین مرکز میں شاہی قلعے تھے جن کے اطراف میں چھاؤنی کی عمارتیں' توپخانہ۔ اسلحہ خانہ۔ جبہ خانہ اور اصطبل وغیرہ تھے۔ قلعے کے سامنے بازار شاہ کے آخیر میں جامع شاہی یا شاہی مسجد کی تعمیر عمل میں آئی۔ لیکن اس شہر کی سب سے خوبصورت عمارات دو تھیں۔ ایک تو وہ یادگار جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خرقہ مبارک لوگوں کی زیارت کے لئے رکھا گیا تھا اور دوسرے شاہ کا اپنا مقبرہ۔(۸)

حیدر آباد سندھ ۱۷۵۳ء میں اس نے کابل کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی۔ ۱۷۶۹ء (۱۱۸۳ھ) میں شاہ اسحاق کھتلانی المعروف شاہ شہید کا مزار خواجہ سرا یعقوب کی نگرانی میں بالاحصار کے قلعے کے نزدیک تکمیل پذیر ہوا۔ ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۱۷۵۷ء) میں اس نے محراب خاں اور عبدالکریم خاں کو مکے بھیجا اور افغان زائرین کیلئے ایک قیام گاہ تعمیر کرائی۔ مزار شریف کے نزدیک تاشقہ خاں کا موجودہ قصبہ بھی احمد شاہ ہی نے ضلع یا دیہہ فرعون کے قدیم شہر کی جگہ آباد کیا تھا۔ اسی زمانے میں غلام احمد خاں نے جو سندھ کی ولایت میں احمد شاہ کا نائب السلطنت تھا حیدر آباد کی بنیاد رکھی۔

شاہ معماروں اور لکڑی کا کام کرنے والوں کا بڑا مربی تھا۔ اس نے ایسے بہت سے ماہر کاریگروں کو افغانستان اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بلا کر اپنے نئے شہر میں آباد کیا۔ ان لوگوں کے لئے ایک الگ بستی مخصوص کی گئی جو محلّہ بنایاں کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ محلّہ ابھی تک اسی نام سے مشہور ہے اور یہاں کی بیشتر آبادی انھیں تارکان وطن کی اولاد میں سے ہے۔(۹)

احمد شاہ کا مقبرہ۔ احمد شاہ کا مقبرہ اس زمانے کی طرز تعمیر کا ایک مخصوص نمونہ ہے۔ اس زمانے میں لکڑی کے گلکاری اور پچکاری نے بہت ترقی کر لی تھی جس کے نمونے اس زمانے کے بنے ہوئے مکانات میں آج کل بھی پائے جاتے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نے موسیقی اور مصوری کی جانب زیادہ توجہ نہیں کی۔ اس کی بہت کم تصاویر ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک لاہور کے مرکزی عجائب گھر میں ہے۔ ۱۹۳۹ء میں جب راقم الحروف نے قاضی نور محمد کا جنگ نامہ مدون کر کے شائع کرایا تھا تو اس تصویر کا ایک عکس فوٹو بھی اس میں شامل کیا تھا۔ اس کی ایک اور تصویر غالباً" آخری دنوں کی ہے میر محمد غبار کی کتاب احمد شاہ بابا میں شامل ہے جو ۱۹۴۴ء میں کابل سے شائع ہوئی۔

انسانیت پسند حکمراں احمد شاہ انسانیت پسند حکمران تھا اس لئے اس نے غیر ضروری کشت وخون سے ہمیشہ احتراز کیا۔ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی سزا دینے سے گریز کرتا تھا۔ اس نے بارہ ایسے باغی سرداروں کو معاف کر دیا جنھوں نے تمام عمر سرکشی کی تھی۔ اس کے عہد حکومت میں سزا کے طور پر ناک اور کان کا کاٹنا ممنوع تھا اور آقا کو یہ اجازت نہ تھی کہ غلام کی جان لے لے۔ اس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے سلیمان مرزا کو زال بیگ کے کہنے پر سرزنش کی اور جب اس کے سرداروں نے یہ کہا کہ یہ آپ ہی کے حکم پر کیا گیا تھا تو اس نے جواب دیا کہ "میں نے سیاسی وجوہ کی بنا پر اس کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن ایک خفیہ مصلحت کے پیش نظر جس کا شاہزادہ سلیمان کو علم تھا اسے میری حکم عدولی کرنا چاہئے تھی۔"

ہندوستان میں اس کی فوجوں سے جو زیادتیاں سرزد ہوئیں' ان کا ذمہ دار بہت بڑی حد تک سردار جہان خاں تھا جس کی نخوت اور تشدد پسند طبیعت شاہ سے بالکل مختلف تھی۔(۱۰)

حکومت کا نظام احمد شاہ کو افغانستان کے عوام نے بادشاہ منتخب کیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اس اعتماد کا اہل ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس نے افغانستان کے جنگ جو قبیلوں کی باہمی لڑائیاں ختم کر کے انہیں ایک لڑی میں پرو دیا اور صحیح معنوں میں ایک قوم بنایا۔ اس کے علاوہ اس نے افغان قوم کو غیر ملکی اقتدار سے رہائی دلا کر آزادی کی دولت سے بہرہ ور کیا۔

احمد شاہ پہلا حکمران تھا جس نے افغانستان کے مختلف علاقوں کو یکجا کر کے ایک سیاسی وحدت کی شکل دی۔ سر پرسی سائکس لکھتا ہے۔

"اس سے پہلے افغانستان چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن پر ظالم حکمرانوں کا تسلط تھا۔ ان میں اکثر آپس میں لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اس کے بعد کافی عرصے تک یہ ملک اس

علاقے کی کچھ بڑی بڑی سلطنتوں کا ایک صوبہ رہا اور اس پر غیر ملکی فاتح حکومت کرتے رہے۔
جب یہ دور ختم ہوا تو افغانستان پھر پارہ پارہ ہو گیا اور تین ہمسایہ ملکوں نے اس کے حصے بخرے کر لئے۔ اس زمانے میں افغانستان پہلی دفعہ ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اس معجزے کا صدور احمد شاہ سے ہوا تھا۔" (۱۱)

افغانستان کی قدیم تاریخ تاریخ افغانستان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ملک ۵۰۰ قبل مسیح میں داریوس کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ ۳۳۱ قبل مسیح میں اسے سکندر اعظم کی سرگرمی میں یونانیوں نے فتح کر لیا جس کے جانشین برائے نام ۲۵۰ قبل مسیح تک اس ملک پر قابض رہے۔ پھر یوئے جی آگئے اور ان کے بعد افغانستان پر کشن لوگوں کا تسلط ہو گیا جن کے مشہور بادشاہ کنشکا کی کوششوں سے یہاں بدھ مذہب اور بدھ تہذیب اپنے نقطۂ عروج پر پہنچے۔ ان کے اقتدار کا خاتمہ پار تھین قوم نے کیا لیکن ان کے بارے میں ہم کچھ زیادہ نہیں جانتے۔

تیسری صدی کے آغاز میں ساسانی خاندان کے بانی آرد شیر نے انہیں شکست دی اور افغانستان پر قابض ہو گیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں افغانستان سفید ہنوں اور منگولین ترکوں کی جنگ زرگری کا اکھاڑہ بنا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں پھر ساسانی شاہنشاہ خسرو نوشیرواں کے تحت ایرانی تسلط قائم ہو گیا۔

جب چینی سیاح ہوان سانگ بلخ سے لوٹتے ہوئے افغانستان سے گزرا تو یہاں ایک ترک بادشاہ حکمران تھا جو بدھ مت کا پیرو تھا۔

۶۷۰ ۔ ۶۹۹ میں مسلمانوں کی پہلی فوجی مہم بصرے سے عبدالرحمان کی سرکردگی میں دریائے کابل تک پہنچی۔ انہوں نے ہارے ہوئے ترک بادشاہ کو افغانستان کے تخت پر رہنے دیا لیکن ملک پر عربوں کی بالادستی قائم کر دی۔ قتیبہ ابن مسلم وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے افغانستان کی ترک آبادی کو مسلمان کیا۔

غزنی کا یمنی خاندان غزنی کے یمنی خاندان کی بنیاد الپتگین نے ۹۶۱ء میں ڈالی۔ محمود غزنوی جو اس خاندان کا تیسرا اور سب سے بڑا بادشاہ تھا جس نے ۱۰۲۴ء میں بارھویں دفعہ ہندوستان پر حملہ کر کے سومنات کے مشہور مندر اور بتوں کو توڑا۔

غزنویوں کے بعد غوریوں کی حکومت قائم ہوئی۔

ان کے بعد افغانستان پر خوارزم کے ترک بادشاہ محمد خاں (خوارزم شاہ) کا تسلط ہو گیا۔ موخرالذکر کو ۱۲۲۱ء میں چنگیز خاں نے شکست دے کے بھگا دیا۔

جب منگولوں کی گرفت کمزور پڑ گئی تو ہرات کا تاجک خاندان عملاً" ان کے اقتدار سے

آزاد ہو گیا۔ (۱۳۳۲-۱۳۷۰ء) کابل۔ غزنی اور ملک کے مشرقی حصے پر منگولوں کا تسلط برقرار رہا۔

چودھویں صدی کے آخیر میں سمرقند کے ترک حکمران تیمور گورگانی نے افغانستان کے مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا اور کافی عرصے تک وہاں حکومت کرتا رہا۔

جب بابر شکست کھا کر سمرقند سے بھاگا تو اس نے ۱۵۰۴ء میں کابل پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۲۳ء میں قندھار بھی اس کے تسلط میں آگیا۔

بابر نے ۱۵۲۶ء میں ہندوستان میں مغل شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں افغانستان کا مشرقی علاقہ مغل بادشاہت میں شامل رہا لیکن موجودہ افغانستان بحیثیت مجموعی کبھی بھی کسی سلطنت کا حصہ نہیں رہا۔ ہرات اور مزار شریف کی ولایات اور فرح اور میمنہ کی حکومتیں مغل سلطنت میں شامل نہ تھیں۔

بدخشاں کی ولایت پر ۱۵۸۴ء میں ازبکوں نے قبضہ کر لیا۔ ۱۶۳۹ء میں اس علاقے کو مغلوں نے چھین لیا لیکن ۸ سال بعد ۱۶۴۷-۱۶۴۸ء میں یہ پھر ازبکوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔

قندھار پر ۱۵۵۸ء میں ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن ۱۵۹۵ء میں اکبر نے اسے واپس لے لیا اور ۱۶۰۵ء تک یہ شہر مغل سلطنت میں شامل رہا۔ ہندوستان اور ایران میں قندھار پر قبضے کی یہ کشمکش ۱۷۴۷ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد یہاں احمد شاہ کا تسلط ہو گیا۔ کابل شروع سے آخیر تک مغل سلطنت کا حصہ رہا۔ یہاں مغل اقتدار کا خاتمہ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ کے قبضے کے بعد ہوا۔

ابدالی نے افغان تاریخ کا رخ بدل دیا احمد شاہ ۱۷۴۷ء میں منظرعام پر آیا اور آتے ہی افغان تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ وہ افغانستان میں پیدا ہوا اور یہیں پلا بڑھا۔ اس کی رگوں میں افغان خون گردش کر رہا تھا۔ اس کی انگلی یہاں کے لوگوں کی نبض پر تھی اور وہ ان کی روح میں جھانک کر ان کے خیالات اور جذبات کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ اسی لئے اس کی یہ کوشش رہی کہ اس کی حکومت افغانوں کے کردار اور ان کی خواہشات سے ہم آہنگ ہو۔ اقتدار کے تمام اہم سرچشموں کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کر کے اس نے قبائل کا انتظام ان کے سربراہوں پر چھوڑ دیا۔ مرکزی حکومت کی جانب موخرالذکر کی ذمہ داری صرف اس قدر تھی کہ شاہ کی فوجی مہمات کے وقت اپنی اہلیت اور ذرائع کے مطابق سواروں کے دستے مہیا کریں۔

فیریئر لکھتا ہے۔

"اس کی حکومت وفاقی جمہوری نظام سے ملتی جلتی تھی۔ اس نظام میں اس کی حیثیت ایک

مطلق العنان بادشاہ سے زیادہ ایک سربراہ حکومت کی سی تھی۔"

ملک کے انتظامی امور میں مدد کرنے کے لئے اس نے نو سرداروں پر مشتمل ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس کی مرضی کے خلاف کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ قبائلی سرداروں سے جو کسی زمانہ میں اس کے ہم رتبہ تھے اور جنہوں نے اسے بادشاہ بنایا تھا کبھی متکبرانہ انداز سے پیش نہیں آتا تھا۔ اس نے افغانوں میں خودداری اور آزادی کا جذبہ پیدا کیا اور شاہی دربار میں کورنش کی غلامانہ رسم کو ختم کر کے اعلان کیا کہ بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے ہاتھ کو ماتھے تک لے جانا کافی ہے۔(۱۲)

احمد شاہ کی مذہبی پالیسی اگرچہ افغانستان میں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی اور دیہات میں ہندو اور سکھ بہت ہی کم تعداد میں تھے لیکن شہروں میں ان کی خاصی آبادی تھی۔

جارج فورسٹر جس نے ۱۷۸۳ء میں افغانستان میں سفر کیا لکھتا ہے۔

"شہروں اور قصبوں میں زیادہ تر ہندو یا پنجاب کے مسلمان آباد ہیں۔ قندھار میں ملتان اور راجپوت اضلاع کے بہت سے ہندو خاندان ہیں جنہوں نے اپنی جفاکشی اور کاروباری صلاحیتوں سے ملک کی تجارت اور دولت میں اضافہ کیا ہے۔ بخارا کے ترکمان سوداگر بھی بڑی تعداد میں اس منڈی میں آتے ہیں اور ہندوستان سے درآمد کیا ہوا نیل اپنے ملک کو لے جاتے ہیں۔ ہندو تاجروں کی دکانوں کی تعداد اور ان کے آسودہ چہروں کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ قندھار میں انہیں بڑی آزادی اور تحفظ حاصل ہے۔"

مذہبی رواداری افغانوں کی ایک اہم قومی خصوصیت رہی ہے۔

احمد شاہ اور اس کے سنی ہم وطن اکثر اوقات خراسان کے شیعوں اور ہندوستان کے ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف صف بستہ رہتے تھے لیکن اس کی یہ روش کبھی مذہبی جنون کی حد تک نہیں پہنچنے پائی۔ جب وہ مرہٹوں سے مقابلے کی تیاریوں میں مصروف تھا تو اس نے ۳۱ مارچ ۱۷۶۰ء کو ببانگ دھل افغان لشکر میں اعلان کرایا کہ۔

"مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں کے خلاف مذہبی جنون کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا...... اور نہ کوئی افغان سپاہی یہاں کے لوگوں کی مذہبی اور سماجی رسوم میں مداخلت کرے گا۔"

غیر معمولی رواداری شاہ کی مذہبی رواداری کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے مرہٹوں سے گفت و شنید کے لئے ہندو وکیل مقرر کئے اور سکھ جیون لال اور کابلی مل کو بالترتیب کشمیر اور لاہور کا حاکم مقرر کیا۔ تجارت کی آزادی اور تحفظ کے علاوہ ہندوؤں اور سکھوں کو مکمل مذہبی آزادی بھی حاصل تھی اور شاہ نے کبھی ان کے مندروں اور گردواروں سے تعرض

نہیں کیا۔ بہت سے ہندو صدیوں سے افغانستان میں آباد ہیں لیکن انہیں اپنے ہمسایہ افغانوں سے کبھی کوئی خطرہ نہیں رہا۔

کابل کے بالاحصار قلعہ کے نزدیک آرمنی عیسائیوں کی بھی کچھ آبادی تھی۔ انہیں نادر شاہ نے ترکوں سے لڑائی میں پکڑا تھا اور ایران کے شمالی علاقے میں آباد کر دیا تھا جہاں سے احمد شاہ انہیں افغانستان لے آیا تھا۔

فورسٹر نے ۱۷۸۳ء میں لکھا۔

"وہ آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں اور انہیں اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی پوری آزادی ہے۔ ان میں سے بہت سے احمد شاہ مرحوم کے محافظ دستے میں شامل تھے اور اس کے ساتھ کئی مہمات میں شامل رہے۔"

ایرانی شیعہ سُنیوں کے خلاف شدید تعصب رکھتے تھے لیکن احمد شاہ نے سنی ہونے کے باوجود ان سے فیاضی کا سلوک کیا۔

فورسٹر لکھتا ہے۔

"شیعوں میں سخت مذہبی تعصب پایا جاتا ہے اور چونکہ وہ اپنے عقائد میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں اس لئے وہ سُنیوں کے مقابلے میں دوسرے فرقوں سے کم رواداری برتتے ہیں۔ ایران میں وہ سُنیوں کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت نہیں دیتے اور عام بول چال میں بلا کسی اشتعال کے انہیں کافر کہتے ہیں ...... خراسان کے علاقے میں جو افغان سلطنت کا حصہ ہے شیعوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادی حاصل ہے اور شاذ و نادر ہی ان سے حقارت کا سلوک کیا جاتا ہے۔"(۱۴)

احمد شاہ:۔ معمار قوم احمد شاہ کا سب سے اہم کارنامہ افغان قبیلوں کو یک جا کرنا تھا۔ اس نے افغانوں کو ایک قوم بنا دیا۔

۱۷۵۰ء میں ہندوستان پر دوسرے حملے سے واپسی کے بعد احمد شاہ نے افغانوں کی مردم شماری کا حکم دیا۔ اسے احساس تھا کہ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کے مقابلے میں وہ ایک چھوٹی سی قوم ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ افغان بھی اوروں کی طرح پھلیں پھولیں اور ان کی قوت میں اضافہ ہو۔ ان کی تعداد بڑھانے کے لئے اس نے پشتو بولنے والے تمام قبیلوں کو جن میں ایلک اور بلوچ بھی شامل تھے افغان قومیت کے دائرے میں لے لیا اور انہیں اپنی سلطنت کے مختلف حصوں خاص طور سے فرح کے اضلاع اور ہلمند کے کنارے پر آباد کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ افغان ایک دوسرے کے لئے اور زیادہ نزدیک آجائیں اور اپنی لڑکیاں کسی دوسری قوم کے افراد

کو نہ دیں۔(۱۴)

سماجی اصلاحات احمد شاہ نے سماج میں عورتوں کے مرتبے کو بلند کیا۔ اس نے طلاق کو ممنوع قرار دیا اور بیوہ عورتوں کی دوبارہ شادی کی پر زور تحریک شروع کی۔ اس سلسلے میں اس نے لوگوں پر زور دیا کہ کسی شخص کی موت کے بعد اس کے کسی نزدیکی رشتے دار کو سوائے اس کے باپ بیٹے یا بھائی کے اس کی بیوہ سے شادی کر لینی چاہئے۔ اگر ایسا کوئی نزدیکی رشتے دار نہ ہو تو بیوہ اپنے متوفی خاوند کے گھر رہے اور تاحیات اس کی چھوڑی ہوئی جائداد سے متمتع ہو۔

جب کوئی عورت بغیر اولاد کے مرجاتی تھی تو اس کے باپ بھائی یا دوسرے رشتے دار اس کے شوہر سے جہیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح شاہ کا حکم تھا کہ ترکہ پدری تمام و کمال متوفی شخص کے بیٹوں کو ملے گا اور لڑکیاں جو اب تک باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد سے متمتع ہوتی رہی تھیں اس سے قطعی محروم رہیں گی۔(۱۵)

سپاہیوں کی عزت احمد شاہ نے غیر ملکی مہمات سے بے انتہا دولت جمع کر لی تھی لیکن افغانستان کی آمدنی کا کوئی حصہ بھی اس کے ذاتی خزانے میں نہ جاتا تھا۔ وہ لالچی نہیں تھا۔ وہ اس معاملے میں شیر کی طرح تھا جو شکار مار کر اپنے ساتھیوں کو بھی کھلاتا ہے۔ بلی کی طرح نہیں تھا جو ایک نوالہ ملنے پر کونے میں جا چھپتی ہے۔ وہ اپنی فوج میں کھلے ہاتھ سے مال غنیمت تقسیم کرتا تھا اور سپاہیوں کو اس دولت اور مال و اسباب میں برابر کا شریک سمجھتا تھا۔

تاریخ سلطانی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ نیشاپور کے محاصرے میں اس کے سپاہیوں نے مالی مشکلات سے تنگ آکر شاہی خزانے پر ہاتھ ڈال دیا۔ خزانچی نے اس واقعے کی اطلاع بادشاہ کو دی لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ جب خزانچی نے دوبارہ اس کی توجہ منعطف کرانے کی کوشش کی تو اس نے درشتی سے جواب دیا۔

"احمق آدمی تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں۔ پس انہیں کی حمایت اور تلواروں کے بل بوتے پر اس اعلیٰ مرتبے تک پہنچا ہوں۔ میں انھیں اپنی دولت میں حصے دار سمجھتا ہوں۔ اگر وہ اس دولت میں سے کچھ طلب کریں جو درحقیقت انہیں کی کوششوں سے مجھے ملی ہے اور میں انکار کروں تو پھر میں خدا اور اس کے بندوں دونوں کا مجرم قرار پاؤں گا۔(۱۶)

اس کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سواروں پر مشتمل تھی جس میں قبائلی سرداروں اور دوسرے حلیفوں کے دستے بھی شامل تھے۔ اس کا خیال تھا کہ آرام اور بے کاری اس کے جنگجو سرداروں اور افغان رعایا کو آرام طلب اور بزدل بنا دے گی۔ اس لئے وہ ہمیشہ انہیں کسی نہ

کسی غیر ملکی مہم میں مصروف رکھتا۔

ان مہمات سے نہ صرف فوج کا نظم و ضبط ٹھیک رہتا بلکہ بادشاہ کی ذاتی ناموری میں اضافہ ہوتا۔ ملک کی عزت دوبالا ہوتی۔ فوجی اخراجات کے لئے مالی ذرائع ہاتھ آتے اور عام لوگوں کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا۔

خطابات شاہ نے سرداروں۔ امرا۔ اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام کو خطابات دینے کی قدیم رسم برقرار رکھی۔ ان میں سے کچھ خطابات ایسے تھے جو متعلقہ افراد کی ذاتی خصوصیات مثلاً ایمانداری۔ وفاداری شجاعت یا اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں وغیرہ کی نشان دہی کرتے تھے۔ ان میں سے چند خطابات یہ تھے:۔

شاہ ولی خاں۔ شاہ پسند خاں۔ شاہ دوست خاں۔ جہان خاں۔ جاں نثار خاں۔ فرزند خاں۔ دولدار خاں۔ کفایت خاں۔ خان خاناں۔ شرف خاں۔ نظام الدولہ۔ مخلص الدولہ۔ امین الملک۔ التفات خان۔(۱۷)

قوانین شاہی پر عمل درآمد اس نے اپنے بنائے ہوئے قوانین سختی سے نافذ کئے اور اپنے جاں نشینوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا۔

فیریئر لکھتا ہے۔

"احمد شاہ اپنی فتوحات یا حکومت کی وسعت سے زیادہ اس بات کے لئے قابل تعریف ہے کہ اس نے مختلف افغان قبیلوں پر قوانین عائد کرکے انہیں پر امن بنایا۔ اس کے عہد حکومت کی نمایاں خصوصیات دو تھیں ایک تو یہ کہ اس نے مفاد عامہ کے کام کئے اور دوسرے یہ کہ دربار کے طمطراق کے باوجود طبعی سادہ مزاجی برقرار رکھی جس کی وجہ سے اس کی ہردلعزیزی میں اضافہ ہوا۔ وہ ہر شخص سے مل لیتا۔ مقدمات فیصل کرتے ہوئے انصاف کے اعلیٰ ترین اصولوں کو پیش نظر رکھتا اور حتی الامکان درشت الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتا۔ اس کا مصالحانہ رویہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتا جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کے تمام عہد حکومت میں کسی نے اس کے صادر کئے ہوئے کسی فیصلے کی شکایت نہیں کی۔(۱۸)

نتائج احمد شاہ کی فوجی اور انتظامی صلاحیتوں کا ایسا شہرہ تھا کہ ہندوستان کے ایک اہم اثر مورخ الیگزنڈر نے لکھا ہے۔

"وہ دہلی کی سلطنت کی پرانی طاقت اور شان و شوکت بحال کرنے کے لئے موزوں ترین آدمی ہے .... بشرطیکہ وہ بادشاہ بننا قبول کرلے۔"(۱۹)

لیکن یہ اسی طرح ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ بابر کی طرح مادر وطن کو چھوڑ کر ہندوستان میں آباد ہو جاتا۔ اس مقصد کے لئے دارالخلافے کا قندھار سے دہلی منتقل کر لینا ہی کافی نہیں تھا۔ اب حالات بالکل بدل چکے تھے۔ پنجاب میں سکھ ایک مضبوط فوجی طاقت بن چکے تھے۔ وہ طویل اور خونریز جنگ کے بعد مغلوں کی غلامی سے آزاد ہوئے تھے اور کابل کے افغانوں کا اقتدار قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ چنانچہ جونہی درانی ستلج عبور کرکے دہلی جاتا یا چناب عبور کرکے افغانستان لوٹتا سکھ فوراً ہی اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات بحال کرکے پنجاب پر اپنا تسلط جما لیتے۔ انہیں مستقل طریقے سے مطیع کرنا ناممکن تھا۔ افغانستان اور دہلی کے درمیانی علاقے میں ان سرکش لوگوں کی موجودگی کے باعث شاہ کے افغانستان سے منقطع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا اور اس طرح شاہ اپنی فوجی قوت کے سرچشمے سے محروم ہو جاتا۔ وہ یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھا۔

جاٹ اور مرہٹے دہلی کے جنوب میں مرہٹے ہندوستان پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ پانی پت کی شکست کے باوجود وہ ہندوستان میں ایک بڑی قوت کا درجہ رکھتے تھے اور دہلی پر اقتدار جمانے کے لئے موقعے کی تلاش میں تھے۔ اس کے علاوہ بھرت پور کے جاٹوں کو نظرانداز کرنا بھی مشکل تھا۔

مارچ ۱۷۵۷ء میں مغل شاہنشاہ عالمگیر ثانی کو زیر کرکے انہوں نے شاہ کی قوت کا منہ چڑایا تھا۔ نسلی اور مذہبی تعصب کی بنا پر وہ مرہٹوں سے مل کر ایک غیر ملکی دشمن کا مقابلہ کرنے پر کمر بستہ تھے۔

سکھ اور مالیر کوٹلہ اس کے برخلاف ہندوستان میں شاہ کے کوئی ایسے اتحادی نہ تھے جو ایک طرف تو پنجاب میں سکھوں کو دبائے رکھتے اور دوسری طرح دہلی کے نواح میں مرہٹوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے۔ مالیر کوٹلہ کے افغان بہت کمزور تھے۔ ان کی آزادی بھی ان کی اپنی قوت کی مرہون منت نہ تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سکھ ان کا اس وجہ سے لحاظ کرتے تھے کہ نواب شیر محمد خاں نے ۱۷۰۴ء میں گرو گوبند سنگھ کے چھوٹے لڑکوں کے قتل ہو جانے پر اظہار ہمدردی کیا تھا۔ اس کے علاوہ پھلکیاں کے سردار بھی خطرے کے موقعے پر ان کے آڑے آجاتے تھے۔ شجاع الدولہ پنجاب سے بہت دور تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مرہٹوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی مرضی کے خلاف شاہ سے اتحاد کر ہی نہیں سکتا تھا۔ تین اطراف میں ان سے گھرا ہوا تھا اور بالکل ان کے رحم و کرم پر تھا۔ فرخ آباد کے بنگش روہیلے فوجی لحاظ سے بہت کمزور تھے اور انہوں نے شاہ سے کبھی سرگرم تعاون نہ کیا تھا۔ صرف نجیب الدولہ نے شاہی

مہمات میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا لیکن وہ بھی محدود ذرائع کا ایک چھوٹا سا والئی ریاست تھا جو محض اپنی عقل کے بل بوتے پر مرہٹوں' سکھوں اور جاٹوں سے عہدہ بر آ ہوتا رہتا تھا۔ شاہ جب کبھی ہندوستان آتا اسے نجیب کے لئے لڑائیاں لڑنی پڑتیں اور اس طرح بجائے مدد پہنچانے کے نجیب اس کے لئے ایک بوجھ بن گیا تھا۔

ہندوستان میں ایسے ناسائد حالات کے علاوہ شاہ کو گھر پر اور خاص طور سے خراسان میں بھی وقتا" فوقتا" بغاوتوں اور شورشوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ان سب کے لئے اس کی ذاتی توجہ کی ضرورت تھی۔

اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ احمد شاہ نے دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کا کبھی ارادہ ہی نہیں کیا۔ ہندوستان سے اس کی دلچسپی پنجاب تک محدود تھی جسے اس نے ۱۷۵۲ء میں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ ۱۷۵۷ء میں وہ شاہزادہ تیمور کو لاہور میں اپنا نائب السلطنت بنا گیا تھا لیکن شاہزادہ سال بھر سے زیادہ اس ملک میں نہ ٹھہر سکا۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی لڑائی کے بعد اور ۱۷۶۲ء میں جب گھالوگھارا کا واقعہ ہوا احمد شاہ نے سرہند اور لاہور میں اپنے صوبیدار مقرر کئے مگر بے سود۔ ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے سرہند کے افغان گورنر کو شکست دے کر ستلج کے جنوبی علاقے پر قبضہ کیا۔ چند ہی ماہ بعد انہوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا اور ملتان کو تاراج کیا اور پھر دریائے سندھ کو عبور کر کے ڈیرہ جات میں جا گھسے۔ اس کے بعد شاہ اور اس کے جانشین سکھوں کو پنجاب سے بے دخل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور وہ انیسویں صدی کے وسط تک اس صوبے کے بلا شرکت غیرے مالک رہے۔ دہلی کے تخت کے بارے میں احمد شاہ کے غیر جانبدارانہ رویہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ انگریزوں کو شمال مغرب کی جانب پھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ پہلے دہلی تک آئے اور اس کے بعد پنجاب تسخیر کر کے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد تک تسلط جما لیا۔

احمد شاہ کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ اس نے افغانون کو ایک قوم بنا دیا اور انہیں ایک آزاد وطن عطا کیا۔ دنیا اسے بابائے افغان اور موجودہ افغانستان کے بانی کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔ احمد شاہ اول اور آخر افغان تھا اور اس کی پوری زندگی مادر وطن کی عظمت بڑھانے میں صرف ہوئی۔ آج اس کی وفات کو ۱۸۵ سال گزر چکے ہیں لیکن وہ ابھی تک افغانوں کے دلوں میں زندہ ہے جو اسے احمد شاہ بابا کے نام سے یاد رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈو۔ ہسٹری آف ہندوستان جلد دوم ۔ ۴۰۸ ‘۴۰۹‘

۲۔ حسین شاہی

۳۔ ایلفنسٹن ۔ کابل۔ ۲۹۸ ‘۲۹۹‘

تاریخ سلطانی ‘ ۱۴۷‘

۴۔ ایلفنسٹن ۔ کابل ۔ ۲۹۸ ‘۲۹۹‘

میلسن ہسٹری آف افغانستان۔ ۲۷۲ ۔ ۲۷۳‘

فیریئر۔ ہسٹری آف افغان۔ ۹۲ ‘۹۳‘

جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی۔ (۱۹۲۳) جلد نہم۔

۵۔ حیات افغانی۔ ۱۳

غبار احمد شاہ بابا۔ ۲۰۔۲۵۔

۶۔ ایلفنسٹن ۔ کابل۔ ۲۹۹۔

محمد حسین آزاد۔ نگارستان فارس۔ ۲۶۶۔

اس شاعر کا اصل نام نورالعین تھا۔ وہ ضلع گورداسپور کے قصبے بٹالہ کا رہنے والا تھا یہاں اس کا باپ قاضی تھا۔ اواخر اٹھارھویں صدی کے پر آشوب زمانے میں واقف بہاولپور منتقل ہو گیا اور وہیں آباد ہو گیا (اسے لاہوری بھی کہتے تھے) اس کی وفات ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں ہوئی۔ (نگارستان فارس ۔ ۲۲۷۔)

۷۔ محمد حسین آزاد۔ نگارستان فارس۔ ۲۲۵۔۲۲۷۔

۸۔ غبار احمد شاہ بابا۔ ۱۷۵۔۱۷۶۔ احمد شاہ نے ۱۷۶۳ء میں قندھار سے دو میل جنوب کی جانب ایک نئے شہر نادر آباد کی بنیاد ڈالی تھی۔ (کھارت۔ نادر شاہ۔ ۱۱۵)۔

۹۔ غبار ۔ احمد شاہ بابا۔ ۱۷۶۔۱۷۷۔

۱۰۔ فیریئر ۹۱۔۹۴۔

ایلفنسٹن ۔ کابل ۔ ۲۹۸۔

۱۱۔ سائکس۔ افغانستان۔ ۳۶۷۔

۱۲۔ تاریخ سلیمانی۔

فیریئر۔ ۹۳۔۹۵۔

۱۳۔ فورسٹر A Journey from Bengal جلد دوم۔ ۷۹۔۸۶۔۸۷۔۱۰۳۔۱۳۰۔۱۳۱۔

ایلفنسٹن کابل۔ ۲۷۷۔۲۷۸۔۲۹۹۔

مراسلات درانی ۵۰۔ سرڈیسائی۔ ہسٹری آف مراٹھاز۔ جلد دوم۔ ۲۴۸۔

۱۴۔ حیات افغانی۔ ۲۲۵۔۶۹۲۔

ایلفنسٹن۔ کابل۔ ۲۹۹۔

میلسن۔ ہسٹری آف افغانستان۔ ۲۹۲۔

۱۵۔ تاریخ سلطانی۔ ۱۴۷۔ فیریئر ۹۳۔

۱۶۔ تاریخ سلطانی ۱۴۷۔

۱۷۔ غبار۔ احمد شاہ بابا۔ ۱۷۳۔

۱۸۔ فیریئر ۹۳۔۹۴۔

۱۹۔ ہسٹری آف ہندوستان۔ ۴۰۹۔

ضمیمہ ۱۰

احمد شاہ اور اس کا نظام مملکت

احمد شاہ کو ملکی انتظام کی جانب توجہ کرنے کی زیادہ فرصت نہ مل سکی۔ اس کے عہد حکومت کے پہلے گیارہ سال (۱۷۴۷۔ ۱۷۵۸ء) ملکی استحکام اور توسیع سلطنت میں صرف ہوئے۔ اگلے بارہ سال (۱۷۵۹۔ ۱۷۷۰ء) مملکت کے تحفظ اور دفاع میں گزر گئے' زندگی کے آخری دو سالوں میں وہ صاحب فراش رہا اور خرابی صحت کی بنا پر انتظامی معاملات میں سرگرم حصہ نہ لے سکا۔ کسی دستور العمل یا تفصیلی ریکارڈ کی غیر موجودگی میں اس کے ملکی انتظام کی کوئی واضح اور جامع تصویر پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ معلومات مختلف سوانح یا تاریخی کتب سے دستیاب ہو سکیں درج ذیل ہیں۔

مرکزی حکومت

بادشاہ

بادشاہ جسے در دوراں کا خطاب تھا مرکزی حکومت کا سربراہ تھا۔ سلطنت کے اندرونی اور بیرونی سیاسی معاملات کے علاوہ اسے حکومت کے جملہ سول اور فوجی شعبوں پر مکمل اختیار تھا۔ خطبے اور سکے اس کے نام پر رائج تھے۔

البتہ بایں طور کہ ولی عہد کسی صوبے کا حاکم ہو اسے بھی خصوصی حالات میں اپنی عملداری میں اپنے نام کا خطبہ اور سکے رائج کرنے کا اختیار مل جاتا تھا۔ جنگ اور صلح کا اختیار تمام و کمال بادشاہ کو تھا اگرچہ اہم امور مجلس کے مشورے سے طے ہوتے تھے۔ تمام اعلیٰ عہدے شاہ کی جانب سے بطور تحفہ دئے جاتے تھے۔

مجلس

شاہ کی مدد کے لئے ۹ سرداروں پر مشتمل ایک مجلس تھی جس سے عام پالیسی کے مسائل پر خواہ وہ سول ہوں یا فوجی مشورہ کیا جاتا تھا۔ قبائل کے یہ نمائندے تاحیات شاہی مجلس کے رکن رہتے اور انہیں صرف بادشاہ کی انتہائی ناراضگی کی صورت میں برطرف کیا جاتا۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ شاہ کے پیش کئے ہوئے معاملات اور مسائل پر غور کریں اور اسے مناسب

مشورہ دیں۔ اگرچہ شاہ مطلق العنان حاکم اور ملک کے سول اور فوجی نظام کا سربراہ اعلیٰ تھا مگر وہ مجلس کی رائے کو شاذو نادر ہی ٹھکراتا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مجلس کے اراکین نے شاہ کے آخری لمحات تک ہر معاملے میں خواہ وہ اندرونی انتظام سے تعلق رکھتا ہو یا خارجہ پالیسی سے اس کا ساتھ دیا۔

وزیراعظم

ملکی انتظام میں وزیراعظم شاہ کا اہم ترین معاون تھا۔ اسے اشرف الوزراء کا خطاب تھا اور اس کے ذمے مندرجہ ذیل فرائض تھے۔

(۱) معاملات سلطنت میں شاہ کو مشورہ دینا۔

(۲) اس کے احکامات کی تعمیل کا انتظام کرنا۔

(۳) حکومت کے تمام شعبوں کی عام دیکھ بھال۔

(۴) اور ملک کے اندرونی اور بیرونی سیاسی معاملات کی نگرانی۔ وزیراعظم کو کبھی کبھی امیر کبیر یا مختار و مشیر بھی کہتے تھے۔

احمد شاہ کے زمانے میں یہ اعلیٰ عہدہ بگی خاں بامے زئی کے پاس تھا جسے شاہ ولی خاں کا خطاب دیا گیا تھا۔ وہ تلوار اور قلم دونوں کا دھنی تھا۔

وزارت مالیہ

احمد شاہ کی وزارت مالیہ دوسرے تمام سول شعبوں سے بڑی تھی۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ محاصل کے علاوہ یہ محکمہ زراعت ' آبپاشی ' شاہی جاگیر ' (خالصہ) تقاوی ' مفاد عامہ کے کام ' اناج کے ذخائر اور شاہی ٹکسال سے متعلق معاملات بھی سرانجام دیتا تھا۔

وزارت مالیات دوسرے محکموں کے خرچ اور اخراجات کی تفاصیل بھی مرتب کرتا تھا لیکن تحویلات یا محکمہ جنگ کے اخراجات سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ احمد شاہ کے زمانے میں وزیر مال کو دیوان بیگی یا دیوان اعلیٰ کہتے تھے اور یہ عہدہ عبداللہ خاں بامے زئی کے پاس تھا۔ صاحب سراج التواریخ کہتا ہے کہ کچھ عرصے تک علی رضا خاں بھی اس منصب پر فائز رہا۔

خزانچی یا خزانہ دار وزارت مالیات کا ایک اہم عہدیدار تھا۔ تمام نقد روپیہ اور قیمتی اشیا اس کی تحویل میں رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ شاہی فرمان اور ملک کے مالیانے سے متعلق اہم دستاویز کا بھی وہی محافظ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ احمد شاہ کے زمانے میں افغانستان کی آمدنی تین کروڑ روپیہ (تقریباً" بائیس لاکھ پچیس ہزار پونڈ) تھی۔ اس زمانے کے پر آشوب حالات کے پیش نظر یہ رقم بہت بڑی ہے۔

محکمۂ شرعیہ

مرکز میں عدلیہ کا اعلیٰ ترین عہدے دار قاضی القضاۃ کہلاتا تھا۔ دوسرے فرائض کے علاوہ وہ پولیس افسروں کے کام کی نگرانی بھی کرتا تھا جو ملک میں امن و امان بحال رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ احمد شاہ کے عہد حکومت میں قاضی القضاۃ کا منصب ملا فیض اللہ خاں کے پاس تھا۔

قندھار اور صوبائی دارالخلافوں میں قاضی کی مدد کے لئے آٹھ نائب قاضی اور مفتی مقرر تھے۔ مقدمات کا فیصلہ اسلامی قوانین کے مطابق ہوتا تھا۔ دیہاتی علاقوں میں جرگے قائم تھے جو ایسے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے جن میں جرم ثابت ہو چکا ہو۔ ان جرگوں کی حیثیت پنجاب کی پنچایتوں کی سی تھی۔ ایسے مقدمات جن میں جرم ثابت نہ ہوتا ہو ساعت کے لئے قاضیوں کے پاس بھیج دیئے جاتے تھے۔ قاضیوں کی دی ہوئی سزاؤں پر عمل درآمد کرانے کا کام محتسب انجام دیتے تھے۔

دارالتحریر حضور بادشاہ (سیکرٹریٹ)

وزارت مالیہ کے بعد دوسرا اہم ترین شعبہ دارالتحریر حضور بادشاہ تھا جو براہ راست وزیراعظم کی نگرانی میں تھا۔ یہ درحقیقت وزیراعظم کا اپنا دفتر تھا جو اس کے اور بادشاہ کے احکامات اور خط و کتابت کو لکھنے، نقل کرنے اور ان کے اندراجات رکھنے کا کام کرتا تھا۔ جملہ سرکاری ریکارڈ بھی اس دفتر میں رہتا تھا۔ اس محکمے کا افسر اعلیٰ منشی باشی یا سر منشی کہلاتا تھا۔ احمد شاہ کے زمانے میں سعادت خاں سدوزئی اور مرزا ہادی خاں منشی باشی تھے۔

چھوٹے عہدیدار

وزراء کے علاوہ جو بڑے محکموں کے سربراہ تھے شاہی دربار میں متعدد چھوٹے عہدیدار بھی تھے۔

اسحاق آغاسی باشی۔ افسر مہمانداری' یا نقیب جو دربار ہال کے دروازے پر لوگوں کا استقبال کرتا۔ انہیں لے جاکر مقررہ نشستوں پر بٹھاتا۔ اور شاہ سے ان کا تعارف کراتا۔ آج کل یہ فرائض وزیر دربار کے سپرد ہیں۔ احمد شاہ کے عہد میں عبداللہ خاں اس خدمت پر مامور تھا۔ ۱۷۵۲ء میں شاہ نے اسے کشمیر فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آغاسی باشی ترکی زبان میں دربان کو کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت افغان بادشاہ کا آغاسی باشی افسر تقریبات کی حیثیت رکھتا تھا۔

عرض بیگی باشی

وہ عہدیدار تھا جو بادشاہ کو باآواز بلند لوگوں کے عریضے پڑھ کر سناتا اور اس کے احکام ان

تک پہنچاتا۔ یہ طریقہ اس لئے رائج ہو گیا تھا کہ بیشتر سائل درباری آداب سے ناواقفیت کی بنا پر غلط زبان میں عریضے لکھ لاتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ عام لوگ دربار میں بادشاہ سے کافی فاصلے پر ہوتے تھے اور ان کی آواز کا بادشاہ تک پہنچنا مشکل تھا اس لئے عرض بیگی بلند آواز سے ان کے عریضے پڑھ دیتا تھا۔ عرض بیگی کا عہدہ بہت اہم تھا کیونکہ بادشاہ تمام شکایتوں اور عرضداشتوں کی تحقیق اسی سے کراتا تھا اور فیصلہ کرتے وقت اس کی رائے کو ملحوظ رکھتا تھا۔

جارچی باشی

جارچیوں کا سربراہ ہوتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو افواج یا عام لوگوں میں شاہی احکامات کی منادی کرتے تھے۔ اس محکمے کا تعلق عرض بیگی باشی سے ہوتا تھا۔ حاجی کریم داد خاں جو بعد میں کشمیر کا نائب صوبیدار ہوا کافی عرصے تک جارچی باشی کے عہدے پر فائز رہا۔

مہماندار باشی

یا افسر مہمانداری شاہی مہمانوں کی خدمت اور شاہی مہمانوں کی دیکھ بھال پر متعین تھا۔

ناظر خانہ طعام

باورچی خانوں کی نگرانی اور شاہی ضیافتوں کا انتظام کرتا تھا۔ شاہی محل کے اخراجات کے لئے ایک خاص رقم متعین تھی جس کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایک الگ محکمہ بادشاہ کے ذاتی خزانچی اور مشرف یعنی محتسب کی نگرانی میں قائم تھا۔

اردو باشی

چھوٹے عہدیداروں' شاہی ملازموں اور محافظوں کا افسر اعلیٰ تھا۔ وہ اسحاق آغاسی باشی کے بعد دوسرا اہم ترین عہدے والا تھا۔ یہ منصب کچھ عرصہ عبداللہ خاں کے پاس رہا جو ۱۷۴۷۔ ۱۷۴۸ء میں شاہ کے ہندوستان پر پہلے حملے کے وقت سرہند کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

پیش خوانچی

مہمات اور سفر کے دوران میں بادشاہ اور اس کے ذاتی عملے کے ٹھہرنے اور کھانے وغیرہ کے پیشگی انتظامات کا ذمہ دار تھا۔

نساقچی باشی

محافظ دستے کا سالار اعلیٰ تھا جو اپنے دستے کے مسلح جوانوں کے ساتھ ہر وقت شاہ کے حضور میں رہتا تھا۔ وہ شاہ کی ذاتی حفاظت کا ذمے دار تھا۔

ندیم خاص

یا مصاحب اس کے فرائض کی وضاحت غیر ضروری ہے۔ جب کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے وہ بادشاہ کا معتمد خاص تھا۔

خواجہ سرائے باشی

محل کے ملازموں اور خواجہ سراؤں کا افسر اعلیٰ تھا۔ وہ اور اس کے ماتحت اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے تھے کہ انہیں ہر وقت شاہ تک دسترس حاصل تھی اور وہ خفیہ مشاورت کے وقت بھی موجود رہتے تھے۔ خواجہ سرائے باشی "یاقوت خاں" شاہ کا مخلص ترین معتمد تھا۔ اس کا ایک اور خواجہ سرا یوسف علی خاں اودھ کے نواب شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا۔ شاہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ اسے التفات خاں کا خطاب عطا ہوا تھا اور ایک موقعے پر سلطنت کا خزانچی بھی مقرر کیا گیا تھا۔

طبیب باشی

اعلیٰ حضرت کا ذاتی طبیب تھا۔

میر آخور باشی

یعنی شاہی اصطبل کا داروغہ بھی ایک اہم عہدیدار تھا۔ شاہی اور سرکاری جانوروں مثلاً" گھوڑوں، اونٹوں، ہاتھیوں، گایوں اور بھینسوں کی دیکھ بھال کے علاوہ بوجھ اٹھانے والے جانوروں کی افزائش نسل کا بھی ذمہ دار تھا۔ چارے کے ذخیروں اور چراگاہوں کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔ اس کا وزارت مالیہ اور وزارت جنگ سے بڑا گہرا تعلق تھا۔

داروغہ دفتر اخبار اور ہرکارہ باشی

ایران اور ہندوستان کے شاہنشاہوں کی طرح افغانستان کے بادشاہ نے بھی مخبروں اور قاصدوں کا ایک وسیع محکمہ قائم کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک خفیہ محکمہ جاسوسوں کا بھی تھا جو ملک کے کونے کونے سے مفید اطلاعات فراہم کرکے شاہ کو بھیجتے تھے اس محکمے میں عورتیں بھی کام کرتی تھیں۔ درحقیقت عورتوں کا شعبہ نہایت اہم تھا اس لئے کہ ملک کے دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے خفیہ اطلاعات وہی بھیجتی تھیں۔

صاحب سراج التواریخ لکھتا ہے۔

"احمد شاہ لوگوں کے تمام رازوں سے واقف تھا اور ضرورت پڑنے پر ان کا سرسری انداز

سے تذکرہ بھی کر دیتا تھا۔ اس کی وسیع معلومات اور حیرت انگیز لیکن بروقت انکشافات سے لوگ متعجب ہوتے اور انہیں بادشاہ کا معجزہ خیال کرتے "۔

لیکن اس نے جاسوسی کے خفیہ محکمے کا تذکرہ نہیں کیا۔

جاسوسوں کا سربراہ ہرکارہ باشی کہلاتا تھا اور خبر رسانی کے خفیہ محکمہ کا نام جامع اخبار تھا۔ اس محکمے کے سربراہ کو داروغہ دفتر اخبار کہتے تھے۔

ضبط بیگی باشی

عوامی تحفظ کا نگران تھا۔ اس کے صحیح فرائض کے بارے میں کوئی معلومات نہیں مل سکیں۔ عوامی تحفظ کے نگراں کی حیثیت سے اسے پولیس کا سربراہ ہونا چاہئے تھا لیکن احمد شاہ کے زمانے میں پولیس کا الگ محکمہ نہیں تھا اور نہ کوتوال کا عہدہ تھا۔ اس کے عہد حکومت سے متعلق کسی کتاب یا دستاویز میں امیر شرط (محکمہ پولیس کا سربراہ) شحنہ (کوتوال)۔ اساس (رات کے گشتی دستوں کا سردار) یا میر شبگیر (رات کے چوکیداروں کا سربراہ) کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کے فرائض مقامی فوجی دستوں کے سپرد تھے۔

مندرجہ بالا عہدیداروں کے علاوہ احمد شاہ کے دربار میں کچھ اور اہل کار بھی تھے مثلاً" صندوق دار باشی (شاہی لباس اور جواہرات کا نگراں) پیش خدمت گار باشی (محل کے ملازموں کا سربراہ) اور قبوچی باشی (شاہی قیام گاہ کا نگراں) وغیرہ

مقامی حکومت

۱۷۵۷ء میں سرہند کے الحاق کے بعد افغان سلطنت کی وسعت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس کے شمال میں دریائے آمو اور کافرستان کے پہاڑ تھے اور جنوب میں بحیرہ عرب اور خلیج عمان۔ مغربی سرحد' خراسان' ایران اور کرمان سے ملتی تھی اور جنوب میں سرہند کا علاقہ تھا جس کا ایک حصہ تبت کے پہاڑوں تک پہنچ گیا تھا۔ بعد میں سرہند' ملتان اور لاہور کے ہندوستانی صوبے احمد شاہ کے ہاتھ سے نکل گئے اور اس طرح افغان سلطنت کی مشرقی حد سکڑ کر دریائے سندھ تک رہ گئی۔

علاقائی تقسیم

انتظامی سہولت کے لئے پورا ملک بہت سی ولایات اور حکومت ہائے اعلیٰ میں منقسم تھا۔ یہ دونوں ہم معنی اصطلاحیں یعنی ولایت رتبے اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے حکومت اعلیٰ سے بڑی ہوتی تھی۔ ان میں وہی فرق تھا جو ہندوستان کے پرانے سیاسی نظام میں گورنر کے صوبے

اور کمشنر کے صوبے میں ہوا کرتا تھا۔ افغانستان میں مندرجہ ذیل ولایات اور حکومت ہائے اعلیٰ تھیں۔

ولایات

قندھار' ہرات' کابل' مزار شریف' خراسان' بدخشان' پنجاب (لاہور) کشمیر۔

حکومت ہائے اعلیٰ

فرح' میمنا' بلوچستان' غزنی' نعمان' پشاور' ڈیرہ اسماعیل خاں' ڈیرہ غازی خاں' شکار پور' سبی' سندھ' ججھ ہزارا' لبہ' ملتان' سرہند۔

ایک ولایت میں بہت سے محل ہوتے تھے جو شہروں اور دیہات میں منقسم تھے۔ ولایت' حکومت یا محل کا سربراہ جو حاکم کہلاتا تھا شاہی فرمان کے ذریعے مقرر ہوتا تھا۔ یہی صورت امیر لشکر یا سردار کے تقرر کی تھی۔ چھوٹے عہدیداروں کو حاکم یا مرکزی وزرا مقرر کرتے تھے۔ کبھی کبھی شاہ خود بھی ان کا تقرر کر دیتا تھا۔ جن صوبوں میں درانی حاکم تھے وہاں مقامی فوج کی سپہ سالاری کے فرائض بھی وہی انجام دیتے تھے۔

ضمیمہ ۱۱

پانی پت کا آخری اور فیصلہ کن حملہ

(تاریخ "عماد السعادت" کی تصریحات)

مصنف عماد السعادت کا تعارف

یہ کتاب سید غلام علی صاحب نقوی نے فارسی زبان میں لکھی تھی جو رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد حکیم سید محمد اکمل خاں صاحب دہلی کے بادشاہ' شاہ عالم کے طبیب خاص تھے۔ اور شاہ عالم کے ولی عہد اکبر ثانی کی سرکار میں مختار کاری کے فرائض انجام دیتے تھے۔

۱۲۰۲ ہجری میں غلام قادر خاں روہیلہ دہلی میں آیا اور شاہ عالم کی آنکھیں خنجر کی نوک سے نکال لیں۔ اور شاہی خاندان کو اور اس کے نوکروں کو اور سارے قلعے کو لوٹ کر چلا گیا۔ حکیم سید محمد اکمل خاں بھی اس لوٹ کا شکار ہوئے اور دہلی چھوڑ کر حیدر آباد چلے گئے۔ اور حیدر آباد سے حج کرنے کے لئے کعبہ شریف روانہ ہو گئے۔

سید غلام علی نقوی اپنے والد کے ساتھ نہیں گئے۔ لکھنؤ میں آگئے اور وہاں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۲۱۳ھ میں سید غلام علی کے والد حج سے واپس آئے تو سید غلام علی بھی لکھنؤ سے حیدر آباد چلے گئے مگر جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا تو پھر لکھنؤ میں واپس چلے آئے۔

جس زمانے میں سید غلام علی لکھنؤ میں تھے تو لکھنؤ کے ریزیڈنٹ مسٹر پامر کی ان پر بہت عنایت تھی۔ جب سید غلام علی حیدر آباد گئے تھے اسی زمانے میں مسٹر پامر پونہ کے ریزیڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سید غلام علی حیدر آباد سے لکھنؤ جانے لگے تو پونہ میں مسٹر پامر سے ملے۔ اور ان کے تعارف کے ذریعے مسٹر جان بیلی سے لکھنؤ جاکر ملاقات کی۔ اور بیلی صاحب نے سید غلام علی کو اپنا میر منشی بنا لیا۔ اس وقت لکھنؤ کے نواب سعادت علی خاں تھے۔ اس لئے جب سید غلام علی نے مسٹر جان بیلی کی فرمائش سے ۱۲۱۳ھ میں اودھ کی تاریخ لکھی تو

اس کا نام "عمادا لسعادت" رکھا۔ مگر اس کتاب میں "عمادا لسعادت" کا صرف وہ حصہ ہے جس میں پانی پت کی لڑائی کا تذکرہ ہے۔

مرہٹہ حکومت کے عزائم اور ارادے

اورنگ زیب کے زمانے میں سیواجی نام کے ایک لٹیرے نے مرہٹہ حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر آج کل سیواجی کی اولاد کا اقتدار باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ مرہٹہ حکومت برہمنوں کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ اور اس حکومت نے ملکی بول چال کا لحاظ کر کے اپنا نام "پیشوا" رکھا تھا۔ اگرچہ حکومت کی زبان مرہٹی تھی لیکن سرکاری فرمانوں کی تحریریں فارسی زبان میں ہوتی تھیں۔ اور حکومت کے محاورے اور اصطلاحیں بھی فارسی زبان کی برتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ حکمران کے منصب کا نام بھی "پیشوا" رکھا گیا تھا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ برہمن حکمران ہیں۔ برہمن ہندوؤں کی چار ذاتوں میں سب سے اعلیٰ ذات مانی جاتی ہے اور اس کو پیشوائی کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ دہلی دربار سے اور افغان حکومتوں سے اور پڑوس کی آصف جاہی حکومت سے جو خط وکتابت مرہٹوں کی ہوتی تھی وہ فارسی زبان میں ہوتی تھی اور اس میں "پیشوا" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

بالا جی پیشوا کا دم خم

جس زمانے کا حال بیان کیا جا رہا ہے اس وقت مرہٹہ حکومت کی باگ ڈور جس "پیشوا" کے ہاتھ میں تھی اس کا نام بالا جی تھا اور وہ ایک بہت جوشیلا اور متعصب برہمن تھا۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو تمام ہندوستان کے ہندوؤں کی سیاسی اور فوجی طاقت بالا جی پیشوا کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ تمام ہندوستان میں مسلمانوں کی بے شمار ریاستیں اور حکومتیں تھیں لیکن ان سب میں ایکا نہیں تھا۔ اسی طرح ہندو راجپوتوں کی بھی بہت سی ریاستیں تھیں مگر وہ بھی آپس میں متحد نہیں تھیں۔ لیکن ہندوؤں کی سب ریاستیں پایہ تخت پونا کے پیشوا بالا جی کو اپنا مرکز مانتی تھیں۔ مسلمان ریاستوں میں افغان ریاستیں احمد شاہ ابدالی کو اپنا مرکز سمجھتی تھیں اور اودھ کی شیعہ حکومت اور نظام کی سنی حکومت خود اپنی اپنی ذات کو مرکز بنانے کی فکر میں تھیں۔

پنجاب کے سکھ سمجھتے تھے کہ مرہٹوں نے بھی لوٹ مار کے ذریعے سلطنت قائم کی ہے ہم بھی اسی طرح سلطنت قائم کر سکتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کی حیثیت ایسے آدمی کی سی تھی جو اپنا بچاؤ کرنا چاہتا ہو۔ اور ہندوؤں کی حیثیت حملہ کرنے والوں کی سی تھی۔ یعنی مسلمان یہ محسوس

کر رہے تھے کہ ہماری ہستی خطرے میں ہے اور ہم کو احمد شاہ ابدالی کے مرکز پر جمع ہو جانا چاہئے۔ اور ہندو محسوس کر رہے تھے کہ پیشوا کی حکومت ہماری قومی حکومت ہے اور اس کے سہارے ہم ہندوستان میں دوبارہ ہندو راج قائم کر سکتے ہیں۔

بھرت پور کا راجہ سورج مل

بھرت پور کا ایک معمولی زمیندار سورج مل نام کا تھا۔ اور اس نے اورنگ زیب کی اولاد کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاکر بھرت پور کے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھااور بہت طاقتور ہو گیا تھا۔ اور اس کے بیان کے بمو جب ۶ کروڑ روپے نقد اس کے پاس تھے اور جاٹوں کی فوج بھی بہت بڑی رکھتا تھا۔

اودھ کے صوبے دار نواب شجاع الدولہ تھے جو ایرانی نسل سے تھے اور شیعہ عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کے مورث منصور علی خاں صفدر جنگ سے سورج مل کی دوستی تھی۔ اس کے اشارے اور ایما سے سورج مل فوج لے کر آیا اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد درگاہ اور بستی پر قابض ہو گیا۔ اور ہر چیز لوٹ کر بھرت پور لے گیا۔ یہاں تک کہ درگاہ کا قیمتی کتب خانہ بھی لے گیا۔

یہ حکایت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ افغانوں اور مرہٹوں اور انگریزوں کے بعد اگر کوئی اور قوم بھی ہندوستان کا مالک بننے کا منصوبہ باندھ رہی تھی تو وہ جاٹ قوم تھی۔ بھرت پور میں ہندو جاٹ تھے اور پنجاب میں سکھ جاٹ تھے۔ لیکن سکھ جاٹوں میں تنظیم نہیں تھی۔ اور ہندو جاٹوں کو سورج مل جیسا دانش مند اور سیاست داں اور جنگ باز سردار میسر تھا۔

مرہٹہ امپائر کا خواب بے تعبیر

پونا دربار کے بالا جی پیشوا نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جب تک افغانستان کی مرکزی طاقت کو ختم نہیں کیا جائے گا، ہندوستان سے مسلمانوں کی پراگندہ طاقتیں دور نہیں ہوں گی اور تمام ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کا منصوبہ جبھی پورا ہو گا کہ پہلے پنجاب سے احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ کو نکالا جائے اور پھر کابل پر قبضہ کرکے افغانوں کی مرکزی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اس لئے بالاجی پیشوا نے اپنے بھائی راگھو ناتھ راؤ کو ایک زبردست فوج کے ساتھ بھیجا کہ پنجاب سے تیمور شاہ کو نکال کر کابل تک بڑھا چلا جائے۔

بالاجی بہت سمجھدار آدمی تھا۔ مگر اس نے راجپوت ریاستوں اور سکھوں اور بھرت پور

کے جاٹوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوئی تدبیر نہیں کی۔ بلکہ مرہٹوں نے راجپوت ریاستوں پر حملے کر کے سب راجپوتوں کو فکر مند کر دیا تھا اور ہر راجپوت ریاست مرہٹوں کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ سمجھتی تھی اور سکھ بھی مرہٹوں کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے اور مرہٹوں کا برتاؤ بھی سکھوں کے خلاف بہت برا تھا۔

مرہٹوں کی عادت تھی جو ان کو سیواجی سے ورثے میں ملی تھی کہ جس ملک میں جاتے تھے اس کو لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ چنانچہ راگھوناتھ راؤ بھی پنجاب کی طرف بڑھا تو راستے میں جن ہندو مسلمانوں کی ریاستیں ملیں ان کو لوٹتا کھسوٹتا اور تباہ و برباد کرتا ہوا آندھی کی طرح بڑھتا ہوا چلا گیا۔ پنجاب میں دہلی کی مغل سلطنت کا صوبے دار آدینہ بیگ تھا۔ راگھوناتھ راؤ نے تمام پنجاب میں ہلچل ڈال دی۔ اور سکھوں کو تو اتنا زیادہ لوٹا اور برباد کیا کہ وہ بے چارے عورتوں اور بچوں کو اور گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے۔ احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور شاہ بھی اس آندھی کے سامنے سے ہٹ گیا اور اپنے باپ کو سانڈنی سواروں کے ذریعے خبریں بھیجیں۔ احمد شاہ ابدالی اس وقت قندھار میں تھے۔ وہ فوراً یلغار کرتے ہوئے پنجاب کی طرف بڑھے۔ راگھوناتھ راؤ نے یہ خبریں سنیں تو ایسا گھبرایا کہ پونا دربار کے حکم کا انتظار کئے بغیر پنجاب سے الٹا بھاگا۔ یہ حالت پنجاب کے مسلمانوں اور سکھوں نے دیکھی تو وہ سب مرہٹوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کو اتنا لوٹا کہ راگھوناتھ راؤ کی فوج کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ مورخوں نے حساب لگایا ہے کہ مرہٹہ پیشوا کو راگھوناتھ راؤ کی مہم میں اٹھاسی لاکھ روپے کا نقصان ہوا۔

اگرچہ نواب نجیب الدولہ مرہٹوں کے راستے سے الگ تھے لیکن احمد شاہ ابدالی کی حکومت کو مسلمانوں کی مرکزی حکومت سمجھتے تھے۔ اور جب راگھوناتھ راؤ نے پنجاب پر حملہ کیا اور افغانستان تک جانا چاہا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ مرہٹوں کی پشت پر حملہ کریں تاکہ افغانستان کی فوج اور نجیب الدولہ کی فوج کے محاصرے میں مرہٹوں کا خاتمہ ہو جائے۔

پنجاب سے راگھوناتھ راؤ کے بھاگنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کو نجیب الدولہ کی جنگی چال کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے جب راگھوناتھ راؤ پنجاب سے بھاگا تو اس نے ارادہ کیا کہ نجیب الدولہ کو نیست و نابود کر کے دکن کو واپس جائے۔ یہ خبر نجیب الدولہ کو ہوئی تو وہ اپنی فوج لے کر خود مرہٹوں پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ تاکہ مرہٹے اس کے ملک میں داخل نہ ہونے پائیں۔ راگھوناتھ راؤ کی فوج بہت زیادہ تھی اور نجیب الدولہ بہت کمزور تھا۔ تاہم افغان بڑی ہمت سے لڑے اور جب ان کی حالت نازک ہو گئی تو شجاع الدولہ نے بھی افغانوں کی مدد کے

لئے فوجیں بھیجیں۔ یہ حال دیکھ کر راگھوناتھ راؤ دکن کی طرف بھاگ گیا۔

راگھوناتھ کا فرار اور مرہٹوں کا جوش

جب راگھو ناتھ راؤ پنجاب سے بھاگا ہوا پونا پہنچا تو بالاجی پیشوا کے چچا زاد بھائی سداشیو پنڈت بھاؤ نے راگھو ناتھ راؤ کو بہت طعنے دیئے کہ تو اتنی بڑی طاقت کے ساتھ گیا اور ۸۸ لاکھ روپے خرچ کئے مگر چند سکھوں اور مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ آیا۔ راگھو ناتھ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا "تم بڑے سورما ہو تو اب کے تم جانا۔ دیکھوں گا افغانوں اور مسلمانوں سے کیونکر جیت سکتے ہو۔؟"

آخر ایک دن بالاجی نے دربار کیا۔ جس میں مرہٹہ حکومت کے سب فوجی اور سول سردار جمع ہوئے اور بالاجی کی رانی بھی اس مشورے میں شریک ہوئی۔ کیونکہ اس کو فکر تھا کہ بالاجی نے اپنے چچازاد بھائی بھاؤ کا اختیار بہت بڑھا دیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بالاجی کے بعد وہ پیشوا بن جائے اور میرا بیٹا بسواس راؤ محروم رہ جائے۔

یہ جلسہ مرہٹوں کی تاریخ میں بہت بڑا تاریخی جلسہ تھا۔ اسی جلسے میں وہ فیصلے ہوئے جو اگر کامیاب ہو جاتے تو سارا ہندوستان ہندوؤں کے قبضے میں آجاتا اور ایک مسلمان بھی ہندوستان میں باقی نہ رہتا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے اس جلسے کے منصوبے اور مشورے مرہٹہ طاقت کی مسماری اور تباہی اور بربادی کا باعث بن گئے۔

جو تقریریں اس دربار میں ہوئیں ان کی تفصیلات مختلف مرہٹہ تاریخوں میں اور انگریزی تاریخوں میں اور کچھ مسلمانوں کی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب تقریروں کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب محض تقریروں کی ہو جائے گی۔ خلاصہ ان سب تقریروں کا یہ تھا کہ مسلمان افغانستان کے راستے ہندوستان میں آئے تھے اور آتے رہتے ہیں۔ اور اب بھی احمد شاہ ابدالی کے پاس اتنی بڑی طاقت موجود ہے جو ہماری حکومت کے لئے سب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم سب کو اس مقصد کے لئے ایک دل ہو جانا چاہیے کہ افغانستان کے مرکز کابل پر قبضہ کر لیں اور افغانوں کی طاقت کو ہندوستانی مسلمانوں کی امداد کے لئے جمع نہ ہونے دیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ ایک ایک مسلمان ریاست کو ختم کرنے کا کام شروع کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ ایک اسلامی ریاست بھی ہندوستان میں باقی نہ رہنے پائے۔

سداشیو پنڈت بھاؤ نے کہا "ہمارے دل محمود غزنوی کے حملوں سے زخمی ہو گئے ہیں اور وہ زخم صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اب تک ہرے ہیں۔ محمود نے متھرا کے مندروں کو توڑا'

قنوج کے مندروں کو برباد کیا اور کوئی بڑا بت خانہ باقی نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ سمندر کے کنارے آکر سومنات کا مندر بھی توڑ ڈالا۔ اب ہم کو اپنے زخموں کا علاج کرنا ہے اور اب ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ ہم مسلمانوں کو بتا سکتے ہیں کہ ہم سومنات کی مورتی کی بے حرمتی کو بھولے نہیں ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ ہم سومنات کی مورتی شاہ جہاں کی بنائی ہوئی جامع مسجد دہلی کے منبر پر نصب کریں اور پھر پنجاب پر قبضہ کرکے افغانستان میں گھس جائیں اور غزنی میں جاکر محمود غزنوی کا مقبرہ ڈھا دیں۔ اور اس کی لاش کو قبر سے نکال کر اس کے دانت توڑ ڈالیں۔ اور پھر اس کو آگ میں جلا دیں۔ اور دنیا کو دکھا دیں کہ ہندوستان کے ہندو غیرت اور حمیت رکھتے ہیں۔ اور جب ان کو موقع ملتا ہے بدلا لے لیتے ہیں"۔

بالاجی پیشوا نے اپنے چچازاد بھائی کی یہ جوشیلی تقریر سنی تو کہا "میں اس سے بھی بڑا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں ہندوستان کو مسلمانوں سے صاف کر دینے کے بعد ایسا انتظام کر دینا چاہتا ہوں کہ پھر کوئی مسلمان طاقت ہندوستان پر حملہ کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکے۔" اس کے بعد بالاجی پیشوا نے سب امیروں وزیروں سے رائے پوچھی اور قرار پایا کہ پیشوا کے چچازاد بھائی کی سپہ سالاری میں ایک جرار فوج بھیجی جائے جو پہلے دہلی کی مغل حکومت کا خاتمہ کر دے۔ پھر ہندوستان کی افغان ریاستوں کو چھیڑے بغیر سیدھی پنجاب میں جائے اور احمد شاہ ابدالی کو اٹک کے کنارے روکے اور اس کو مغلوب کرکے کابل اور قندھار اور غزنی چھین لے۔ اور پھر افغانستان میں ٹھہر کر انتظام شروع کرے۔ اور بالاجی دوسری فوج تیار کرکے ہندوستان کی ایک ایک مسلمان ریاست کو چن چن کر ختم کر ڈالے۔

بالاجی کی رانی بھی دربار میں بیٹھی تھی۔ اس نے یہ سب تقریریں سنیں تو آخر میں کہا "میری رائے یہ ہے کہ پیشوا کا بڑا بیٹا بسواس راؤ بھی اس فوج کے ساتھ دہلی جائے اور دہلی پر قبضہ ہو جائے تو مغل بادشاہ کی جگہ بسواس راؤ کو تخت نشین کیا جائے۔ تاکہ بسواس راؤ ملک کے اندر کا انتظام برقرار رکھے۔ اور پیشوا پونہ سے اس کی کمک کرتا رہے۔ اور بھاؤ پنجاب لیتا ہوا افغانستان میں گھس جائے"۔

پیشوا کی فوج کا آتش خانہ بہت بڑا تھا یعنی توپیں' بندوقیں وغیرہ۔ آتشی ہتھیاروں کو آتش خانہ کہا جاتا تھا۔ اور وہ ایک افغان سردار ابراہیم خاں گاردی کے اختیار میں تھا۔ ابراہیم خاں کو بھی اس دربار میں شریک کیا گیا تھا۔ اس نے یہ سب تقریریں سنیں اور خاموش رہا۔ بالاجی پیشوا نے یہ خیال کرکے کہ مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے اس کا برا اثر ابراہیم خاں پر ہوا ہوگا اس کو مخاطب کرکے کہا۔ "بھاؤ نے جو کچھ کہا اور ہم نے جو کچھ کہا اس کا مطلب یہ نہیں

ہے کہ ہم اسلام کے دشمن ہیں بلکہ جن مسلمانوں نے ہندو مذہب کی توہین کی ہے ان کے خلاف ہمیں انتقامی کام کرنا ہے۔ ورنہ سب لوگ جانتے ہیں کہ حکومت اور ریاست کے معاملے میں ہم ہندو ریاستوں سے بھی لڑتے ہیں اور سکھوں سے بھی لڑتے ہیں۔

ابراہیم گاردی نے کھڑے ہو کر کہا "میں اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اپنی پوری وفاداری کا یقین دلاتا ہوں۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے اس لئے میری نمک حلالی آپ پر ہر جگہ ظاہر ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ میں اپنے ملک افغانستان میں بھی آپ کا وفادار رہوں گا۔ مگر یہ چیز میں برداشت نہیں کر سکتا کہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر سومنات کی مورت نصب کی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میں بھی اور میرے ساتھی سب افغان بھی اپنی جانیں مسجد کی عزت بچانے کے لئے قربان کر دیں گے"۔

ابراہیم گاردی کی یہ تقریر سن کر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ بالاجی پیشوا نے بھاؤ کو دیکھا اور سب درباریوں کو دیکھا اور سب درباریوں نے پیشوا کو دیکھا۔ اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک بڈھا مرہٹہ سردار کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "ابراہیم گاردی سچ کہتا ہے۔ بھاؤ نے جو تقریر کی ہے وہ راج نیتی کے خلاف ہے۔ محمود غزنوی نے جو کچھ کیا وہ ہندو مذہب کو ذلیل کرنے کے لئے نہیں کیا۔ بلکہ جن مسلمانوں کو لوٹ مار کے لئے ساتھ لے کر آیا تھا ان کے جاہلانہ جوش سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا اور ہم کو یہ سوچنا چاہئے کہ محمود غزنوی کا گناہ کئی صدی کے بعد ان مسلمانوں کے ذمے نہیں لگایا جا سکتا جن کا محمود غزنوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیشک اورنگ زیب سے ہم ناراض ہیں لیکن دہلی کی جامع مسجد اس کے باپ شاہجہان نے بنائی تھی۔ اورنگ زیب نے اپنے باپ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ پس ان حالات میں ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم وقت سے پہلے ایسی باتیں زبان سے کہیں جن سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھائیں اور ان کا جوش ہمارے خلاف بڑھ جائے۔ اور ان کا ایکا ترقی کرے اور ہم کو ایک بڑے منصوبے میں مشکلات پیش آئیں"۔

بالاجی پیشوا نے اس سردار کی تقریر سن کر کہا "میرے بھائی بھاؤ نے جو کچھ کہا ہے وہ ہندوستان کے ہندو کے دل کی آواز ہے۔ پھر بھی میں راج نیتی کا خیال کرکے اپنے اس سردار کی بات پسند کرتا ہوں جس نے جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت لگانے کے خلاف تقریر کی ہے۔"

اس کے بعد بالاجی نے کہا "میں رانی جی کی رائے کو قبول کرتا ہوں۔ سپہ سالاری تو بھاؤ کے نام رہے گی لیکن میرا بیٹا بسواس راؤ بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ بھاؤ کا فرض ہو گا کہ وہ

دہلی پر قبضہ کرکے بسواس راؤ کو تخت پر بٹھائے اور خود آگے بڑھ جائے۔"

سداشیو بھاؤ کے ہاتھ میں کمان دی جاتی ہے

جلسہ ختم ہونے کے وقت بالاجی پیشوا نے اہل دربار سے پوچھا تھا کہ سپہ سالار کس کو بنایا جائے؟ اس پر اختلافات ہوئے۔ بعض امیر کہتے تھے رگھوناتھ راؤ کو سپہ سالاری دی جائے اور بعض لوگ بھاؤ کا نام لیتے تھے۔ آخر بالاجی پیشوا نے حکم دیا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ ان دونوں میں جس کا نام نکلے اسی کو سپہ سالاری دی جائے۔ چنانچہ اسی وقت قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ رگھوناتھ راؤ کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر رگھوناتھ راؤ کے حامی بہت خوش ہوئے اور بھاؤ کے حامی رنجیدہ ہوئے۔ مگر رگھوناتھ راؤ اپنا نام نکلنے سے خوش نہ ہوا۔ اور اس نے کھڑے ہو کر کہا "مجھ سے گذشتہ سال کی لڑائی میں غلطیاں ہوئی ہیں اور میرا نام اپنوں میں بھی بدنام ہے اور پنجاب کے سکھ اور افغان بھی مجھ کو بزدل اور بھگوڑا سمجھتے ہیں۔ اس واسطے میں اس خدمت سے معافی چاہتا ہوں۔"

یہ تقریر سن کر رانی نے کہا "رگھوناتھ راؤ کی بات سچی ہے۔ ہم کو افغانوں اور سکھوں کے نام و نشان کو ہندوستان سے مٹا دینا ہے۔ اس لئے رگھوناتھ راؤ کا سپہ سالار بنانا ٹھیک نہیں ہو گا۔ کیونکہ رگھوناتھ راؤ کی ہیبت اور عزت پنجاب کے سکھوں اور مسلمانوں کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔"

اس کے بعد رانی صاحب نے اپنے چچازاد دیور پنڈت سداشیو بھاؤ کی بہت تعریف کی اور کہا "وہ پیشوا کا بھائی بھی ہے اور پیشوا نے اس کی لیاقت کی وجہ سے اس کو اپنی سلطنت کا مدارالمہام بھی بنا رکھا ہے اور اس میں رگھوناتھ سے بہت زیادہ بہادری بھی ہے اور ہمت بھی ہے اور جوش بھی ہے اور عقل بھی ہے۔"

رانی کی تقریر سن کر بالاجی پیشوا نے اہل دربار سے پوچھا۔ سب نے جواب دیا رانی صاحبہ جو کچھ فرماتی ہیں بالکل ٹھیک ہے۔ یہ مہم راجکمار بسواس راؤ کے نام پر ہو اور اس کا سیناپتی (سپہ سالار) بھاؤ کو مقرر کیا جائے۔

دربار کے ایک سردار نے سوال کیا کہ میں رانی صاحبہ کی رائے کو تو ٹھیک سمجھتا ہوں مگر ابھی سکھوں کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ سکھوں نے اگر رگھوناتھ راؤ کی واپسی کے وقت مرہٹہ فوج کو لوٹا تو کوئی ایسا گناہ نہیں کیا جس پر اتنا زیادہ غصہ ظاہر کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ سکھوں کا نام و نشان ہندوستان میں باقی نہ رکھا جائے۔ کیونکہ

سکھ بھی ہندو ہیں اور رگھوناتھ راؤ نے بلاوجہ ان کو لوٹا اور مارا تھا اور ان پر سختی کی تھی۔ اس لئے انہوں نے بھی بدلہ لیا۔ لہٰذا میری رائے ہے کہ سیناپتی بھاؤ اس مہم میں صرف مسلمانوں اور افغانوں کی تباہی کا خیال سامنے رکھیں۔ سکھوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں کیونکہ جب افغانوں کا کانٹا صاف ہو جائے گا تو یہی سکھ ہمارے کام آئیں گے۔ کیونکہ وہ ہندو ہیں اور ہماری حکومت بھی ہندو حکومت ہو گی۔"

بالاجی پیشوا نے بہت جوش میں آکر کہا "تم سکھوں کی حمایت کرتے ہو۔ تم نے اس بات کو نہیں سوچا کہ وہ مرہٹوں کی حکومت کے مسلمانوں سے زیادہ دشمن ہیں کیونکہ وہ صرف سکھوں کا راج چاہتے ہیں اور ہندوؤں اور مرہٹوں کو بھی مسلمانوں کی طرح اپنا حریف سمجھتے ہیں ۔ اس واسطے میں یہ معاملہ بھاؤ کی مرضی اور سمجھ پر چھوڑتا ہوں۔ اگر وہ پنجاب میں داخل ہونے کے بعد سکھوں کو اپنے راستے کا روکنے والا نہ سمجھے تو ان سے چشم پوشی کرے۔ ورنہ میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ افغانوں کے ساتھ سکھوں کا بھی صفایا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے اور اٹک کو عبور کرکے کابل اور غزنی اور قندھار افغانوں سے چھین لے۔

بالاجی پیشوا نے اپنے حکم کی تائید کے لئے اور اپنی بات کا اثر جمانے کے لئے اور اپنے سرداروں کا اور بھاؤ کا دل بڑھانے کے لئے یہ بھی کہا کہ اکبر کے زمانے میں ایک ہندو راجہ مان سنگھ نے پورے افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں اپنے چچازاد بھائی بھاؤ کی عقل اور ہمت اور دور اندیشی پر اتنا زیادہ بھروسہ رکھتا ہوں کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ جب بھاؤ افغانستان پر قابض ہو جائے گا تو وہ ایسی ہی عقل مندی سے وہاں کا انتظام کرے گا جیسی دانش مندی سے مان سنگھ نے اکبر کے زمانے میں افغانستان کا کیا تھا۔

رگھوناتھ راؤ کی فراری کے ایک سال کے بعد یہ عظیم الشان جرار لشکر پونا سے روانہ ہوا۔ اور بالاجی پیشوا نے کہہ دیا کہ میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے پانچ لاکھ فوج لے کر روانہ ہونے والا ہوں۔

جب یہ لشکر پونا سے چلا تو دکن کے ہر ہندو میں ایک عجیب و غریب جوش نظر آتا تھا۔ راستے میں جو شہر اور قصبے اور گاؤں ملتے تھے وہاں کے ہندو اس فوج کا استقبال کرتے تھے اور پھول برساتے تھے۔ مسلمان گھروں میں چھپ جاتے تھے یا جنگلوں میں چلے جاتے تھے۔ بعض مقامات پر مسلمان ایسا نہ کرتے تھے تو فوج والوں سے اذیت اٹھاتے تھے۔ ان کے گھروں کو لوٹ لیا جاتا تھا اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کی جاتی تھی۔

الغرض سواروں اور پیدلوں اور توپ خانوں کا یہ ایک بہتا ہوا دریا پونا سے سرونج تک پہنچا

تو راستے کی سب آبادیاں یا لٹ گئیں یا لرز گئیں۔ اور اس لشکری سیلاب نے ہر نسل اور ہر قوم کے ہندوؤں میں بے حد جوش پیدا کر دیا۔

پیشوا کا بیٹا مسلمان کس طرح بنایا گیا: تعصب کی انتہا

جب یہ آندھی بیانہ مقام پر پہنچی جو راجہ سورج مل جاٹ کی حکومت کا ایک مشہور قلعہ تھا اور جہاں بے شمار مسجدیں اور قبریں نامور مسلمانوں کی تھیں۔ وہاں اس فوج نے نامور امیروں اور حکمرانوں کی قبریں کھودیں اور ان کی لاشیں نکال کر ان کے دانت توڑے۔

مردہ انسانوں کے دانت توڑنے کا شوق باؤ کی فوج کو بہت زیادہ تھا۔

بالاجی پیشوا کا ایک بھائی ایک مسلمان طوائف کے بطن سے بھی تھا جس کا نام بشن سنگھ تھا۔ اور پیشوا نے اس کو بھی ایک فوج دے کر بھاؤ کے ساتھ بھیجا تھا۔ راستے میں جب بھاؤ کی مسلمانوں سے نفرت حد سے بڑھی تو اس سے کسی نے کہا آپ کے ایک بھائی کی ماں مسلمان ہے اور وہ ہمارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ خود مسلمان نہیں ہے لیکن مسلمان ماں کا بیٹا ہے اور اس کے ساتھ کھانے پینے کے سبب ہندو سرداروں کی پاکبازی قائم نہیں رہ سکتی۔

یہ بات یا تو بھاؤ کے اشارے سے کی گئی تھی یا از خود لوگوں نے کی تھی۔ لیکن بھاؤ کی جوشیلی تعصبانہ طبیعت کے موافق تھی۔ اس واسطے بھاؤ نے حکم دیا "بشن سنگھ کو ہمارے سامنے بلایا جائے۔" جب وہ سامنے آیا تو بھاؤ نے کہا "یہاں سب سرداروں کی یہ رائے ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ ہندو سردار تمہارے ساتھ کھانا نہ کھائیں' پانی نہ پئیں اور ان کا دھرم خراب نہ ہو۔ اب وہ سب تم کو ہندو جانتے ہیں اور تمہارے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور ان سب کا دھرم خراب ہوتا ہے۔"

بشن سنگھ نے جواب دیا "بیشک میری ماں مسلمان ہے۔ لیکن میں شروع سے ہندو عورتوں اور ہندو مردوں کے ہاتھوں میں پلا ہوں۔ اور کوئی بات یا کوئی رسم مسلمانوں کی میرے ساتھ نہیں ہوئی ہے۔ پھر بھی آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تابعداری کروں گا۔ آپ میرے بھائی بھی ہیں اور میرے سپہ سالار بھی ہیں۔"

بالاجی کے بیٹے بسواس راؤ نے دخل دیا اور کہا کہ میرے نزدیک چاچا بشن سنگھ کا مسلمان کرنا پتا جی کو اچھا نہیں معلوم ہو گا۔ اتنا بڑا کام کرنے سے پہلے اگر پتا جی کو (یعنی بالاجی پیشوا کو)

لکھ کر اجازت منگا لی جائے تو مناسب ہو گا۔

بھاؤ نے بگڑ کر جواب دیا ہم سفر میں ہیں اور جب تک پونا سے جواب آئے گا ہم دلی سے آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ اور جس بات کا ہم کو ڈر ہے کہ ایک مسلمان ماں کے بیٹے کے ساتھ کھانے پینے کے سبب ہمارا دھرم خراب نہ ہو ■ بات روزانہ پیش آتی رہے گی اور ہم سب کا دھرم خراب ہوتا رہے گا۔

یہ سن کر بسواس راؤ نے کہا۔ ”میں بھی برہمن ہوں اور میں نے بھی ہندو دھرم کو سیکھا ہے ۔ مجھے تو چاچا بشن سنگھ کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی بات دھرم کے خلاف معلوم نہیں ہوتی۔“

بسواس راؤ کی یہ بات سن کر تین چار سردار بگڑ کر بولے ”تم ابھی بچے ہو۔ تم دھرم کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔“

مجبورا" بسواس راؤ خاموش ہو گیا۔ اور بھاؤ نے ابراہیم خاں گاردی کو حکم دیا کہ ابھی بھائی بشن سنگھ کو لے جاؤ اور ان کو مسلمان بنا لو۔ اور آئندہ ان کا کھانا پینا تم مسلمانوں کے ساتھ رہے گا۔ ہمارے ساتھ ہرگز نہ رہے گا۔

یہ بات بشن سنگھ کو بہت ناگوار ہوئی اور اس نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”میرے جسم میں پیشوا کا برہمن خون ہے۔ میں اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا مجھے اجازت دی جائے کہ میں پونا واپس چلا جاؤں۔“

بھاؤ نے جواب دیا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا۔ تم کو میرے ساتھ چلنا ہو گا“

بات بڑھتی دیکھی تو راجہ سورج مل نے جھگڑا مٹانے کے لئے کہا۔ ”بشن سنگھ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم سے بات کر لوں پھر تم پونا جانے یا نہ جانے کا فیصلہ کرنا۔“

یہ کہہ کر سورج مل بشن سنگھ کو اپنے خیمے پر لے گیا۔ اور وہاں لے جا کر کہا کہ موقع بہت نازک ہے۔ مہم بہت بڑی ہے۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے۔ بھاؤ نوجوان بھی ہے اور ناتجربہ کار بھی ہے۔ تم اس کی باتوں کا خیال نہ کرو اور مسلمان ہو جاؤ تاکہ اس کا وہم دور ہو جائے۔ اگر تم پونا واپس چلے جاؤ گے تو یہ خبر چھپی نہیں رہے گی۔ مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے گی اور ان کی ہمتیں بڑھ جائیں گی کہ ان کے آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔

آخر بشن سنگھ راضی ہو گیا اور ابراہیم گاردی کے پاس گیا اور اس نے بشن سنگھ کو مسلمان کیا اور شمشیر بہادر نام رکھا۔ ابراہیم گاردی کے ساتھی ایک مولوی نے کہا۔ اس کا نام اسمٰعیل خاں رکھو۔ مگر ابراہیم گاردی نے جواب دیا یہ شخص اپنے دل سے مسلمان نہیں ہوا ہے۔ بھائی

کے حکم سے مجبور ہو کر مسلمان ہوا ہے۔ اس لئے میں اس کو ایک بڑے پیغمبر کا پاک نام نہیں دے سکتا۔ شمشیر بہادر نام ہی ٹھیک ہے۔

متھرا کی جامع مسجد دیکھ کر بھاؤ کی برہمی

جب یہ فوجیں بیانہ اور بھرت پور اور آگرے وغیرہ سے آگے بڑھیں اور متھرا پہنچیں تو سورج مل ساتھ تھا۔ کیونکہ یہ سب مقامات اس کی حکومت میں تھے۔ اور متھرا ابھی سورج مل کی حکومت میں تھا۔ بھاؤ شہر کے اندر داخل ہوا تو اس نے اکبر کے زمانے والے ملا عبدالنبی کی بنائی ہوئی ایک عالی شان مسجد دیکھی اور کچھ دیر اس کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھیں بھی طیش و غصے کے سبب لال ہو گئیں اور اس نے نہایت سخت لہجے میں راجہ سورج مل سے کہا "جب متھرا تمہاری حکومت میں آچکا ہے تو اتنی بڑی مسجد تم نے یہاں کیوں باقی رہنے دی؟"

راجہ سورج مل کئی دن سے دیکھ رہا تھا کہ بھاؤ مجھے خاطر میں نہیں لاتا اور بات بات میں حقارت کا برتاؤ کرتا ہے۔ لیکن وہ وقت کی مصلحت کے سبب خاموش تھا۔ آج جب سب بڑے بڑے سرداروں کے سامنے بھاؤ نے بہت تلخ لہجے میں یہ سوال کیا تو اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے کہا "جب آپ دلی فتح کرلیں اور افغانستان کو بھی مغلوب کر چکیں اور باہر سے آنے والے مسلمانوں کے سب راستے بند کرنے میں کامیاب ہو جائیں تب میں بھی اس مسجد کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔ اگر اس سے پہلے میں اس مسجد کو توڑ ڈالتا اور یہ سمجھ لیتا کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہی کی طاقت ختم ہو گئی ہے تو چند روز کے بعد باہر کے ملکوں سے کوئی مسلمان بادشاہ فوجیں لے کر آجاتا اور اپنی ایک مسجد کے بدلے ایک سو یا ایک ہزار مندر ہندوؤں کے توڑ ڈالتا تو اس کا پاپ میرے حساب میں لکھا جاتا۔ میں نے مسلمانوں کے بہت سے تماشے دیکھے ہیں اور میرے بال دھوپ میں سفید نہیں ہوئے ہیں۔ مجھے ان علاقوں پر قبضہ کر لینے کے بعد کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں نے مسلمانوں کی طاقت ختم کر دی ہے۔ بلکہ رات دن مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ کوئی مسلمان فوج لے کر آئے گا اور مجھے مغلوب کرکے یہ سب علاقے مجھ سے چھین لے گا۔

محمد شاہ رنگیلے بادشاہ کے وقت میں جب سادات بارہہ کا ایک سید" محمد شاہ کے اشارے سے آگرے میں مارا گیا تو اس وقت سیدوں نے میری مدد مانگی اور میں اپنا فائدہ دیکھ کر شاہی فوج کے مقابلے میں آیا اور لڑا' مگر اسی حد تک کہ کچھ علاقہ میرے ہاتھ آجائے۔ کیونکہ بادشاہ

دہلی جا رہا تھا اور سیدوں کا ایک بھائی بھی دلی میں تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہاتھ آجائے گی یہ سب دلی جائیں گے اور آپس میں لڑیں گے اور یہ سب علاقہ میرے ہاتھ میں آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد راجہ سورج مل نے کہا کہ آپ اگر آنے والے خطروں سے مطمئن ہیں تو میں ابھی اس مسجد کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہوں۔

بھاؤ نے تیوری چڑھا کر بڑی نخوت اور حقارت کے ساتھ جواب دیا "خیر دیکھا جائے گا۔ میں تمہاری بے ہمتی کو سمجھ گیا۔ تم سے یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ تم جیسے کم ہمت ہندو نہ ہوتے تو مسلمانوں کی ہمتیں اتنی نہ بڑھنے پاتیں۔ میں واپسی کے وقت سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ اس مسجد کا نام و نشان متھرا سے مٹا دوں گا۔

راجہ سورج مل بھاؤ کے تیور دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ مگر جو تحقیر سورج مل کی بھاؤ کے سرداروں کے سامنے ہوئی تھی اس سے سورج مل کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔

چونکہ متھرا پہنچتے ہی خبریں آگئی تھیں کہ احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں آگئے ہیں اور سب افغان حکومتیں ان سے مل گئی ہیں۔ اور نجیب الدولہ نواب شجاع الدولہ کے پاس احمد شاہ کا کوئی خفیہ خط لے گئے ہیں اور تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک عام جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اس واسطے بھاؤ نے حکم دیا کہ کل مشورے کا دربار ہو گا۔ سب لوگ مقررہ وقت پر جمع ہو جائیں۔ دوسرے دن جب سب جمع ہو گئے تو بھاؤ نے ان سب خبروں اور حالات کو بیان کیا جو مرہٹہ جاسوسوں کے ذریعے بھاؤ کو معلوم ہوئے تھے۔ اور اس کے بعد بھاؤ نے ایک تقریر کی جس میں کہا" ہم سب جس ہمت کے ساتھ آئے تھے وہ ان خبروں سے کم نہیں ہوئی ہے اور نہ کم ہو سکتی ہے۔ لیکن میں مشورہ لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہم میں اس وقت راجہ سورج مل زیادہ تجربہ کار ہیں اور چونکہ وہ دہلی کے قریب ہیں۔ اس لئے وہ دہلی کی لڑائی کا طریقہ ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ جب میں نے چنبل دریا کے کنارے پہنچ کر راجہ سورج مل کو خط بھیجا تھا کہ افغانوں نے ہندوؤں کو ہندوستان سے مٹا دینے کا ارادہ کیا ہے اس واسطے ہر ہندو کا فرض ہے کہ وہ ہماری اس لڑائی میں ہمارا ساتھ دے۔ پس آپ کو بھی اپنی فوج اور جنگی سامان لے کر ہمارے پاس آجانا چاہئے' تو راجہ صاحب نے جواب دیا تھا کہ ہمیشہ پیشوا کی طرف سے جب کبھی کوئی پیغام آتا تھا تو ہولکر اور سندھیا اس پیغام کو لے کر آتے تھے اور اس سے میری عزت بڑھتی تھی۔ مگر یہ خط ایک معمولی آدمی لے کر آیا ہے اس سے میری توہین ہوئی ہے۔ تو میں نے فوراً" ملہار راؤ ہولکر سندھیا کو راجہ صاحب کے پاس بھیجا تھا اور راجہ صاحب میرے پاس آگئے تھے اور

اب تک مہربانی کے ساتھ میری رفاقت کر رہے ہیں۔ اس واسطے میں انہیں سے پوچھتا ہوں کہ احمد شاہ ابدالی اور ہندوستان کی افغان حکومتوں اور دوسری مسلمان حکومتوں کے ایک دل اور ایک عمل ہو جانے کی خبریں آجانے کے بعد اب ہم کو لڑائی کا کیا ڈھنگ اختیار کرنا چاہئے؟"

راجہ سورج مل یہ بات سن کر بولے "یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ مجھ کو اپنے سب سرداروں سے پہلے مخاطب کرنے کا شرف عنایت کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ میں ایک معمولی زمیندار ہوں اور میں نے جو کچھ ترقی حاصل کی ہے وہ پہلے سے سوچ سمجھ کر کام کرنے سے حاصل کی ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ ہمارا آتش خانہ بھی بہت مضبوط اور بہت بڑا ہے اور ہمارے پاس لاکھوں سوار اور پیدل بھی ہیں۔ اور ہر طرح کا جنگی سامان بھی ہے۔ اور ہمارے گھوڑے بھی افغانوں سے زیادہ اچھے ہیں اور ہمارے سپاہی بھی بڑے بہادر اور سرفروش ہیں۔ مگر پھر بھی میرے خیال میں حالات بہت نازک ہو گئے ہیں اور مسلمانوں میں مذہبی جوش بھی پیدا ہو گیا ہے اور اپنی عزت اور آبرو اور جان بچانے کا خیال بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہ آخری بازی ہے۔ اگر اس وقت ہم نے ایک دل ہو کر کام نہ کیا تو ہماری حکومتیں بھی ختم ہوئیں اور ہماری آبرو بھی گئی اور ہماری جانیں بھی گئیں۔ اور پھر ہماری قوم کا ایک آدمی بھی ہندوستان میں باقی نہ بچے گا۔"

اس کے بعد راجہ سورج مل نے بھاؤ کی طرف دیکھ کر کہا "خیال آپ کا بھی یہی ہے اور بالاجی پیشوا کا بھی یہی ہے اور آپ کے سرداروں کا بھی یہی ہے کہ اگر یہ آخری بازی ہم ہندو ہار گئے تو ہمارا بھی کہیں ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ مگر میری آنکھیں جب آپ سب کے اور ہندوستان کے ہندوؤں کے دلوں کی گہرائیوں کو دیکھتی ہیں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنا جوش افغانوں اور مسلمانوں میں ہے اتنا جوش آپ سب کے اندر نہیں ہے۔ اور خطرے کی نازک حالت اور یقینی حالت جتنی مسلمانوں نے سمجھی ہے اتنی آپ نے نہیں سمجھی ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو مجھے ڈراتی ہے اور خوف دلاتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنی کم عمری کے سبب احمد شاہ ابدالی کی لڑائی کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم سب کو اپنی ہمتوں اور دلوں کے جوش کا سچا اندازہ کرنا چاہئے۔ ظاہری باتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ پس میں رائے دیتا ہوں کہ اس وقت اپنے خزانوں کو اور اپنی عورتوں کو اور اپنے بھاری بھاری سامان کو جھانسی یا گوالیار کے قلعوں میں بھیج دیا جائے اور ہم سب ہلکے پھلکے ہو کر قزاقانہ چھاپے مارتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں۔ اور جب بھی بھاگنے کا موقع ہو بھاگ آئیں اور پھر چھاپہ ماریں۔ اس طرح ہم مسلمانوں کی اس قوت کو جو جمع ہو گئی ہے بکھیر دیں گے اور اس جوش کو جو بھڑک رہا

ہے ٹھنڈا کر دیں گے۔ اور اس ہمت کو جو ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہو گئی ہے دلوں سے دور کر دیں گے۔ اور اگر آپ یہ خیال کریں کہ جھانسی اور گوالیار کے قلعے جو آپ کی مرہٹہ حکومت کے ہیں یہاں سے بہت دور ہیں تو میں اپنی ریاست کے چار بڑے بڑے قلعے پیش کرتا ہوں۔ ان چاروں میں یا تین میں یا دو میں یا ایک میں عورتوں کو اور خزانوں کو اور بھاری چیزوں کو محفوظ کر دیجئے۔"

راجہ سورج مل کی زبان سے یہ آخری فقرہ نکلتے ہی بھاؤ نے تیوری چڑھا کر کہا "یعنی آپ ہماری عورتوں اور ہمارے خزانوں کے مالک بنا دیئے جائیں۔ اور ہم آپ کے رحم کی پناہ میں آجائیں؟"

راجہ سورج مل نے کہا "جی نہیں۔ میں ایک تجویز پیش کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر راجہ سورج مل اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو بھاؤ نے بہت تیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "راجہ صاحب بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کی ہمت ختم ہو گئی ہے۔ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ان کا دل پہلے ہی سے بہت چھوٹا تھا۔ اور انہوں نے جو کچھ تھوڑی بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ محض قسمت اور تقدیر سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کی عقل اور تدبیر کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے"۔

اس کے بعد بھاؤ نے اپنے مرہٹہ سرداروں کی طرف دیکھا۔ وہ اگرچہ دربار کا رنگ دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بڑی مضبوطی اور ہمت سے کام لیا اور جو سردار کھڑا ہوتا تھا وہ سورج مل کی بات کی حمایت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے۔

تب بھاؤ نے بگڑ کر کہا "دربار ختم کیا جاتا ہے۔ جو فیصلہ کیا جائے گا اس کا حال کل سب کو معلوم ہو جائے گا۔"

یہ سن کر سب لوگ دربار سے اٹھے اور اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

بھاؤ نے اپنے خیمے میں آکر حکم دیا کہ راجہ سورج مل کے خیمے پر ہمارے آدمی مقرر کئے جائیں اور پوری نگرانی رکھی جائے کہ وہ کہیں بھاگ نہ سکیں مگر انتظام ایسا ہو کہ راجہ سورج مل چھاؤنی کے اندر جہاں چاہیں آئیں جائیں اس میں کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

جب یہ بات سورج مل کو معلوم ہوئی کہ مجھے بھاؤ نے نظر بند کر دیا ہے تو وہ بہت بگڑا اور سیدھا ملہار راؤ ہولکر کے پاس گیا۔ اور اس سے سارا حال کہا۔ ہولکر نے جواب دیا "یہ بات بہت بری ہوئی ہے اور بھاؤ نے بڑی غلطی کی ہے۔ مگر آپ تجربہ کار ہیں اور وقت کی نازک حالت کو سمجھ سکتے ہیں اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ سب مرہٹہ سردار آپ کے ساتھ

ہیں۔ مگر پیشوا نے بھاؤ کو سپہ سالار بنایا ہے "ہم سب کو اس کا حکم ماننا چاہیے۔ میں کوشش کروں گا کہ بھاؤ کا خیال بدل جائے اور اس کا دل صاف ہو جائے۔ اس وقت آپ اپنے علاقے میں واپس چلے جایئے گا۔"

مرہٹوں کا دہلی پر حملہ' قبضہ اور تاراج

احمد شاہ ابدالی اپنی فوج کے ساتھ انوپ شہر میں تھے جو بلند شہر کے قریب ایک مقام ہے۔ اور نجیب الدولہ شجاع الدولہ کے پاس گئے ہوئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کو معلوم ہو چکا تھا کہ بھاؤ نے مجھ سے پہلے شجاع الدولہ کے پاس قاصد بھیج دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لڑائی ہندوؤں کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہندوستانیوں کے خلاف ہے اور احمد شاہ ہندوستان میں سب ہندوستانیوں کو بے حق کر کے افغانوں کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ سب افغان سنی ہیں آپ شیعہ ہیں اور ہندوستانی بھی ہیں۔ اس واسطے آپ کو ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔ احمد شاہ کا ساتھ نہ دینا چاہیے۔

بھاؤ کا قاصد شجاع الدولہ کے پاس پہلے پہنچا تھا۔ اس سے شجاع الدولہ کی رائے بدل چکی تھی۔ نجیب الدولہ بعد میں پہنچے اور انہوں نے احمد شاہ ابدالی کا ذاتی خط شجاع الدولہ کو دیا۔ مگر شجاع الدولہ خاموش رہا۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر نجیب الدولہ نے شجاع الدولہ کی ماں کے پاس پیغام بھجوایا۔ اور کہلوایا کہ شیعہ سنی کی بحث کا وقت نہیں ہے۔ بھاؤ نے نواب شجاع الدولہ کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وہ ہم سب کو ختم کرنے کے بعد نواب صاحب کو بھی باقی نہیں رہنے دے گا۔

شجاع الدولہ کی ماں نے بیٹے سے کہا "مجھے نجیب الدولہ کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔"

ایک نواب کی ماں اور ایک نواب کی بیوی کی اس عاقلانہ بات کا اثر شجاع الدولہ پر ہوا۔ اور وہ نجیب الدولہ کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس جانے کو راضی ہو گیا اور فوراً روانہ ہونے کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔

جب دہلی میں مرہٹہ بھونچال قریب آجانے کی خبریں پہنچیں تو بڑی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ محمد شاہ رنگیلے کا بیٹا احمد شاہ محض نام کا بادشاہ تھا۔ یعقوب علی خاں قلعہ دار تھا۔ اور بہت معمولی سی فوج دہلی کی حفاظت کے لئے تھی۔ مغل دربار کے دو مسلمان امیر متھرا کے قریب جاکر بھاؤ سے ملے تھے اور مغل بادشاہی کے خلاف سازشی عہد نامہ کر لیا تھا۔ اور اس سے بھاؤ کی ہمت

بہت بڑھ گئی تھی۔ یعقوب علی خاں احمد شاہ ابدالی کے وزیراعظم اشرف الوزراء کا خالہ زاد بھائی تھا اور احمد شاہ ابدالی نے دہلی کے بادشاہ کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لئے گذشتہ فتح دہلی کے بعد بادشاہ کے لال قلعے میں قلعہ دار بنوا دیا تھا۔

بھاؤ نے دہلی کے قریب پہنچ کر یعقوب علی خاں کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ہم سے لڑنے کی تیاریاں کی ہیں اور تم کو احمد شاہ ابدالی کی امداد کا گھمنڈ ہے۔ مگر جب تک ابدالی تمہاری مدد کو پہنچے میں تمہارا اور تمہارے بادشاہ کا اور تمہارے لال قلعے کا اور تمہارے دہلی شہر کا خاتمہ کر دوں گا اور اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ لہٰذا خیر چاہتے ہو تو لال قلعہ حوالے کر دو۔ ورنہ مجھ کو قریب پہنچا ہوا جانو۔"

یعقوب علی خاں نے اگرچہ شہر اور قلعے کے بچاؤ کے لئے بہت اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ تین لاکھ جرار فوج کے سامنے میرے مٹھی بھر سپاہی کچھ نہیں کر سکتے۔ احمد شاہ ابدالی بھی میری مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتے کیونکہ جمنا دریا چڑھا ہوا تھا اور فوج کے عبور کے قابل کشتیاں نہ تھیں۔ احمد شاہ ابدالی انوپ شہر سے دہلی تک جلدی نہ پہنچ سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے اسلامی مردانگی سے جواب دیا "ہم قلعہ خالی نہیں کریں گے اور جو کچھ ہو سکے گا مرتے دم تک کرتے رہیں گے"۔

بھاؤ نے یہ جواب سن کر قلعے کے چاروں طرف مورچے لگائے اور قلعے پر گولہ باری شروع کی۔ اسی اثناء میں احمد شاہ ابدالی کے وزیراعظم اشرف الوزراء کا خط آیا کہ دہلی لڑائی کے قابل جگہ نہیں ہے تم بھاؤ سے صلح کر لو اور شہر اور قلعہ اس کو دے دو۔ تاکہ وہ دہلی سے آگے بڑھے اور ہم ایک کھلے میدان میں اس سے لڑنے کے لئے جمنا عبور کر کے آجائیں۔

چنانچہ یعقوب علی خاں نے صلح کا پیغام قبول کر لیا اور لال قلعے کی کنجیاں بھاؤ کو بھیج دیں۔ بھاؤ کی فوج قلعے کے اندر آگئی اور اس نے بادشاہ کے محل پر پہرہ لگا دیا اور قلعے کی سب عمارتوں پر پیشوا کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

مرہٹوں کے ولولے اور حوصلے

جب لال قلعے پر اس کا قبضہ ہو گیا اور اس سے کہا گیا کہ اب بسواس راؤ کو تخت نشین کرنے کا موقع ہے اور دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت نصب کرنا بھی کچھ مشکل نہیں رہا ہے تو بھاؤ نے جواب دیا جب تک ہم احمد شاہ ابدالی اور نجیب الدولہ وغیرہ افغانوں کا قصہ پاک نہ کر لیں اس وقت تک ہمیں ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس سے بعد میں شرمندگی

اٹھانی پڑے۔ اس لئے نہ بسواس راؤ کی تخت نشینی مناسب ہے' نہ جامع مسجد کے منبر پر سومنات کی مورت لگانی ٹھیک ہے۔

لال قلعے کے دیوان خاص کی چھت میں سونے کے پترے جڑے ہوئے تھے اور ان پر نہایت خوبصورت مینا کاری تھی۔

بھاؤ نے کہا ہم کو یہ سونا اتار لینا چاہئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے شہنشاہ ہندوستان کا قلعہ لے لیا ہے اور اس سونے سے ہم فائدہ بھی اٹھا لیں گے۔ چنانچہ دیوان خاص کی چھت سے سونے کے پترے اکھاڑے گئے اور لال قلعے میں پیشوا کے نام کے سکے ڈھالے گئے اور اس طرح سات لاکھ روپے کی اشرفیاں تمام ہندوستان میں مرہٹہ ساکھ بڑھانے کے لئے بھجوائی گئیں۔

جب دیوان خاص دہلی کی طلائی چھت اکھاڑ کر پیشوا کے سکے ڈھالے گئے اور پیشوا کو اور دکن کے خاص خاص لوگوں کو وہ اشرفیاں بھیجی گئیں تو بھاؤ نے پیشوا کو ایک خط بھی لکھا تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

"ہم نے اورنگ زیب کے باپ کا قلعہ لے لیا ہے اور ہمارے دیس کے لوٹے ہوئے سونے سے دیوان خاص کی جو چھت بنائی گئی تھی وہ سونا ہم نے چھین لیا ہے اور اسی سونے کی یہ اشرفیاں ڈھالی گئی ہیں جو آپ کی خدمت میں روانہ کی جاتی ہیں۔

دلی کے مسلمانوں نے ہماری فوج کے سپاہیوں پر گلیوں اور بازاروں میں جو حملے کئے تھے اس کا جواب دے دیا گیا ہے۔ اور وہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ زندگی کے دریا کے پار اتر گئے ہیں۔

دلی کی بادشاہی کا کھلونا بادشاہ اپنے محل کے طاق میں رکھا رہتا ہے۔ اور مجھے ہر وقت موقع حاصل ہے کہ میں اس کھلونے کو جمنا جی میں ڈال کر بسواس راؤ کو اس کی جگہ بٹھا دوں۔ مگر ابدالی جمنا پار انوپ شہر میں موجود ہے۔ میں اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ رسم ادا کرنی مناسب نہیں سمجھتا۔"

کنج پورے کے بہادر افغان

کرنال کے قریب افغانوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کنج پورہ نام کی تھی جو اب بھی موجود ہے) جہاں بیس ہزار جنگ جو افغان رہتے تھے۔ بھاؤ کو اس کی خبر ملی تو اس نے کہا۔ "ابدالی

برسات کے سبب جمنا کو عبور نہیں کر سکتا۔ اس لئے موقع ہے کہ ہم افغانوں کا یہ قلعہ جلدی توڑ ڈالیں تاکہ آگے بڑھنے میں رکاوٹ نہ ہو"۔

فوج کے سرداروں نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور بھاؤ کنج پورے کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب بھاؤ کنج پورے کی طرف جانے لگا تو سورج مل جاٹ نے اجازت مانگی کہ میں واپس جانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی فوج کے لئے رسد کا بندوبست کروں۔

بھاؤ نے جواب دیا۔ "تم جا سکتے ہو۔ رسد کا انتظام ہم نے کر لیا ہے۔ ہم کو ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے جب ہو گی تو خبر بھیج دی جائے گی"۔

سورج مل بھرت پور چلا گیا

عماد السعادت میں لکھا ہے کہ جب بھاؤ نے کنج پورے پر حملہ کرنے کی نیت سے حرکت کی اور دہلی سے اس کی فوجیں آگے بڑھیں تو دہلی کے مسلمانوں نے فوراً" احمد شاہ ابدالی کو خبر بھیجی اور ابدالی نے حکم دیا کہ جمنا کا گھاٹ تلاش کرو کہ کوئی جگہ ایسی ہے جہاں سے ہم عبور کر سکیں مگر دریا میں ایسی کوئی جگہ نہ ملی۔

بھاؤ کی فوجیں کنج پورے کے سامنے پہنچیں تو افغانوں نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ مرہٹہ فوج کے حواس گم ہو گئے۔ مگر لاکھوں آدمیوں کی فوج کا بیس ہزار افغان مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ وہ لڑے اور اپنی مردانگی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن مرہٹوں نے ان کو گھیر لیا اور چن چن کر سب افغانوں کو مار ڈال۔ اور کنج پورے کے اندر جا کر ایسی بے رحمی اور سفاکی کا برتاؤ کیا کہ کوئی رحم دل آدمی اس کو پسند نہ کرے گا۔ بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو بھی مار ڈالا۔ گھروں کو لوٹ لیا اور آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو ان کو اور مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے باغپت کے قریب آکر پھر گھاٹ کی تلاش شروع کی۔

آخر کئی دن کی کوشش کے بعد ایک مقام عبور کے قابل مل گیا۔ اور ابدالی کی فوجوں نے دریا کو پار کرنا شروع کیا اور کئی دن میں مسلمانوں کی فوجیں جمنا کے پار اتر گئیں۔

بھاؤ نے کنج پورے سے واپس آکر دہلی میں دسہرے کا جشن منایا۔ اس کو دہری خوشی تھی۔ ایک دسہرے کی، دوسرے کنج پورے کی فتح کی۔ مگر دسہرے کے دوسرے دن خبر آئی کہ احمد شاہ ابدالی نے اور اس کے ساتھی ہندوستانی مسلمانوں نے باغپت کے گھاٹ جمنا کو عبور کر لیا ہے۔

یہ سنتے ہی بھاؤ اپنی فوجیں لے کر دہلی سے باغپت کی طرف روانہ ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کی فوجیں دریا پار کرنے کے بعد ابھی دم بھی نہ لینے پائی تھیں کہ دشمن کی فوجیں سامنے آگئیں۔ بھاؤ کی فوج کا شمار اور اس کے سرداروں کے نام عمادالسعادت میں درج ہیں جو یہ ہیں۔

"ملہار راؤ ہلکر کے ساتھ پانچ ہزار سوار تھے اور پیدل بے شمار تھے۔ جھنکو جی سندھیا کے ساتھ چھ ہزار سوار تھے اور پیدل بھی بہت زیادہ تھے۔ دتاجی گائیکواڑ کے ساتھ تین ہزار سوار اور بکثرت پیدل تھے۔ جسونت راؤ پنوار کے ساتھ دو ہزار سوار تھے۔ سلاجے راؤ کے ساتھ تین ہزار سوار تھے۔ راجہ وٹھل ستردیو کے ساتھ تین ہزار سوار تھے۔ اور بسواس راؤ کے خاص رسالے کے سوار پانچ ہزار تھے۔ بشن سنگھ کے ساتھ جو مسلمان ہو گیا تھا اور شمشیر بہادر نام رکھا گیا تھا تین ہزار سوار تھے۔ امان جی مکھیرو کے ساتھ دو ہزار سوار تھے اور ابراہیم خاں گاردی کے ساتھ دو ہزار سوار تھے اور نو ہزار چقماق والے گاردی تھے اور دو سو توپیں تھیں۔ نوبت راؤ کے ساتھ جو بھاؤ کا حقیقی بھتیجا تھا سات ہزار سوار تھے۔

عمادا لسعادت میں ان ہندوؤں کی زبانی مرہٹہ سواروں کی تعداد لکھی گئی۔ مرہٹہ مورخوں اور مسلمان مورخوں دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بھاؤ کے ساتھ ایک لاکھ سوار تھے اور دو لاکھ سے زیادہ پیدل تھے اور توپ خانہ بھی بہت زبردست تھا اور ابراہیم خاں گاردی نے فرانسیسی استادوں سے توپوں کا استعمال سیکھا تھا اور احمد شاہ ابدالی اور اس کے ہندوستانی رفیقوں کے پاس توپیں بہت ہی کم تھیں اور ان کے چلانے والے بھی کچھ زیادہ ماہر نہیں تھے۔

عمادا لسعادت میں حسب ذیل نام اسلامی سرداروں کے اور فوج کی تعداد درج کی گئی ہے (۱) برخوردار خاں (۲) اشرف الوزراء شاہ ولی خاں (۳) مراد خاں ایرانی (۴) سردار جہان خاں (۵) زمرد خاں قولو توش (۶) برخوردار خاں سقمع (۷) شاہ پسند خاں (۸) نصیر خاں بلوچ۔ ان سب سرداروں کے ساتھ ۲۶ ہزار سوار تھے۔ اس لشکر کے علاوہ ایک اور لشکر تھا جو یتیموں کی جماعت کے نام سے مشہور تھا۔ یہ جماعت لڑنے کے لئے نہیں تھی بلکہ لوٹ مار کے لئے ہوتی تھی۔ ہر درانی کے ساتھ چار چار یتیم ہوتے تھے۔ اور حملے کے وقت لڑائی کے دوران میں یہ درانیوں کی پشت پر رہتے تھے اور برابر یورشیں کرتے رہتے تھے۔ قزاقانہ حملے کرنے' دشمن کی رسد روکنے اور لوٹ مار کرنے پر یہی مامور ہوا کرتے تھے۔ لوٹ میں جو کچھ ان کے ہاتھ آتا تھا وہ ان کے لئے معاف تھا۔ سرکار سے انہیں کوئی تنخواہ یا وظیفہ نہ ملتا تھا۔ جو سرداران ہند سلطانی لشکر میں شامل ہوئے تھے ان کے باقاعدہ لشکروں کی تعداد بھی اس موقعہ پر ظاہر کر دینی ضروری ہے۔

نواب شجاع الدولہ کے ساتھ دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے اور بیس چھوٹی بڑی توپیں تھیں نواب نجیب الدولہ کے ساتھ چھ ہزار سوار اور آٹھ ہزار روھیلے پیادے تھے۔ سامان جنگ بھی بکثرت تھا۔ تیر و کمان بھی تھے۔ بان بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ لڑائی میں ان میں چند ہزار قتل

ہوئے۔

نواب دوندے خاں اور نواب حافظ رحمت خاں کے ساتھ اٹھارہ ہزار روہیلے پیادے ' چار ہزار سوار اور چند توپیں تھیں۔

نواب احمد خاں بنگش کے ساتھ دو ہزار سوار اور کچھ پیادے تھے کچھ توپیں بھی تھیں۔ اس طرح جہاں احمد شاہ ابدالی کے باقاعدہ لشکر کی تعداد ۲۶ ہزار سواروں پر مشتمل تھی وہاں سرداران ہند کے سواروں اور پیادوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ گویا اسلامی لشکر میں چھیاسٹھ ہزار باقاعدہ فوج تھی۔ لٰہذا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ایک لاکھ سوار جرار اور دو لاکھ پیادے اور دو سو توپیں اور بے شمار سامان جنگ مرہٹوں کے پاس تھا اور مسلمانوں کے پاس صرف چھیاسٹھ ہزار فوج تھی۔ جس میں نواب شجاع الدولہ کی فوج نے محض صورت دکھائی تھی۔ لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔

مرہٹوں کی فوج اور اس کے سرداروں کے جو نام عمادا لسعادت کی یکجائی فہرست میں ہیں ان میں گوبند راؤ کا نام نہیں ہے۔ حالانکہ آگے جاکر ظاہر ہو گا کہ بھاؤ نے گوبند راؤ کو مسلمانوں کی رسد روکنے کے لئے ایک بڑی فوج کے ساتھ مامور کیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کی رسد بالکل رک گئی تھی اور مسلمانوں کو فاقوں کی نوبت آگئی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل آسان ہے کہ عمادا لسعادت میں جن ہندوؤں نے مرہٹہ فوج کی تعداد لکھوائی ہے انہوں نے دانستہ کم کرکے لکھوائی ہے۔ لڑائی کی تفصیلات میں اور بھی بہت سے نام ہندو سرداروں کے آئے ہیں جو اس فہرست میں موجود نہیں ہیں۔

بہرحال یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ مرہٹوں کی فوج مسلمانوں کی فوج سے پانچ گنی زیادہ تھی۔ اور اگر صرف باقاعدہ ہی فوج کا تقابل کیا جائے تب بھی تگنی زیادہ تھی۔

جنگ شروع ہوتی ہے

احمد شاہ ابدالی جمنا عبور کرکے ایک منزل آگے بڑھنے پائے تھے کہ بھاؤ کا جرار لشکر یلغار کرتا ہوا سامنے آگیا اور آتے ہی مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا۔ مسلمان اگرچہ ہوشیار تھے مگر ان کو یہ امید نہ تھی کہ مرہٹے اتنی جلدی سامنے آجائیں گے اس واسطے ان کی صف بندی میں ذرا دیر لگی اور مرہٹہ فوج کے قراول سپاہیوں نے جے جے بھوانی کے نعرے لگا کر دھواں دھار حملے شروع کر دیئے۔

مسلمانوں نے بھی کچھ فوج سامنے رکھی اور کچھ فوج کو ترتیب کے ساتھ تقسیم کرکے

قراولوں کا ایک ایک دستہ میدان میں بڑھانا شروع کیا۔ سو سو مسلمان تکبیروں کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور سو قدم پیچھے سو مسلمانوں کا ایک اور دستہ تکبیریں پڑھتا ہوا آگے جاتا تھا۔ اس طرح قراولوں کی فوج کے ایک ہزار آدمی دس دستوں میں تقسیم ہو کر آگے بڑھتے تھے۔ اور ایک ہزار مسلمانوں کی تکبیریں مسلسل میدان میں گونج رہی تھیں۔ جس سے مرہٹہ فوج پر یہ اثر ہوتا تھا کہ لاکھوں مسلمان سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آتے ہیں۔ بھاؤ اور بسواس راؤ اور ملہار راؤ ہولکر اور دتاجی گائیکواڑ اور جھنکوجی سندھیا وغیرہ سردار بہت قاعدے اور ترتیب کے ساتھ اپنے قراول دستوں کو آگے بڑھا رہے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی تکبیروں کے غل سے وہ گھبرائے جاتے تھے۔ اور بار بار اپنے خبر رساں ہرکاروں سے پوچھتے تھے تم خبریں لائے تھے کہ مسلمانوں کے پاس قراول فوج کم ہے۔ پھر یہ لاکھوں قراول کہاں سے نکلے چلے آتے ہیں۔؟ اور مخبر جواب دیتے تھے شاید ان کے سوار بھی پیدل ہو گئے ہیں۔ مگر ان سب کی گنتی ۶۵ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔

بھاؤ نے سب سرداروں سے رائے لی تو کہا گیا ہم کو دو کوس پیچھے ہٹ کر صف بندی کرنی چاہئے۔ تاکہ مسلمان جن کو جوش نے اندھا کر دیا ہے' آگے بڑھتے چلے آئیں۔ اور اپنی سوار فوج سے دور ہو جائیں اور بکھر جائیں۔ پھر ہم ایک دم حملہ کرکے ان پیدل قراولوں کو چن چن کر مار ڈالیں گے۔

یہ تجویز طے ہو گئی۔ اور مرہٹہ قراولوں کو حکم بھیجا گیا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے دیں۔ مرہٹہ سپاہیوں نے سرداروں کے حکم کے بموجب پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ احمد شاہ ابدالی دور سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ مرہٹوں کی حکمت اور جنگی چال کو سمجھ گئے اور انہوں نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ سب سردار اپنے اپنے سواروں اور پیدلوں کو لے کر مسلمان قراولوں کی مدد کے لئے یلغار کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے تعمیل کی اور تکبیروں کے نعرے لگا کر گھوڑے دوڑانے شروع کئے اور دم کے دم میں اپنے قراولوں سے جا ملے۔ مرہٹے دو کوس پیچھے ہٹ چکے تھے انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا پورا لشکر قراولوں سے آن ملا تو وہ وہیں رک گئے اور چونکہ شام ہو گئی تھی دونوں فوجوں نے لڑائی بند کر دی۔ اور رات بھر دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر ہوشیار رہیں۔

دوسرے دن مرہٹوں نے پھر یہی تجویز کی کہ ہماری فوج زیادہ ہے اور اس کو لڑنے کے لئے بڑے میدان کی ضرورت ہے۔ اس واسطے ہم کو پیچھے ہٹ کر جنگ کے لئے میدان کو ذرا بڑا کر لینا چاہئے۔ چنانچہ مرہٹہ فوج دو کوس اور پیچھے ہٹ گئی اور دن بھر قراولوں کی لڑائی کا بازار گرم

رہا۔ احمد شاہ ابدالی نے دو کوس آگے بڑھ کر قراولوں کی فوج سے سوار فوج کو ملا دیا۔

تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ مرہٹے دو کوس پیچھے ہٹے اور مسلمان دو کوس آگے بڑھ کر قراولوں کے دستوں سے حملے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچویں دن مرہٹوں کی فوج پانی پت کے میدان تک ہٹ گئی اور احمد شاہ ابدالی کی فوج نے یلغار کرکے پانی پت کے میدان پر قبضہ کر لیا اور مرہٹوں کو چار کوس دور جاکر اپنی چھاؤنی ڈالنی پڑی۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت شہر کو اپنے لشکر کے اندر لے لیا اور بڑے سپاہیانہ انداز سے مورچہ بندی کرنی شروع کر دی۔

احمد شاہ ابدالی نے حکم دیا۔ لشکر کے چاروں طرف بیس گز چوڑی خندق کھودی جائے تاکہ مرہٹے اپنی عادت کے موافق شب خون نہ مار سکیں۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خندق احمد شاہ ابدالی اور ان کی فوج اور ہندوستانی افغانوں کی فوج نے ایسی پھرتی سے تیار کی کہ اس سے پہلے کسی جنگی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہر سردار اور ہر سوار اور ہر پیدل مزدور بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ خود احمد شاہ ابدالی بھی اپنے ہاتھ سے خندق کھودتے تھے۔ خندق بہت بڑی تھی۔ بیس گز چوڑی تھی اور گہری اتنی تھی کہ اگر ہاتھی اس کے اندر کھڑا ہوتا تو باہر سے دکھائی نہ دیتا۔ خندق کھودنے والے مسلمان تکبیروں کے نعرے لگاتے جاتے تھے اور درود پڑھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آج ہم اپنے رسولؐ کی سنت پر عمل کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی گنتی سے دس گنے زیادہ دشمنوں سے بچنے کے لئے مدینے کے گرد خندق کھودی تھی اور خود رسول خداؐ چھ وقت کے فاقے کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے اپنے اصحابؓ کے ساتھ خندق کھودتے تھے۔

الغرض مسلمانوں کے جوش و خروش کی کیفیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اس لئے انہوں نے بہت جلدی یہ خندق تیار کر لی۔

مرہٹوں کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کے آس پاس خندق کھودی۔ ان دونوں خندقوں کے بیچ میں چار کوس (یعنی ۶ میل) کا فصل تھا جو لڑائی کے لئے دونوں فوجوں نے ضروری سمجھا تھا۔ جب مورچہ بندی ہو گئی۔ جنگل کے درخت کاٹ کاٹ کر توپوں کے لئے دمدمے بن گئے اور دونوں فوجوں نے دمدموں پر توپیں لگا دیں۔ اور سب مورچے درست ہو گئے تو پھر قراولوں کی چھاپہ ماری شروع ہوئی۔ مرہٹے "ہر' ہر' مہادیو" اور "بھوانی جی کے جے" کے نعرے لگاتے ہوئے حملے کرتے تھے۔ اور مسلمان قراول تکبیریں پڑھتے ہوئے ان سے لڑنے کے لئے جاتے تھے۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہتی تھی اور شام کو لڑائی بند کر دی جاتی تھی۔

گوبند پنڈت کا کٹا ہوا سر

جب مورچہ بندی ہو چکی اور قراولوں کی جنگ شروع ہو گئی اور مرہٹوں نے پیچھے ہٹنا اور مسلمانوں نے آگے بڑھنا چھوڑ دیا تو بھاؤ نے اپنے ایک معتبر سردار گوبند پنڈت کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار سوار لے کر جائے اور گنگا جمنا کے بیچ میں جتنے شہر اور جتنے قصبے اور جتنے دیہات ہیں اور جہاں سے مسلمانوں کو رسد پہنچتی ہے ان سب کو لوٹ لے اور ایسا انتظام کرے کہ مسلمان فوج کو کھانے پینے کی ایک چیز بھی پہنچنے نہ پائے۔

چنانچہ گوبند پنڈت دس ہزار جرار سوار لے کر راتوں رات میدان جنگ سے گنگا جمنا کے درمیانی علاقے میں پہنچ گیا اور اس نے اٹاوے تک تمام شہروں اور قصبوں اور دیہات کو لوٹنا شروع کر دیا اور جو ہندو بنجارے مسلمانوں کے لئے رسد لاتے تھے ان کو غیرت دلائی کہ تم ہندو ہو کر دھرم کے دشمنوں کو رسد پہنچاتے ہو؟

الغرض بہت جلد مسلمان فوج کی رسد رک گئی اور ہندو بنجاروں نے دھرم کے جوش میں' مسلمان بنجاروں نے لوٹ کے ڈر سے رسد پہنچانی چھوڑ دی اور مسلمان فوج میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔

یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو اس نے اپنے وزیر اعظم اشرف الوزراء کے چچازاد بھائی سردار عطائی خاں کو بلایا اور حکم دیا ابھی دو ہزار سوار لے کر جا اور گوبند پنڈت کا سر کاٹ لا۔

یہ حکم سنتے ہی عطائی خاں دو ہزار سوار اور چند ہزار یتیم ساتھ لے کر یلغار کرتا ہوا دوڑا۔ اور راتوں رات چالیس کوس طے کئے اور صبح گوبند پنڈت کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ گوبند پنڈت کو سان گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان اس طرح ناگہاں آجائیں گے۔ اس نے جلدی جلدی اپنے دس ہزار سواروں کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ مگر مرہٹوں پر ایسی ہیبت چھائی کہ وہ میدان میں نہ ٹھہر سکے اور چاروں طرف بھاگنے لگے۔ گوبند پنڈت نے اپنی فوج کا یہ رنگ دیکھا تو اس نے بھی اپنے تیز رفتار ترکی گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگنا چاہا۔ مگر عطائی خاں کی مٹھی بھر فوج نے ان کو گھیر لیا اور بھاگتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اسی بھاگ دوڑ میں گوبند پنڈت کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گوبند پنڈت نیچے گرا۔ ایک یتیم مسلمان چھرا لیکر دوڑا۔ اور یہ سمجھے بغیر کہ گرنے والا سوار کون ہے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور عطائی خاں کے پاس لے گیا۔ عطائی خاں نے قیدی مرہٹوں سے پوچھا یہ سر کس کا ہے؟ وہ رونے لگے اور کہا یہ ہمارے سردار گوبند پنڈت کا سر ہے۔ یہ سنتے ہی عطائی خاں سر کو اپنی خورجی میں ڈال کر اپنی فوج کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔ اور ایک رات کے اندر پھر میدان جنگ میں پہنچ گیا اور گوبند پنڈت کا سر اپنے بادشاہ کے سامنے

لے جا کر ڈال دیا۔ مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور سارے لشکر میں اس کامیابی کی دھوم مچ گئی۔ اور پھر دوسرے دن سے ہندو اور مسلمان بنجارے جوق در جوق رسد لیکر آنے لگے اور رسد لے کر تکلیف بالکل جاتی رہی۔

جب مرہٹہ سپہ سالار بھاؤ کو گوبند پنڈت کے مارے جانے اور دس ہزار جرار سپاہیوں کے مقتول ہونے کی خبر پہنچی تو اسے بہت صدمہ ہوا اور اس نے ایک سردار کو حکم دیا کہ دو ہزار سوار لے کر دلی جائے اور دلی سے خزانہ لے کر آئے تاکہ مرہٹہ فوج کے لئے رسد کی خریداری میں دقت پیش نہ آئے۔ مسلمان اس حکم سے بے خبر تھے۔ مرہٹہ سردار دہلی گیا اور ہر سوار نے گھوڑے کی دونوں خورجیاں اشرفیوں سے بھریں اور اس طرح ایک بڑا خزانہ لے کر دو ہزار سوار یلغار کرتے ہوئے پانی پت میں واپس آگئے۔ مگر قسمت کا چکر ایسا تھا کہ رات کے وقت یہ سوار پانی پت پہنچے اور مرہٹہ چھاؤنی کا راستہ بھول کر مسلمان چھاؤنی میں چلے آئے اور ایسی غفلت سوار ہوئی کہ جب تک سب کے سب لشکر کے اندر نہ آگئے ایک سوار بھی نہ سمجھا کہ ہم دشمن کی فوج میں آگئے ہیں۔ کیونکہ مرہٹہ فوج میں بھی ابراہیم گاردی کی افغان فوج اور مسلمان فوج بہت زیادہ تھی۔ ان سب نے یہی خیال کیا کہ ہم مرہٹہ فوج کے مسلمان سرداروں کے علاقے میں ہیں۔

مسلمان پہرے داروں نے یہ چالاکی کی کہ مرہٹوں کو اندر آنے سے نہ روکا اور اس وقت تک خاموش رہے جب تک دو ہزار سوار پوری طرح اندر نہ آگئے۔ اور اس کے بعد انہوں نے حملہ شروع کیا اور دو ہزار مرہٹوں کو تھوڑی دیر میں کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دیا۔ اور ان کی سب اشرفیاں احمد شاہ ابدالی کے خزانے میں داخل کر دی گئیں۔

مرہٹہ مورخ بیان کرتے ہیں کہ ان مرہٹہ سواروں کو مسلمان جاسوسوں نے دھوکہ دیا۔ جب میدان جنگ کے قریب آئے تو ان کو چند سوار ملے اور انہوں نے کہا کہ ہم مرہٹہ فوج کے جاسوس ہیں اور مسلمانوں کی خبریں لینے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اور وہ ان کو دھوکہ دے کر اپنی فوج میں لے گئے اور ان کی اطلاع کی وجہ سے مسلمان پہرہ داروں نے ان کو فوج کے اندر آنے سے نہ روکا۔

پانی پت کی یہ لڑائی عجیب و غریب لڑائی تھی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ مسلمانوں نے اپنی غلیل بازی کے کمالات بھی دکھائے۔ غلیل کمان کی طرح بانس سے بنائی جاتی ہے اور تانت کا چلہ اس میں ہوتا ہے اور مٹی کا غلہ غلیل میں رکھ کر پھینکا جاتا ہے۔

ایک دن نواب نجیب الدولہ اپنی فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے تو ان کے ساتھ غلیل بازوں کا دستہ تھا۔ چونکہ مرہٹے نجیب الدولہ کے بڑے دشمن تھے اس واسطے بھاؤ نے اپنے بھتیجے نوبت راؤ کو ایک بڑی مضبوط فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجااور اس لڑائی میں مرہٹوں کے توپ خانے نے بھی سرگرمی دکھائی۔ نجیب الدولہ کی فوج کم تھی اور نوبت راؤ کی فوج بھی زیادہ تھی اور لڑنے والے بھی تجربہ کار تھے۔ بڑا گھمسان کارن پڑا۔ مگر نجیب الدولہ کے غلیل باز گیت گاتے اور تکبیروں کے نعرے لگاتے ہوئے نوبت راؤ کی طرف دوڑے اور مٹی کے غلوں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ نوبت راؤ کے ماتھے پر قضا کا غلہ لگا۔ پیشانی پھٹ گئی اور بھیجا نکل پڑا اور نوبت راؤ گھوڑے سے نیچے گرا۔ اس کے گرتے ہی فوج کے پاؤں اکھڑے اور میدان جنگ مرہٹوں سے صاف ہو گیا۔

شاہ پسند خاں کا کارنامہ: ۲۰ ہزار مرہٹوں کا قتل

الغرض روزانہ اسی قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مگر مرہٹہ فوج کو رسد کی بڑی تکلیف تھی۔ کیونکہ گوبند پنڈت کے مارے جانے کے بعد سے اور دہلی کا خزانہ لٹنے کی وجہ سے رسد کا آنا بالکل بند ہو گیا تھا۔ اس لئے بھاؤ نے ایک خاص مشورے کے بعد بیس ہزار سپاہی رسد لانے کے لئے جمنا گنگا کے درمیانی علاقے میں بھیجے۔ اور رات کے وقت ان کو روانہ کیا تاکہ مسلمانوں کو خبر نہ ہونے پائے۔ یہ بیس ہزار سپاہی رات کے اندھیرے میں فوج سے نکلے اور کئی کوس دوڑے ہوئے چلے گئے۔ آدھی رات کو ان سب نے خیال کیا کہ اب ہم ڈھاک کے گنجان جنگل میں ہیں اور یہاں ہر طرح کا امن ہے۔ دشمن کا اس محفوظ جنگل میں آنا ناممکن ہے۔ اس لئے کچھ دیر آرام کرلینا چاہئے۔ صبح ہوتے روانہ ہو جائیں گے۔ یہ خیال کرکے سب سپاہی گھوڑوں سے اترے اور اپنا اپنا بستر بچھا کر لیٹ گئے۔ لیکن ان سپاہیوں کو خبر نہ تھی کہ دشمن اس ویران سنسان جنگل میں بھی موجود ہے۔

وجہ یہ تھی کہ جب سے گوبند پنڈت کا معاملہ پیش آیا تھا احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک معتبر سردار شاہ پسند خاں کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ مقرر کر دیا تھا کہ وہ مرہٹوں کو رسد نہ پہنچنے دے۔ اور شاہ پسند خاں ان تمام راستوں میں گشت لگاتا رہتا تھا جہاں سے مرہٹوں کو رسد پہنچنے کی امید ہو سکتی تھی۔ اگرچہ شاہ پسند خاں کو خبر نہ تھی کہ دشمن کے ۲۰ ہزار سپاہی رسد کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ اور اس جنگل میں پڑے سوتے ہیں۔ لیکن وہ بڑا ہوشیار سردار تھا۔ اور

اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور ہوش مندی سے ادا کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ احمد شاہ نے اس کو شاہ پسند خاں کا خطاب دیا تھا۔

آج کی رات وہ ڈھاک کے اس جنگل میں محض تفریحاً" آگیا تھا۔ کیونکہ اس نے سنا تھا کہ ڈھاک کے جنگل میں رات کے وقت ہر قسم کے قابل شکار جانور مل جاتے ہیں۔ اس لئے وہ ان جانوروں کو شکار کرنے کی نیت سے یہاں آیا تھا۔ اور اس سے بالکل بے خبر تھا کہ یہاں بیس ہزار انسان اس کا شکار ہونے کے لئے بے خبر پڑے سوتے ہیں۔ جونہی اس نے اتنی بڑی تعداد دشمن سپاہیوں کی دیکھی وہ ڈرا کہ ممکن ہے اس فوج کے علاوہ اور فوج بھی کہیں آس پاس موجود ہو۔ میرے ساتھ صرف پانچ ہزار سپاہی ہیں۔ اگر دشمن کی اور فوج بھی کہیں قریب ہوئی تو ہم سب اس جنگل میں ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے دور اندیشی اسی میں ہے کہ یہاں سے ہٹ جاؤں۔ اور پہلے آس پاس کی حالت دیکھ لوں۔ اس کے ساتھیوں نے کہا یہ بات اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کہ ہم سوتے آدمیوں پر وار کریں۔ ان سب کو جگانا چاہیئے۔ تاکہ ہم پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ ہم نے سوتے دشمن کو مار ڈالا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان کو جگائیں مناسب یہ ہے کہ جنگل کو اچھی طرح دیکھ لیں کہ اور دشمن بھی یہاں ہے یا نہیں۔ چنانچہ شاہ پسند خاں اور اس کی فوج نے پہلے جنگل کو دیکھا اور جب ان کو اطمینان ہو گیا کہ اور کوئی فوج نہیں ہے تو وہ پھر واپس آئے اور انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس فوج میں کتنے آدمی ہیں۔ اور جب ان کو اندازے سے معلوم ہوا کہ یہ سب پندرہ بیس ہزار آدمی ہیں تو انہوں نے سپاہیوں کے آس پاس گھیرا ڈال دیا۔ اور پھر بلند آواز سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ مرہٹے گھبرا کر جاگے اور انہوں نے فوراً" ہتھیار سنبھالے۔ شاہ پسند خاں نے دیکھا کہ اب ان میں کوئی بھی سوتا ہوا باقی نہیں رہا ہے اور سب نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں تب وہ چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ آور ہوئے اور اس جنگل میں اس زور کی تلوار چلی کہ ڈھاک کے درختوں نے رات کے اندھیرے میں ایسی شمشیر زنی نہ دیکھی ہو گی۔

اگرچہ بیس ہزار سپاہی پانچ ہزار مسلمانوں سے گنتی میں چوگنے تھے۔ لیکن ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ عاجزی کرتے تھے اور امان امان پکارتے تھے۔ مگر کوئی ان کی بات نہ سنتا تھا۔ تلواریں اندھیرے میں چمکتی تھیں۔ سر کٹ کر گرتے تھے اور ہر طرف خون کے فوارے ہی فوارے نظر آتے تھے۔ صبح تک تلوار چلی۔ جب اجالا ہوا تو بیس ہزار مرہٹوں میں ایک مرہٹہ بھی زندہ نہ بچا تھا۔ اور شاہ پسند خاں کے ساتھیوں میں گنتی کے دو چار آدمی مرے تھے یا زخمی ہوئے تھے۔ شاہ پسند خاں نے فوراً" چند تیز رفتار سواروں کو احمد شاہ ابدالی کے پاس دوڑایا اور

خود مرہٹوں کے سروں کا مینار بنانے میں مصروف ہو گیا۔ سورج نکلتے نکلتے احمد شاہ ابدالی تھوڑی سی فوج کے ساتھ گھوڑے دوڑاتا ہوا آیا اور اس نے بیس ہزار مرہٹوں کے سروں کا ایک اونچا مینار وہاں دیکھا اور چاروں طرف جنگل میں تلاش کرایا کہ کوئی مرہٹہ فوج کیمپ گاہ میں موجود نہ ہو۔ اور اس کے بعد شاہ پسند خاں کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں واپس آگیا۔ اور یہاں آکر شاہ پسند خاں کو بڑا خلعت سب امیروں کے سامنے عطا فرمایا۔ اور اس کے ساتھیوں کو بھی انعامات اور خلعت تقسیم کیے۔

جب یہ خبر مرہٹہ چھاؤنی میں پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ بھاؤ نے سب سرداروں کو جمع کیا اور ان سے یہ افسوسناک خبر بیان کی اور کہا کہ اب رسد حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ اب احمد شاہ ابدالی سے دب کر صلح کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ سورج مل نے بھی رسد نہیں بھیجی حالانکہ وعدہ کر کے گیا تھا۔ راجپوتانے کے ہندو راجہ سامنے بیٹھے ہم ہندوؤں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ہم تو ہندو قوم کو باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کی حکومت سے نجات دلانے آئے ہیں۔ اگر ہم تباہ ہو جائیں گے تو ساری ہندو قوم تباہ ہو جائے گی۔ اور اگر ہم جیت جائیں گے تو یہ جیت ساری ہندو قوم کی جیت ہو گی۔

جب بھاؤ نے یہ جوشیلی تقریر کی تو ملہار راؤ ہولکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا آپ نے سورج مل کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور ہم نے سکھوں اور راجپوت راجاؤں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ نہیں کیا جس سے وہ یہ سمجھتے کہ ہم ہندو قوم کی عزت بڑھانے اور ہندوؤں کو بے عزتی سے بچانے کے لئے میدان میں آئے ہیں۔ بلکہ ہم نے رگھوناتھ راؤ کو پنجاب میں بھیج کر سکھوں کو لوٹا۔ اور برباد کیا اور ان کو مسلمانوں سے زیادہ ستایا۔ راجپوتانے کے راجاؤں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ ایسا نہیں ہوا جس سے وہ یہ سمجھتے کہ ہم ہندو دھرم کے یا ہندو راج کے مدد گار ہیں۔ بلکہ ہم نے ایسے کام کئے کہ وہ سب ڈر گئے کہ ہم مغلوں کو مٹا کر مرہٹہ راج قائم کر رہے ہیں۔ اور راجپوت قوموں کو مسلمانوں سے زیادہ ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ شجاع الدولہ ہمارا دوست ہے۔ اور حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں اور احمد خاں بنگش بھی کچھ زیادہ خطرناک نہیں ہیں۔ مگر نجیب الدولہ ایک ایسا پرانا سانپ ہے کہ اس کے کاٹے کا اتارا نہیں ہے۔ اسی نے احمد شاہ کو بلایا ہے اور اسی نے ہندوستان کے سب افغانوں کو جمع کیا ہے۔ اور وہی شجاع الدولہ کو اودھ سے احمد شاہ کے لشکر میں لایا ہے۔

پس اگر آپ نے دب کر صلح کی درخواست کی تو اس کا بھی وہی نتیجہ نکلے گا جو پہلی شرائط صلح کا ہو چکا ہے۔

شجاع الدولہ سے بھاؤ کی سازباز اور رازونیاز

جب بھاؤ نے ملہار راؤ ہولکر کی باتیں سنیں تو اس نے جلسہ برخاست کر دیا اور اپنے ایک محرم راز پنڈت گنیش دت کو نواب شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور اپنی پگڑی شجاع الدولہ کے پاس بھیجی کہ تم میرے بھائی ہو۔ بھائی چارے کی پگڑی بھیجتا ہوں۔ جس طرح ممکن ہو احمد شاہ کو صلح پر راضی کرو۔ کیونکہ ہماری فوج میں رسد بند ہو جانے سے بڑی تکلیف پھیل گئی ہے۔ اشرفیوں کے مول بھی غلہ میسر نہیں آتا۔

نواب شجاع الدولہ نے گنیش دت کی معرفت اپنی دستار بھاؤ کو بھیجی اور پگڑی بدل بھائی بنایا اور کہلا بھیجا میں ابھی جاتا ہوں اور پوری کوشش کروں گا کہ صلح ہو جائے۔ چنانچہ شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کے پاس گئے اور اپنی طرف سے تجویز پیش کی کہ مرہٹوں سے صلح کر لینی چاہیے۔

احمد شاہ نے جواب دیا مجھے صلح کرنے سے عذر نہیں ہے۔ مگر یہ معاملہ خود آپ لوگوں کے سوچنے کا ہے۔ میں تو آپ سب مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اس کے بعد احمد شاہ نے نواب نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش وغیرہ کو بھی بلایا۔ اور سوائے نجیب الدولہ کے سب لوگوں نے صلح کی تجویز کو پسند کیا۔ اس نے کہا مرہٹے لال قلعہ پر قبضہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے دیوان خاص کی چھت کا سونا اتارا۔ اور اس سے پیشوا کے نام کے سکے ڈھلوائے۔ اور ہندوستان کے سب ہندو راجاؤں کو بھیجے۔ گویا اپنے خیال میں دہلی کے بادشاہ بن چکے ہیں۔ اور انہوں نے کنج پورے کے بیس ہزار افغانوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا ہے پس اگر آج ہم ان سے صلح کر لیتے ہیں تو کل بادشاہ سلامت افغانستان چلے جائیں گے۔ اور مرہٹے تازہ دم فوجیں لاکر ہم سب کو چن چن کر مار ڈالیں گے۔

احمد شاہ نے نجیب الدولہ کی تقریر سن کر کہا میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صلح کا معاملہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر آپ صلح چاہتے ہیں تو میں بھی صلح کر لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن رائے وہی ٹھیک ہے جو نجیب الدولہ نے پیش کی ہے۔

آخر کوئی بات طے نہ ہوئی اور سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ رات کو نواب شجاع الدولہ نے اپنے وکیل کاشی راؤ کو نجیب الدولہ کے پاس بھیجا اور نجیب الدولہ شجاع الدولہ

کے پاس گئے تو شجاع الدولہ نے پھر صلح کی تجویز کو دہرایا اور کہا بھاؤ کے سب دم خم ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔ اگر اس وقت ہم اس سے صلح کر لیں گے تو مسلمانوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ پونا کا دربار اس سے خوش ہو گا اور آئندہ مرہٹوں کی یلغاروں سے ہم سب مسلمان محفوظ ہو جائیں گے۔

نجیب الدولہ نے پھر ایک نہایت سلجھی ہوئی تقریر کی اور شجاع الدولہ کو اونچ نیچ سمجھائی۔ مگر شجاع الدولہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ آخر نجیب الدولہ رات کے بارہ بجے اپنے خیمے میں واپس آگئے اور دوسرے دن سے پھر لڑائی شروع ہو گئی۔

بھاؤ دست صلح بڑھانے پر مجبور ہو گیا

بھاؤ کا ایک نو عمر خدمت گار بالک رام نام کا تھا جو بھاؤ کو پان بنا کر کھلایا کرتا تھا۔ بھاؤ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط شجاع الدولہ کو لکھا کہ اب کٹورہ چھلکنے والا ہے جس طرح ممکن ہو صلح کی کوشش کرو۔ یہ نو عمر لڑکا بھاؤ کا خط لے کر شجاع الدولہ کے پاس آیا اور شجاع الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کے پاس جانے کی تیاری شروع کی۔ دراصل بھاؤ ایک جنگی چال چل رہا تھا اور صلح کے پیغام بھیج کر مسلمانوں کو لڑائی کی مستعدی سے غافل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک طرف تو اس نے اپنے ذاتی مقرب خدمت گار کو اپنے ہاتھ کا خط دے کر شجاع الدولہ کے پاس بھیجا اور دوسری طرف تمام سرداروں کے نام حکم جاری کر دیا کہ آج رات پچھلے پہر کو مسلمانوں پر ایک عام دھاوا کیا جائے گا۔ چال یہ تھی کہ مسلمان صلح کے خیال میں رہیں اور ان پر غفلت میں حملہ کر دیا جائے۔ نواب شجاع الدولہ کے مورخ یعنی مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ نواب صاحب بھاؤ کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پڑھ کر چاہتے تھے کہ احمد شاہ کے پاس جائیں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ یکایک شجاع الدولہ کا ایک خاص خبر رساں ہرکارہ بھاگا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ بھاؤ کی فوجوں نے حملہ شروع کر دیا ہے۔ نواب صاحب فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر احمد شاہ کے پاس گئے۔ احمد شاہ خواب گاہ میں جا چکے تھے اور سب افغان امرا بھی بے خبر پڑے سوتے تھے۔ شجاع الدولہ نے احمد شاہ کے ذاتی ملازموں سے کہا بادشاہ کو جگاؤ۔ ایک ضروری خبر لایا ہوں۔ احمد شاہ کو جگایا گیا۔ انہوں نے خواب گاہ کا پردہ ہٹا کر سر باہر نکالا اور کہا نواب صاحب کیا خبر ہے؟ شجاع الدولہ نے کہا حضور جلدی باہر تشریف لائیں۔ خبر بہت بری ہے۔ احمد شاہ فوراً کپڑے پہن کر باہر آگئے اور گھوڑا منگایا۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کے حملے کی خبر سنائی۔ احمد

شاہ نے پوچھا یہ خبر کہاں سے ملی؟ انہوں نے اپنے ہرکارے کا نام لیا۔ احمد شاہ نے فوراً حکم دیا کہ ساری فوج میں تیار ہو جانے کا حکم پہنچا دیا جائے۔ اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے ساتھ باہر آئے۔ یکایک احمد شاہ کی فوج کے چند یتیم سامنے آئے۔ اور انہوں نے کہا ہم نے مرہٹوں کی چھاؤنی لوٹ لی ہے۔ احمد شاہ نے شجاع الدولہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ نواب صاحب آپ نے سنا یتیم کیا کہتے ہیں؟ اگر مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے تو انہوں نے ان کی چھاؤنی کیونکر لوٹ لی؟ شجاع الدولہ نے جواب دیا۔ چونکہ مرہٹے اپنی فوجوں کو لے کر خیموں سے باہر آگئے ہیں ان کے کسی خالی خیمے کو ان یتیموں نے لوٹ لیا ہو گا۔ میں نے جو خبر سنی ہے بالکل ٹھیک ہے۔ یکایک احمد شاہ نے دیکھا کہ دور سے مرہٹوں کی فوجیں آہستہ آہستہ بڑھی چلی آتی ہیں اور ان کا توپ خانہ بھی حرکت میں ہے۔ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی اور میدان میں اتنا اجالا ہو چکا تھا کہ مرہٹوں کی فوجیں دور سے آتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھیں۔ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹہ فوجوں کو جب اپنی آنکھ سے آتا دیکھ لیا تو اس کو شجاع الدولہ کی اطلاع کا یقین آگیا۔ احمد شاہ نے اس وقت ایسی پھرتی دکھائی کہ شجاع الدولہ بھی حیران رہ گئے۔ کیونکہ دو دن سے صلح کے پیغام سلام بھیج کر بھاؤ نے سب مسلمانوں کو لڑائی سے غافل کر دیا تھا۔ خود شجاع الدولہ بھاؤ کے آخری خط کو پڑھ کر جو بھاؤ کے ذاتی خدمت گار کے ہاتھ پہنچا تھا یہ خیال کر رہے تھے کہ آج صبح ضرور صلح ہو جائے گی۔ کیونکہ بھاؤ کو شجاع الدولہ نے صبح گنیش پنڈت اور کاشی راؤ کی معرفت خبر بھیج دی تھی کہ احمد شاہ صلح کے لئے راضی ہیں۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش بھی راضی ہیں۔ صرف نجیب الدولہ راضی نہیں ہیں۔ سو ان کو کل تک میں راضی کر لوں گا۔ اور شجاع الدولہ کو جب بھاؤ کا آخری دستی خط پہنچا تو شجاع الدولہ کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ خط دکھا کر نجیب الدولہ کو بھی راضی کر لوں گا۔

مگر شجاع الدولہ اگرچہ نو عمر اور ناتجربہ کار تھا پھر بھی ہندوستان کا وزیراعظم کہلاتا تھا۔ جونہی ہرکارہ خبر لایا کہ مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے وہ سمجھ گیا کہ بھاؤ نے مجھے بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے وہ دوڑا ہوا احمد شاہ کے پاس گیا اور اس کو خبر دی کہ مرہٹوں نے حملہ شروع کر دیا ہے۔ چونکہ احمد شاہ کو بھی یقین تھا کہ صلح ہو جائے گی اس لئے اس کو بھی یقین نہ آتا تھا کہ مرہٹوں نے سچ مچ حملہ کیا ہے یا ہرکارے نے غلط خبر دی ہے۔

صلح کی کوشش، جنگ کی تیاری، جنگ عظیم

مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ میں نواب شجاع الدولہ کے ساتھ تھا جب کہ وہ احمد شاہ کو حملے کی خبر دینے آئے تھے۔ اور میں نے حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش اور خود احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کو بالکل غافل سوتا پایا تھا۔ صرف نجیب الدولہ کے لشکر میں کچھ چہل پہل اور ہوشیاری اور بیداری نظر آتی تھی۔

مگر جوں ہی احمد شاہ نے مرہٹہ فوج کو خود اپنی آنکھ سے آتا دیکھ لیا تو اس نے بغیر کسی گھبراہٹ کے نواب شجاع الدولہ سے کہا۔ ”اچھا خدا حافظ آپ بھی تیاری کیجئے۔ بھاؤ نے آپ کو بھی دھوکہ دیا اور مجھ کو بھی دھوکہ دیا۔ مگر آج معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا بہت مشکل ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا ”سب کو تیار ہو جانے کا حکم دو۔“

مورخ عماد السعادت لکھتا ہے نواب شجاع الدولہ وہیں کھڑے رہے۔ وہ اپنے خیمے میں نہ گئے۔ کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ احمد شاہ کی فوج اور دوسرے امیروں کی فوجیں جلدی مغلوب ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ دشمن سامنے آچکا ہے۔ اور مسلمان ابھی کچھ جاگے ہیں اور باقی پڑے سوتے ہیں۔ نواب شجاع الدولہ نے احمد شاہ کو رخصت کر کے مرہٹوں کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اور شاید ہم سب ایک گھڑی مرہٹوں کی طرف متوجہ رہے ہوں گے کہ پھر جو گردن موڑ کر مسلمانوں کی طرف نظر دوڑائی تو ہر مسلمان گھوڑے پر سوار تھا اور ہر پیدل ہتھیار لئے ہوئے صف میں آگیا تھا اور لشکر میں دریا کی سی لہریں آگئی تھیں۔ جہاں ابھی کچھ بھی نہیں تھا وہاں پلک جھپکاتے ہزاروں مسلمان صف بستہ دکھائی دینے لگے۔

نواب شجاع الدولہ نے گھوڑا بڑھایا اور اپنے خیموں کی طرف چلنا شروع کیا اور مجھ سے فرمایا۔ ”جب میں آیا تھا تو میرے دل میں یہ بات تھی کہ مرہٹوں نے مجھے بھی دھوکہ دیا اور اب مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے میرا منہ کالا ہو جائے گا۔ کیونکہ مرہٹے مسلمانوں کو غفلت میں حملہ کر کے فنا کر دیں گے اور تاریخوں میں لکھا جائے گا کہ شجاع الدولہ نے دھوکہ کھایا۔ یا ہندوؤں سے مل کر مسلمانوں کو نیست نابود کرایا۔ مگر اب میرے دل میں ہے کہ مسلمان اس میدان میں ضرور فتحیاب ہوں گے اور فتحیاب نہ ہوں تو غفلت میں مارے نہ جائیں گے۔ اب تک میرا ارادہ لڑنے کا نہیں تھا مگر اب مجھ پر بھاؤ کی چالبازی سے یہ اثر ہوا ہے کہ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دوں۔ اور تلوار میان سے نکال کر مرہٹوں کا مقابلہ کروں“۔

ابراہیم خاں گاردی سے درانی کی استدعا

مرہٹوں کے آتش خانے یعنی توپ خانے کا افسر ایک افغان تھا۔ ابراہیم خاں گاردی نام تھا اور ہزاروں افغان اس کے ماتحت تھے۔ جب پانی پت کے میدان میں مورچہ بندی ہو گئی' تو احمد شاہ ابدالی نے ابراہیم خاں گاردی کو پیغام بھیجا تھا کہ یہ لڑائی ملکی نہیں ہے' بلکہ دینی ہے' ہندو مسلمانوں کو اور اسلام کے نام کو ہندوستان سے فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم چونکہ افغان ہو اور مسلمان ہو اور تمہارے ساتھ ہزاروں افغان مسلمان بھی ہیں۔ اپنا ایمان خراب نہ کرو اور مرہٹوں سے الگ ہو کر ہمارے پاس آجاؤ۔ اور یا مرہٹوں سے کہہ دو کہ چونکہ انہوں نے صاف صاف اور کھلم کھلا اعلان کر دیا ہے کہ یہ لڑائی مسلمانوں کو اور اسلام کو ہندوستان سے فنا کر دینے کی غرض سے ہے۔ اس لئے ہم اس لڑائی میں کسی کا ساتھ نہیں دیں گے۔ الگ رہیں گے۔ اور جب ملکی لڑائی کہیں ہو گی تو اس میں شریک ہو کر حق نمک ادا کریں گے۔

ابراہیم خاں گاردی نے جواب دیا تھا "حضور کو معلوم ہے کہ میں افغان بھی ہوں اور مسلمان بھی ہوں اور افغان مسلمان کبھی اپنے آقا کو دھوکہ نہیں دیا کرتے۔ پس میں کیونکر بھاؤ کا ساتھ چھوڑ سکتا ہوں۔ میں نے ساری عمر بھاؤ کا نمک کھایا ہے۔ میں حضور کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ لڑائی دین کی ہو یا دنیا کی ہو میں تو نوکر ہوں اور جس کا نوکر ہوں اس کے ساتھ ہی رہوں گا۔ وہ مرے گا تو میں بھی مرجاؤں گا۔ اور وہ زندہ رہے گا تو میں بھی زندہ رہوں گا۔"

عمادالسعادت میں لکھا ہے کہ شجاع الدولہ کے ہندو وکیل کاشی راؤ نے گنیش دت سے کہا تھا کہ جب مرہٹہ فوجوں نے حملہ شروع کیا تو ابراہیم خاں گاردی بھاؤ کے سامنے گیا اور کہا:

اگرچہ آپ نے اور بالا جی پیشوا نے بے وجہ اس لڑائی کو دین کی لڑائی بنا دیا ہے ورنہ حقیقت میں یہ ملکی لڑائی ہے۔ پھر بھی میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ لڑائی دین کی ہو یا دنیا کی ہو میں اور میرے ساتھی مسلمان آپ پر قربان ہو جائیں گے۔ اور کوئی کمی اپنے ہم قوم افغانوں اور اپنے ہم مذہب مسلمانوں سے لڑنے میں نہیں کریں گے۔

میں ہمیشہ اپنی فوج کے خرچ کے لئے آپ سے اور آپ کی حکومت سے لڑا جھگڑا کرتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ آپ کا دل میری گذشتہ گستاخیوں سے اور پونہ والی درباری تقریر سے ناراض ہو۔ مگر آج آپ دیکھ لیں گے کہ مسلمان اور افغان کیسے وفادار اور کیسے جاں نثار ہوتے ہیں۔

ابراہیم نے جو کچھ کہا تھا ویسا ہی کیا۔ چنانچہ ابراہیم ہی کے حملے سے حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی افغان فوجوں میں افراتفری پیدا ہوئی تھی اور ابراہیم نے ہزاروں افغانوں کو اپنی آتش باری سے بھون ڈالا تھا۔ اور ان سب کو بھگا دیا تھا۔

جنگ کا ہولناک آغاز و انجام

مصنف عماد السعادت کا بیان ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے مرہٹوں نے حملہ شروع کیا تھا اور دوپہر تک ابراہیم خاں گاردی کی آتش باری نے اور مرہٹوں کی جاں بازی نے مسلمانوں کو ہر مورچے سے پیچھے ہٹنے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کا لال خیمہ میدان جنگ سے ایک کوس دور ایک اونچے ٹیلے پر لگا ہوا تھا اور احمد شاہ وہاں بیٹھے ہوئے فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ ان کے جنگی ہرکارے میدان کی خبریں لاتے تھے اور شاہی حکم مختلف سرداروں کے نام لے کر گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ مسلمانوں کی ترتیب اس طرح تھی کہ دائیں بائیں بازوؤں پر حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش اور نواب نجیب الدولہ اور نواب شجاع الدولہ کی فوجیں صف بستہ تھیں۔ اور قلب میں یعنی درمیانی حصے میں احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم اشرف الوزراء اور نامی سرداروں کی صف بندی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے شاہ پسند خاں کو نواب نجیب الدولہ کی پشت پر رکھا تھا تاکہ مرہٹے ان کی پشت پر سے حملہ نہ کرنے پائیں۔ کیونکہ مرہٹے سب سے زیادہ نجیب الدولہ کے دشمن تھے اور احمد شاہ نے اپنے خیمے کی حفاظت کے لئے بھی ایک بڑی فوج مقرر کر رکھی تھی۔

دوسری طرف مرہٹوں نے بھی اپنے دائیں بائیں بازوؤں پر نامی سرداروں کو رکھا تھا اور قلب میں خود بھاؤ اور بسواس راؤ تھے۔

جب ابراہیم خاں گاردی کی آتش باری اور اس کے افغان ساتھیوں کی شمشیر زنی کے سامنے حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی فوجیں بھاگ نکلیں تو بھاؤ اور بسواس راؤ نے ایک بڑا زور دار حملہ احمد شاہ کے وزیر اعظم کی فوج پر کیا جو قلب میں تھی اور وہ حملہ اتنا سخت تھا کہ اشرف الوزراء کی پشت پر جتنی افغان فوجیں تھیں وہ بھی سب بھاگ نکلیں۔

عماد السعادت کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب چاروں طرف کی مسلمان فوجیں بھاگنے لگیں تو ہندوؤں نے ایک اور نئے جوش کے ساتھ نہایت سخت حملہ کیا۔ اس وقت تک نواب شجاع الدولہ کی فوج خاموش کھڑی تھی اور نواب نجیب الدولہ کی فوج نے بھی حملہ شروع نہیں کیا تھا۔ حریف کا جو دستہ نواب شجاع الدولہ کی فوج کی طرف آتا تھا کترا کے آگے بڑھ جاتا تھا۔ گویا بھاؤ نے حکم دیدیا تھا کہ شجاع الدولہ پر حملہ نہ کیا جائے۔ البتہ مرہٹوں کا ہر دستہ نجیب الدولہ پر دیوانہ وار حملے کرتا تھا۔ مگر نجیب الدولہ نے اپنا مورچہ بہت مضبوط بنایا تھا۔ ان کی

فوج کے آگے بیلداروں کی صف تھی اور نجیب الدولہ کے سپاہی اپنے مورچے کے اندر سے بان اور تیر چلاتے تھے۔ مورچے سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

جب نواب شجاع الدولہ نے دیکھا کہ مرہٹوں کا زور درمیانی حصے پر یعنی قلب پر بہت زیادہ ہے اور افغان لگاتار بھاگ رہے ہیں تو انہوں نے مجھے (مصنف عمادالسعادت کو) حکم دیا کہ تم جاؤ اور وزیر اعظم کا حال پوچھو۔ میں گھوڑا دوڑا کر اشرف الوزراء کے پاس گیا۔ وہ زمین پر کھڑے تھے اور بہت پریشان تھے۔ جب میں نے ان کو نواب صاحب کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے جواب دیا افغان بھاگ رہے ہیں اور انہوں نے مجھ کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ شجاع الدولہ سے کہو جلدی آئیں اور میری مدد کریں۔ میں فوراً" شجاع الدولہ کے پاس آیا اور سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ آپ کی مدد چاہتے ہیں۔ شجاع الدولہ نے جواب دیا میں کیونکر اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہوں حالات بہت نازک ہیں۔

یکایک میں نے دیکھا کہ احمد شاہ کے ہرکارے بھاگنے والوں کو مار مار کر واپس لا رہے ہیں اور شاہ پسند خاں بھی اپنی فوج لے کر نجیب الدولہ کی فوج سے ہٹ آئے ہیں اور قلب کی امداد کے لئے بڑھ رہے ہیں اور احمد شاہ ابدالی بھی خود گھوڑے پر سوار ہو کر آگئے ہیں اور ان کی محافظ فوج بھی آگئی ہے اور قلب کی حالت بہت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ مرہٹے جو سیلاب کی طرح بڑھے چلے آتے تھے اپنی جگہ پر رک گئے ہیں۔

نجیب الدولہ کی کارفرمائیاں

میں نے دیکھا وزیراعظم کو کمک پہنچی۔ احمد شاہ خود وہاں آگئے اور شاہ پسند خاں اور برخوردار خاں وغیرہ سرداروں نے تکبیروں کے نعرے لگا کر بھاؤ اور بسواس راؤ پر حملہ کیا تو نجیب الدولہ نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی۔ مگر ان کی حرکت بہت ہی دلچسپ تھی۔ بیلداروں کی صف آگے بڑھتی تھی اور ان کے دائیں بائیں جو صفیں تھیں وہ دشمن پر بان پھینکتی تھیں اور گولیاں چلاتی تھیں اور تیر چلاتی تھیں اور جب اس مار سے مرہٹے پیچھے ہٹتے تھے تو بیلداروں کی صف آگے بڑھ جاتی تھی۔ اس طرح آہستہ آہستہ نجیب الدولہ بڑھتے بڑھتے دو کوس آگے بڑھ گئے اور بھاؤ اور بسواس راؤ کی فوجوں کی پشت پر آگئے۔ اس طرح بھاؤ اور بسواس راؤ چاروں طرف سے گھیرے میں آگئے۔ ان کے سامنے احمد شاہ کی فوجیں تھیں اور حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں اور نواب احمد خاں بنگش کی بھاگی ہوئی فوجیں بھی واپس آگئی تھیں اور گھیرے میں شریک ہو گئی تھیں اور پشت پر نجیب الدولہ نے مرہٹوں کے بھاگنے کا راستہ روک دیا تھا۔ صرف نواب شجاع الدولہ کی فوج انصاف کرنے کے لئے چپ چاپ کھڑی تھی۔

ایسا گھمسان کارن پڑ رہا تھا جس کو الفاظ میں ادا کرنا ناممکن ہے۔ بانوں کی آوازیں بے شمار قمقموں کی صدائیں بلند کرتی تھیں۔ توپیں گرج رہی تھیں۔ بندوقوں کی باڑیں چل رہی تھیں۔ تیر اڑ رہے تھے اور اس کثرت سے تیروں کی بارش تھی کہ میدان پر ایک گھٹا سی چھائی ہوئی تھی۔ تلواریں چمک رہی تھیں اور لڑائی تلواروں سے' خنجروں سے' چھریوں سے اور کٹاروں سے شروع ہو گئی تھی۔ ہندو "جے بھوانی" اور "ہر ہر۔ مہادیو" کے نعرے لگاتے تھے اور مسلمان تکبیریں پڑھتے تھے اور "یاعلی" کے نعرے لگاتے تھے۔ زخمیوں کی چیخ وپکار سے میدان جنگ گونج رہا تھا۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ نواب شجاع الدولہ نے مجھ سے پوچھا کیا خیال کرتے ہو۔ کیا مسلمان پھر بھاگ جائیں گے؟ ہندوؤں کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ میں نے دست بستہ ہو کر عرض کی "اللہ کا ارادہ سب پر غالب ہے۔" ابھی یہ بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ غل کی آواز آئی "بسواس راؤ مارا گیا۔" اور "بھاؤ بھی مارا گیا۔" اور مسلمانوں نے دیوانہ وار جوشیلی آوازوں سے تکبیریں پڑھنی شروع کیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر قریب گیا۔ مگر ایسی قیامت دیکھی کہ فوراً واپس چلا آیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ مرہٹوں نے بھاگنا شروع کیا۔ لیکن چونکہ احمد شاہ ابدالی نے حکم دیدیا تھا کہ ایک ہندو بھی میدان جنگ سے زندہ نہ جانے پائے۔ اس واسطے میں نے دیکھا کہ ہر بھاگنے والے کے پیچھے ایک ایک افغان گھوڑا دوڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ اور دوسرے دن معلوم ہوا کہ میدان جنگ سے چالیس چالیس کوس دور تک ہندوؤں کی لاشیں دستیاب ہوئیں جن کو تعاقب کرنے والے مسلمانوں نے شاہی حکم کے بموجب قتل کیا تھا۔

الغرض سورج چھپنے سے پہلے پہلے لڑائی ختم ہو گئی۔ کوسوں تک ہندوؤں کی لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ ۳ لاکھ مرہٹہ فوج میں سے گنتی کے کچھ آدمی اور دو تین سردار جان بچا کر بھاگ سکے۔ باقی سب کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

میدان جنگ سے کون کون بھاگا؟

اگرچہ لڑائی شام سے پہلے پہلے ختم ہو گئی تھی۔ لیکن بھاگنے والوں کا تعاقب اور قتل و خوں ریزی کا بازار رات بھر گرم رہا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ بھاؤ کی رانی اپنے غلام کے ساتھ میدان جنگ سے فرار ہو کر ڈیک کے قلعے میں پہنچی اور سورج مل نے اس کو عزت کے ساتھ جھانسی پہنچا دیا۔ راجہ ملہار راؤ ہولکر بھی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ درانیوں نے بہت دور تک ان کا تعاقب کیا۔ دتاجی گائیکواڑ بھی سلامتی سے فرار ہو گئے۔ مہاجی پٹیل سندھیا

سخت زخمی ہوئے تھے ان کو ان کی ریاست کا ایک مسلمان بچا کر لے گیا۔ مگر جھنکو جی سندھیا گرفتار ہو گئے۔

صبح کو احمد شاہ ابدالی اپنے سرداروں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے اور انہوں نے شہیدوں کی لاشوں کو جمع کر کے کئی گنج شہیداں تیار کرائے۔ دو دو سو شہید ایک ایک گنج شہیداں میں دفن کئے گئے۔ اس کے بعد مرہٹہ سرداروں کی لاشیں تلاش کی گئیں۔ نواب شجاع الدولہ سقوں کو ساتھ لے کر آئے اور لاشوں کو دھلوا دھلوا کر دیکھا۔ بسواس راؤ کی لاش ایسی صاف ملی کہ کہیں خاک و خون کا نشان نہ تھا۔ اس کے تین زخم لگے تھے ایک بھوں پر تیر کا زخم تھا۔ دوسرا گردن پر تھا۔ تیسرا کان کے پاس تھا۔ بیان کیا گیا کہ بسواس راؤ گھوڑے سے گرا تو اس کے آدمیوں نے اس کی لاش کو خاک اور خون سے فوراً صاف کر دیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ مگر مسلمانوں کو مار دھاڑ سے گھبرا کر بھاگ گئے۔

بسواس راؤ اور بھاؤ کا قتل

جب بسواس راؤ کے نوکر لاش چھوڑ کر بھاگ گئے تو درانی یہ لاش اٹھا کر اپنے خیموں میں لے گئے۔ اور کہا یہ ہندوؤں کے بادشاہ کی لاش ہے۔ ہم اس کو سکھا کر کابل لے جائیں گے، اور وہاں سب کو دکھائیں گے۔

عمادالسعادت کا بیان ہے کہ بسواس راؤ کم عمر لڑکا تھا اور بہت ہی خوبصورت تھا۔ جب احمد شاہ کے سامنے بسواس راؤ کی لاش لائی گئی تو وہ رونے لگے اور ان کے امیروں اور وزیروں کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ ہر شخص اس کے حسن و جمال اور اس کی جواں مرگی کا ذکر کر کے افسوس کرتا تھا۔ نواب شجاع الدولہ نے احمد شاہ سے کہا یہ لاش فدوی کو دیدی جائے تاکہ میں ہندوؤں کے حوالے کر دوں اور اس کو اپنے مذہب کے موافق جلا دیں۔ درانی سرداروں نے کہا ہم یہ لاش نہیں دیں گے۔ ہم اس کو سکھا کر افغانستان لے جائیں گے۔ احمد شاہ نے دیکھا کہ جھگڑا بڑھ جانے کا ڈر ہے تو انہوں نے حکم دیدیا کہ لاش ہندو برہمنوں کو دیدی جائے اور ہماری ذاتی فوج کا ایک دستہ ساتھ رہے تاکہ لاش جلانے میں کوئی درانی دخل نہ دے سکے۔ ہم نہیں چاہتے کہ مرہٹوں کے پیشوا کے بیٹے کی لاش رواں دواں ہو۔ کیونکہ ہم کو اپنے رسولؐ کی حدیث یاد ہے جس میں فرمایا ہے کہ دوسری قوموں کے ان سرداروں کی عزت کرو جو ذلت میں مبتلا ہو گئے ہوں۔

تھوڑی دیر میں خبر آئی کہ بھاؤ کی لاش بھی مل گئی ہے۔ مگر اس پر سر نہیں ہے۔ احمد شاہ

نے پوچھا کیا یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لاش بھاؤ کی ہے؟ کہا گیا اس کے ساتھی برہمنوں نے جسم کے نشانات پہچان کر بتایا ہے کہ یہ لاش بھاؤ کی ہے۔ حکم ہوا کہ اس کو بھی بسواس راؤ کی لاش کے ساتھ جلا دیا جائے۔

شجاع الدولہ مرہٹوں کی دوستی کا حق ادا کرتے پھرتے تھے۔ لاش جل جانے کے بعد انہوں نے بھاؤ کے سر کی تلاش کی۔ جب وہ لاشوں میں سر کو تلاش کر رہے تھے تو دور کھڑا ہوا ایک درانی افغان مسکرا رہا تھا۔ نواب صاحب نے اس کو بلا کر پوچھا۔ اس نے کہا ایک شخص کو میں نے زخمی کیا تھا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ کوئی سردار ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوسرے مرہٹوں کو قتل کرنے بڑھ گیا۔ مڑ کر دیکھا کہ وہ سردار اپنے نیزے کے سہارے کھڑا ہوا۔ اور میدان جنگ کو چاروں طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ہائے کا نعرہ لگایا۔ ہم سب واپس آئے اور ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔

شجاع الدولہ نے پوچھا اس کا سر کہاں ہے؟ درانی نے کہا میں نہیں جانتا کہاں ہے۔ اس سے شجاع الدولہ کو شک ہوا اور وہ اس درانی کا نام اور پتہ پوچھ کر احمد شاہ ابدالی کے وزیر اعظم کے پاس گئے اور ان سے سارا حال بیان کیا۔ وزیر اعظم نے اس درانی کو بلایا اور کہا جواہرات کا اور موتیوں کا جو کنٹھا سر کاٹتے وقت تو نے بھاؤ کے گلے سے اتارا تھا وہ تیرا ہے اور تجھ کو معاف ہے۔ تجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔ تو ہم کو اس کا سر دیدے۔ تاکہ ہندو ہم کو یہ طعنہ نہ دیں کہ مسلمانوں نے ہمارے سپہ سالار کا سر جواہرات کے لالچ کے سبب چھپا لیا۔ تب وہ درانی اپنے خیمے میں گیا اور کپڑے میں بندھا ہوا ایک سر لایا اور وزیر اعظم کے سامنے ڈال دیا۔ نواب شجاع الدولہ کے برہمن وکیل نے پہچان لیا کہ یہی بھاؤ کا سر ہے۔ اور وزیر اعظم نے احمد شاہ کی اجازت لے کر وہ سر بھی ہندوؤں کو دیدیا۔ اور انہوں نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ میدان جنگ میں اس کو جلا دیا۔ جب سر جل رہا تھا تو ہزاروں ہندو چاروں طرف کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔

جھنکوجی سندھیا کس طرح قتل ہوا

شجاع الدولہ کے وکیل کاشی راؤ کا بیان ہے کہ میں سردار برخوردار خاں کے وکیل موتی لال کے پاس گیا اور موتی لال مجھ کو ایک خیمے میں لے گیا۔ جہاں جھنکوجی سندھیا بندھے ہوئے بیٹھے تھے اور زخمی تھے۔ جھنکوجی بیس سال کے نوجوان تھے۔ کاشی راؤ کو دیکھ کر رونے لگے اور کہا کاش میں میدان جنگ میں مارا جاتا اور یہ ذلت مجھے نصیب نہ ہوتی۔ میں نے ان کو تسلی دی

اور کہا دنیا میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ آپ دل کو سنبھالئے۔ رونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ جھنکو جی نے کہا یہ لوگ میری جان کا فدیہ سات لاکھ روپے مانگتے ہیں۔ میں روپیہ کہاں سے دوں۔ تم نواب شجاع الدولہ سے کہو کہ ▪ روپیہ دے کر مجھے قید سے چھڑا لیں۔ میرے والد یہ روپیہ فوراً ادا کر دیں گے۔ کاشی راؤ نواب صاحب کے پاس گئے اور نواب صاحب فوراً وزیراعظم کے پاس گئے۔ وزیراعظم ان کو احمد شاہ کے پاس لے گئے اور چونکہ وزیراعظم کی سردار برخوردار خاں سے عداوت تھی اس واسطے وزیراعظم نے جھنکوجی کے معاملے کو بادشاہ سے بہت نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا ابھی لوگ جائیں اور برخوردار خاں سے جھنکوجی کو لے آئیں۔ شاہی افسروں کے پہنچنے سے پہلے برخوردارخاں کو اس کی خبر مل گئی۔ اور اس نے شاہی عتاب سے بچنے کے لئے اپنے آدمیوں سے اشارہ کر دیا کہ جھنکوجی کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ بے چارے جھنکوجی سندھیا کو خبر نہیں کہاں لے جا کر مار ڈالا گیا۔

گاردی کی گرفتاری اور موت

اسی دن ابراہیم خاں گاردی احمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بہت زخمی تھا۔ اس نے احمد شاہ سے کہا مجھے زندہ رکھئے۔ اب میں آپ کی خدمت کیا کروں گا۔ نواب شجاع الدولہ نے بھی سفارش کی۔ مگر درانی سردار بگڑ کر بولے "اس نے ہمارے بہت سے افغانوں کو شہید کیا ہے۔ ہم اس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔" احمد شاہ نے جوش و خروش کی حالت دیکھ کر ابراہیم خاں کو ایک سردار کے حوالے کر دیا کہ تم اس کے زخموں کا علاج کرو۔ مگر ابراہیم خاں زخموں کی وجہ سے مر گیا اور نواب شجاع الدولہ نے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا۔

شمشیر بہادر کا انجام کیا ہوا؟

باجی راؤ پیشوا کا بیٹا شمشیر بہادر جس کو بھاؤ نے مجبور کر کے مسلمان کرا دیا تھا۔ بھاؤ کے ساتھ میدان جنگ میں بڑی بہادری سے لڑا اور زخمی ہو کر بھاگا اور راجہ سورج مل کے پاس پناہ لی اور وہیں زخموں کی تکلیف سے وفات پائی۔ سورج مل نے اسلامی رواج کے موافق قبر میں دفن کرایا اور ڈیک ریاست بھرت پور میں اب بھی اس کی قبر موجود ہے۔ اس کا بیٹا علی بہادر بہت نامی گرامی مسلمان تھا اور اس نے ایک چھوٹی سی ریاست اپنی بہادری سے قائم کر لی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے تین لاکھ روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی تھی۔

پونہ میں صف ماتم بچھ گئی

جب پانی پت کی ہار کی خبر پونا میں بالاجی پیشوا کو پہنچی تو وہ اپنے کم عمر بیٹے اور بہادر بھائی کے مارے جانے کی خبر سے نیم مجنون ہو گیا اور کئی دن پونا میں کہرام مچا رہا۔ آخر پیشوا نے سوگ چھوڑا اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تیاری شروع کی۔ کیونکہ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ احمد شاہ ابدالی پانی پت سے دہلی میں آیا اور چند روز دلی میں رہا۔ مگر اپنے درانی سپاہیوں کی شورش سے مجبور ہو کر افغانستان چلا گیا۔

بالاجی پیشوا نے کہا یہ لڑائی نجیب الدولہ نے کرائی تھی اور نجیب الدولہ ہی نے میدان جنگ میں پیچھے سے آکر میرے بیٹے اور میرے بھائی پر وار کیا تھا۔ اب میں دہلی کو اور افغانی ریاستوں کو اور نجیب الدولہ کی ریاست کو خاک سیاہ نہ کر دوں تو میرا نام بالاجی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے سب مرہٹہ سرداروں کو خطوط لکھے اور بہت جلدی پانچ لاکھ فوج جمع کر لی اور بڑے کروفر سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

نظام دکن کی پونہ پر کامیاب یلغار

جب یہ خبر حیدر آباد کے نواب نظام علی خاں کو پہنچی کہ پیشوا پانچ لاکھ فوج لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا ہے تاکہ دہلی کی بادشاہی اور افغانوں کی ریاستوں کا نام و نشان مٹا دے تو وہ فوراً حیدر آباد سے ایک جمعیت مسلمانوں کی لے کر پونہ پر چڑھ دوڑے۔

عمادا لسعادت کا بیان ہے کہ بالاجی پیشوا پونا سے پانچ منزل تک پہنچا تھا کہ نظام علی خاں پونا میں آگیا اور اس نے پونا کو لوٹا اور ہر گھر میں آگ لگا دی۔ اور پیشوا کے محلات کو بھی جلا کر اور مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ اور اس کے بعد یلغار کرتا ہوا حیدر آباد واپس چلا گیا۔ اور وہاں جا کر اپنی حفاظت کی تیاریاں کرنے لگا۔

پیشوا نے یہ خبر سنی تو وہ پانچ منزل سے واپس پھرا۔ اور سیدھا پونا میں آیا۔ اور پونا کی تباہی دیکھ کر بہت رویا۔

- شاید ایک سکھ کے لیے یہ بات حیرت انگیز سمجھی جائے کہ اس نے اپنا موضوع تحقیق ایک افغان ہیرو کو بنایا ہے۔
- تقریباً 23 سال ہوئے جب شمالی ہند کے واقعات و حوادث جو اٹھارویں صدی عیسوی سے متعلق تھے دوران تحقیق و تجزیہ میرے زیر مطالعہ آئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جس شخصیت سے میں متاثر ہوا اور سب سے پہلے جس نے میرے دل و دماغ پر ایک نہ مٹنے والا نقش قائم کیا وہ احمد شاہ درانی تھا۔ کوئی شبہ نہیں وسط ایشیا کا وہ بہت بڑا تاریخی معجزہ تھا۔
- مجھے مسرت ہے اور ایک گونہ فخر بھی محسوس کرتا ہوں کہ میں نے پٹھانوں کی کچھ خدمت احمد شاہ درانی جیسے مرد جلیل اور مرد عظیم کی سوانح لکھ کر انجام دی۔
- احمد شاہ درانی کی یہ سوانح عمری ایک سادہ سی چیز ہے جس میں تصنع یا نمائش یا لیپ پوت کا ذرا بھی دخل نہیں۔ یہ ایک ایسی قوم کے بطل جلیل کی سوانح ہے جو خود بھی مدح و فریب اور دل کی کھوٹ سے خالی ہے اور اس کا یہ ترجمان اور نمائندہ بھی۔

گنڈا سنگھ

اکرم آرکیڈ، ۲۹۰ ٹیمپل روڈ (صفانوالا چوک) لاہور پاکستان فون: ۴۲۲۸۰۱۳

پڙهندڙ نسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين ”اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻڪَ ”لُڙهندڙ نسُل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، جُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندڙُ، ياڙي، ڪاٺُو، ياڇوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سڀني وِچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڀاڱي آهيون. ڪتابن کي ڪاغَر تان کڻي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪ ٻِئي کي ڀُولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نَسل (پَـنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪـو بـہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهـڙي دعويٰ ڪري ٿـو تـہ پَڪَ ڄاڻو تـہ اُهـو ڪُـوڙو آهي. نـہ ئي وري پَـنَ جي نالي ڪي پئسا گَڏ ڪيا ويندا. جيڪڏهن ڪـو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بہ ڪُوڙو آهي.

جَهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پڙهندڙ نَسُل وارا پَـنَ بہ مختَلِف آهـن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، ہَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بـہ ٿـي سگهن ٿـا. ٻيـن لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصيِ ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نـہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَـنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِيـن. اهڙي حالت ۾ پَـنَ پاڻ هِڪَبِئي جي مدد ڪَـرڻ جـي اُصـولَ هيـٺ ڏي وَٺُ ڪنـدا ۽ غيرتجـارتي non-commercial رهنـدا. پَـنَ پـاران ڪتـابن کـي ڊِجيِٽـائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪـو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيِٽائِيز ڪرڻ کان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪـو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَـنَ سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي کُليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَس پٽاندڙ وڏِ کان وَڏِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکَڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي همٿائِن. پر ساڳِئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران کَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻَ، سمجهَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جئن جئن جاڙ وڌي ٿي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛

ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلهہ نيلا پيلا آهن:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،

جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!

مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،

جنهن رڻ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏُ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اڻڄاڻائي کي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاڻي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَنَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڄي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڻڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چو، ڇالاءِ ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوشَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اٽر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ڀاڪي پائي چيو تہ "منهنجا ڀاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ".
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)